

انتخابِ بخاری شریف

TOOBAA-ELIBRARY.BLOGSPOT.COM

عربی شرح: علامہ زبیر رشیدی مدظلہ
 ترمذی: حکیم و مفتی اشرف علی تھانوی
 ۱۳۹۹ھ

(ترجمہ و تشریح)

انور مجید اعجاز

امام ربیع بن خلیفہ

جلد دوم

پیشرو: ادارۃ اسلامیات، لاہور

۱۳۹۹ھ - ۱۴۴۱ھ - ۲۰۲۰ء

بخاری شریف کی منتخب احادیث کا ترجمہ و تفسیر و تشریح

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

انتخاب بخاری

(ترجمہ و تشریح)

تخریج احادیث

امام بکھاری قدس اللہ سرہ العزیز ۲۵۶ھ

ترجمہ و تفسیر
محکم دلائل و اشرف علی تصانیف
۱۳۶۲ھ

ترجمہ و تفسیر
حضرت مولانا غلام احمد عثمانی
۱۳۹۵ھ

ترجمہ
علامہ ابن ابی حزمہ مالکی اندلسی
۶۹۹ھ

جلد ۱۱

احادیث شریف سے مسائل سلوک و تصورات، مسائل اخلاق و آداب اور مسائل فقہ کے
استنباط پر مبنی کتاب جو ہر دور میں علماء و مفتیان اور دیندار حضرات کی توجہ کا
مستحق طور پر مرکوز رہی ہے۔ بخاری شریف کی منتخب احادیث کی بے نظیر شرح

ناشر

ادارۃ اسلامیات ۱۹ انارکلی لاہور



متعدد کتابوں پر تحریر کیے گئے
تبصروں کا مجموعہ

حسہ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ

مولانا محمد عقیف علی

toobaa-elibrary.blogspot.com

مکتبہ معارف القرآن کراچی

انتخاب بخاری شریف

تالیف: علامہ ابن ابی جرود المدنی۔ اردو ترجمہ و تخریجی فوائد: حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی۔ ناشر: ادارۃ اسلامیات ۱۹۰-۱۹۱ رگلی، لاہور۔ ۲۳۵۳۶
 سارے کے ۶۵۶ صفحات۔ کتابت و طباعت: حیدرآباد، جلد نہیں، قیمت بجلد ڈاکئی دار:
 ۲۶ روپے

علامہ محمد بن ابی جرود رحمۃ اللہ علیہ ساتویں صدی ہجری میں اندلس کے معروف علماء اور شیخ سنت صوفیاء میں سے ہیں۔ انہوں نے صحیح بخاری کی ایک شرح "تہجد المنقوس" کے نام سے لکھی ہے جو بالکل اچھوتے اور نالے انداز میں لکھی گئی ہے، اس شرح میں علامہ موصوف نے اماریت سے تصوف و احسان کے مسائل کا بڑے لطیف و آسانے میں استنباط کیا ہے، جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ تصوف شریعت سے الگ چیز نہیں، بلکہ دین کا اہم جز ہے، اور اس کا اصل ماخذ قرآن و سنت

ہی ہیں۔ علامہ ابنی ابی حمزہ رحمہ اللہ کی اس کتاب میں احادیث کے جو اسرار و معارف، لطیف علمی نکات اور خاص طور پر سائنس کے طریق کو جو ہدایات ملتی ہیں، اس قدر عظیم الشان اور گراں قدر ہیں کہ بعض اوقات ان پر نوح و جبریل بھی ہے، اور لفظ یہ ہے کہ عام طور پر ان معارف و نکات میں تکلف اور آلودہ کا نام نہیں ہے، بلکہ وہ بڑے بڑے سائنس دانوں کے بے تکلف انداز میں احادیث سے مستنبط کئے گئے ہیں۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ سے اللہ تعالیٰ نے اس دور میں دین کے تمام شعبوں، خاص طور پر تصوف و طریق کی تجدید کا کام لیا ہے، آپ کو علامہ ابنی ابی حمزہ کی یہ کتاب ان خصوصیات کی بناء پر بہت پسند تھی، چنانچہ آپ کی خواہش تھی کہ اس کا اردو ترجمہ ہو جائے، آپ کی خواہش کی تکمیل کی سعادت اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی قدس سرہ کے حصے میں لکھی تھی، چنانچہ آپ نے "زخنفۃ الفلکونوس" کے نام سے اس کتاب کا ترجمہ فرمایا اور ترجمے کے ساتھ ساتھ اپنی طرف سے بھی چابھانوشہ کا اضافہ فرمایا، جو علمی اور ترجمتی اعتبار سے بڑے گراں قدر مباحث پر مشتمل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی قدس سرہ کو علم و فضل کا جو مقام بخشا تھا، اس دور میں اس کی نظیر ملنی مشکل ہے، اور یہ کتاب حضرت موصوفؒ کے اسی مقام کی آئینہ دار ہے۔

ہندوستان میں ایک مرتبہ چھپنے کے بعد اب یہ کتاب نایاب ہو چکی تھی، اب ادارہ اسلامیات لاہور نے اس کی اشاعت کا خصوصی اہتمام کر کے علمی حواس رکھنے والوں پر بڑا احسان کیا ہے، امید ہے کہ انشاء اللہ اہل علم اور اہل طریق اس کی قدر دانی کریں گے۔
(ردب المرئوب ص ۱۰۷)

toobaa-elibrary.blogspot.com

toobaa-elibrary.blogspot.com

فہرست

درعہ القدرت (انتخاب بخاری) جلد دوم

پہلی بار کسی طباعت..... جنوری ۱۹۸۱ء

انتظام..... تحریک برادرانہ ۱۹۸۰ء

ناشر..... دارالافتاء اسلامیات ۲۰۰۰ امریکہ بھارت

طباعت..... دفاتر پریس۔ لاہور

قیمت نمونہ ڈال دو

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر
۲۹	تراویح سنت ہے بدعت نہیں	
۲۰	بسن وافر مشغولی نقل پر جائز ہے	
۲۱	بعض ضرورت دنیا حاصل کرنا جائز ہے	
۲۱	حالت کا اعتبار ہی اہم ہے	
	درعہ القدرت (انتخاب بخاری) جلد دوم	
۱۱	شریوں کا لڑنا ہوتا ہے عبادت ہے	
۲۲	سوانح طریقی کو کتبہ سے آباد کیا	
۲۳	کام سے پہلے اس کا اہتمام	
۲۴	چونکہ عیب کے کسی کو ڈرنا	
۲۵	دو جہتی اور دلداری کا ثبوت	
	درعہ القدرت (انتخاب بخاری) جلد دوم	
۲۶	لا کا بروکر کے کہہ دینے کیلئے کیا کرے	
۲۷	سوال سے پہلے اس کا جواب نہیں	
۲۸	کھنڈن کے مال کے باندھے کو نہ لگنا چاہیے	
۲۸	عبادت میں مشغول شخص کو دیکھنا جائز ہے	
۲۸	افزون کے مال کی گھٹت کرنا چاہیے	

درعہ القدرت (انتخاب بخاری) جلد دوم

۱۵۔ حلال میں مکمل حالت کا ابتداء چاہیے

۱۶۔ تکلیف کے بعد وقت دیکھ کر پورا کرنا چاہیے

۱۷۔ نماز کی حد تک طہارت کی ضرورت

۱۸۔ کچھ شریعی امور کے بارے میں شرع نہیں

۱۹۔ تیسری قسم کا سنت ہے

۲۰۔ دلداری تمام احوال سے گزرتی ہے

۲۱۔ حلالیہ سنت، جائزات سے ہے

۲۲۔ نماز میں تعینات اور تعویذ کی ضرورت

۲۳۔ بسن عویذ کی ایک قسم

درعہ القدرت (انتخاب بخاری) جلد دوم

۲۵۔ اہلبیت نبوی کا بہنام کرنا چاہیے

۲۶۔ بدعت کی مذمت

۲۷۔ تمام نمازوں کی تسبیح کا طریقہ

۲۸۔ تراویح کی اصل

۲۹۔ عبادت کا اہل کمال

ملنے کے پتے

دارالافتاء اسلامیات ۱۹۰۰ - امریکہ بھارت

دارالافتاء و اشاعت، لاہور، پاکستان

دارالافتاء اسلامیات، لاہور، پاکستان

کتبہ دارالاسلام، دارالعلوم کراچی ۱۹۰۰

[illegible][illegible]

[illegible][illegible]

[illegible]

[illegible]

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
			(۹۵۸) حدیث: ہجرۃ النبی ﷺ والاخیر علیہا	۵۵۸	نفلہ کی مخالفت
	(۱۰۰) حدیث: من لم یشرک باللہ دخل الجنة	۹۳۸	محمد ﷺ کے سر مبارک پر		(۸۸) حدیث: لو فیت السجود
۹۴۹	سات بیروں پر نفلہ لانا	۹۳۹	بندۂ حق کو کون نہیں روک سکتا	۵۶۶	اسباب: ماش کے اشتہار کے میں حکمت
۹۵۲	تجلیات کا ایک عرب	۹۴۰	بزرگوں کو اگر کچا راستہ بتلائے جائے	۶۰۵	صوفیوں اور ترکیب: اسباب: ماش
۹۵۶	افغانی بزرگان پر کلمہ ہے	۹۴۱	کدرب کی توبہ سے بندہ ثابت کیا نہایت	۶۰۶	کرامت کی دو قسمیں
۹۵۳	بروردہ رضی اللہ عنہ والہ... کے حکم	۹۴۲	فریاد سے فریاد آتے ہیں تمام	۶۰۷	باقی: فقرہات کا مجموعہ
	دوستان کے جاکیں		(۹۴۳) لا حول الا بالله والى موله	۶۰۸	کسب: ماش اور عبادت کے لیے دینی کی ضرورت
۹۵۴	تاریخ: لاکھ ندرت	۹۴۳	کھانہ کے کھانہ پر ہے ؟		(۹۴۴) البیتان بالخیار والحدیث
۹۵۵	تاریخ: لاکھ ندرت	۹۴۴	فروع: حقیقت اور حقیقت کی نیت	۹۴۳	سُئِلَ عَنْ كَيْفِ تَأْتِي الْفِرَقَةُ بِرَسُولِهِ
	افغانی: لاکھ ندرت			۹۴۴	آج ہوں کی شامت سے کیا نیت برابر
				۹۴۵	تجلیات: آخرت، کھانہ سے
					کامیاب: ہونے سے
					(۹۴۶) جواز اخذ الزمعة من مال زوجا
				۹۴۸	فروع: ترمیم کے لیے فریاد کرنا
				۹۴۹	افغانی: کھانہ کے کھانہ کے چاروں
					(۹۴۷) التلمیذ من التلمیذ
				۹۴۳	دوسرے کے تلمیذ کے لیے فریاد کرنا
					افغانی: کھانہ کے کھانہ کے چاروں
					(۹۴۸) اخذ الاخذ من کتاب الله تعالى
				۹۴۴	کتاب: لاکھ ندرت
					(۹۴۹) التلمیذ من التلمیذ
					اسباب: ماش میں مشغول ہونا

تفہیم حدیث، فقہ، تصوف، سیرت، تاریخ،
سوانح، عملیات اور دیگر اہم اسلامی موضوعات پر
مستند کتابوں کے حصول کے لیے ہمیشہ رجوع فرمائیں
ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور

حدیث

تَخْفِيفُ الصَّلَاةِ



اس بن ملک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قرآن میں نے کسی کو
امام کریمؑ نماز میں پڑھنے کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کم کرنا
نہایت کامل ہونے پر بھی پڑھنے کے لئے کی آواز سننے سے نہ تو نماز کو بھی کر دیتے مبادا اس
کہ ہمارے پیشانی میں نہ پڑے۔

تلاذ حدیث سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں مکمل کے ساتھ تخفیف
فرماتے تھے اور کہ کتاب غیر بنی کی عبارت سے بھی مبادا میں تخفیف کرتے تھے
اس پر چند وجوہ سے کام آئے۔

(۱۵۱) درجہ کمال میں مکمل حالات کا اتباع کرنا چاہیے اور ادنیٰ درجہ

میں مفسر صحت پر اکتفا نہ کیا جائے۔ حدیث میں اختلافات، صحابہ کے اجتہاد
اور اتباع کی دلیل ہے کہ وہ درجہ کمال

میں تمام مکمل حالات کا اتباع کرتے تھے اور درجہ صحت میں ادنیٰ پر اکتفا نہ کرتے تھے جبکہ

کہ نہ ادنیٰ کرتے تھے تاکہ درجہ صحت سے کہ نہ رہ جائے (لوگوں پر بلا نہ ہو جائے) اور ادنیٰ وہ ہے

میں کہ صحت کا حتمی یقینی طور پر اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک اس کو کچھ توڑی ہو
نہایت ذکی بے بشر کی زیارت شرعاً منع نہ ہو جیسے دو میں چار دفعہ انشاء کو دھونا

اور افسوس غانی کے بچے دغور اور قلی و سراج کو جس عورت سے آجکل جوتا ہے وہ تو انار
بدعت ہونے کے بہت سی قرینات و دیکھ بھال پر مشتمل ہے۔

فے بدعت وہ کیا نام ہے جس کا ثبوت حدیث میں نہ ہو اور اس کو دین یا ثواب مجر
کہ کیا جائے، اگر دین یا ثواب مجر کہ نہ کیا جائے تو بدعت نہیں، پس دین اور ثواب اور مجر
لہوہ جو ان کے بعد از اوہ قسم قسم کے سب اس اور معلومات و مشروبات کا استعمال بدعت
نہیں کیونکہ ان کو ثواب یا دین مجر کہ ستمنا نہیں کیا یا تاویل و تفسیر میں مجر
اور خاص مقدار اور خاص طریقہ وضع کی، عایت یا تسبیح یا ذکر میں کتنا بھی بدعت نہیں
کیونکہ ان چیزوں کو ثواب مجر کہ نہیں کیا یا تاویل و تفسیر کے اختیار کیا یا تاویل
ہے، خوب سمجھو۔

فے بدعت جو کہہ کر انکار بدعت ہے اس سے وہ اجتماع ملوہ ہے جو بعض دعا کے لئے
جو پس نماز کے فوراً بعد جو دعا کی جاتی ہے وہ بدعت نہیں کیونکہ اس میں دعا کے لئے
اجتناب نہیں جو ایک اجتماع قوس نماز کے لئے ہوا تھا اسی حالت میں دعا بھی ہو گئی اور
نماز کے بعد دعا کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قوساً و قطعاً ثابت ہے عیسا علیہ السلام
خصم میں بہت تفصیل کے ساتھ احادیث کی رو سے اس کا ثبوت یا غائب ہے۔ پس
نماز کے بعد سب لوگ بخود ہی ورنہ دعا کو اس لئے بدعت کہ حدیث میں نہ ہو
کے خلاف یہ عقیدہ کہ جماعت کی نماز ختم ہو جانے کے بعد دعا، قوساً و قطعاً
جو یا تاویل اور قوساً و قطعاً سے خلاف ہے بدعت دعا کے لئے اجتماع جو میں
کچھ ایک دعا کے لئے کیا جاتا ہے اور دعا جو اصل بدعت میں اس کا بظاہر التزام ہے
سو یہ اجتماع جو بعض دعا کے لئے جوتا ہے خاص بدعت ہے۔

(۱۵۲) نماز میں کسی حادثہ کی طرف التفات کرنا شروع کے

حدیث ہے معلوم ہوا کہ نماز پڑھتے ہوئے کئی حادثہ پیش آئے
منافی نہیں تو اس کی طرف التفات کرنا جائز ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

متواتر ہے یا نہ ثابت اسی ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی درجہ میں بھی نماز
ثابت نہ ہو تو اس سے بھی یہی جائز آتا کہ بدعت میں مبتلا نہ ہو یا پیش اور بدعت ک
منفعت حدیث میں جس قدر آئی ہے وہ معلوم ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کا ارشاد ہے

من أحدث في أمرنا هذا ما ليس فيه ضرر

جو شخص ہمارے اس امر میں حق دین میں ایسی بات ایجاد کرے جو

اس میں ہلاکت ہے تو وہ ہلاک ہے

نیز آپ کا ارشاد ہے کہ بدعت ضلالہ اور بدعت گمراہی ہے اور اس جیسی بدعت
میں عیدیں ہیں

نمازوں کے بعد صرف دعا کیلئے مجتمع ہونا بدعت ہے اور اسی میں غلطی
کے لئے مجتمع ہونا بھی داخل ہے پس یہ عمل اور جو اس کے مشابہ ہوں سب بدعت میں
کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور آپ کے بعد صحابہ و تابعین سے کہیں ثابت نہیں کہ
انہوں نے عبادت یا ثواب مجر کہ یا ایسا کیا ہو، اور اگر ہندو کے عبادت کو دیکھ جائے
کم در کم یاد کیا جائے تو جائزہ عکس افش دی ہے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے اور آپ کے بعد سلف صالح نے ممانعت کی ہے۔

فے عوفیہ نماز کو اس مقام سے سبق لینا چاہئے کیونکہ وہ بکثرت بدعت میں مبتلا ہیں
اور جب کہا جائے کہ بدعت ہے تو کہتے ہیں اس میں کیا غلطی ہے ہم تو نیک
کام کرتے ہیں بڑا کام تو نہیں کرتے حواں کہ جب دیکھا جائے کہ نیک کام دی ہے جس
کا ثبوت میں ثبوت ہو۔ دیکھو ہندو کا نیک کام ہے لیکن نمازوں کے بعد مجتمع ہو
کر دعا کی بدعت ہے کیونکہ اس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سلف صالح سے
ثبوت نہیں پس اسی پر ان اعمال کو نیک کام کیا جائے کہ کھولنے نماز کے نیک
اعمال مجر کہ راستہ یا کیا ہے۔ مگر شریعت میں ان کا ثبوت نہیں، جیسے سر مشائخ

کا جبکہ آواز کو سنا اور اس کے سبب میں غور کرنا ایسی شے کہ طرف انکشافات قرار دیا
سے خارج ہے اور اس کا تعلق غلو کوں سے تھا اس لئے اس کی نظائر انکشافات قرار دیا گیا
مگر یہ دخل غلو سے کہ انکشافات معلوم ہوا جس سے نماز کے ارکان وغیرہ میں خلل
نہ آئے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز اس حالت میں بھی سب سے
کامل تھی مگر یہ انکشافات آپ کو نماز سے مشغول کر دیتا تو آپ نماز کو اس طرح
پہ نہ آوا کر سکتے۔

قوله الوجه الشاهن فيه وسيل على ان التكرار الى قوله ما انت

(۱۵۳) حکم شرعی میں غور کرنا بھی منافی خشیع نہیں

حدیث سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے وقت نماز کے اندر کسی اور عبادت میں
مشغول ہوتے ہوئے حکم شرعی میں غور کرنا بھی جائز ہے بشرطیکہ عبادت کو باقی رکھ کر
اس کے وجوہات کو پورا کرتے ہوئے ایسا کرنا ممکن ہو مطلب یہ کہ سرسری طور پر غور
کرنا جس سے نماز کے ارکان و وجوہات میں خلل نہ آئے جائے کہ نہیں کہ نماز میں
باید اور بنیادی کے اشکالات کو حل کرنے کے واسطے یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے یہ کہنے کی آواز اس کو نماز کو مختصر کر دیتے تھے حالانکہ عمل مشروع
کرنے کے وقت تطویل کا ارادہ تھا تو نماز کو مختصر کرنا بھی ایک عمل ہے جو حکم میں
غور کرنے کا نتیجہ تھا پس یہاں چھ باتیں جمع ہو گئیں۔

(۱) ایک تو واقعہ کی طرف انکشافات

(دوسرے) حکم شرعی میں غور کرنا

(تیسرے) وہ عمل کرنا جو نماز میں ممکن تھا (یعنی انکو غور کر دینا)

(چوتھے) حق غیبی دینی پیداوار اس کی ماں کے حق کی رعایت

(پانچویں) سد و فیض (کا اہتمام) یعنی جس چیز پر غور نہ کیا، احتمال بھی ہو گا

یقین نہ ہو اس کی پہلے ہی سے روک تھا کیونکہ یہ کہنے سے اس کی ماں

کا پیش ہونا لازم نہیں لیکن یہ کہ پریشانی پیش نہ آئے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم
نے احتمال غور نہ کرنا بھی لیا کہ غور کیا کہ احتیاط اس کی کتنی ضروری ہے اور اس کا کام سزا دینے
ہے جو اس پر شیعہ میں ہے بڑی اصل ہے)

چھٹے قریب کہ انکشافات میں حدیث کے تابع کر دینا جبکہ دونوں کسی کام میں ساتھ ساتھ
ہوں اس کی تفسیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

سیر وابسیر اضعفکم یعنی کمزور رہنے والے جلا کر رہے۔

قوله الوجه الشاهن فيه وسيل على جواز النظر في حكم من اضعف
الى قوله سیر وابسیر اضعفکم

(۱۵۴) خیمہ میں توسط ہی سنت ہے اس میں امت کے حال پر

دولت و شہادت پر ہی دلالت ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا
ہے کہ بعض وقت غیبت و اختصار پر عمل کیا، تو ہوشیاریت کہنے والا تو
سنت کے اعتبار کا پورا احصاء لے لیا اور کمزور مسکین بھی اشتراک سنت سے محروم
نہ ہوتے گا وہ بھی کچھ حصہ لے گا اور تطویل و اختصار کے درمیان بہت وسعت
ہے اور غیر میں توسط (دریچہ وسط اختیار کرنا) کی سنت ہے۔

قوله الوجه الشاهن فيه وسيل على نعمته عليه السلام باعته الى
قوله وتوسط في الغيبة السقي هي السنة

(۱۵۵) دلداری اور دلجوئی تمام احوال سے اعلیٰ وارفع ہے

اس میں غور یہ کہ یہی وسیلہ ہے جو دلداری اور دلجوئی کے بہت قائل ہیں
اور وہ ان کے نزدیک تمام احوال سے اعلیٰ وارفع ہے۔ یہ اس سے معلوم ہوا کہ اصل
عمل اللہ علیہ وسلم نے یہ کہ اس کی اور وہ ہر ایک پریشانی کی رعایت فرمائی اور اس
کے لئے نماز کو مختصر کیا اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان کی دلجوئی بھی عبادت ہے جس

کے لئے نماز کو قدر کیا جا سکتا ہے۔ محاسن میں ایک چیز جس کو بزرگوں میں سے خاص ہی کو کہتے ہیں یہ کہ وہ دلدار اور دلجوئی اس کا اس حالت کو کہہ کر کہ جس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہے۔ یعنی دوسروں کی جو توجہ کی نگہداشت میں اپنی اشرافیوں کو برپا نہ کرے۔ خصوصاً یہ نماز کو خرقہ کی دلاری اور دلجوئی میں اتنا سادہ رنگ کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ نہ کرے کہ وقت ہی نہ ملے بروقت لوگوں کی خاطر مولات میں ہی رہا جبکہ ایک ایک وقت ایسا بھی ہونا چاہیے جس میں جو اللہ تعالیٰ کے کسی پوجہ پر ہے، اس کی کسبیل حدیث کا یہ لفظ ہے **ولا تشعروہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم** کہتے زیادہ کامل نماز کسی کی نہ تھی کیونکہ انشاء کے بعد وہ نہ گنہگار میں ہی آپ کی عبادت ناگس نہ ہوتی تھی۔ اسی لئے ایک جنگ کا انشاء ہے کہ صوفی متبع سنت نبیؐ نماز ہے۔

صوفی متبع سنت عجائبات میں ہے
 میں صوفی صانع سنت چاہے حالات مختلف اور بد ہوتا ہے۔ کہ جس کی صفات عجائبات ہے جس کی صفات عجائبات ہے۔ جب ایک آدمی کی تہی ہوتی ہے تو غلبہ ہی کا ہوتا ہے اس وقت دیگر صفات کا تہی پوری طرح ادا نہیں ہوتا اگر اس وقت یہ شخص اس بات سخت میں پڑا ہے اور تمام صفات کا حق ادا کرنا ہے تو طاقی چاہا کہ اسے اس شان میں خود کر کہ نماز کی حالت کا تشدد تو ہے کہ اللہ کے سوا کسی پوجہ نہ ہو اور امامت کا مقتضایہ ہے کہ مقتدیوں کی پریشانی کا ہی ہونا چاہیے۔ اس حالت میں کوئی صوفی مغلوب حال امام جو تو وہ مختصر نماز کا حق ادا کریں۔ مشیتوں کے حال پر انکسار نہ کہے گا اور زامہ خشک اما جو نماز میں ایسا اقتدار کہے جس میں سے وجہت میں ہی غلبہ آجئے گا اور صوفی متبع سنت امام جو تو فلاح کو ہی کامل طوع کر کہے گا اللہ تعالیٰ کی مشیت بھی متوجہ ہے گا اور مقتدیوں کی رعایت سے نماز کو ہی مختصر کرے گا اور دونوں قسم کے حقوق کی عجائبات آسان کام نہیں اس لئے صوفی صانع سنت جو ایسا متبع ہے اور جو صوفی

ایسا کہ اپنے وقت کا قطب اور عالم جو دکانا جو دکانا اور اللہ کا فضل ہے وہ جس کو چاہتے ہیں عطا فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہم کو بھی دولت عطا فرمائیں جو ان کو اپنے احسان سے عطا فرمائے۔

قولہ اربعہ الخادی عنہ **ذیل لاهل الصوفۃ السدین یقولون**
بمیر القلوب اثنی قواہ من اللہ بفضلہ علیہا ما من بہ علیہ حرمینہ
 اللہ اللہ کہ عبادت کا ہر وقت مولانا شمس الدین سرور حضرت مولانا غلیل احمد صاحب رمتہ اللہ علیہ وقت تکمیل امام دہم کے سبب بابو و صوفی اور صاحب احوال رفیع جوئے کے مجدد کمال متبع سنت تھے اور یہی ان کا وہ کمال ہے جسکی نظیر دوسری جگہ نہیں مل سکتی اور اسی وجہ سے نماز ان لوگوں جیسے ہیں کہ یہ حضرت توحید علیہ السلام ہیں صوفی نہیں کیونکہ خواجہ کے نزدیک صوفی ہے جو مغلوب احوال ہو اور صوفی متبع سنت مغلوب احوال نہیں ہوتا بلکہ غالب علی الاحوال ہوتا ہے وہ حالات میں اتباع سنت سے ایک قدم بٹھا کر غائب نہیں کرتا، اسی لئے یہ حضرات اپنے وقت کے قطب الارشاد اور جو ہیں

مکملہ ما شریعت برکتہ سنہ لشت ہر صانع کے لئے دعا و سنہ لشت
 من اللہ تعالیٰ بفضلہ علیہا ما من بہ علیہ حرمینہ
نماز میں تسخیف اور تطویل کی تحقیق
 کوئی نہ کرے صوفی ہے اور کہیں تمام ارکان میں اعتدال نہ کرے ہوتی ہے بشرطیکہ ایسا اقتدار نہ ہو جس سے امکان میں اصل واقعہ جوئے دن نماز ہی نہ ہوگی یا ناہیں ہوگی اور یہ میں متوجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز باوجود خفیت کے کامل و اکمل ہوتی تھی اس جگہ یہ عجیب بات ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی خفیت نہ ہو کہ ان کی خفیت پر تیس دن کرنا چاہئے کیونکہ حضرت عباس اور سفینہ منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلی رکعت شروع کرتے تو آدمی

میں عالم مانا گیا اور مقتدا تسلیم کیا جاتا تھا کہ وہ نماز میں بعض ارکان کے واجبات بھی پوری طور سے ادا نہ کرتا تھا۔

وَيَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ

انکس علم بھی ضائع ہو گیا اور اس کی خبیثیت بھی پامید ہو گئی عمل ہی برباد ہو گیا اور اس کی تکمیل بھی جاتی رہی اس لئے زمین و آسمان میں سے فرمایا ہے کہ لوگوں کو مکروہات میں اس بات سے مستحکم کیا ہے کہ انہوں نے الفاظ مستتر علیہ کو ان معانی پر معمول کر لیا ہے جو پہلے زمانہ میں معروف نہ تھے، چنانچہ آج کل ہم نماز میں تخفیف کرتے ہیں تو حد جواز سے نکلا جاتے ہیں کیونکہ ہماری طبیعت زمانہ ہی دوری و رجس سے زیادہ نہیں ہوتی تو جب اس میں کمی کی جائے گی تو لاعلمی حد جواز سے نکل جائیگا۔ پس نماز کی تکمیل اور تخفیف کی مدد کو وہاں سبب سخت ہے جس کی نظر سے احادیث پر ہوا اور عزائم قدماء رضوانہ علیہم نے کتب فقہ میں اس کو تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے جس کو احتیاط سنت کا شوق جو اس کو کتب فقہ واجبات و فروع و سنن و مستحبات معلوم کر لیں انہیں اپنے تاکر تخفیف کے وقت سنن و مستحبات میں اختصار کیا جاتا واجبات و فروع میں خلل نہ ڈالا جائے۔

وهذا احكامه عليه السلام رحمه الله تعالى الوجه الاول والشافعي عليه السلام

فقہ یہاں سے ان مضمونوں کی غلطی بھی واضح ہو گئی جو حرمانت میں اپنے معمول ہی پر رہے۔ جتنے کسی حال میں اس کی ترک نہیں کرتے سفر میں بھی نماز پوری کرتے ہیں خواہ قاصدہ چلنے والا ہو یا ریل چھوٹے والی ہو اور مقتدی وقت کی تنگی سے پریشان ہوں۔ مگر امام صاحب ہیں کہ طویل متصل کو نہیں چھوڑا کرتے اور نماز کے بعد وادی کو بھی

بیشک جا کر واپس ہی جوتا تھا اور آپ پہلی ہی رکعت میں نکلتے تھے اور صدق اکبر رضی اللہ عنہ منقول ہے کہ وہ ہر رکعت میں بعض وادعہ بقدر رکعت میں پڑھتے تھے اور بعض صحابہ سے مروی ہے کہ انہوں نے سورہ بقرہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے سن کر یاد کی تھی کیونکہ وہ اکثر میں اس کو پڑھتے تھے اور غلطی امام مالک میں ام الفضل بنت الحارث سے روایت ہے کہ انہوں نے عبد الرحمن عباس رضی اللہ عنہ سے سورہ البقرہ سے نسخہ تو فرمایا چاہا کہ نہ ہی حدت پڑھ کر نئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت یا طالعہ کیونکہ یہ آخری صحت ہے جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتی تھی تو اس کے بعد میں نے خود کی قرأت نہیں سنی اس سے معلوم ہوا کہ مقلد صحابہ کی بات نماز میں طویل قرأت تھی اور یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کیونکہ صحابہ سے زیادہ متبع سنت کون ہو سکتا ہے مگر اس تطویل کو وہ تخفیف فرماتے ہیں کیونکہ حضرت صحابہؓ نے عہد قرآن کے مابقی تھے ان کو تطویل قرأت گراں نہ تھی، بہت اگر کوئی ماضی پیش آجائے مثلاً پھر رونے لگا اور کوئی بلا پیش آجائے تو اس عادت مستمرو کو چھوڑ کر قرأت میں تخفیف کر دی جاتی تھی۔ پس تنقیف بدوہ کامرسل یہ ہوا کہ موقع اور وقت کے مناسب قرأت کی جائے۔ مگر حالت اطمینان اور سکون کی ہو تو قرأت طویل کی جائے اور اس میں بھی مقتدیوں کی حالت کی رعایت کی جائے کہ اتنی تطویل نہ ہو جو نمازوں پر گراں گزرتے اور اگر حالت ہے اطمینانی اور پریشانی کی ہو تو اس حالت کے مناسب قرأت کی جائے۔ مگر کسی حالت میں بھی واجبات میں خلل نہ ڈالا جیسکا۔ دین کے سبکوں میں قاصدہ یہی ہے کہ ہر مسلسل کو درجہ کمال پر ادا کیا جائے۔ اور قاصدہ پر جان کسی قدر کے کفایت نہ کی جائے اور قاصدہ پر کفایت کرنے میں بھی واجبات میں منسل نہ ڈالا جائے۔

حضرت معنف فرماتے ہیں کہ میرے ایک مضمون کو دیکھا جو اپنے وقت

باب چہل و چہلم

حدیث

احمل صلوة التزاور

مذہب ثابِت و حق اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے ہر دن میں مسجد کے اندر ایک جھوسا بنوایا جو غالباً پورے کائنات میں ایسے چند دنوں میں نماز پڑھی تو آپ کی مانند سادہ کچھ لوگوں کے صحابہ میں سے نماز پڑھ کر جب آپ کو اس کا علم ہوا تو آپ (فرمانے) بیٹھنے لگے وہی اس وقت نماز پڑھنا چھوڑ دیا، پھر آپ ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ میں نے جو کچھ تم کو کہتے دیکھا میں اس کو سمجھ گیا ہوں کہ تم کو میرے ساتھ نماز پڑھنے کا شوق ہے، رسولے لوگو! اپنے گھروں میں نماز پڑھا کر یہ کہو کہ انسان کی منزل نماز ہی ہے جو گھر میں ہو سو لکھتو۔ (یعنی فرض نماز) کہے۔

تلاذہر حدیث یہ ہے کہ نفل نماز مسجد میں پڑھنا جائز ہے اور افضل یہ ہے شرح کو نفل نماز گھر میں پڑھے، اس پر چند وجوہ تھیں۔

(۱۵۶) اسباب دلجمی کا استہلال کرنا چاہیے اس سے معلوم ہوا کہ مسجد میں جہر پانا دنیا جائز ہے مگر مشروط ہے کہ عمارت کے طاق پر نہ ہونا ایسی چیز ہے بنا جو جس کو بقادر وہم ہو اس کی وسیل حدیث کا یہ منقطع ہے کہ آپ نے جہر کا جہر بنوایا تھا کیونکہ جسوہ تہر کرنے میں مسجد کی تہریت اور مسجد وقف ہے اس کی تہریر جائز

ممنوع و پڑا کریں گے۔ ان کو مجبہ دینا چاہیے کہ ایسا نغو شریعت میں ناپسندیدہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض دفعہ سفر میں قتل اعوذ برب المطلق اور قتل اعوذ برب المستاس سے صبح کی نماز پڑھائی ہے حالانکہ صبح کی نماز میں آپ کی عادت تطویل قرأت کی تھی مگر آپ نے ہمیشہ موقع اور وقت کے مناسبت عمل کیا ہے جس سے کسی پر گرائی نہ ہو۔ خوب سمجھو۔



کو عتق حاصل کرنا چاہئے اور معاص و عکس وغیرہ سے توبہ کرنا چاہئے کہ عوام ان کو
عبادت اور توبہ سے ہمہ گیر کر سکتے ہیں اور صرفہ نما نہ پانے قول و فعل سے ان بدعت کو
دور رکھ دیتے ہیں۔

وَقَدْ نَزَّلَ اللَّهُ دِيَالَهُمْ لِيَتَّبِعُوا سُنَّةَ النَّبِيِّ فَذَلِكَ مَعَالِ الْأَعْمَالِ
كُلُّهَا الْحَقِيقَةُ مِنْهَا الْمَلِكَةُ ۲ مِثْلِينَ

(۱۵۷) ایام عتق کی تعظیم بطریق یہ ہے کہ ان میں عبادت زیادہ

اس میں رمضان کی افضلیت کی بھی دلیل ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ
کی حبس کی حد و سب سے تمام سببوں میں سے اسی سبب سے اس عبادت کی ساقہ
مفوض فرمایا ہے۔ شریعت میں معلوم ہوا کہ ایام عتق اور مکانات عتق کی تعظیم
کا طریقہ یہ ہے کہ افواج عبادت کے ذریعہ ان کی عظمت کا ظہار کیا جائے کیونکہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سبب کی عظمت کو اسی طرح ظاہر فرمایا ہے کہ اس میں
عبادت کو بڑھا دیا۔

قولہ فی الحجۃ عن انس فیہ دلیل علی افضلیت ترمضان اذ فی قولہ فی الا
اصول الا بزیادۃ فی التعلیقات

فہ حضرت موفی کو رمضان کا اور مسلمان عتق کا جس کو خدا تعالیٰ ہے ظاہر ہے
اور وہ بھی ان کی تعظیم عبادت میں زیادت سے ہی کرتے ہیں عوام کی طرح جیسے اور
جسوس وغیرہ سے نہیں کرتے جیسا آج کل ۱۲ ربیع الاول کو عید میلاد منائی جاتی ہے
کہ یہ مہر بدعت ہے حضرت موسیٰ بن سنان میں ورد و شریف کی کثرت کرتے ہیں
بعض دھڑے بھی دیکھتے ہیں۔

اس حدیث
(۱۵۸) تراویح رمضان کی اصل تعظیم شعائر اللہ سے ہے سبب
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت بھی ظاہر ہوئی ہے کیونکہ جب آپ نے دیکھا کہ

نبیہ زادہ پر یہ پاکیزہ عبادت جو بنائے میں مسجد اپنے حال پر رہی اس میں تغیر
نہ ہوا اور پھر انیسویں قلعہ خلوت قائم نہ کیے اور عبادت اچھی طرح کی کیونکہ
اس سے عبادت میں دلچسپی زیادہ ہوگی (جو روح عبادت ہے) اور اس پر یہ غلطی مسند
موجب ہوا کہ انسان کو وہاں سبب اختیار کرنا چاہیے جس سے عبادت میں دلچسپی
زیادہ ہو بشرطیکہ وہ اسباب بدعت (میں داخل) نہ ہوں ورنہ مخلوقوں کے کیونکہ
حدیث میں آیا ہے کہ اگر نبی جلال قیامت کے دن صاحب بدعت سے فریادیں گے
اچھا اگر میں ان گناہوں کو نبی کو بخش دوں جو میرے اور تیرے درمیان ہیں تو میں لوگوں کو
تو لے کر لے گیا ہے ان کے ساتھ کیا کروں؟ (یعنی ان کا حق کیونکر معاف کروں اور یہ
گناہ ایکے نبیوں کو نہ کرے اپنے ساتھ دوسروں کو ہی گناہ کیا ہے کہ یہ عتق
تو متعدی ہے جس کے ساتھ حق العباد متعلق ہے اور حق العباد اس وقت تک
معاف نہیں ہوتا جب تک کہ سبب معاف نہ کریں اور وہ ان پانچ کی کون چھوٹے
والا ہے۔ وہ تو سب اس کی جان کو آبا نہیں گئے کہ تو نے ہر کوئی گناہ کیا)۔

قولہ الوجه الاول جواز اختلاف الحجة فی المسجد اذ فی قولہ فلنزلین
اضللت حکم افضل بعدہ

فہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سبب میں جو پر یہ کا جس میں تعالیٰ تعالیٰ دعا
اطاعت کا مہیا نہ ہو سکے بلکہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس کا عتق نہ کرے دالے کیڑا دل کا
لپٹے لپٹے جگہ مخصوص کر لیتے ہیں مگر جنت کی نماز کے وقت ان کیڑوں کا عتق دینا
چاہیے تاکہ جماعت میں تسکین نہ ہو اور صفوف میں انقطاع نہ ہو۔

اس حدیث میں صوفیوں کی خلوت نشینی کا ثبوت ہے کہ وہ بھی دل بھی
کے لئے خلوت اور ہرگز نشینی اختیار کرتے ہیں۔

یہاں سے بدعت کا دہل بھی معلوم ہوا کہ اس میں
فہ بدعت کی مذمت۔ بیشتر اماموں کی افادت نہیں بلکہ حق العباد
کی بھی افادت ہے اور حق العباد کا وبال بہت سخت ہے پس صوفیہ متدین

رجل کو قتل ہوئے کسی حق و محبت سے محروم کیا، انہوں نے کیا کیا تھا فرمایا جب میں
خباہی کا اور درجہ کا تکذیبان پر جتنا تھا کہ تم انہی کسی کس نعمت کا انکار کر
گئے، تو وہ کہتے تھے لا یؤخذ علیہ منہایا ہذا کہ اسے پھر دہکار میں کسی نعمت کا بھی
انکار نہیں کرتے۔ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حسنِ تعلیم اور خوبی ارشاد کو
پیش نظر رکھو تو بارگاہِ معرفت کا ادب بھی طرح بہا لائے گئے اگرچہ اللہ تعالیٰ کو پور
خفا اور محال ہے کسی چیز کی جی ضرورت نہیں مگر سہ کو تو اس کی ضرورت ہے
کہ اللہ تعالیٰ کا ادب پی پی طرح، باحوالہ کر ایمان کی علامت یہ ہے اور ایمان کا نفع
بدنہ بن کو پہنچے گا

قوله العبد اسام یؤخذ منه فضل سیدنا صلوات اللہ علیہ وسلم الخ قوله
خالصہ المرام عثر مع غنائہ عرب الکل وجلا لہ وانما قدرت بہین
الوجہ ہدایہ والسریم عشر لکن الشافعی ہر تباعا علی الاول وسندی والحد
تعالیٰ اعلم بہ بالصلوب ۱۶ مترجم

یہاں سے معلوم ہو گیا کہ تراویح کی نماز

تراویح سنت، بدعتیں
مضان میں باجماعت بدعت نہیں
بلکہ سنت ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے علماء اس کا ثبوت مل چکا ہے
چرندت تھے میں کیا کام ہو سکتا ہے۔ راجحتر عمر رضی اللہ عنہ کا تراویح کی نماز
کو دیکھ کر لھعت اللہ عنہ ذیہ بدعت بہت اچھی ہے، فرمانا سو پ نے
نعت کے اعتبار سے اسی کو بدعت فرمایا ہے کہ شرفاً کیونکہ حضرت عمر رضی
اللہ تعالیٰ عنہ بات جدید کی تھی، کہ لوگوں کو ایک امام پر جمع کر دیا تھا پہلے مختلف گاہوں
کے پیچھے ایک جماعت اقتدار کی تھی۔ غرض تراویح کی نماز باجماعت حضرت
عمر کے پیچھے ایک جماعت اقتدار کی تھی۔ پھر اس کو شرفاً بدعت کیونکہ کہا جا سکتا ہے
البتہ بدعت اور صورت دیکھنے میں جدید تھا کسب لوگ ایک مسجد میں ایک
ہی امام کے پیچھے تراویح پڑھیں تو سنت کے مقابلے اس کو بدعت کہنا صحیح تھا۔

اللہ تعالیٰ شانہ کو ان باتوں کی عظمت ظاہر کر کے اسباب ہے کہ جہلی علیہ السلام
مذہب کی ہر بات میں بدعت خداوندی، آپ کے پاس قرآن کا ذکر کرنے کو تشریف لائے
تھے رمضان کے مہینے میں ۱۱ دور کے لئے نہ آتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے اپنی طرف سے بھی اسی کی تعظیم میں یہ فرمایا کہ اس مہینے میں ایک
خاص نماز پڑھاؤ جو دو سو مرتبوں میں نہیں پڑھائی اور اس کا عقلا امت پر ظاہر
ہو کر دیا کہ وہ بھی آپ کی اقتدار پر اسی کا نام تعظیم شانہ ہے جسے مختلف حق تعالیٰ
فرماتے ہیں

وہو یعظ شہادۃ اللہ ما لہا من التوقی المستلوی

اور جو شہادۃ اللہ کی تعظیم کرے تو یہ تعظیم دلوں کے تقویٰ ۱۱ راجحی ہو جاتی ہے اور
جنت اتقوی دلوں میں ہو گا اسی قدر فضیلت ہوگی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے
بڑھ کر کوئی متقی نہیں ہو سکتا اس کی آپ کی برابر شہادۃ اللہ کی تعظیم بھی کوئی نہیں کر سکتا،
اور اس میں ایک صوفیانہ اشارہ بھی ہے وہ یہ کہ جو صاحب حال احکام کے اعتبار
میں پختہ ہوتا ہے وہ ہمیشہ

عارف کامل ہمیشہ تجلی میں رہتا ہے تنہی اور شہادہ میں بھی
رہتا ہے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکایت قرآن کے وقت جی حال تھا
جب آپ رحمت کی آیت پر گزرتے اللہ تعالیٰ سے رحمت کا حوالہ کرتے اور جب
غضب کی آیت پر گزرتے زمین کا ذکر و غائب کا ذکر ہوتا تو پسند مانگتے اور جب
ایسی آیت پر گزرتے جو اللہ تعالیٰ کی عظمت پر حالات کرتا ہے جیسے خالق ہونا قادر
ہونا با عظمت ہونا قوت مند کی پکی بیان کرتے، غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس
آیت پر گزرتے اسی حالت سے تنگ جھاتے تھے جو اس آیت کے مقابلہ کی حالت
ہونا چاہئے اور وہی جواب دیتے جس کا ادب تھا خدا کرتا اور اسی کی رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے جواب دیا کہ تعظیم دی ہے چنانچہ جب آپ نے ان کے سامنے سورہ بقرہ
پڑھی اور وہ غاموش تھے تو آپ نے فرمایا تم وہ بات کیوں نہیں کہتے جو جنوں نے سہو

وہم جن کو چاہتا کہ اس وقت وہی فصل ملے۔

کتابخانه ملی افغانستان - کابل

[illegible]

أقوله النجيه الخامس عشر فيه دليل على جواز أخذ مال الزبيد منه من كل الزبيد
الاقوله ثامن في المذنبه كذا انتهى بحمد الله.

(۱۶۰) حالت کا اختراع ہی افضل و اکمل ہے کی جی و میل ہے جو
موقوفہ ہیں کہ حالت کا اختراع ہی اکمل و افضل ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا ہے کہ انسان کی افضل عاقل ہے جو وہ اپنے گرو میں چمکے بحرِ فرض کا نیک
و معصوم کے بندہ و ناول کا زیادہ کر ایمان میں نیادئی کا سبب ہے جیسا اپنی زبان
و حدیث اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ایمان الحاصل کی زیادت سے زیادہ ہوتا ہے اور اعمال کی کمی

ہدایہ کہ جب نافعہ کا گھر میں پڑھنا افضل ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
 جابرؓ کی یہ گزارش مسجد میں کیوں نہ تھی تو اس کا جواب یہ ہے کہ نماز تراویح کا مسجد ہی میں
 پڑھنا افضل ہے۔ مگر بحوالہ ضعیفہ اشعریہ مسلم نے چند اقوال کے بعد تراویح کے
 جماعت کو اس لئے ترک فرمادیا کہ وہ سنی حدیث میں اپنے فرمایا ہے کہ مجھے
 انیشتہ ہے کہ کہیں یہ نماز تم پر فرض نہ ہو جائے پھر تم اس کو شبانہ نہ سکھاؤ۔ یہ
 انیشتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وفات کے بعد آیا تاہم تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ
 نے افضل پر عمل کیا اور تراویح کی کتاب راجع جماعت، اجتماع کے ساتھ مسجدوں میں قائم
 کی جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نشان کا معلوم ہو چکا تھا اور اس سے یہ فقہاء
 مسجد معلوم ہو چکا کہ جب کسی قبلے کے کسی خاص علت کے وجہ سے منکر یا سب آواظ
 کے مرتفع ہو جائے تو جماعت بھی زائل ہو جائے گی اور وہ قبلہ جائز ہو گا۔

وهذا معانيه عليه السلام في الوجه الثاني

(۱۵۸) بعض دفعہ مغضول افضل ہو جاتا ہے جو کہ بعض دفعہ مغضول
 افضل اور دائمی کام اہلی ہو جاتا ہے جب کہ ملت اس کو مرتکب کر دیتی باقی ملے۔ کیوں کہ
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند دنوں کے بعد اس وقت کی عبادت کو موقوف
 فرما دیا تاکہ اس وقت کی عبادت افضل تھی مگر چون کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 کا عبادت کو موقوف کرنا تعظیم کے لئے اور تشہید اسلام بہت بڑی عبادت ہے
 قرآن صلیب کے لئے جانے کی رسم سے مطلوب افضل اور دائمی مسما، اہلی ہو جاتا۔

قوله الوجه العاشر في دليل علان المنقول قد يرجع فاضلا
الى قوله من جملة المقضول فاضلا

میں نے بعد میں شائع طبعی ہی کسی خاص وسیعہ میں داخلہ حاصل کر کے جس سے ناقدین کو جوہر جتنا کہ یہ کیے بزرگ امی جو افضل پر مسل نہیں کرتے مالا مال کر دیا اس علت کو جان لیتے ہی کہ جس سے عزیز افضل کو اختصار کا لگا تھا۔

مسند معلوم ہوا کہ شوق کا زیادہ ہونا ہی عبادت پر بجا غفلت کرتا ہے اور یہی دلیل ہے صوفیہ کی جو یہ نوبت ہے
مروان طریق کو ہمت ہی آمادہ کیا ہے جن کے مردوں کو ہمت ہی نے اجمال پر آمادہ کیا ہے۔ ابدان نے اور صہابی قوت نے آمادہ نہیں کیا۔

قوله الوجه الشافى قوله صلى الله عليه وسلم زادك الله حرصا ولا تقدا الى قوله انما جعلت الرجال للهسكلا لا حيران
 فہے اس ہمت عالیہ کا اثر یہ ہے کہ اشد شوق کے حاملے میں ہی جانوں سے زیادہ ہمت ہے جس کا المارہ ان کے پاس ہمت ہے ہر وقت ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 (۱۶۲) کائنات سے پہلے اس کا اہتمام کر کے اشد اشد لا تقدیر اور ایسا نہ کرنا، کامیابی ہے کہ پھر نماز میں اتنا دیر نہ کرنا کہ نصف اول تک پہنچنے کے لئے نماز میں چٹے کی ضرورت نہ ہو، اس سے معلوم ہوا کہ تکمیل عمل کے لئے مستحب یہ ہے کہ کام شروع کرنے سے پہلے اس کا اہتمام کیا جائے مثل مشربہ قبل الشرب تراش السجاد تیر اندازی سے پہلے تیروں کے پر دھکتے جاتے ہیں۔

قوله ولا تقداى لا تقد الشا حنبر الى قوله فى الوجه الثالث تراش السجاد

حدیث میں یہ
 (۱۶۳) بدوین طلب کے بھی کسی کو دعا دینا ناجائز ہے۔ یہ ہے کہ کسی کو دعا دینا اگرچہ اس نے درخواست بھی نہ کی ہو جائز ہے۔ یہ کہ وہ دعا کا دل ہو کیونکہ اسے اس کام میں آغائت ہو جس میں وہ دعا ہے چنانچہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر کو دعا دی تاں انہوں نے درخواست نہ کی تھی کہ دعا مانگنے کے لئے انہوں نے غریبوں کو دعا دینے سے ہر آپسے ان کو ایسا دعا

وہ جو سراسر خیر ہے کہ خدا کو نیک افعال کا زیادہ شوق ہے یہ نہیں دیکھا کہ خدا کر تم وہ بارہ ایسا کر دیکھو کہ حضور کی ہر دعا مستجاب ہے، قاس دعا میں یہ بھی اندیشہ کیا کہ وہ کسی وقت بجا ہمت کیے وہ چاہیے اس پر یہ غلام نہ مرتب ہوا کہ کسی کو دعا دے اپنے واسطے یا کسی کے واسطے اس وقت تک کہ نہ چاہیے جب تک جتن کے ساتھ یہ معلوم نہ ہو جائے کہ وہ سراسر خیر ہی خواہ ہے۔

قوله الوجه الخامس يؤخذ منه الدعاء قطعاً الى قوله سواء كان لنفسه أو لغيره

اس میں صوفیہ کی بھی دلیل ہے
 (۱۶۴) دلجوئی اور دلداری کا ثبوت جو جبر قلوب کے قائل ہیں یعنی دلداری خلق اور دلجوئی کو خیالات سمجھتے ہیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابہ کو دعا دی کہ ان کے نزدیک سے بے خوف و ترس رہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ نادی مرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا کہ صحابی کا دل اس جگہ تک گراں لے اچھا لگتا ہے بغیر ہم مشربہ معلوم کے ایک عمل کر لیا جس سے جو نہایت توانا ہے خوشنہی سنا کر اس کے دل کو چڑھایا۔

قوله الوجه السادس صوفیہ دلیل لا مل الصوفیة الى قوله وهو لا يعلم حا حکم اللہ صوفیہ

فہے حقائق صوفیہ کو عمل مشربہ کی سفت ہے اس کا جس قدر استقامت ہوتا تھا ظاہر ہے اسی طرح ان کی یہ بھی بات ہے کہ اپنے دوستوں کے لئے جس کو اپنی جگہ سے دے دیا دے دے فائدے پہنچتے ہیں گو وہ درخواست بھی نہ کریں اور شکستہ دلوں کا جوڑنا تو ان کا خاص حصہ ہے، ہر چیز

دوست نہ ہوگا اس پر چند وجوہ سے کالی ہے۔

(۱۶۵) عمل کا بباد نکرا کر نایڈن تکمیل عمل کے بیکار ہے

حدیث سے معلوم ہوا کہ جب تک عمل کو اسی طرح نہ کیا جائے بباد ہوتا ہے کہ نایڈن تکمیل عمل کے تین مرتبہ نایڈن کو دہرا اور ہر دفعہ حضور نے یہ فرمایا کہ پوس جاؤ نماز پڑھو کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی۔

قوله السجدة السابعة فيه دليل على ان تكرار العمل الى قوله ليد

تصل مثلاً۔

فہ یہاں سے ان لوگوں کی غلطی واضح ہو گئی جو غیبی کو بہت پرستے ہیں مگر نماز میں بہت جلدی کرتے ہیں ارکان کو اطمینان سے ادا نہیں کرتے، ارکان کو اطمینان سے ادا کرنا جو ہر نماز کے نزدیک فرض ہے اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک واجب ہے۔

(۱۶۶) جب تک سوال نہ کیا جائے مسئلہ بتلانا واجب نہیں

اس میں ان لوگوں کی بھی دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ عالم کے ذمہ مسئلہ بتلانا اس وقت تک واجب نہیں جب تک اس سے سوال نہ کیا جائے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت تک اس کو نہیں بتلایا جب تک اس نے یہ نہیں کہا کہ یا رسول اللہ مجھے بتا دیجئے۔

قوله السجدة السابعة فيه دليل على ان قوله حق قد قلنا
لے جعفر طرقات و ہوا کا مفعول ہی ہے کہ جب تک ان سے دریافت نہ کیا جائے اس وقت تک خود مسئلہ نہیں بتلاتے۔ یہ حدیث ان کی غلطی ہے۔

میراث سے معلوم ہوا
(۱۶۷) نفس احتیال کی بنا پر حکم نہ لگانا چاہیے کہ اگر عقل پر کوئی حکم

باب چہل و عظیم

حدیث

وجوب توفیۃ (ارکان الصلۃ)

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے تو ایک شخص مسجد میں داخل ہوا اس نے نماز پڑھی پھر آیا اور مکمل نماز صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا مٹی صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کا جواب دے کر فرمایا واپس جاؤ پھر نماز پڑھو کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی، اس نے پھر نماز پڑھی پھر آیا اور مٹی صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا آپ نے فرمایا واپس جاؤ پھر نماز پڑھو، کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی۔ تین بار اسی طرح ہوا تو اسے عرض کیا تمہارا نماز کیا ہے جس نے آپ کو بتائی پھر بتایا کہ میں اس سے اپنی نماز پڑھتا نہیں جانتا ہے آپ بتا دیجئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم نماز کے کھڑے ہو تو اللہ اکبر کہو۔ پھر تم کو جنت نافذ کرنا یا دھواں میں جتنا آسان ہو پڑھو پھر کو کھڑے رہاں تک کہ کھڑے میں اطمینان سے بیٹھے۔ پھر پھر سر اٹھاؤ یہاں تک کہ سہیٹے کھڑے ہو جاؤ پھر سر اٹھاؤ یہاں تک کہ اطمینان سے بیٹھے۔ پھر پھر سر اٹھاؤ یہاں تک کہ اطمینان سے بیٹھے۔ پھر پھر سر اٹھاؤ یہاں تک کہ اطمینان سے بیٹھے۔

کہ اطمینان سے سر اٹھاؤ یہاں تک کہ اطمینان سے بیٹھے۔ پھر پھر سر اٹھاؤ یہاں تک کہ اطمینان سے بیٹھے۔ پھر پھر سر اٹھاؤ یہاں تک کہ اطمینان سے بیٹھے۔ پھر پھر سر اٹھاؤ یہاں تک کہ اطمینان سے بیٹھے۔

دکھنا پاتے جو اس کی نگاہ کے تحت میں ہیں کیونکہ ان کے متعلق اس سے باز پرس ہوگی
اسی لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے خیال و حکام کے نام ایک خط میں لکھا تھا
ان اھل اعموم کے عندی الصلوات مجھے تمہارے کاموں میں سب سے زیادہ نماز کا
تحریر ہے کہ تم اس کی پوری پابندی کرتے ہو یا نہیں۔

فہ کسی معتبر کتاب میں میں نے دیکھا ہے جس کا نام ادنیٰ رہا غائب کنز العمال
میں دیکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ سے دریافت فرمایا کہ میں جب
معتزل شخص کو کوئی عہد دیتا ہوں تو کیا کہتا ہوں کہ عہد دینے سے پہلے اس
کی اہلیت یافتہ دانت و امانت کی تحقیق کروں پھر میں سبکدوش ہوں یا
مجھے عہد دینے کے بعد اس کے کام کی تحقیق بھی کرنا چاہیے کہ کیا مسرور امانت
دہو گیا ہے ثابت ہوا اس کے متعلق مسرور امانت غلط نکلا۔ سب سے جواب دیا کہ
عہد دینے سے پہلے پوری طور پر تحقیق کر لینا کافی ہے اس کے بعد آپ
سبکدوش ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کہ یہ جواب صحیح نہیں بلکہ مجھے اس کے کام کی تحقیق بھی
کرنا چاہیے کہ کیا مسرور امانت تھا اس لئے اسی طرح کام چاہیے ادا کیا یا میل گمان
اس کے متعلق غلط ثابت ہو جائے تو اس کے میں سبکدوش نہ ہوں گا۔ تحقیق مفویہ
لا بھی یہ خیال ہے کہ میں کو کوئی خدمت سیر کی جلتے اس کے اعمال کی جانچ بھی
کرنا چاہیے کہ جو خدمت اس کے سپرد کی گئی ہے وہ اس کا اہل ثابت ہو یا نہیں۔
اس حدیث سے صحابہ کی فضیلت

(۱۶۹) صحابہ میں نکلتا اور تصنع نہ تھا اور ان کی بے تکلفی بھی معلوم ہوئی
کہ ان میں خلوت و تصنع نام کو بھی نہ تھی چنانچہ ان صحابہ نے بے تکلف کہہ دیا لا
والسبی بصلت بالحق ما احسن غیرہ فعلی تم اس کی جوسے آپ کو کئی سے
ساتھ بیچ رہے ہیں اس لئے اچھی نماز نہیں پڑھ سکتا آپ مجھے بتا دیجئے، اسی نے
تواضع سے کہا یا اور حضرت اسی پر اس میں کیا بلکہ قسم ہے کلام کو جو تکلیف اور غلطی

نہ لگایا جیسے جب تک اس کی حقیقت نہ معلوم ہو جائے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے اس شخص پر نہ کوئی تنقید نہ اس کو ملامت کی ہیں یہ فرمایا کہ
وہیں باوجود چہرہ کیونکہ تم سے نماز نہیں پڑھی کیونکہ احتمال تھا کہ اس نے
پوری طرح نماز کے ادا کرنا اس لئے ادا کیا جو کہ ان کی پریشانی اور مشغولی کی وجہ
سے رسول کو یہ خیال آجمل کی وجہ سے ایسا کیا جو یہاں بعد میں اس سے ظاہر کیا
معرض احتمال کی وجہ سے آپ نے اس سے زیادہ فکر نہیں فرمایا کہ فہ از کسے میں
نہ ہونے کی اس کو اطلاع کر دی۔

قوله الوجه الشام فیض منہ ان لا یحکم بشئ مجھے معلوم الحی قہ نہ نہ
یزداد علیہ السلام علی الصخر بعد ازاں حضرت شعیب
فہ اس ادب کی روایت کو مفویہ مالدین کی کہتے ہیں نہ دلوں کا طریق سے انتہا
ی پر ہم لگاتے ہیں۔

اس سے
(۱۶۸) عبادت میں مشغول ہونے والے کو دیکھنا جائز ہے بھی معلوم ہوا
کہ عبادت میں مشغول ہو جانے کی طرف دیکھنا جائز ہے البتہ اگر اس کے سامنے بیٹھا
ہو تو نہ دیکھے کیونکہ آگے پیچھے والا اگر سامنے سے دیکھے کہ تو اس سے عبادت کرنے
والے کو تشویش ہوگی (اس کا دل بے گام) غما سے یہ مسئلہ بیان کیسے ادریہ بھی
فرمایا ہے کہ اس حالت میں اس کی طرف سے منہ پیرے عرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے جاساں تھوڑے سے فرمایا کہ وہاں جاؤ چہرہ نماز پڑھو کیونکہ تم سے نماز نہیں پڑھی
اس سے معلوم ہوا کہ جب تک وہ نماز پڑھتا رہا حضور اس کو دیکھتے جہ سے گمراہ یا
نہ ہوتا آپ کو اس کی نماز کا حال معلوم نہ ہو سکتا۔

ہر روز مردار کو لپٹنے ماتحت لوگوں کے اعمال کی نگہداشت کرنا چاہیے
اس پر یہ بھی مسئلہ مرتب ہوا کہ ہر نماز کو ان لوگوں کی دینی حالت پر نظر

لے اقرار جہالت خود کو کم تا عقل تحقیق میسر شود و نصیر مہمانان سے
 سہا تو سنگ پوری دل خورش آرزو ایک نطنے خاکسرباش
 وہ پہلان کے شود سر سز سنگ خاک شوق اہل جود یہ سنگ رنگ
 ہر کجا بختے دو آئے عبادہ ہر کجا و دے شفا آئے عبادہ
 ہر کجا پستی سہا پ آفتاب دود
 ہر کجا مشکل جہا سہا عبادہ د



نے فرمایا ہے کہ طالب علم سے ضرور دو چیزوں سے فرج رہتا ہے یا بخیر کی وجہ سے
 شرم کی وجہ سے کیونکہ دین میں بیکرا یا شرم کا کام نہیں نہ حق بابت کہنے میں نہ
 اس کے بتانے میں نہ معلوم کہنے میں اس کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
 فضل انساہما ان تصاربرہما یہ ہذا المیار ان یتفقن فی الدین
 انصار کی عورتیں بہت اچھی عورتیں ہیں ان کو کمال دین کے دیانت
 کہنے میں آیا و شرم مانع نہیں ہوتی۔
 قولہ الوصیۃ الشانی عسوفیہ و سید علی فضل الصحابۃ الی
 قولہ ان یتفقن فی الدین۔

(۱۶۰) نفس کشی کا ثبوت اور اس کا مطلب دلیل ہے جو کہتے ہیں
 کہ نفس کو مارتا چاہیے کیونکہ نفس کے عیوب ظاہر کر کے اس کو سوا کرنا بھی موت
 ہے اور نفس کی موت یہ اسکی حیات ہے۔

موت یتفقوی حیا نہا من احب ان یحیا یموت
 نفسوں کا مرنے ہی ان کی زندگی ہے، جو زندہ رہنا چاہے اسے پہلے مرنا
 چاہیے۔ قولہ الوصیۃ الشانی عسوفیہ و سید لاہل الصوفیۃ الی قولہ
 من احب ان یحیا یموت

یہ نفس کا مارتا یا نفس کشی تعویذ کی اصطلاح میں بکیر، دغی، بچپ پندار
 خود طے و خود بینی، ذاتی کسمے کا نام ہے جب تک کہ یہ ذاتی نفس کے اندر موجود
 ہیں وہ نہ تم ہے جس کو ان سے پاک ہو گیا مردہ ہو گیا مگر اس موت کے بعد اس کو
 دوسری حیات عطا ہوتی ہے جو روحانی حیات ہے (اور لا زل حیات ہے۔
 ہرگز نہ وہ خود نفس نہ خود کشی مثبت سے برتر جیہ اسلام دوام ما
 مولانا آدمی فرماتے ہیں۔

آزاد عقل برادر نفس را
 ایمانی و اولاد سازم خویش را
 ای دغی نفس را

باب چہل و نهم

حدیث

هذا المأمور على الأماير بالحمد في الرقة

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **اے امام! سب سے بڑا اللہ کی حمد ہے** کہ تم اللہ پر رستہ لکھ لکھ کر کہو کیونکہ جس کا قول فرشتوں کے قول سے مل جائے گا اس سے بچے گا۔ **نہ معاف ہو جائیگا۔**

تشریح ظاہر حدیث یہ ہے کہ امام کے صحابہ اہل ذہن حاملہ کہنے کے وقت جس کی تحمید ملائکہ کے قریب سے مل جائے گی اس کی مغفرت ہو جائے گی یہی جو پیغمبر مہجوزہ سے کلام ہے۔

(۱۶) **حجّت کی نماز سب نمازوں سے افضل ہے** کی دلیل یہ ہے
کہ حجّت کی نماز کو دوسری نمازوں پر فضیلت ہے کیونکہ ماحول میں نماز پڑھنے
والے کے سمیع اللہ میں حمد کہنے پر آمین یا تمکین نہیں کہے مگر دوسرے نماز کے لئے
ہم اس بات پر کہ جب وہ سمیع اللہ میں حمد کہتا ہے تو وہ جواب دیتے ہیں اور اس
مقام پر قوت کلام کا مدعا یہ ہے کہ اس دفعہ اللہ ربنا ولف الحمد کہنے کی پابندی کرنا
مطلوب ہے کیونکہ یہ سولہ آیتیں اس کا جواب بتا رہی ہیں تو کیا آپ شیخ یا محکمہ کی رائے یہ ہے کہ
اس کی کس سے غفلت نہ کرے اور اس کا اپنا اعمال دیکھو۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز کے دو ستر ارکان پر اس رکن کو زیادہ شرف حاصل ہے کیونکہ اس رکن کے سوا اور کسی کے متعلق یہ نہیں آیا کہ ملائکہ اس میں آؤ کیسی ساتھ واقعت کر کے شریک ہوتے ہیں اور سورۃ حمد کے بعد بھی جب آیتیں کہتا ہے تو ملائکہ آمین کہتے ہیں جس سے اس سورت کی بھی فضیلت ثابت ہوئی کیونکہ ختم فاتحہ کے بعد وہ اور کسی سورت کی قراأت کے لئے یہ نہیں آیا کہ ملائکہ اس پر آمین کہتے ہیں بجز ان اہلک کے سمع اللہ من حمد و سب سے پہلا ملائکہ اللہم ربنا لك الحمد کہنا ہوتا ہے کہ اس رکن کی عظمت و ستر ارکان و اقوال سے زیادہ ہے

قوله في الوجهة في مسجديه وسيل على فضل صلاة الجمعة الى قوله في الزمان
على تعظيمها من بين الاركان والا قول

ہے صوفیہ عقیدین سنت کو جماعت کا بہت زیادہ اعتناء ہوتا ہے ہم نے اپنے ابراہیم کو ہی تمام پرہیزا پت اور خزانے صرف مائیں کا بھی ہی ہر طبقے کو آج کل کے جاہل و مریضوں نے تصرف کو جنم کر رکھا ہے وہ جماعت کا تو کیا اعتناء کرتے نماز کا بھی بڑی پابندی تھی کہتے نہ منع بن و گونے تصرف کس چیز کا کیا لکھا ہے جو مائیں سنت کے ساتھ بھی صحیح ہو سنت ہے فلا حول ولا قوت الا باللہ

(۱۶۲) ترکِ حظوظِ عملِ اعمال سے افضل ہے یہی ہے سیدِ محمدان حضرتؐ
نے جب یہ دیکھا کہ ملائکہ اللہم رہنا لگے اللہ کہتے ہیں نمازیوں کے ساتھ اس لئے
شریکِ محرم ہیں کہ کوٹھ میں بندہ کو حضورؐ اپنے دہک کی تحلیل یا حکم ہے قنارت
اور عمارتِ قریہ کی اجازت نہیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کی بیانیہ نشاد فرمایا ہے
کہ جن کو میرا ذکر کرے گا مجھے اور وہاں کسے نہ دو گے میں، اس کو مانجھے والوں سے
بھی زیادہ دیتا ہوں اور اللہ تعالیٰ نے اس حوالہ پر جب کہ نمازی اپنے رب کی تعظیم کر کے
سر اٹھاتے ہیں انہی پر تجاہد و جہد و جہد سکھ دی کہ فرشتے بھی ان کے ساتھ اللہم
بنا ناک اللہ کہتے ہیں شریکِ محرم ہیں اور میں کا قول ان کے قولی سے مل جائے

وہ دل نوازی کے ساتھ ان کی تمام کمزریاں سے کیا تو ہے ابھی پڑھ کر کیا تھا کہ وہ کہتا تھا کہ وہ
 دوسرے کو گناہ کے جند کا ہونا چاہیے ساری مخلوق میرے ہی سے زیادہ فریاد اور بدگفتہ نہ کیے اس بات
 پر اللہ تعالیٰ سن چڑھے گی۔ میں بہت خوش ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی کبھی کو انسان اپنی ہنس پر اپنا
 ذکر کرے جو بے اختیار ہو کر کہے کہ کبھی اللہ تعالیٰ اس قدر بے باک میں غرض پر اللہ تعالیٰ اس کو
 بدست میں لے جائے کہ اجنبیت سے وہیں کے اور فرما دے کہ تم کو اور جو تم سے ملے ہو، پناہ دے
 اپنی تعابیر کے ساتھ شروع کر دے گا جب اس کی تعابیر کو پڑھو گے تو اللہ تعالیٰ اس کو یاد دے گا کہ میں نے
 کیا کیا ہے۔ میں نے کیا کیا ہے کہ جب اس کی تمام کمزریاں سے کیا تو ہے ابھی پڑھ کر کیا تھا کہ وہ کہتا تھا کہ وہ
 دوسرے کو گناہ کے جند کا ہونا چاہیے ساری مخلوق میرے ہی سے زیادہ فریاد اور بدگفتہ نہ کیے اس بات
 پر اللہ تعالیٰ سن چڑھے گی۔ میں بہت خوش ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی کبھی کو انسان اپنی ہنس پر اپنا
 ذکر کرے جو بے اختیار ہو کر کہے کہ کبھی اللہ تعالیٰ اس قدر بے باک میں غرض پر اللہ تعالیٰ اس کو
 بدست میں لے جائے کہ اجنبیت سے وہیں کے اور فرما دے کہ تم کو اور جو تم سے ملے ہو، پناہ دے

شرح: ظہور حدیث میں بشرط انکار کی چیز کی تحقیق ہے جو قیامت کے دن ہم کو غیبی ہوگا اس پر چند وجوہ سے کام ہے۔

(۱۷۳) روایت ہے صحابہ کو اودھ کا رت خواں بنی تھا کہ پہلے کہتے ہیں۔ اندر داخل اور میں
 پوچھتے ہیں جس طرح چاہتے ہیں اور انکے پاس افریقہ میں ایک مغربی حبشہ کے خواں روت
 اور اودھ کا یہی طائفہ، یہاں سے معلوم ہوا کہ روت اندر کی طرف حبشہ کے طرف سے بنی کوئی تھانی
 مسلمانوں کے پاس آئے تھے اور یہاں تک کہ شام کے قریب پہنچے اور طائفہ کے کہیں تک آباد ہوا جب پھر
 اوجھدہ روت اور کوکائے کن کوئی تھانی کی معرفت مائل نہ ہوئی روت حبشہ پہنچا جہاں گئے اور کہیں گئے
 تھانی بھی جہاں سے گئے جب تک عمارت تک گئے۔

[illegible]

لکھتے ہیں تم نے سعد بن کے لٹ گئے ہیں میرا ہے عرض کیا ان دو کیچہ ہیں فرمایا اولیٰ ہی ہے ہول کے
 مگر ان کی جانت کہ مقلد ان کے سوا کسی کو معلوم نہیں کہ لوگ لکھا تھا کہ سب دان
 لاخو کے نزدیک میری دسترس کھینچے یا جس سے روئے تو لبت ملن کی وجہ سے پاکت کو پین
 یا شمع کے اور بعض کو ان کا خوشے غراش کے کی طرح جاتی ہے یہاں تک کہ جب اللہ تعالیٰ
 جنم والا رہی ہے بن پر ہمت کرنا چاہیے کہ ہمت کریں گے تو فرشتوں کو بخودیں کے کہ جو ان کی
 عبادت کرتے والہ جن ہیں کہ اس کا مال گاؤ فرشتے ان کو کھائیں گے اور فرشتے ان کو جود کے
 نشانوں سے پہچانیں گے کہ ان کا نشانہ مخالف ہے آگ کے اور جو جود کے نشان کو کھانا معلوم کر دیا ہے
 فرزند وہ بہت ہے لکھ جائیں گے ان کے تمام بن کو آگ کھٹے گے اور جو جود کے نشان کو کھائے
 گی۔ یہ لوگ بہت سے پہلے بہت نکلیں گے ان کے اور یہ پاک حیات کو لایا ہے کہ جس سے وہ اس طرح
 آگین گے جیسا سیل کے تھی وہ نشان ہیں وہ ان کے ہے چرند و فلک ان کے دوسرا یہ فیصلہ ہے
 فاسر جو جاتی ہے اور دستور لکھتے ہیں وہ دفع اور جنت کے پیر میں دیا گیا جو دوزخوں میں جکے
 وہی جنت میں جائیں گے اور جنت کے لکھتے ہیں کہ بعد اس کا مردہ زہری طفس ہو گا تو وہ کہے گا کہ پڑی گا
 میرا میری دسترس کے خلاف کر لیا تھا کہ جو پڑی ان کی اور اس کی اپنے سے بڑی کیلے
 اللہ تعالیٰ فرمائی ہے کہ اگر لکھتے فرمائی ہوئی کسی نئی لکھتے فرمائی ہوئی ہے کہ ان میں آگ کی
 عزت کی قسم دینی اور کھینچنا مائل ہو پر وہ دسترس تعالیٰ سے بہت کہ جہیز میں شاق کر کے اور تہق
 اس کا نہ میری طرف سے جانی ہے جب وہ جنت کو پہنچے طے ہو جائے گا اور اس کی زبنت اور اس کی ہر
 نظر کی وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ جانی ہے کہ وہ خورشید کا ہر پیر بن جائے گا کہ کہے گا کہ وہ رت لکھ
 جنت کے دروازے کے پاس پہنچا دینے اللہ تعالیٰ فرمائی ہے کہ ان کے پاس پہنچتے جہیز کیا تھا کہ ان
 کہ نہ مائل گا تو وہ کہے گا کہ سب میں ساری مخلوق میں ہے یہ وہ بدستور نہیں ہو گا تو فرمایا
 کے اچھا اس کے بعد اس کو تو کہہ نہ مانے گا، وہ کہے گا کہ ان میں آپ کی عزت کی قسم اور کہ نہ مائل گا پھر
 اس پر اشارہ تعالیٰ کے سامنے بہت کہ جو پڑی میں شاق کرے کہ اور اشارہ تعالیٰ اس کو بہت کہ وہ وہ
 پر پہنچوں گے، وہ وہ نہ پہنچ کر جب وہ جنت کی رونق اور لگاؤ دوسرے بنوں سے دیکھے گا تو
 بہت کہ اللہ تعالیٰ عام ہے کہ مائل ہے کہ ہر کہے گا کہ وہ جہیز میں بہت کہ نہ یہ سچا ہے جنت

تھے خلفہ نے اسی شخص کو اس عنوان سے بیان فرمایا ہے۔

جان محمد طلبہا میں سے دایمہ کہیٹن میں کہم دو یوم دین

علم حقیقی کی تشریح
 تھامہ علم کا جان یہ ہے کہ تم کو یہ معلوم ہوا ہے کہ میں قیامت میں کون
 ہوں، میں ہوں یا نہ ہوں، میں حق یا باطل ہوں یا حق، اس بات کے معلوم کرنے
 کا طریقہ یہاں بتا دیا گیا ہے کہ ایسے انسان کی حالت کہ مٹنے سے پہلے شہادت کے واسطے کہ اس کو
 جہنم نہ پہنچے اور بعض اشیاء کے لئے کہ عجز و شہادت کے واسطے کہ اس کا پانا اصل حال معلوم ہو جائے جو عجز و شہادت
 سے قائل رہتا ہے وہ کہہ کر میں بتا ہے۔

دیر میں اس امر کی کوئی ہے کہ
 (۱۷۲) قیامت میں بھی قبول دُعا کی امید

امید ہوا کہ وہ غیر مال و عیش کی توقع نہ کرے اس لئے جتنا عجز و تسلیم و دل کلام از نسبہام
 علیہ السلام و عیش و مال کی ملازمت نہ کرے کہ اللہ اس کو عجز و تسلیم سے عطا کرے۔

قرآن مجید الطائف والعتیق فیہ دلیل علی ان الدعاء الی قولہ لہا کانت الہول یدعین

دعوت سے وہاں اس صورت کی تفسیر ہے
 (۱۷۳) دُعا میں اللہ کا حشر افضل ہے

یہ معلوم ہوئی کہ اللہ کی عطا کیا دُعا
 کہی گئی اس طرح ہمارے افضل ہو جائے اس لئے علیہ السلام اس مقیم ہوا تو میں اس کو
 اشتیاد کر کے دُعا میں سے افضل کہ عطا کر دے گا کیا ہے کہ اللہ کے لئے یہ کہہ کرے کہ میں
 آپ میں تمام ان کی عطا ہوئی کہ ان کے لئے یہ کہہ کرے کہ میں اس کو عطا کر دے گا کیا ہے۔

قرآن مجید السراج والعتیق فیہ دلیل علی فضیلتہ ہذہ الصفتہ الی قولہ
 بصیرہ ما سئل ب

نیز اس سے یہ معلوم ہوا
خدا سلاطی اور نجات کی دُعا سے افضل ہے
 کہ سلاطی اور نجات کی دُعا
 سب سے بہتر ہے کہ یہ نجات اور نجات علیہ السلام اس ہونا کہ وہ نجات میں
 سلاطی کی عطا کرے گے اگر اس سے بہتر کر کوئی دُعا ہو تو اس کو میں اس کا اشتیاد کر دے گا

اللہ دُعا کیا میں ہی پروردگار، طرف شریف سے عطا کیا ہے

بم گفتی و غرضم عجز و عجز گفتی عجز گفتی کی تفسیر یہ ہے کہ عجز

داشتی کہ عجز کہ دشنام میں ہی وہ نجات آتی ہے جو عجز کو تسلیم و عجز میں ہی حاصل ہوتی

سرخرقی اللہ و انما عجز اللہ و عجز رسولہ و عجزا عن شراب سبہ امیں

اور یہ جو فرمایا کہ سلطان شریف سے عطا کیا گیا ہے اس کے مطلب یہ ہے کہ اس طرف طلبہ کا حکم ہو گا

اس طرف میں ہی گے اور یہی عجز و نجات میں ہی عجز ہو گا جو نجات میں ہی عطا کیا گیا

کہ پہلے عجز و عجز کو عجز کے قول کے اور سلطان کے عجز میں ایک دُعا کر دے کہ میں ہی

جیسا اشتیاق سے اپنا کیا ہے عجز ہو کر عجز میں عجز ہو کر عجز میں

بجایا ہے۔

قرآن مجید السراج و عجز اللہ و عجز رسولہ و عجزا عن شراب سبہ امیں

اس سے یہی مسئلہ

(۱۷۵) استعانت کے وقت حقیقت واضح ہوتی ہے

اس سے یہی مسئلہ

کے وقت تمام حقائق کی حقیقت واضح ہوتی ہے جتنا عجز و تسلیم ہو گا عجز و تسلیم ہو گا

بہتر ہو گا اور نجات کی دُعا سے بہتر ہو گا کہ میں ہی عجز و تسلیم ہو گا

دُعا میں دُعا کی عطا ہو گی۔

اللہ ہی عطا کرے کہ عجز و تسلیم ہو گا

اپنے ایمان کی حالت کو ثلث اور چار ہے

اس کو معلوم ہو جائے کہ عجز و تسلیم ہو گا

عجز و تسلیم ہو گا کہ عجز و تسلیم ہو گا

عجز و تسلیم ہو گا کہ عجز و تسلیم ہو گا

عجز و تسلیم ہو گا کہ عجز و تسلیم ہو گا

عجز و تسلیم ہو گا کہ عجز و تسلیم ہو گا

تو یہ لڑتے ہو کہ کون کا فرقہ اور کون کا فرقہ خدا کی قسم تباہ کن دن تم کو کھو گئے کہ بیٹھائے
لوگوں کی منتظر تھے یہی ہے جو دنیا میں بوسے کا فرقہ جاتے تھے پھر دنیا اس کا سٹاپ آؤ نہیں
کردہ جانے کے لئے منتظر آگے ملے پر کسی کا فرقہ پیدا ہونے (سیاحہ) میں مالک ملو کہ کافر کا
ہی ہے اگر یہ سنت ہو کہ جس پر کفر کا فتویٰ لگایا گیا ہے وہ سچ پر کافر ہو گیا، انھوں نے کسی مسلمان
کا دشمنی محنت سے مایوس نہ کرنا چاہئے ہرگز فرماتے ہیں کہ

کسے تو میری عرو کا میرا دست سے نہ کی عرو تو شہید دست

اس میں مذہب اہل سنت کی دلیل ہے
(۱۶۹) نار بالذات عرق نہیں ہے
جوانے کی محنت خدا تعالیٰ کے پیدا کرنے سے اس میں آگے کہ اگر وہ بالذات عرقی ہو تو حلال
و حرام کا کیا فرق ہے؟ وہاں تو فرشتوں پر اس کا کچھ بھی اثر نہ ہوگا اور جو کچھ کے مقامات کو بھی بلا
و حق ہی تمام بدن کو جانے کے لئے (وہاں تو کچھ بھی نہ ہوگا) جو کچھ کے مقامات کو نہیں جانتے، غرض قرین
کے تہذیب سے یہ ملت ظاہر ہوگی کہ وہاں جو لوگ کی محنت سے اس کی محنت نفس کی ذات کا
دو دو نہیں بلکہ یہ محنت خدا تعالیٰ کے پیدا کرنے سے اس میں پیدا ہوتی ہے۔

یہاں چند سوالات چھٹکے کہ مقتات جو کچھ کی بات جو دنیا ہے کہ آگ ان کو نہ کھا
گی۔ ہرگز نہ کئے جائے، تو خاص نہ کبھی جو کچھ کی بات ہو گیا ہو۔ یہ ہے کہ اگر اس کو
عوم پر عمل کریں تو قتل کا اس سے موضوع اور نفس سے حاصل دین کے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر وہ مسلمانوں کو کھڑے کر دے اور مسلمانوں کے پیچھے اس کے گھر میں آئے اور وہ
جس طرح کا مرد اور انڈیا پر ہوا تو جو کچھ کبھی جو کچھ اس کی پیشانی میں جو کچھ کا، تو لفظ
نہیں ہو سکتا خصوصاً یہی دلیل اہل سنت علیہ السلام کا پادشاہی ہے۔ بس، اللہ میں
واللہ اعلم بالصواب، اس انداز میں ماست انعام کے پڑھنے اور ترک کرنے کے
پس اگر مسلمان قتل ہوئے تو اس کو کافر کا ستارہ حاصل ہوگا اور اس کے جسم میں نماز کا
کچھ نہیں ہو جائے گا اگر پہلی گشتی کو ہی ملے، کے متعلق ہے نہ کہ بالکل نماز نہیں پڑھی
نہیکہ زیادہ کہ ان کے تعلقات ہو کہ لوگ کھائے گی یا نہیں تو ظاہر ہے کہ جب اس کے

اس نے دیکھے میں کیا ہے کہ انہوں نے تہذیب سے ماہر، کیونکہ کفر کا سوال مانتا ہے
وہاں سے زیادہ ہو جاتا۔

اللہم اذنا اسلاف العرو والعائین فی الدنيا واخرتها

(۱۶۸) کسی مسلمان کو رحمت الہی سے مایوس نہیں کرنا چاہئے
میرے سے سزا

اہل ایمان میں سے جو خدا کسی حالت میں جو اس کو تہذیبی طور پر اہل ایمان کی محنت سے
نہیں کیا تھا سزا۔ شاید وہاں تو کبھی میں سے جو ان کے لئے غیر مقرر ہو چکی ہے، خدا تعالیٰ فرماتے ہیں
انہ لا یأس من روح اللہ الا القوم الخاسرون
خدا تعالیٰ کے عطیہ سے کافروں کے سوا کوئی نا امید نہیں ہوتا

منقول ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے غلبہ میں دیکھا کہ قیمت تانبے
اور غلہ سے حساب کیا گیا پہلی کو دینا دیکھنے کے لئے حکم دیا گیا اور حرام سے جتنی بچے تھے
ایمین اہل جنت ہی ہیں، یہاں تک کہ ان کی قربت تھی اور ان سے جو حساب ہو چکا ان کو بھی مانتی
ظاہر کرنے کا حکم ہوا، وہ فرشتوں کیساتھ چلے گئے کہ لڑتے ہیں یکساں ہی رہی ہوئی ہیں
فرشتوں سے پوچھا یہ کون ہے، فرشتوں نے کہا اس سے پوچھ لو کہ وہ خود بتوئے گا کہ میں کون ہوں، تو
آپ نے پھر اس کے پاس سے گزرا تو وہاں پہنچا تو ان سے کہا میں عابد بن ہوا ہوں۔ پوچھا انہوں نے
تہذیب سے ماہر کیا مانتا کیا؟ کہا ہرگز نہیں، بلکہ ان کی تہذیب سے ماہر تھا اور یہی ہے جو ہر تہذیب
میں کھوئے ہوئے تہذیب کو دیکھا چاہئے اور یہی ہے اس پر کسی کا مانتا ہے کہ اس کی اہل
توحید کا امید ہو کہ یہ تہذیب ہی ہے میرے کہ میں تو ان پر دیکھنے کے لئے آگاہان کا بدلہ لینے
کے بعد ان تہذیب میری طرف سے فرما دیں گے اور جنت میں پہنچا دیں گے

قولہ والوجہ امت بعد العشرین فیہ واسیل طمان صفا، ان اصل الایمان الی
قولہ وانا انظر ما یستقرک الوحدی۔

فت حوت مولیٰ علیہ خاص مذاق ہے کہ وہ کسی مسلمان کو رحمت الہی سے مایوس نہیں کرتے
ظاہر کیا ہی نہیں ہو، جو ان کو یہ تہذیب سے لپٹنے ایک ہمارے فرمایا کہ یہ کیا کفر کے

مٹی میں وہ سب لوگ نکل آئیں جن کو قرآن کے قانون نے انبیاء و علماء کے نزدیک جہنم میں قید کیا تھا۔ یہ لوگ بھی جو کچھ نماز کے پاس نہ لکھے تھے، ان ہی کے ساتھ نکلیں گے اور ان سب کا بیان اپنی جگہ پانچواں کتاب میں آگے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

تو لہذا فی الوجہ التامع عشر وہنا فیہ لہذہ اعلی السنۃ الی قولہ من داخل الکتاب انشاء اللہ تعالیٰ۔

ن کا فو و مشرک کی مغفرت ہوگی اور جن لوگوں کو انبیاء و اولیاء جہنم میں چھوڑ دیئے پھر اللہ تعالیٰ ان کا پس و پیشتہ من و عنی مگر ان کا ایمان ضعیف ہوگا

قرآن قرآن نے حقیقتاً بن لوگوں کو جہنم میں قید کیا ہوگا وہ کافر و مشرک ہی ہوں گے کیونکہ قانون قرآن یہ ہے کہ اللہ کا یغفران بیشتر شب و بیشتر ماموں ذلت پس نیام اور ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ ہی جہنم سے نکالیں گے جو مٹی لوگوں کا ایمان اتنا ضعیف ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور عبد اللہ و اولیاء ان کو کافر و مشرک سمجھ کر جہنم میں چھین دیئے گئے اور اللہ تعالیٰ نے حق کر کے کتاب جانے علم میں ان لوگوں کے سوا جہنم میں کوئی نہیں رہا جن کو قرآن قرآن نے قید کیا ہے اس وقت اللہ تعالیٰ اپنے علم کامل اور قدرت کاملہ کا اظہار فرمائیے گئے، اور بیشک عسقرہ کو جہنم سے نکال کر بتا دیں گے کہ ان کو رسول نے انبیاء کے ساتھ مل کر لے کر اٹھانے کا ارادہ کیا ہے جو کہ جہنم میں چھوڑ دینا عار و عین حق ہے ان کا حال معلوم ہے یہ مومن تھے کافر و مشرک تھے لیکن ایمان اس قدر کمزور تھا کہ تمام اصحاب فرستادن کے ایمان کا نہ پہچان سکے یہاں سے معلوم ہوا کہ علم غیب عظیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اکثر مشرک میں بھی نہ ہوا۔

علم غیب اللہ تعالیٰ کی خاص ہفتہ علم غیب عظیم اللہ تعالیٰ کی عظمت خاصہ

الغیب الا اللہ اور علم غیب عظیم کو علم غیب کہا جائیگا نہیں۔

جہنم میں نکل کوئی اثر اور نشان نہیں ہے تو اس کے حکمت جو دو گانہ کما حقہ ہے۔

اس کو ہم پورے نکل کوئی حالت زیادہ تاکد مصلوہ کی حالت زیادہ خطرناک، خطرناک ہے کیونکہ اس کے متعلق اندیشہ ہے کہ موت کے وقت ایمان سلب ہو جائے اور اگر ایمان پر قائم ہو جائے تو کیا نیش ہے کہ وہ ان مسلمانوں کیساتھ جہنم سے نکالا جائے جن کو جہنم کے نشان سے مل کر پہچانیئے گئے تھے اس کے پاس یہ علامت نہیں ہے۔

اور اگر کہا جائے کہ یہاں ایک حدیث ہے اس بیان کے معانی ہے اور وہ جبریل کا قول ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ مات من امتی و بعدہ ان لا اقلہ اللہ یصلی اللہ علیہ و آلہ و سلم قال مات فعل فعلہ اوکذا قال وان فعل کذا کذا او یصلی علی آپ کی امت میں سے اس حالت میں مرنے کو کہ لا الہ الا اللہ و محمد رسول اللہ کی شہادت زبان و فعل سے دینا ہو وہ جہنم میں داخل ہو جائیگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگرچہ اس نے ایسا ایسا کلمہ بھی کیا ہوگا اگرچہ اس نے ایسا ایسا اذکار بھی کیا ہو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر کوئی حق پرست ہو جائے اللہ سے موت کے وقت کا ایمان سلب نہ ہو سکتا، اور اگر وہ شہادت کا اقرار کرتا ہو اور اس سے اس کو مات یا جملہ اقرار دینے سے کہ ان لوگوں کیساتھ جہنم سے نکلے گا جو طاعت و طاعت سے بے ایمان تھے ان کے ساتھ نکلے گا جو طاعت تعالیٰ مٹھی پر کر لیں گے جیسا حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیاء صالحین کے شفا سے بعد جو کہ یہ عزات شافعی کر کے گنہگار مسلمانوں کو جہنم سے نکالیں گے اور جہنم میں ان کے نزدیک وہی لوگ نہ جائیں گے، جن کو قرآن نے جہنم میں قید کر لیا ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور عبد اللہ و اولیاء کے نزدیک کوئی مومن جہنم میں نہ رہا ہوگا۔ مستحق کفار و مشرکین ہی وہ جہنم میں ہوں گے، اس وقت اللہ تعالیٰ فرمائیے گے وہ لوگوں نے شفاعت کر لی، انبیاء نے شفاعت کر لی، ملائکہ نے شفاعت کر لی، علماء نے شفاعت کر لی اب اہل ایمان کی شفاعت کی بدلی ہے۔ پھر اللہ عز و جل جہنم میں سے ایک بھی مومن کو نکالیں گے اور اللہ ہی غیب جاننا ہے کہ ان کا منہ پر کیا کرے گا اور اس کی مقدار کیا ہوگی؟ تو یہ

قبول دہا کی قوی امید کھٹا چلیے گی لڑائی امید کھٹا جائے اگرچہ دیکھ کر یہ حال اس کا دل نہ تو کھینچے نہ جس کا حال بیان ہو رہا ہے لیکن طوئستہ معلوم ہو چکا ہے کہ وہ جہنمی ہو گا اور جو شخص جہنمی ہو اس کا مردود و سوائے جہنمی ہے رقبول ہوتا جو جہنمی کیوں جاننا، جو جہنمی قاتی اس پر اپنا فضل و مہربانی کے لہجہ اپنی رحمت اس پر بندولی فرما کر کے اس کی دعا و درود کے کو قبول فرمائیے، تو جو شخص ایسی افعال جس کے درجہ میں ہے کہ جہنمی ہو گا یا جہنمی اس کا کیا حال ہوتا جائے، یقیناً اس کو قبول دہا کی بہت زیادہ امید کھٹا جائے گی کیونکہ اس دل (دویم میں) تو سب لوگوں کی حالت سعادت اور شقاوت دونوں کو مثل ہے تو ان کو ارم انرا حسین کی رحمت کی بہت زیادہ امید کھٹا جائے۔

قوله الوجه الثامن والمشرقة ثوب فيه وميل على قوة الرجاء إلى قوله فهو أقوى جارا في وجهه أعمد الراحمين -

[illegible]

آئندہ قبول نظر رکھائیے۔ فاعتمدہایا ادلی الابھاسا

حدیث میں قبول و مذاک تالیف امجد علی

(۱۸۲) قبول دعا طریقہ جاننے پر بھی موقوف نہیں کہ ایک اور دلیل یہ ہے کہ اسے شمع کی دھواں

فے اللہ تعالیٰ کے برابر کوئی بھی حسین و کریم نہیں
 یہاں ہے یہی سلام جا کہ
 اللہ تعالیٰ کے برابر کوئی بھی
 کریم و کریم نہیں چنانچہ بیشعاع و شوق تھا انبیا و اولیاء کی نظر عنایت و محبت سے محروم
 رہے گی مشن اللہ تعالیٰ کی محبت ان کی دستگیری کریگی، یہاں سے ان جاہلوں کی حماقت ظاہر ہو
 گئی کہ اللہ تعالیٰ کی قرب جہاد و تہاد ہی سمجھتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور پیرانِ مسیح کو
 کریم و کریم سمجھ کر غوغا بلند کرتے ہیں چنانچہ یہی جیسا بعض اہل بدعت رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم کو عالم نبی اور عناد کل قرار دیتے اور اہل بیکری و دستگیری پر جھڑپیں کرتے ہیں
 نعوذ باللہ من ضلالتہ العبد عبدہ و سادہ کمال اشباح السنۃ الطاهرۃ اجلنا حو
 عبادہ الملتزمین الفیض محمد ص ۷۷

(۱۸۰) فضیلت عبادت : اس مقام کی بنا پر یہ واضح ہو چکا ہے کہ عبادت میں جہاد کی فضیلت کی بھی دلیل ہے کہ جہاد ایک عسکری یا شاعری ہے وہ یہ کہ جب مومنین اس حدیث سے یہ معلوم کیا کہ جہاد عبادت کی بڑی عزت و حرمت ہے، مگر ان کو نہ جلائے کی تیز سولہ تشریحی اندلیہ و سلم کا لاشہ ہے کہ انسانی کے پیٹ میں جہاد کی جیل اندھ کا عباد اور جہاد کا دھواں جیسے نہ ہو سکے گا یہاں تک کہ وہ دھواں نہیں دے گا وہی ہو جائے یعنی جیسا ہے دھواں ہے یہاں یہی ہو گا کہ جس پیٹ میں جہاد کا عباد ہو اس میں جہاد کا دھواں پہنچ جائے۔ اور اس مطلب میں اور بھی بہت سی دلیلیں تو قویہ سے پہلے دلوں کو اندھ بن کر اور دماغ اندھ کر کے عبادت میں ہی مشغول کر دیا جس سے اس وقت جہاد کی گمان نہ ہو۔ وہ دھواں جہاد میں بندہ کر کے مستحق ہو جائے رغبت کرے یا اس کو اس میں رغبت نہ کرنا چاہیے۔ قوله الحسبہ الشداقوت فیه و دلیل علی فضل العبادۃ الی قولہ دینی حفظہ اللہ تعالیٰ۔

فہمے پس زبان کو بھی مباحثہ میں مشغول رکھو اور دل کو بھی اور سانس کو بھی اور کلام، اعضاء اور کچھ جس کا طریقہ، علماء و اولیاء کے بتلانے سے معلوم ہو گا۔

دست سے تاملیہ پر کیوں کثرتِ عالی سب میں اس کی کوشش کرتا ہے۔ یقیناً وہی خوا
نفسِ طامسہ میں ہے۔

قوله لا تحبوا التسمع وان شئتم فليبه وصيل اخر علی حقہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ قوله ان اللہ
یتقوا الذنوب جميعا
حضرت فقہاء اور محدثین نے اس آیت پر فرمایا ہے کہ اگرچہ ہم میں اور ہمیں تو اس کا اختیار کرنا مشکل
تھا اس کی بنا پر کسی کی دوست نہیں اور کسی سے دوستی نہ کرے لے اپنے اپنے زبان میں اپنے کو اور میں سے
کے کو دل چاہے تو بے تکلف میں غلطی سے اپنے دھارے میں اس بات کی عادت ہے کہ ہم
پسینہ کی دھار سے اس حد تک تجاوز نہ کرے۔

(۱۸۳) اصل نص ہے لا تحبوا التسمع اذ اس کا غلطاب جواب ہے
وہ عزت کے وہ نہ ہو کہ انہیں قسم آپ کی عزت کے یہاں سے سو کہ نہ مانگوں گا۔ ایک موطاء
مناقب ہے وہ یہ کہ حضرت اور خوشی کے بند میں شخص جو دعوتِ حق کہے گا، پھر موصوفی کے مذاق پر
قاس خوشی کا شانزدہ خطاب ہے جس کا جواب ہے کہ اگرچہ وہ فرماتے ہیں کہ ہر شخص
عشیرہ و جنس کے ساتھ ہے لیکن وہ کہتا ہے کہ اصل نص تو مولیٰ کی توجہ و التفات ہے
اس کا جواب غلط ہے اصل جواب کہہ دینا کہ یہاں اس شخص کی خوشی کا منشا حاجت ہے اور اگر
ہے اس لئے وہ دوسرے سے تم کہنے لگا۔ مگر انہوں نے اس شخص کو بھی اپنی طرح جواب دینا ہے
ملاوی میں کاش ترقی سے غلط جواب کی دولت دعا ہوگی وہ جواب نہیں دیتا بلکہ دالین
جائے اور اصل کا اصل نسخہ جو کہ غلط ہے ہوتا ہے۔

نص یہاں سے معلوم ہوا کہ ہر شخص کو کہے کہ جو کہ وہ امت ایمان دعا ہوئی ہے وہ کسی کی دوستی نہ کرے
کے اسباب گناہ پانچ ہیں سلطان جو کہہ دے کہ تم کو کا کا ہے کہ سب آدمی درجہ میں ہوا
مگر امت ایمان کے ساتھ اس لئے رسول سے سرفراز ہو گئے ہر آدمی سے امت ایمانی کے کا کا
اور رسول و جواب اور رضا کا نام تو رسول ہے ان دھارے کے بعد تک کسی کا علی وجہ حال ہے
کے کو کوئی عمل نہ کرے رسول سے محرم نہ ہو گا یہ وہ نہایت عاصی جو ہر سلطان کو حاصل ہے

قبول ہو جاتا ہے کہ کو دعا کا طریقہ بھی معلوم نہیں اور اور دعا تو ابھی نہیں چنا ہے اس
شخص نے ادب سے دعا کی دعا استعمال نہیں کی اس ایک حاجت کی درخواست کی اور اپنے
نیک کی شہادت کی کہ اسے میرا چہرہ و جنس کی طرف سے پیر دیکھنا اپنی حاجت میں کر دی و جنس
ان کے لیے جو کہہ دے اس کے بدلے دعا چاہتا ہے کہ اس کی دعا خواست چاہا جائے
مغرب ہو گا اور تکلیف دور کر دی گئی میں ایک ایک ایک پانچ کی امان کو بلند کر دے
یہ کہتے ہوئے سنا اور حق و اسلاف کے چہرہ و جنس کے ہوا اس کے کہنے سے دعا چاہتے ہیں مستحق
تھے اور اسے ان کو باری کہہ دیتے تھے میں نے کہا کہ یہ کسی دعا اور دعا خواست ہے فرمایا ہے نہ
چہرہ و جنس میں نہ دنیا میں اور اس کی طاقت اور چہرہ و جنس میں غور کیا غنت میں اور اس کی
تکلیف و عذاب میں تامل کیا تو کہہ دے کہ میں نے دیکھا کہ ماٹوں اور کسی چیز کو شمار کر سکوں
اس لئے میں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ چہرہ و جنس کے کہنے سے دعا دے کہ نہیں میں نے اسی وقت اس
کام کی حاجت اپنے دل میں جس کی اسباب تک حالت میں کتا ہوں جب یہی ان کی بات
یا آجاتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ بعض اپنی حالت میں چاہے وہ نہیں نے کام نہ ہو کہ کیا بجز کیا
چنانچہ وہ بھی حالت میں نہ دیتے پھر اس کے وقت ان کو شہادت نصیب ہوئی اس وقت مجھے
معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ان کی دعا قبول فرمائی ہے۔

صدق و اخلاص حاصل کر دو
ساتھ ساتھ نصیب ہو گیا تھا

یہاں ہے آپ ایک نالی اگر پیچیدہ ہو
ایک نالی بھی اگر ہاں قبول ہو جائے اور قبول ہو جائے خصوصاً تو وہی کام کرنے سے ہے
خصوصاً کی خصوص میں گئے ہوا شرفانی اپنے فضل و امان سے یہ دعا میں دعا فرمائی تھیں
اور اس حضرات کی نصرت میں کہ ہم یہاں کہہ رہے ہیں شرفانی کے اس ارشاد سے بھی جوتی ہے۔

قل یا عبادي الذين امنوا احل الله لكم ما تشاءون من نعم الله ان الله عليم خبير
یمنزل الذنوب جميعا ان الله عليم خبير
فرمایا جتنے سے تم کہہ رہے ہو ان کے ہاں جو چیزیں تم کو اللہ کے علم کی ہے تم ان کے

۶۔ تفصیل مام

۷۔ تفصیل کلام

۸۔ تفصیل اختلاف مع الاما

ان میں سے فرلول و دہم آجکل تعلیم میں شروک ہیں کیونکہ لوگوں کے قوی خود ہی ضعیف ہیں گھما، سونا کم کرنے سے منفعت زیادہ ہو جاتا ہے اور انسان ناگاہ ہو جاتا ہے جس گھٹنے میں اٹا چاہو جس سے کم قوتی ہی سبک و کھل کر کھایا کرے پوری طرح علم میرا کرے اور شا کو پالی کر پیا کرے۔ جس سے کمال متعلق اٹا چاہو گا کہ ہے کہ کچھ گھٹے سے زیادہ سحر کرے اس سے کچھ کرنا سارے کو مستحکم۔

بہت تفصیل کا اور تفصیل اختلاف کی اس نماند میں پہلے سے ہی زیادہ ترس ہے اس لیے تحقیق طریق ان دونوں چاہوں پر آجکل زیادہ زور دیتے ہیں کیونکہ زیادہ مغنیان سے انکسٹ کان سے ہوتے ہیں اور ان کا ہی طریق ہے کہ بلا غور سے بات کی جائے اور سبک و کھل بلا جلتے بلا غور سے لوگوں سے نہ مخاطبے۔

۱۱۔ میں اللہ تعالیٰ کے کمال لطف
(۱۸۵) اللہ تعالیٰ کے کمال لطف کا بیان
پرمی ولادت ہے کہ وہ بچہ آدم کے ساتھ اس قدر برائی لا سکا کہ فرشتے اور ان کے عہدوں کو کیا قبول فرماتے ہیں کیونکہ وہ ایچہ ضعیف کو جانتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اولا اس شخص کے سب ویسے اور عہد قبول فرمائے اور اس کی ایک درخواست پوری بھی کر دی وہ تاج وہ خوب جانتے تھے کہ یہ شخص جس قدر اور اس کی راستہ کو کچھ کر جرت کر کے گا۔ اور یقیناً اپنے خدا پر دہے کہ تو جسے گا پھر ہی اس کے دہے اور عہد قبول فرماتے تھے اس کی نظر حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے

وہو اللہ یقبل التوبۃ من عباده و یغفر الذنوب و یصلح المسلمات و یصلح المصلحتون

وہی ہے چاہے توبہ کی توبہ قبول کرے اور ان کے غنا میں سے دیکھ کر توبہ کرے اور وہ چاہے توبہ کرے کہ توبہ کرے۔

توبہ کی خبر دینے کے بعد و یصلح المصلحتون ترجمہ میں ایک لطیف نکتہ ہے

مدد بظاہر یہاں اس کی مروت حق کیونکہ قرآن میں یہ مضمون بہت بچہ آچکا ہے کہ اگر مرد و عورت ہلکا حال سے باہر ہیں اور یہ تو شرعاً ایمان ہے کسی کا عین دیکھا جائے کہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے کلام سے بگڑیاں اس کو اس لئے چھوڑ دیا جائے کہ توبہ کر لیا تو میں سے بعض توبہ تو یہ وہ کام ہے جسے میں خدا جیسے اس کو توڑ دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں کہ کون توبہ بہت نام ہے گا اور کون اس کو توڑے گا میں کیا باہر وہ سب کی توبہ قبول کر لیتے ہیں اور بہر وہ دہب میں قبول کرتے ہیں سب کو توبہ کا ثواب عطا فرماتے ہیں اور بہر توبہ کرنے والے کی مدد بھی فرماتے ہیں۔ گو وہ بد میں توبہ کو توڑ دیتے ہیں اس کے متعلق وہ حدیث کافی (دلیل) ہے جو علی امیر سلم کے ایک شخص کے متعلق وارد ہے کہ وہ گناہ کرتا پھر توبہ کرتا تھا پھر گناہ کرتا پھر توبہ کرتا تھا یہاں تک کہ ملائکہ عرض کیا کہ یہ درد گناہ ایک اس مرد کو نہیں دیکھتے کہ یہ کیا سوز پ کر رہا ہے گو گناہ کرتا ہے پھر توبہ کرتا ہے گناہ کرتا ہے پھر توبہ کرتا ہے توبہ کے بعد بھی گناہ سے باز نہیں آتا حق تعالیٰ جہ جہ سے فرما لے فرماتے کہ کیا تم میں سے کسی کی بات کو نہیں دیکھتے کہ وہ جانتا ہے کہ اس کا ایک بے درد گناہ ہے جو گناہ پر ممانعت کرتا اور وہ کہہ کر توبہ کرتا ہے۔ تم بے مصلحت عت کی میں جیسا اس کی توبہ قبول کرتا ہوں گا جب تک مجھ وہ توبہ کرتا رہے گا۔ سبحان اللہ کیا لطف و کرم ہے

لے خدا قرآن احسانت شوم وہ چاں احسانت قرآنست شوم
قال المومنین

وگر غمزد گرد بجز وار داشت
بجز آزدی ما جزا در داشت
وقال المومنین و بے

باز آزدی باز آزدی
باز آزدی باز آزدی
باز آزدی باز آزدی

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا ارشاد ہے

الدعویٰ المتوہب یقبلہ لہ فضلۃ من عند اللہ یدخل بہا الجنۃ
میشہ توبہ کی قبول کرنے کے پاس کچھ توجہ علی کا مروت دہتا ہے جس کی وجہ سے

جن دفعہ شکن کی تھوڑا بار دھیرہ کو توڑا کتا اگر وہ بھی اپنے ایک کتات پر سر رکھے
جو بس بنارہا ہے پڑھائی میں نہیں کی ہوگی کسی بھی شخص کی وہ بھی کتا ہو (سب لاجبلی
اسی غفلت اور اونلا اپنی غفلت میں سے زیادہ قسمت ہے ہی دنیا، کیونکہ جب یہ
اس سے پہلے بار توڑ لگے گا اس دفعہ سر بار لگا اور جو کتا اس نے کتا غفلت اس کے درجہ سے ملتا
ہے وہ تو دعویٰ بات پر چارہ اور چلے گا۔ اس دفعہ جسے زیادہ سے بہتر
میں جلب غفلت سے جو کوئی مدافعت سے نہ ملے گی وہ اس کو کتے کے قواس
شخصی نفس کی غم کی حسیل نہت میں کی اگر وہ نیا نہیں پھل کر لیتے قواس کو اس
کتنے غفلت ہی واقع نہ ہوتی۔

قرآن مجید السامع والورعین فیقول اللہ وجہ سے اس اذنی قولہ بالسمیع والورعین

(۱۸۸) کسی شخص کی کسی دفعہ اس وقت تک موصوف کیا جائے جب تک

اور تیسرا بار میں حق تعالیٰ کا لے گا اور اس سے غفلت
کماز کم تین بار اس کا غلط ہو۔ فرمایا ہے کہ کسی شخص کی طرف کسی دفعہ
کی نسبت اس وقت تک کہ جب تک اس سے بار بار اس کا غلط نہ ہو اور تیسرا بار کم از کم
دفعہ تین سے جس کے بعد کسی دفعہ کی نسبت اس کی طرف ہو حق ہے کیونکہ پہلے بار اور
دوسری بار میں یہ محال ہو سکتا ہے کہ غلطی دو باروں تک ہوگی جو ایک بار غلطی ہوئی ہو دو بار
بار ہوگی جو کہ ہوئی ہو اور تیسرا بار غلطی نہ ہوگی اس سے پہلے اس وقت تک کہ
اس سے پہلے ہی قسم ہو جو تیسرا بار غلطی نہ ہو کہ یہ قسم ہو اور کہ جو کہ تیسرا بار غلطی نہ ہو
کو تیسرا بار سے پہلے غلطی نہ ہو۔

قرآن مجید السامع والورعین فیقول اللہ وجہ سے اس اذنی قولہ بالسمیع والورعین

میں نسبت جانتا ہے ۱۴

یہ ایک لطیف اشارہ ہے وہ یہ کہ حق تعالیٰ نے تیسری
تھوڑا انسان کی جبلت سے

وہ میں جو اس کو ابن آدم کہہ کر خطاب فرمایا تو ہمیں

وہ جنس میں داخل ہو جائے گا۔

قرآن مجید السامع والورعین فیقول اللہ وجہ سے اس اذنی قولہ بالسمیع والورعین

اور اس قولہ میں داخل ہو جائے گا۔

(۱۸۹) انسان اپنی جلائی کے لئے ہر ممکن سے ممکن میلہ کو کام میں

میں سے معلوم ہوا کہ انسان اپنی جلائی کے واسطے کیے کیے کرتا ہے پنا پر
لانا ہے شخص سے اذنی قولہ دوست کی کہ جب سے دوست کا یہاں سے اس طرح
کہ تھوڑا سا ایک بند کے ساتھ حاصل ہو جائے (جب یہ دوست پڑا ہو تو اس کے
بٹھا، یہ تو خدا کا عظیم و خیر کے ساتھ انسان کا دقیق میلہ ہے دوسروں کے ساتھ اس کا کیا
مال ہو گا اس لئے کہ یہ دوست پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ
ہنس پڑے گا۔

ہر شخص کی جتنی عقل و تدبیر دنیا میں ہے وہ آخرت میں بھی باقی ہے گی

اور اس سے معلوم ہوا کہ انسان کی عقل اور تدبیر دوسری دنیا میں بھی باقی ہے گی
میں بھی باقی ہے گی کیونکہ وہی حالت میں اٹھایا جائے گا جو میں اس کی حالت حق میں کی گئی
یہ لطیف میلہ ہے (جو اس شخص سے صادر ہوگا) نیز عرش میں پورے نفس کا ساتھ ملے گا
سہ روزہ اور اس کی دلیل ہے، اور اس کے ساتھ اور بھی بہت لطیف اشارے ہیں اور یہ
قرآن مجید السامع والورعین فیقول اللہ وجہ سے اس اذنی قولہ بالسمیع والورعین
قرآن مجید السامع والورعین فیقول اللہ وجہ سے اس اذنی قولہ بالسمیع والورعین

(۱۹۰) جس کو جس مسئلے سے بلکہ کامیابی ہو رہی ہو اس کو لگا ہے

دعوت کا یہ لفظ کہ انیسویں حق تعالیٰ فرمائی گئی ہے کہ لا اوتی الامم الا بالظاہر

انہ ابن آدم اتیرا اس ہو تو تو بہت ہی غلط ہے۔ یہ پہلے سے زیادہ سخت ہے کیونکہ اس سے

جنگل یا لہیا کے کسان میں بے ڈھائی اصل ہے۔ یہی وہ فاضلین و عظیم علمبردار ہیں جو کئی کئی نسلوں سے بچاؤ کی ذمہ داری اٹھاتے رہے ہیں۔

تذکیہ اخلاق نفسِ فضل سے ہونا ہے اور تذکیہ اخلاقِ فضل کے راستے سے ہونا

اولاً فضل اللہ علیہم وعلیہم والذین آمنوا منہم من بعد ادیانہم
اگرچہ پرانے کا فضل نہ ہوتا اسی کی رحمت تو ہم میں سے کوئی بھی نہیں کہتا
وامت انفس لا ممانۃ بالصورۃ ان ماحور دین

اور میں تو جی ہاں کا حکم کسے دلا ہے مگر میں چوتھی تہائی رقم خریدا دی
اور ان آدم گیتے میں تیر کے ساتھ ایک ہی صفحہ بھی ہے کہ جو عظیم کی دھکی کرشت
فلکا پتہ دی ہے اگرچہ جسکے کو دھماکا ہے تو اس کو دھما مال بھی کہہ رہا ہے اور
نیل کی دھکی ہے کہ کچھ چیز نہ دے گا اسکا شے میرٹ میں آیا ہے کہ اسے تہائی سحانہ
تیا مست کے دن عوسن سے بہت چپا گوسا ہیں گے کہ کسی کے اور خدا کے وہ میان کوئی
تو جان نہ ہو گا اس وقت حق تہائی فرید گے میرے بہتہ کہے میرا کیا دیا کیا تھا بنا
پتہ کوئی کے سامنے ان سب کا خلاف کرنے کا حق کہ وہ سمجھ جائے گا کہ میں تو کثرت گند
کی جسے جاک بوا تو تہائی فرماں گے کہ میں نے دنیا میں ہی نیستخراں میں نہ کو گوسا
چپا ہے اور آج بھی تیرے لئے ان کو بخشا ہوں تم نے وہی کہ عظیم کی دھکی کا ہنگا کیا بھی ہے
محب فلکا کو چاکرے کا پتین چوباب فوراً کم شروع ہو جاؤ اور اس میں عکس نہ ہے کہ گرامہ
تہائی اس کے کہ نہ کو کہ جوں نہ دلا میں اور پڑن صاحب لکھیک ہی اپنی رمت سے بخش دیں اور
شترن سے رہن فرماؤ۔

جنت بھی غرضِ فضل سے میسر
کہ میں جسے کوئی حق میری رحمت کی بناء پر جنت
میں لیا تو انسان کی اس سے بڑی توفیق نہ ملے گی
کے دل میں یہ کہتا ہے کہ اگر غرضِ رحمت سے تو نہیں بلکہ کہ اپنے عمل سے ہی جنت کا
حق پہاڑوں جیسا بڑا سرائیل میں ایک شخص کا تصور آجکل میں آتا ہے کہ وہ ایک حرم

میں رہتا تھا جو سمنڈ کے بیچ میں، اونیاے الگ تھا اس کے پاس دلوں کوئی آدمی نہ تھا وہ تنہا
 اللہ کی عبادت میں مشغول رہتا اور کسی وقت عبادت میں کسی بڑھتا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اس
 پر یہ بھی اس کے واسطے ایک بار کافرت پیدا کر دیا تھا جس پر اللہ نے ایک ہی آدمی کو
 ایک ہی دن میں جنتا اور ایک جانا ہے۔ چاہے کہ ایک بار تھا اور پانی کا ایک قطر بھی
 اس کے واسطے جاری کر دیا تھا جس سے یہ لپ رہتا تھا ایسے والی ہرچہ سو برس تک زندہ
 رہا چارلس نے حق تعالیٰ سے درخواست کی کہ سچو کی حالت میں اس کی روح کو جہنم کی جائے تو
 اللہ تعالیٰ نے یہ تجویز بھی اس کو عطا فرمادیا اس کے بعد وہ دل مشغول اللہ تعالیٰ سے ملنے اس واسطے
 کے مشغول رہا اور فرمایا کہ قیامت کے دن اس کو جانا جائے گا اور اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمایا کہ
 کہ جس کو اس بنو کو صحن میں رکھتے کہ بنا پر جنت میں لیاؤ اس پر وہ جہنم کی جہنم
 رہ کر جہنم میں لے دے؟

میں اشرافی فرشتوں کو حکم دیں گے کہ اس سے مشورہ لیاں گی کہ نعت کا وہ حساب
 کس کا شکریہ ادا کیا جائیے، مگر حساب کریں گے تو پانچ سو برس کی عبادت اسی ایک
 نعت کا نیکارہ اکٹرنے کے لئے کافی نہ ہوگا، اس کے سوا اور نعتوں کا کیا ذکر وہ تو سب دنیا
 کی دین ہی وہ جانیں گے ان کا حق تو کچھ ہی ہوا نہ ہوگا، اس وقت وہ عابدین کو کہنے لگے کہ وہ
 مجھے جنس میں پانچ صحت سے پہنچا دیجئے، تجھے غفلت غواہی کی گئی (اُن) تو بے ہمت
 بندہ تھا (فرشتہ) : یہ سب بندے کو میری رحمت کی وجہ سے جنت میں لے جاؤ تو جب اس
 گناہوں کا افکار نہ لیا اس وقت اس کے لئے چند جہنم ٹوٹیاں چھ پرستیں ایک خوشی
 گناہوں کی مشقتوں کی، ایک خوشی پورہ عیش کی کہ اس کو دوسو امیں کیا گیا، ایک خوشی اس
 رحمت کی جو جنت میں پہنچا کر اسے حد تک اگلی طرح اس کے پاس بہت سی نعمتیں، جنت
 پر خوشی، وہ نہ منے سے پوری طرح داخلی ہو گیا اور یہ منی منی کی طعنے سے بظاہر افسوس کہ

عہدہ سمیت انشاویہ بندہ کو اپنے علی کا بیچ ہوا شاید ہو گیا۔ اب اللہ تعالیٰ اس کے عمل کا تعریف فرمادے گا کہ کفو تو بہت اچھے عمل کرنا تھا۔ یہ سے شائع کم اور یہ سے وصیت و فضل ۴۰

چاہیے کہ ان سے سوال کیا جائے کہ کیا ایسا ممکن ہے؟

ایسے کو ہر دم اپنے ساتھ رکھو
اور امید کی شان کو اچھا ساتھ دیکھتا ہر دم افسر
عامہ دہنا، اگرچہ اندکی طرف سے کیا
عامہ دیکھے یہ ایمان کی علامت ہے کہ ایمان شریعت کے مطابق ہے

وَيُؤْمِنُ مِنْ رُوحِ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ

خدا کا واسطہ ہے ان لوگوں کے سوا جو کافر ہیں اور کفر کا امید نہیں کرتا

پانچویں شخص جس کی کا تصدیق ہو چکی ہے۔ حضرت عیاد باقی تھا اس کا کہنے سے مراد یہ ہے کہ اس شخص کو یہی سزا اور کیا حاصل ہو گئی کہ جنت میں بھیجا اور نہ تعلق کہ کبھی جنت میں جنت کے افراد میں وہ بھی شامل ہو گا۔ یہی وہ شخص ہے جس کی کا تصدیق ہو چکی ہے۔

انہیں اس کی بات پر نہیں پڑتا کہ موافقت نامہ یا ایسا جیسے جسے کہ شاہد نہیں
ہو، باعثِ خفت و اضطراب ہو جائے کہ کسی چیز کو دیکھ کر یا کسی بات کو سمجھ کر طبیعت کھلی
ہو، اور جسے کہنے کی سیاق بھیجتی ہے، یہاں سے اس معاملہ کی طرف اشارہ ہے جو بار بار
ہے، جس کے وقوع پر وہاں پہنچا ہے جس کی بات ہے وہ جسے یہی اس پر بہت افسان کرتے

یہی اصل حقیقت ہے۔ پاک بیک کو ان کی صفات مخلوقیت کی صفات کے مشابہ ہیں مگر ہم اس پر غور طلب کیا گیا ہے جیسا کہ اپنی علامت اور نمونہ کی بنا پر ہم بھلے اور جھپٹے ہیں اور یہ غریبوں کو تنہا اس کے قریب لے گئے۔ تاکہ کیا مانگتا ہے تو وہ اپنی تنہا جان کر کے گھایاں تاکہ کو اس کی تنہا ہی ختم ہو جائے گی، سو خود بخود انہوں نے کہ ایک سہل اور صحت و طبع کی تنہا لیا گیا ہوگا جس نے بڑی فیس کو مہینی جسٹ کو کھلی دیکھا ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ اس شخص کو کہنا کہ مانگ کیا مانگتا ہے، بڑا غنی اور بہت بھر پور ہے اس کے بعد حقیقی تنہا کیا تاکہ کہ جو کچھ دیا اور اتنا ہی اور یعنی تنہا ہے دو چہند اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرماتے ہیں ہے ﷺ ﷺ و علیہ و آلائہ کہ جو کچھ دیا بھی دو یا ماس کا دس کا اور یہ کہ اس کے کم کے شان میں کافی مثل نہیں ہیں اصل حقائق جو اس کے فضل سے اور انسانی بھی اس کے فضل سے مٹو جو حاصل دلایں مگر کاجی کوئی وصف مل گیا ہے خود علامت یا

منہم علیہ کہ انہما کی حقیقت اور عظمت سے خبردار کرے تاکہ اس کو بھی دستبردار نہ رہے۔
عالم کو۔ انا عیسوی۔ خلق و هو الطیف الخیر کیا میں نے پیدا کیا ہے وہ بھی
بہت بڑی ہے، نہ جگہ کا وہ ماحول ہے جہاں ایک بین اور چار یا بیشتر سی طرح کی زبانیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ
نے اس کی ترقی و ترقی پر اپنے فضل سے یہ انکار کیا کہ اس نے کچھ نہیں بنایا ہے، اس کو
پہنچاؤ میں تو پہلے اس کو بہت دھمکایا اور اس سے انکار کیا کہ وہ جہاں ظاہر ہے اس کی جیت میں
بھی غریب ہے اور باتوں میں بھی دنیا میں بھی غلامی سے ہم ایسا تھا اور مستقبل میں بھی ایسا
ہو جائے گا۔ وہ جو فکر کرے کہ یہ سب ماحول ہے جس سے اپنی حفاظت کا ذکر کیا تو عقل و حقیقت
سے جنت میں بھیج دیا جس سے اس کو بے انتہا خوشی اور جنت و نازلہ میں عالم ہو جائے۔

قوله في الوجه السابع والثمانين وكونه عز وجل نواه هناك ما انفك الى
قوله في الوجه الثامن والثمانين ومستصفا في الظاهر

فے یہ جو دنیا گپ کر تکریمہ الخلاق اور دوقل جنت فنی فضل ہے جو اس کا یہ مطلب نہیں
 کہ اس سے بے غلی اور گوشہ کی جڑ دہشت نہیں بلکہ طلب ہے کہ عمل اور گوشہ کے ہمہ جہ
 جس کو یہ دولت حاصل ہے جہاں وہ اس کو اپنی گوشہ کا شوق نہ بھیجے بلکہ اللہ تعالیٰ کا فضل بھیجے
 جن کو اللہ تعالیٰ اس دولت کے لئے عمل کی توقع ہے وہی جہر و کفر و تہاں اس پر پلانی فضل کو کھینچے
 ہیں ورنہ انسان نفس کو بھلی کی طرف نہ جھکا ہے ۔

(۱۸۹) اللہ تعالیٰ اپنے فضل کی رحمت کو ناپا جائے اللہ تعالیٰ جل جلالہ کے فضل کی امید اور تمہیں مکتا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو جو نعمت و رحمت کا مرتبہ یاد دلایا ہے کہ وہ اس کے لیے ہر روز کو کافی ترہا ہے اور اپنے فضل سے ان پر عطا ہوا فیض ہے اور جو کچھ وہ اس سے روکنے نہ کر دے۔ پس تم بھی اسی فضل کو اپنے فضل ہی کی وجہ سے اپنے ساتھ رکھو اور اسی رحمت سے ان سے غفلت نہ کرو تا کہ یہ بات تمہیں غلو ہو کہ تم کو عطا ہو جائے کہ نعمت اللہ تعالیٰ بخشی اور تمہیں فضل ہی سے جو کچھ ادا ہوے کیونکہ اللہ اس کا سبب ہمارے یہاں خود دہندہ ہے اور وہ اس کو جو کچھ اللہ سے سبب نہیں ہی تو ہے جس پر بھی وہ کرنا چاہا اس کو جس طرح

باب چہل و نم

حدیث

جواز الدخان فی الصلوٰۃ

چھ کوئی مہربان ہو دیکھئے مالا نکت بہت معلوم ہے کہ ان کو دعاؤں کی حفاظت اس قدر تھی کہ صباہ میں وہ مسجدوں کو نہ تھی ایک تھی اس لئے کہ وہ نماز سے متعلقہ تھے اور ان کا ایمان قوی تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں نیا رہنے کے علاوہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے زیادہ اپنی جان سے محفوظ رہنے کی کوشش کی کہ آپ مجھے کوئی دعا بتا دیجئے میں اس کو اپنی زندگیوں کے ساتھ کر لوں گا کوئی دعا ایسی بتا دیجئے جو نماز میں کیا کر دوں، اتفاق کیساتھ وہ اس سے کہیں بہتر کی تو اس کا جواب یہ ہے کہ شائع میں اس کا مفاد میں دعا کرنے کی خاص طور پر ترقیب ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد ہے۔

اترب ما یحکون الصلۃ من اللہ اذا کان عن الصلوۃ
واترب ما یحکون فی الصلوۃ اذا کان ساجداً و بطنہ جائع
فاحذروا ضیاعہ السلام فممن ان یسقط لکھر ہی حقیقی
نیکو کار اللہ تعالیٰ سے زیادہ قسطنطین وقت ہوتا ہے جب کہ نماز میں ہوا و نماز میں
نیا و عقب اس وقت ہوتا ہے جبکہ جمعہ میں ہوا و اس کا پیٹ خالی ہو بہو کہ ملک بچا؟
پس تم خود میں دعا نہ کرو کہ وہ اس لائق ہے کہ قبول کر لی جائے اس لئے ابو بکر صدیق
خیر فرمایا کہ مجھے ایسی دعا بتا دیجئے جو نماز میں کیا کر دوں۔
قرولہ الوحیہ الاولیٰ علیہ السلام من اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان قولہ اے حقیقی۔

خ حدیث کا یہ فرقہ و بظاہر ہر جامعہ میں اس قسم کی دلیل ہے کہ ذکر و تہجد کے لئے ایسا
وقت تجویز کرنا چاہئے جبکہ پیش خالی ہو یعنی نہ تو تہجد ہوا ہو یا جو کہ سستی پیدا ہو یا نہ اتنا خالی ہو کہ
جو کہ ہے جب تک کہ یہ کسی حالت میں شائع نہ کرے کہ اسے مقدم کرے کہ اس کا کیا ہے کہ اس کا
ہر مسئلہ سے علی مستوی

(۱۹۲) عبادت میں اعلیٰ درجہ پر نظر کرنا چاہئے معلوم ہوا کہ انسان کو عبادت
میں حدیث پر نظر کرنا اور کافہ شعور کے ساتھ اس کی کوشش کرنا چاہئے کہ اس کی کوشش
کرنا چاہئے چنانچہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دعا کا اعلیٰ درجہ حاصل کرنے کی کوشش
کرنا چاہئے ایک حدیث میں ابو بکر صدیق کے کہ دعا میں یہ بھی جائز ہے کہ چاہتا ہوں کہ میں

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دعا بتا دیجئے اس کے نماز میں دعا کیا کر دوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں کیا کر دوں۔

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں کیا کر دوں۔
فانظر فی مغلطہ من عنہ لکھ از حدیث اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
لکھ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پرست اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کہنے کوئی نہیں
تھی سنا تو مجھے اپنے پاس سے مغفرت عطا کیجئے اور مجھے پرست اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
آپ ہی حضور رحیم ہیں۔

ظاہر ہے کہ اس کے نماز میں دعا کا جائز ہونا اور اس دعا کا افضل ہونا معلوم ہوا ہے
شروع اس پر چند وجوہ سے کام ہے۔

(۱۹۱) بزرگوں سے تعلیم کی طلب کرنا چاہئے گو طالب صاحب معرفت بھی ہو
حدیث سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کی تعلیم کی درخواست کرنا چاہئے اگرچہ طالب کو ایک گونہ معرفت
پہلے سے حاصل ہو کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اذ اسألتم اللہ فاسئلوه
 جیسا بھی فتنہ جیسا بھی عذاب اس شر عظیم جب تم اللہ سے سوال کرو تو میری
 ہاد کے وسیلہ سے دعا کرو کیونکہ اللہ کے نزدیک میری جاوہریت بڑی ہے اس
 معنی میں آؤ بہت زیادہ و غالب بھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول
 یہ بہت ہیں۔

جواب خبر دورہ حصہ اول یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہفت مرتبہ
 کا تہجد جو کرتے تھے کہ وہ اسی دعا معلوم کرنا چاہتے تھے جو بالیقین قبول ہو جائے اور
 محنت شرمیکے مرافق اس سے دنیا و آخرت دونوں کی جلدی نصیب ہو تو غرض ہے ان کو
 عجیب اثر میں جواب دیا گیا آپ لوں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی نئی قسمی طوری
 واجب نہیں کہ کسی دعا کو ضرور قبول ہی کر لیا کریں، بلکہ یہ تو معنی استجاب میں ہونے سے
 سب کو چاہتے ہیں کیا سب کہہ دیتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں محروم کرتے ہیں جسے بھیجا
 کرتے ہیں غرض اپنے ہر کچھ کے فعل سے کیا سب کہتے ہیں اس کی دعا یا عمل یا فعل اس میں
 برائے نام ہوتا ہے حقیقت میں کچھ نہیں ہوتا، پس سب بڑی جیسے کہ جو کہ مقتدرہ
 اصل حقیقت سے ماخوذ چاہتے ہیں کہ فعل خداوندی ہے اس کے سوا کسی اور چیز نہ اپنے
 خیال کو وابستہ کرنا چاہتے، اور یہ ایسا ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی
 ذات شریف کے متعلق فرمایا ہے

لن یصلیٰ علیکم احدکم الخ، قالوا ولا انت یا رسول اللہ قال
 ولا انا ان انت یتفضل الخ اللہ یتفضل سر حمتہ
 کھو کو اس کا عمل جنت میں نہ پہنچائے گا۔ صحابہ عرض کیا یا رسول اللہ او آپ کو بھی نہیں
 فرمایا ہے یہی نہیں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنے فضل و رحمت سے دعا نہیں اور فضل و رحمت

عے اس حدیث کے تحت لکھے تحقیق نہیں اس وقت تک کہ یہ پہنچے کہ حدیث کے کون کون سے
 معنیوں پر اس حدیث کے کچھ دباہوں کسی حق عالم سے تحقیق کر لی جائے ۴۴

اس سے محال کیا یہی کہ اس کے راویہ ماثورہ کے پابند عالم نہیں بھی تھے اس لیے کہ اسباب
 رحمت میں سے اعلیٰ دار فانی کا اختیار کیا جائے اللہ تعالیٰ میں ہی اوقات میں ہی میں میں ہی
 اصول شریعت سے پس بابت معلوم ہو چکی ہیں اور اس بات میں اللہ تعالیٰ کے لشکر ادا
 فرغت کا غضب و اہل بدلت کا غضب کا اشارہ یہ سب کچھ ہے کہ تہجد کے بعد کہ جب تم
 ناریخ ہو جاؤ تو کھڑے ہو جاؤ اور اپنے چہرہ کے گرد لنگ طرف منہ ہو جاؤ کیونکہ اس میں بن ہو کر
 ذکر سے دو سبب سبب یہ کہ اول دعا کے اسباب میں سے ہیں کیونکہ مخلوق کے مشاغل سے
 فراغ حاصل ہونا حضور علیہ السلام میں حاصل ہونے کے اسباب میں سے ہے جیسا کہ سببہ اور
 رحمت و توجہ دوم تہجد حاصل ہونا اور ایسا ہے حفاظ اختیار کرنے کا اور یہ یاد
 ہے جو ہم نے دیکھا ہے اور انصاف سے یہ فرماؤں چاہتا ہوں جو تمام حالتوں کو مستغنیہ
 کیونکہ وہ سب اعلیٰ ہے جب تک طاعت کا امر کیا گیا تو دوسری اس کے ضمن میں خود بھی
 گئی ہے۔

قوله الوجه السطحي یترب علی هذا مع الفقد ان یتظر الموائی عوارضه الخ
 (الترغیب الخ) اول قوله فیمروا فی العین

(۱۹۳) دعا کی حقیقت اور اس کے درجات
 جہاں ایک حالت ہے کہ
 اعلم انی نعت نفس ال
 کو مستغنیہ مدنی کے مدد و امداد سے کیا خلق ہے کیونکہ وہ حیرت مہر میں مشاغل طریقہ یہ
 ہے کہ ایسے الفاظ ہیں جن کے ضمن میں کوئی نے کیا ماعت عید میں سے کسی صفت کا شمار
 اللہ میں کسی اس کا احترام نہ کیا جائے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

واللہ الا سیر الحسنی ونا وحوہ بها
 اللہ کے لئے اچھے نام ہیں تو تم ان کے وسیلہ سے اللہ سے دعا کرو
 اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

امن اسما اللہ العظیم مراد ہے احد الالہیہ علیہ
 کہ اللہ کا اسم اعظم کے وسیلہ سے دعا بھی کوئی کہے ضرور قبول ہو جائے

میں پہنچی گا ادا کو کول انڈسٹریل سٹیج پر یہ نشان چمکتے ہیں اس پر چھو لپٹ
سے صوبہ کو مشترکہ نصیب ہوئی عبادت کا طریقہ معلوم ہوا اور اس کے ساتھ رسول اقدس
علیہ السلام کا یہ بھی ارشاد ہے۔

نعم صلوات افترضها الله على عباده فمن يداوم
بهذه السريته يخلص منهن شيئا يستغفرا به عيوبه فان الله

جاءل له يوم القيمة، عهدا أن يدينه الجنة.

پانچ سو سو اسی سال پہلے مسیحیوں نے مسیحی مذہب کو پھیلانے کی جدوجہد شروع کی۔ ان میں سے کچھ مسیحیوں نے مسیحی مذہب کو پھیلانے کی جدوجہد شروع کی۔ ان میں سے کچھ مسیحیوں نے مسیحی مذہب کو پھیلانے کی جدوجہد شروع کی۔ ان میں سے کچھ مسیحیوں نے مسیحی مذہب کو پھیلانے کی جدوجہد شروع کی۔

۱۳ یعنی ان کا دو واجبات میں خلل نہیں ڈالا۔ اچھی طرح سب کو سمجھا دیا

عن اور اگر دل میں تو نماز کی عزت و حرمت ہے مگر ظاہر میں سستی ہے نماز میں خلل رہا ہے

تو امید ہے کہ یہ بھی نوافلت سے پرہیز کر دی جائیگی ۱۲

سے ہیں اور کیوں نہ ہوں، جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا ہے کہ
 اہل کفر تم کو یہ نماز نہ دے گا کہ وہ سب سے زیادہ تم سے بدعتیں لے کر اس میں چسپائی کر دیتے
 ہوں۔ لیکن میں تم پر ان کے بدلے میں بھی ہوئی یہ بدعتیں ایمان و نصیحتیں کامل، اور میں تم سے گناہوں
 نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے طلب کیا تھا وہ عوام کا تھا، صا تو گویا رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم اس دعا کے ضمن میں اس سے فرماتے ہیں کہ تم لوگوں میں جو کچھ کا یہ نفاذ نہیں
 دیکھ کر کہنے لگے یہ کلمہ تم کو تم سے دیکھ کر کہنے کو بھیجی جواب فقیہ ہیں جو کہ خواہ
 خدا کے جوشیر ہے۔ خود تحقیق و دلائل کو بھیج کر کہتے ہیں تو شریعت کا مستند ناقص ہے کہ
 اعمال انصاف و فروغ کی پابندی کے لئے اس کو حیات کا سبب سمجھا جائے گا اور حضرت
 سے کہہ دیا اس کی تمام صورتوں کو بھیجی تو یہ سبب سمجھا دے گا کہ سبب نہ سمجھا
 دیا ہے بلکہ مستند ہی معلوم ہوا کہ کفر شخص کو اس کے مال کے موافق جواب دیا جائے گا
 کہ کفر خلافت سمجھ کر ہے نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

انتریا الناس عسل منازلهم
لکھن کان کے درجوں پر رکھا کرو۔

عاشقِ دعا ہے۔ (مفتی محمد رسول وصال کو صبح اور عمل برتاؤ کو بھی)

[illegible]

خیر، زبان ایکہ اور آفاق بھی ہے وہ یہ کہ دعا کا قبول جو امتیث الہیہ پر موقوف ہے چنانچہ ارشاد ہے۔ بل ایاءت، خون فیکشف عاتقہ عن الہدیان شاعر

حضرت سوال اور درخواست کے الفاظ پر کفایت نہ کی جیسے اولیہ دولت ابن اشراق حضرت علی
عجلہ فرماتے ہیں۔ فقہی ذلك فليس فاسا لبعثا فاسون

(۱۹۴) نفس ہر شرکار مبنی ہے پس ہر حال میں اپنے کو خطا وار سمجھو

یہاں ایک اور سوال ہے وہ یہ کہ تہذیب و صریح کا وہ میں یہ کیا تہذیب و صریح نفس ظاہر
حضرت اگر میں یہ جان پر بہت ظلم کہ ہے حقیقت یہ بھول ہے یا عجز ہے اگر عجز ہے تو
یہ بہت خالی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سبب مغفرت کی تعلیم کرتے ہوئے عجز کا
استعمال نہیں اور ابو بکر صریح رضی اللہ عنہ صریح مقام طلب و غلبہ میں استعمال کیا تو عجز
کا خطاب نہیں کر سکتے۔ پس اس کے ساتھ اور کوئی عورت نہیں اس کا حقیقت پر مول
کیا ہے۔ اب اگر حقیقت ہے تو وہ کون سا لگتا ہے کہ کوئی عجز اس کے لئے ہو چکا تھا
اس پر تو واضح نہیں اور اس کے بعد تو وہ سب کے معاذ اور تیس متذہب ہیں صریح
لکھتے ہیں (اس کے متعلق کوئی لکھا ہے ظلمت نفس ظلمت کثرت) اس کا جواب وہ ہے
جو پہلے لکھ چکے ہیں یا ان آدمی کہ شریعت میں گند چکے کہ انسان کی اصل
طبی حالت یہی تھی اور وہ ہے۔ میں پہلے لکھ چکا تھا، مگر جس کا اشارہ اس سے محفوظ کر
تھے میں دنیا و آخرت میں جو تیسری بات کہ ہے یا جو ہے وہ بعض اوقات ملالہ کے
فضل سے یہ خواہ اس طرح کہ ایسے اعمال کی ہم کہ ہدایت کی جن کو حکمت نہیں ہے مگر تیس
کاسب بنائے یہ زیر غلام کا تھا ہے یا بعض غلو و فضل سے ان کی کسی مسئلہ و فرقہ سبب
کے ادا یہ خواہ اس کا عقیدہ ہے پہلے اس قول کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ہوتی ہے
و ما یصلحکم من نعمہ فہم اهل تمہلکے پاس جو نعمت ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے
و فی فضل اللہ علیہ صمد رحمة مانکی منہم من احد ابدا
اور اگر تم پر ہلکا کرنا فضل و رحمت ہوتا تو تم میں سے کوئی بھی پاک نہ چلتا
نیز ارشاد ہے،

بگو تم اللہ کی کوئی شے ہو پھر وہ اگر چاہتے ہیں اس مصیبت کو وہ کہہ دیتے ہیں جس کے لئے
اللہ کو چاہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ایات کی دعا کی عید اللہ نے ظنی و عہ نہیں کیا اور بعض
کے بلکہ میں ارشاد ہے ۱۰ من عیب المضطر اذا دعا و یا وہ بہتر ہو جو مضطر کی دعا
قبول کرتا ہے جب وہ لے کر آئے ہیں یا اللہ تعالیٰ نے فضل سے مضطر کی دعا کا
قبول کرنا چاہتا ہے وہ عہ جیل سے لایم کر لیتا اور اللہ تعالیٰ سے کہہ کر کہ وہ کوئی نوا
کون ہے؟ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختصر صریح کہ دعا کی حقیقت ہے شاکر جو
خوشدعا کے دریاں جو تہذیب حالت مضطر کی طرف منتقل کر دیا ہمیں ایات کا وہ لیا
ہے اور اضطرار کی حقیقت اس نقطہ سے ظاہر ہوتی ہے ظلمت نفس ظلمت کثرت
اس میں سے اپنے جان پر بہت ظلم کیلئے، یعنی میرے پاس اس ظلم کے رفع کرنے کا کوئی حیلہ
نہیں اور نہ ذات (اختیار کی حالت ہے) وہ بغیر الذنوب الاذات
اور ایک سوا گناہوں کی مغفرت کوئی نہیں کر سکتا نہایت اضطرار کی حالت ہے کیونکہ جو
شخص ان سبب پر بھی قدرت نہ رکھتا جو گناہوں کی مغفرت کر سکیں وہ پورا مضطر ہے کہ
اگر کسی کے پاس ہلکے ہلکے گناہ ہوں اور ان کے ساتھ یہ چیزیں بھی بہت ہوں جو گناہ
کا گناہ ہو سکیں تو وہ یوں نہیں کیا کرتا آخری کی مغفرت میں عند اللہ کہنے لیتا پاس سے
مغفرت دعا کیلئے کہ میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں جو مغفرت کا سبب بن سکے، تو ان دو
نظروں کے ضمن میں استیلائے بعض اور اضطرار یعنی کی حقیقت حقیقی ہو گئی۔ دل میں یہ
بھی باقی ہیں اور تم خود و میرا اور میرا جاذب میرے پاس ہیں ان دونوں پر غلبہ ہو گیا ہے
مستحق اور میرے لیے مستحق۔ ان کے آثار کی صف میں اور ان کے ہاں ہیں کہ سزا و ان کے احوال
کس قدر بہت اللہ تعالیٰ ہم پر بھی اپنے فضل سے ان دونوں مغفرت کی برکتیں باد بانازل
فرمائی ہیں۔ حوالہ الوحیہ اولیہ اللہ تعالیٰ علیہ السلام و قال قل اللهم انی ظلمت نفسی
الفرحنا بحکمتی قولہ اعاذ اللہ علیہنا من عیبہ و برکتنا منہ
فی یہاں سے معلوم ہوا کہ دعائیں غایت احتیاج اور غایت اضطرار کی حالت
اختیار کرنا چاہیے کہ مستحق کی صف کی کسی ہوائیہ یا بھی انتقاد اضطرار کے مناسب ہیں

باب چہارم

حدیث

رفع الصوت بالذكر بعد الصلوة

عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بندہ آواز سے ذکر کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں خاص وقت تک فرض تھا اسے خارج ہو کر واجب سمجھتے تھے۔

ظہر صلیف کا مدلول یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جب تک فرض نماز سے فارغ نہ ہوتے تو ذکر کی آواز سنتی جاتی تھی اس پر

چند وجہ ہے ۴

محلہ رضی اللہ عنہ میں اہل صفہ و جماعت قریب کے مسجد سے نکلنے ہی نہ تھے بلکہ پیش مسجد میں رہتے تھے اور بعض صنادید دوسری نماز کے انتظار میں مسجد کے اندر بیٹھے بیٹھے

تھے کیونکہ میں تو اربعہ صنادید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے
ذلک لکم الرباط فذلک لکم الرباط عند نکحہ الرباط مثلاً

یہی حدیث کی حفاظت ہے یہی حدیث کی حفاظت ہے یہی حدیث کی حفاظت ہے
تین بار اس قول کو دہرایا پس اب اس حدیث کو علم پر قبول نہیں کر سکتے یعنی یہ نہیں کہہ سکتے

کہ سب صحابہ نماز کے بعد گھر لوں گے وہاں بیٹھ جاتے تھے بلکہ تھوڑے پرچوں کی جانب جس کو حدیث ذوالہدین میں اس لفظ سے بیان کیا گیا ہے تحریر السراپان کہ جلدی کرنا تو اسے حدیث سے نکل گئے ادیب دہے ہیں کو ضروری کام ہوتے تھے وہ نماز کے بعد ذکر کرتے ہوئے مسجد

کریا ہے مگر جس پر اللہ کا رحم ہو رہا۔

تو نبی صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث رضی اللہ عنہ کو مستند فرمایا کہ اصل کا اقرار کریں جس حالت پر نفس کو طاری بنایا گیا ہے اس کا انکار کریں یہی حقیقت ہے اور اس کے بعد غیب سے آکر جو مغفرت و رحمت ہے حاصل حقیقتی سے یعنی مغفرت پر طلب کریں وہی کسی کے کو مغفرت و رحمت کا سبب نہیں بلکہ بعض اہل غیر نے فرمایا ہے کہ اس دنیا میں ہر چیز مجھ پر ہو سکتی ہے خواہ ظاہر یا باطن بجز نفس کے کہ وہ باطن حقیقت و معرفت کے تحریک بھی برائیں ہو سکتا بلکہ جس قدر ان کی معرفت پر مشتمل ہے اس قدر نفس کی لذت و محاکات کی نظر میں بڑھتی جاتی ہے یہی سبب اس قل کی محبت پر شاہ ہے کیونکہ جب وہ شخص جو صدق و تصدیق کے انتہائی مصداق پر پہنچا چاہے اس انتہا کے بعد بھی اتنے طلب و محنت کی طرف متوجہ رہے جسے دنیا میں بیان ہوا تو کیسا اس کے نظریں نفس کی کچھ بھی قد باقی نہ گئی ہوگی معاملہ سرگزی نہیں۔ پس میں کو خلاص ادا خلاص کی طلب ہو اس کو ان کے راستے پر چلاؤ اور نفس کو مٹا دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو بھی اپنے فضل سے ان کے سلسلہ میں داخل فرمادیں (رحمیں)

قوله العبد الرابع ما بعث في قول هذا السند ظلمت نفس الى قوله فمضت الى قلبه صلواته

ف سچ ہے خودی کو مٹاؤ و بعد سے مل جاؤ گے دفع نفسک و تذللی سے میان عاشق و شوق پر سچا ملے گی تو خودی خودی حافظانہ زبان پر فرزند تو دور گھر وصال پر دست و پس گمشدہ گھر گھر میں است و پس مگر دولت نفس امارت یا دکر سے مل نہیں سولی کاملین کی صحبت سے سال سوت

ہے۔ سناقتنا اللہ و ایاہ صمد ذلک ہمہ و فضلہ آمین

نکلتے تھے تاکہ ان سے کوئی مستحب فتنہ نہ ہو سکتا کیونکہ جو مانگے بعد ذکر کرنے کی نصیحت
 دیتے تھے۔ غرض یہ سن کر اپنے نزدیکوں کے لئے بعدی مسجد کے محل چلے اور بعدی کے درجے
 با آواز بلند ذکر کرنے لگے کیونکہ مسجد سے باہر اگر کوئی آہستہ ذکر کرے تو ممکن ہے کوئی اس سے
 بات کہہ سکے اور اس کو باتوں میں مشغول کر کے ذکر سے محروم کر دے اور حضرات محراب
 مسجد کے سبقت بات کی پوری پابندی کرتے تھے اس پابندگاہ کی وجہ سے ہی مسجد کے باہر بلند
 آواز سے ذکر کرتے تھے اور اگر اس علت کی وجہ سے جبر کیا جائے تو اس وقت جبر افضل ہوگا
 مفضل نہ ہوگا گوئی نفس ذکر خواہ افضل ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صریح
 ہے کہ ذکر کوئی ذکر محلی سے ستر و جدا افضل ہے۔ یہی اس وقت ہے جبکہ دونوں علت سے
 خالی ہوں کیونکہ جبر میں بعض دفعہ باہمی داخل ہوا ہے لیکن اگر اس غرض سے جبر کیا جائے
 کہ جبر کیا جائے تو ذکر باطل کی فہم ہو جائیگا تو اس وقت جبر نفس ہوگا اور ممکن ہے
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر کوئی کی کیفیت اس لئے بیان فرمائی ہو کہ جو لوگ
 جبر پر دوام نہ کریں جیسا راوی حدیث سے بیان کیا ہے اور ہم پر ہمیشہ دوام نہیں ہو سکتا
 بعض دفعہ جبر سے دوسروں کو تشویش ہوتی یا سنیوں کو تکلیف پہنچتی ہے اور ممکن ہے کہ جبر
 کرنا لوگ و دوام ہوں جو ابھی اس مقام کے لئے ان کو جبر سے منع نہیں کیا گیا کیونکہ ان کو ذکر
 سے مانوس کرنا اور ایمان کی نسبت ان کے دل میں امانت و ثقہ اور دوسروں کو افضل کی خبر
 دے دی گئی تاکہ جہاں تک ممکن ہو افضل پر عمل کریں اور بعض کے جبر پر سکوت کیا گیا تاکہ
 جہاز پر دلائل سے بچا جائے۔ غرض اس میں مبتدیوں کو مضبوطی دینے کے لئے ایک نمونہ ہے
 پس وہن آسان ہے۔

وہی اس ذکر کی کیفیت میں گفتگو، سہا سہیں پندار احتمالات ہیں یکے بعد دیگرے جو ابھی بیان
 جاری کیا گیا کہ جبر کا منشا یہ تھا کہ غمناکوں کے بعد جو ذکر مقرر ہے وہ فوت نہ ہو جائے یعنی
 ۴۴ بار یا ۵۰ بار یا ۱۰۰ بار یا ۲۰۰ بار یا ۴۰۰ بار یا ۱۰۰۰ بار اور تو پورا کرنے کے لئے ایک بار
 لا الہ الا اللہ وحده لا شریک لہ لا حول ولا قوۃ الا باللہ وہو علی کل شیء قدیر
 اور یہی احتمال ہے کہ طرودہ ذکر ہو جو مسجد سے نکلنے کے وقت مقرر ہے کہ مسجد سے

نکلتے ہوئے یا اس پر پہلے یا بعد اس کے اللہم افتح لی ابواب فضلك کہ اس وقت
 یہ سنت ہے اور یہ احتمال زیادہ ظاہر ہے اور اس حقیر میں مدبر ہے اپنے نظم پر پہلے
 کی رکوع انظر فی مولود مسجد کے گھر کی طرف کوٹنا ہے نماز سے فارغ ہونا مرد نہیں۔ پس
 مدبر سے نماز کے بعد دعا ذکر جہر کا شوق نہیں ہو سکتا جیسا اہل بدعت کا معمول ہے
 اور اس ذکر کے اہل اہل اعلان کا فائدہ نہ ہوگا کہ ناواقف لوگ بھی اس سنت سے واقف
 ہو جائیں گے اور جو کمال کی سعی فی حق میں مشغول ہو وہی ذکر کو کوشش کر رہا ہے
 چلے گا اگر خوشی کی وجہ سے بول گیا ہو تو اس سنت سے قطع کر دیا جائے گا تو ہم کہنے
 والے کو ذکر کا ثواب دو طرح سے حاصل ہوگا ایک تو خود اپنے ذکر کی وجہ سے دوسرے
 نفع مقتدی کی وجہ سے کہ ذکر کو شکر دوسرے بھی اس سنت کو پالنے کیونکہ اس
 نے اسی قصہ سے جبر کیا تھا کہ دوسری کو تعلیم ہے اور ان کے دل میں یہ بات قرار ہے
 کہ اس وقت سنت ہے کہ ہمیں نے ادا کیا جب حضرت یوسف علیہ السلام نے امانت
 لئے دھول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا جب آپ نے ان سے دریافت فرمایا
 کہ تم رات کو قرات میں بلند آواز کیوں کہتے ہو کہا میں سونیا لوں کو بیدار کرنا
 چاہتا ہوں اور شیطان کو بھگانا۔ دھول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جواب کو
 پسند کیا اور فرمایا کسی قدر آواز میت کر دیا کہ وہ اور مدبر بھی اللہ عز و جل سب ہی
 ایسے تھے کہ وہ کوئی عمل بے نیت نہ تھا اور نہ کسی سنت کی رکافتی کے نہیں کرتے تھے
 میں جو حضرات مسجد سے نکلتے ہوئے اللہم افتح لنا ابواب فضلك بلند آواز سے
 کہتے تھے، ان کے جہر کا منشا بھی نیت عامہ تھی

اور اس سے یہ علی مرتضیٰ معلوم ہو کہ اصل سے پہلے نیت دوست کرنا چاہیے
 دھول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے خیر العمل ما نقدتہ الذیۃ بہترین عمل
 وہ ہے جس سے پہلے نیت خیر الہم ہو۔

اور اگر کسی عمل میں
 لیگمل میں چند نیتیں جمع کرنے کی تحقیق
 میرے کہ بہت سی

نیتیں جمع ہو سکیں تو سب کو جمع کر لینا چاہئے کیونکہ اس سے ثواب شعبانے کا مگر شرط یہ ہے کہ وہ عمل واجب فرض نہ ہو کیونکہ اگر واجب ہوا اور اس کی نیت کے ساتھ کسی اور عمل کی نیت بھی ملادی گئی تو اس شخص میں ملحد کا اختلاف ہے کہ فرض ادا ہو گیا یا نہیں یا دوڑوں ادا ہو جائیں گے یا ان میں سے ادنیٰ ادا ہو گیا یا اعلیٰ یہ چار قول ہیں مگر قرآن مجید و روایات معتبرہ مستثنیٰ ہے کہ در ایک عمل کا دونوں کے لئے کافی ہو جائے یا نہ ہو جیسا کہ بعض فقہاء نے کہا ہے اور اس میں اختلاف ہے اور بعض ایک ہی احرام دونوں کے لئے کافی ہو جاتا ہے بشرطیکہ بعد میں ادا کنندہ دم چاک جلد سے بیوی بدی ذکر کی جائے (جیسا کہ کتب فرائض میں مذکور ہے)۔

پس فرض میں تنہا اس کی نیت کا جائزے کسی اور عمل کی نیت اس کے ساتھ نہ لے کر چلے بلکہ خلاصہ خروج ہو جائے اور فرض دوسرے راتیتین ادا ہو جائے۔ اور یہی احتمال ہے کہ حدیث میں فرض نماز سے ملا دعا میں جمع کی نماز ہو اس احتمال کی تائید کہ یہ حدیث نماز جمع کے ساتھ مخصوص ہے اس سے جو حق ہے کہ جب ایک نفل کو اطلاق اور تنقید کے ساتھ ذکر کیا جائے تو مطلق کو معتبر ہو جائے گی اور اس کے ساتھ مخصوص کیا جاتا ہے اور دوسری احادیث میں یہ مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمع کی نماز سے نفل کو کہ حضرت عمار کی طرف متوجہ ہوتے اور دریافت فرماتے تھے کہ تم میں سے کسی نے آج رات کوئی خواب دیکھا ہے اگر کسی نے خواب دیکھا ہوتا بیان کرتا اور آپ جو کہ اشارے جاتا اس کے جواب میں فرماتے اور طلوع شمس تک صحابہ سے باتیں کرتے رہتے تھے اور آپ کی باتیں ذکر میں ہوتی تھیں، اگر حدیث کا عمل یہ ہے تو اس وقت سے لے کر آج تک عمل ایسی پر ہے کیونکہ یہی عمومی نماز سے نفل کو کہ جب مسجد سے نکلتے ہیں تو لوگ بلند آواز سے ذکر کرتے ہیں کیونکہ اس وقت دسٹ میں غلوٹ ہوتی ہے جو بزان لوگوں کے جو نماز پڑھ کر نکلتے ہیں دسٹوں میں کوئی نہیں پڑا اور نمازی بھی ایک دم سے نہیں نکلتے بلکہ متفرق طور پر مسجد سے نکلتے ہیں

اور خوب اس وقت متور ہوتے اور ذکر سے راحت پاتے ہیں، اور سلف کے گھر میں قدم سے کچے پاؤں چمکتے تھے تو گھر میں سے بھی ذکر کی آواز سنائی جاتی تھی گھر میں رہنے والے اس وقت بیدار ہوتے اور کسی مذکر وجہ سے گھر میں مقید ہوتے تھے آج کل کے ذکر کی آواز گھروں میں سے اس لئے سنی نہیں جاسکتی کہ عمارتیں بلند ہیں اور لوگوں کا چہرہ نہاد غفلت کا فلب ہے۔ پس عبدالرشید عباسی رضی اللہ عنہما کی اس خبر کا مطلب یہ ہے کہ کوئی نہ بچے کہ اس وقت بھی بلند آواز سے ذکر کرنا ذکر خلق سے مغفول اور کرتے کیونکہ جب کوئی ماسخ میں ایسا ہو تو اس وقت دعا سے اور گھر بلکہ جو وہ دونوں میں کچھ فرق نہیں (اور اگر میں بلند آواز سے ذکر کرنا ذکر خلق کے برابر ہے کہ اس میں کیا کاندہ رشہ نہیں)۔

نیز اس پر بھی تنبیہ کرنا ضروری ہے کہ اس وقت ذکر میں مشغول ہونا محکمہ اور قوی ہے اس میں وسوسہ نہ کرنا چاہئے کیونکہ اس وقت ذکر میں مشغول ہونے سے ذوق میں ترقی ہوتی ہے کیونکہ ذوق طلوع فجر سے طلوع شمس تک کے درمیان تقسیم ہوتا ہے تو جو شخص اس وقت کسی عبادت میں مشغول ہے خواہ اس کا ذوق بہت وسیع ہوگا جیسا حدیث میں آیا ہے۔ اور اس واسیل پر یہ علمی مسئلہ مرتب ہو کہ جو طاعت یا عبادت ذوق کا سبب ہو اس میں مشغول ہونا اولیٰ ہے کیونکہ اس سے دنیا فانی ہو کر خیر حاصل ہوگا، اس کے متعلق بہت سے آثار و ان ہیں اور اس لئے اہل صوفیاء و علماء و اہل انجاء بہت کم کہتے تھے کیونکہ ان کی اس حدیث پر اور اس کے امتثال پر پوزیشن میں حاکم و قانون جہان میں دیکھ کر صلیب لگے، مگر یہاں ایک شرط ہے کہ طاعت میں فیصلہ اللہ کے واسطے مشغول ہوجائے ذوق کے واسطے مشغول نہ ہوجائے کیونکہ اگر ذوق کے واسطے طاعت میں مشغول ہوگی تو نہ دنیا ملے گی نہ آخرت

عے چنانچہ لفظ ذوق غالب مذکور تھا کہ لفظ ذوق کے لئے بہت سے مترادف ہیں جو مناسب بھی معلوم ہوا ہے لفظ ذوق کے مترادف ہیں سب کے چار دہے سنی کے ان کے اصل ہوا ۱۲۰

اسی معنی میں کہا گیا ہے

أنت الخبير بالطاعات والمنوع صاحبها بالبركات موصوف

والمخاصص صاحبها محموت ودأراؤه بالبلد یا محفوظان

طیروا فانت کے ساتھ بندھی ہوئی ہے اور صاحب طاعات بکارت سے محفوظ ہے اور گناہ والا مقتد و غضب میں مبتلا ہے اور اسکی دنیا و آخرت دونوں کی حدوں بڑاؤ سے گھری ہوئی ہیں۔

نسیر کہا گیا ہے۔

دأراؤه بالطاعات من رحمتان وإتقاد السوء بمعا عروق

تیسرے دونوں گرونیاد آخرت طاعات ہی سے نفع مند ہوں گے اور طاعات

کے ذریعہ مصیبت سے بچنا سب کی معلوم ہے یہ بحث تو اس وقت ہے جبکہ

ذکر سے مراد وہ جو جو مسجد سے نکلے ہوئے شروع ہے اور گناہوں سے مراد

نمانے فارغ ہونا ہے (مسجد سے نکلنا ملز نہیں) تو اس وقت یہ گفتگو نہ ہوگی

بلکہ دوسری تاویل ہوگی جو آگے آئی ہے۔ ابن بطل رحمة اللہ علیہ شرح بخاری میں

اس حدیث پر کلام کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ احتمال یہ ہے کہ نمازوں کے بعد

یہ ذکر جہر و خفی کے شعبوں پر عمل اور جہاد کی حالت میں ہو تو اگر حدیث کا یہ عمل ہے

ثواب بھی عمل اسی کے موافق ہے کیونکہ سنت یہ ہے کہ عبادین نماز کے فارغ ہو

کر پانچویں وقت بلند آواز سے ذکر (یعنی تکبیر) کہا کریں تاکہ دشمن کے دلوں پر

دعوت غالب ہو جائے اور اگر اس پر عمل نہیں تو یہ حدیث بالا اجماع منسوخ ہے

اور اجماع کے لئے کسی جہت کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ خود مستقل جہت ہے،

قوله الوجه الشافعي ان اهل الصفة ائمة قوله والراجح لا يحتمل

فہ اس تمام تقریر کا حاصل یہ ہے کہ نمازوں کے بعد معاذکر جہر و خفی ہے

جیسا بعض محدثین کا مسلک ہے کہ ہر نماز کے بعد یا فروعہ کے بعد تین بار لا ا

لا اللہ عز و جل کہتے اور تین بار حق حق کہتے ہیں اور بعض نے کہا

کی یہ جھڑپ کی جہت نہیں ہو سکتی کیونکہ اس میں بہت سے احتمالات ہیں جن

کا ذکر گندہ چکا اور اگر اس کو ظاہر یہ دکھا جائے تو وہ اجماع سے منسوخ ہے۔

قتباً ائمت صحابہ و تابعین کا اجماع ہو چکا ہے کہ نمازوں کے بعد جہر و خفی

یا تکبیرات آیا تشریف کے ذکر جہر مشروع نہیں۔ والشرعانی اعلم بالحق والصلوب

فتے یہاں سے معلوم ہوا کہ جو وظائف و اذکار دنیوی مقاصد کے لئے ہوتے

جاتے ہیں ان میں ثواب نہیں جبکہ مقصود دنیا ہو، ثواب اس وقت ہے جب بعض

طاعت و وظائف کے لئے ان کو بجا لائے پھر دنیوی مقاصد اس کے غلام

ہو کر خود ہی آجاتے ہیں ان کو مقصود نہ بنانا چاہیے۔

حدیث

عکرم راع وکلکم مسئول عن عتیہ

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ تم میں سے ہر شخص کو کسی نہ کسی چیز کا نگہبان اور ذمہ دار ہے اور اس سے اسکی رعیت کے متعلق باز پرس کی جائیگی۔ مال کا نگہبان اور ذمہ دار ہے اس سے اسکی رعیت کے متعلق سوال کیا جائیگا اور اگر اپنے گھروالوں کا نگہبان اور ذمہ دار ہے اس سے ان کے متعلق باز پرس کی جائیگی۔ حدیث اپنے شہرہ کے گھر کی نگہبان اور ذمہ دار ہے اس سے اس کے متعلق سوال کیا جائیگا۔ نام اپنے آٹا کے مال کا نگہبان اور ذمہ دار ہے اس سے اس کے متعلق سوال کیا جائیگا۔ راوی نے کہا مجھے گمان ہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ مرنے والے کے مال کا نگہبان اور ذمہ دار ہے اس سے اس کے متعلق سوال کیا جائیگا۔ غرض ہم میں سے ہر شخص کو کسی نہ کسی چیز کا نگہبان اور ذمہ دار ہے اور ہر ایک سے اس کی ذمہ داری کے متعلق باز پرس ہوگی۔

نام حضرت یہ ہے کہ جو شخص جس چیز کا نگہبان اور ذمہ دار ہے اس سے اس کے متعلق باز پرس ہوگی اس پر چند وجوہ سے

کلام ہے۔

(۱۹۹) یہ ذمہ داری ان ہی امور میں منحصر ہے جن کا ذکر حدیث میں ہے یا دیگر امور کی طرف بھی مندرجہ ہے۔ اگرچہ علت سمجھنے کے قابل ہوں تو جہاں علت موجود پائیں گے حکم کو مندری کر دیں گے اور حدیث میں ہن چیزوں کا خاص طور پر ذکر ہے اس کو قلیل سے کثیر پر تنبیہ کرنے کے باب سے بھی اجائیگا کیونکہ علت سب بکر امانت اور نگہبانی ہے اور قواعد شریعت اس بارہ میں بہت ہیں جو اس (تعمیم) پر مراد نہ یا ضیقا و نالاست کہتے ہیں۔ پس بیان حدیث کا قائلہ یہ ہے کہ ان امور پر تنبیہ کیا جائے جن کا ذکر یہاں ہے کہ یہ قائلہ ایک مقولہ قائلہ ہے کیونکہ لوگ عام طور پر راجی اور ذمہ دار منظر علیہ اور سلطان ہی کو سمجھتے ہیں اس کو سوا میں لوگوں کا ذکر بعد میں کیا گیا ہے کہ ان میں سے کسی کو بھی ذمہ داری نہیں سمجھتے چنانچہ مذکور کتاب ہے کہ میں نے گھروالے کے واسطے صباح میں میسر اور پران کا کچھ حق نہیں بجز نفقہ (روٹی پٹے) وغیرہ کے جو عا ذمہ دار کے ذمہ ہوتا ہے اور اس سے منظر نفقہ کے متعلق باز پرس ہوگی۔ یہ نہیں سوچتا کہ اس کے ذمہ اس سے زیادہ بھی کچھ حق ہے اسی طرح ہر شاکر تلے کہ میں نے بپ کا مال میرا مال ہے مجھ پر اسکی باز پرس کیا ہے بلکہ وہی میسر اور پران کے (جو کچھ باز پرس ہوگا بپے ہوگی) پوری ہی یہی کہتے ہیں غلام بھی یہی سمجھتا ہے اور اس کے ذمہ ان حقوق ضائع ہوجاے ہیں جن کی باز پرس ہوگی مگر لوگ ان حقوق کو غفلت میں بر باد کر لے ہیں۔ پس اس پر تنبیہ کر دی گئی تاکہ ان لوگوں کی پولی خیر خواہی ہو جائے جو کسی ذمہ داری کے تحت ہیں۔ پس اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب ذمہ دار سے زیادہ اپنی ذمہ داری کو ادا کرنا چاہتے ہیں (اس لئے آپ نے تنبیہ فرمائی) بقیہ امانت اور ذمہ داری پر یہی مثالیں ولالت کر دی ہیں ان ہی پر سب کو قیاس کیا جائیگا چنانچہ حدیث بڑی ذمہ داری تو اس کی ہے جس کے لئے امانت و انقیاد کی بیعت کی جاتی ہے اور مولیٰ اور سلطان ہے اس پر حدیث عبادہ بن الصامت میں گفتگو کر رہی ہے اس کے بعد جن لوگوں کا ذکر ہے ان کے متعلق اس وقت کچھ بیان کیا جائیگا

جنتا انشرفائی منہ سے فرمے گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں

والرجل راع فی اہله ومسئول عن رعیته

مرد اپنے گھر والوں کا نگہبان اور حاکم اور ذمہ دار ہے اس سے اس رعیۃ کے متعلق باز پرس ہوگی۔

یہاں اہل کا لفظ ہم سے قواس سے کیا مراد ہے؟ یہ تو اہل کا اطلاق کبھی مذہب پر آتا ہے جیسا اسامہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قصہ اگلی میں کہا تھا

اھلک یا رسول اللہ لا اعلم الا خیرا

یا رسول اللہ آپ کی بی بی میں تو بھلائی کے سوا ان کے بدلہ

میں کچھ نہیں جانتا۔ (مرد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا عقیں)

مذہب پر ہی احتمال ہے کہ اہل سے مراد وہ ہوں جن کا لفظ مرد کے ذمہ شرعاً

واجب ہو تا ہے جیسا فرقہ علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ ان ابنی من اہلی کریم

میں بھی میرے اہل میں داخل ہے اور جیسا انشرفائی شانہ نے ابوب علیہ السلام کے

قصر میں فرمایا ہے۔ وھذنا الہل وھذنا الہل وھذنا الہل وھذنا الہل وھذنا الہل

کون کے گھر والے حاکم تھے۔ اور ان کے مثل ہی ان کے ساتھ یہاں اہل سے مراد

بیوی بچے سب ہیں۔ نیز غلام بھی اہل میں داخل ہے کیونکہ وہ بھی مفید رعیۃ کے

ہے جسکی وسیلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے حضرت سلمان فارسی

رضی اللہ عنہ کے متعلق ہو من اہل البیت کردہ اہل بیت میں سے ہے

جان کر وہ غلام آزاد شوئے۔ نیز غلام کھلنے اپنی سیر کی رینت ظاہر و جود

کھنڈن کی طفرہ نظر کرنا مباح ہے جیسا غلام کے لئے مباح ہے چنانچہ حق تعالیٰ

کا ارشاد ہے۔ او ما ملحت ایمان من

مذہب سے۔ فی احتمال ہیں کہ اہل سے مفید بیوی مراد ہے یا سب گھر والے (بیوی)

گھر کا ہر ہے کہ اس کو غلام پر رکھا جائے کیونکہ لائدہ اس صورت میں مال کا ذاتی ہونا

اس لئے بھی محرم پر رکھنا اولیٰ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث کے غیر

میں فرمایا ہے والرجل راع فی مال ابیہ کہ آدمی اپنے باپ کے مال کا بھی

نگہبان اور ذمہ دار ہے اور یہ نہیں فرمایا کہ باپ اپنے بیٹے کے مال کا نگہبان اور

ذمہ دار ہے کیونکہ بیٹا مال میں داخل ہو چکا ہے اسی طرح یہ نہیں فرمایا کہ آدمی

اپنے غلام اور بیوی کا نگہبان ہے اور ذمہ دار ہے کیونکہ غلام اور بیوی بھی اہل

میں آچکے ہیں بیٹے اور غلام اور بیوی کی ذمہ داری کو اپنے بیان فرمایا کہ ہم کو معلوم ہو

جائے کہ جس طرح گھر کے مالک سے ان کے متعلق باز پرس ہوگی ان سے بھی بقدر خصوصیت

(و تفق) کے باز پرس ہوگی جیسا آگے بتلایا جائیگا۔

پس مرد کے ذمہ بیوی بچوں اور غلاموں کے جو حقوق واجب ہیں ان میں سے بعض

تو وہ ہیں جو سب لوگوں کو خواہ عالم ہوں یا جاہل معلوم ہیں جیسے نفقہ کھانا اور کپڑے کا

گھر اس میں تو کچھ خفا نہیں مگر یہ کل میں سے بعض ہے، کیونکہ اس کے علاوہ اس

کے ذمہ یہ بھی واجب ہے کہ ان کے دین کی حفاظت کرے ان کو دین پر لے جاتا ہے خزانہ

پر بھی مستحبات پر بھی ہر ایک پر اس کے ذمہ جو حقوق توفیق دے اور یہ حق

نفقہ اور لباس سے بھی زیادہ ہوگا ہے کیونکہ نفقہ اور لباس تو زندگی کی حالت میں

ساقط بھی ہو جاتا ہے اور دین کی طفرہ دہری اور اس کی تعلیم کسی حال بھی ساقط

نہیں ہوتی اور گھر ہے کہ جو حق بھی ساقط ہو وہ اس حق سے زیادہ ہوگا اور مرد

ہے جو کسی وقت ساقط ہو جائے۔

مگر چونکہ لوگوں نے حکام کو نفقہ اور کپڑا اور دیگر امور وغیرہ ہی کے متعلق فیصلہ

کرتے دیکھا ہے ان کے سوا کسی اور بہت کو ذمہ دار نہ کے اور یہ لازم کرتے ہوئے

نہیں دیکھا تو وہ یہ سمجھ گئے کہ حق میں واجب وہی ہے جس کو حکام اپنے فیصلوں

میں لازم کرتے ہیں اس کے سوا کچھ واجب نہیں۔

اور جو لوگ اہل علم اور اہل خیر سے سمجھ جاتے ہیں ان کی طبیعت وہ یہ ہے کہ

یہ کہ رسولِ اسی سے کیا ہے۔ تیسرا یہ کہ وہ فوں کو ثواب ہوگا یہی قولِ میرے ہے جس کی پیل
سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب حج و عمرہ میں ایک عورت
نے اپنے ہرج میں سے ایک کچھ کو نکال کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دریا
کیا گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجے ہو سکتا ہے اچھے فرمایا ہوں اور اچھے ثواب ملیگا
(مترجم کتاب) کہ اس حدیث سے وہ سرے قول کی کوئی جگہ منکر ہے قول کی نفی نہیں
ہوتی جبکہ بظاہر اس کی تائید اور تفسیر قول کی تائید میں نہیں،

اور ظاہر کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر بائیکا
کرسے اس کو نماز تازیانہ پھر زنا کہے تو نماز تازیانہ نہ اگر تیسری یا چوتھی دفعہ
پھر زنا کرے تو اس کو بیچ دو اگرچہ ایک ہی دھاکے عوض ہو۔ اسی کے مثل وہ حدیث
ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ بعض لوگ ان کی زمین میں ان
کے پاس ہی جوتے تھے، ایک دن حضرت عائشہ نے اسی زمین میں ان خطوط کے نشان
دیکھے جن پر جو سر کھلی جاتی تھیں تو آپ نے ان لوگوں کے اخراج کا حکم دے دیا اگر اس حرکت
سے باز نہ آئیں۔ اسی بنا پر علماء نے فرمایا ہے کہ اپنی چیز ایسے شخص کو کرایہ پر
دینا جائز نہیں جس کے متعلق معلوم ہو کہ وہ اس میں کوئی حرام کام کرے گا۔ اسکی
تائید حق تعالیٰ کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے۔

وَلَا تَحْكُمُوا فِي آيَاتِ اللَّهِ تَحْكُمُ عَلَى الْبَعْثِ
کہ اپنی پاندوں کو نہ پر مجبور نہ کرو ان کے ذمہ اتنا خرچ نہ لگاؤ
جس کے ادا کرنے کے لئے وہ نہ پر مجبور ہوں،
تو جیسے یہ حرام ہے کہ بانیوں کو زنا کے لئے کرایہ پر دیا جائے اور اس کی
اجرت مستحبنا حرام ہے اسی طرح دوسرے مال کو بھی حرام کام کے لئے کرایہ پر
دینا اور اس کرایہ کو اپنے کام میں لانا حرام ہے۔ شراب پینے والے کو اپنی مکان
کرایہ پر دینا یا اپنے مکان کو اجارہ کھینے کے لئے یا مندر بنانے کیلئے کرایہ پر
دینا و علیٰ ذلکا القیاس

نفقہ و لباس کے علاوہ و حقوق دینے میں وہ مستحب کی قسم ہے میں اگر ان کی ادا کریں
تو شاید نہ ادا کریں تو نہیں لگائے ہوں گے مالا کو یہ بھی جہلِ حق ہے اور بالکل غلط ہے
کتا سنت اور اقول آخر میں اس کے غلط ہونے کی دلیل موجود ہے۔ کتب کی
حالات کے لئے تو اللہ تعالیٰ لایہ ارشاد کافی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا
لے ایمان والو! اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو جہنم سے بچاؤ
خیر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

وَأَمْرٌ أَهْلًا بِالنَّفْسِ وَأَهْلِهَا
اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کرو اور خود بھی اسکی پابندی کرو
رہی حدیث، سورہایات میں وار ہے کہ جس شخص کی اولاد باغ ہو چکے اور وہ ایک
نکار و خیر کے بارے میں کوتاہی کرے یہاں تک کہ وہ اس کوتاہی کی وجہ سے کسی
محذور گناہ میں مبتلا ہو جائے تو اس پر بھی اتنا ہی گناہ ہوگا جتنا کہ اگر وہ غیر نماز
کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

مروهم بعد السبع وأمر بوجهه عليها لعشر
بچوں کو نماز کا حکم کہ جب سات سال کے ہوں اور نماز کے ترک پر
ان کو مارا جب دس سال کے ہوں۔

اور یہ حکم مشر نماز کی کے واسطے نہیں بلکہ نماز کا ذکر ادا کرنے سے اولیٰ پوزیشن کیلئے ہے
بھے اقول اگر تو ان الیٰ زیمے اپنے رسالہ و فیو میں بیان کیا ہے کہ بچوں کو
نماز کے لئے مالا جائے جب دس کے ہوں جیسا سنہ عشر میں آیا ہے اسبطر دوسرے
واجبات و فرائض میں بھی کوتاہی کریں تو مزا دیا جاتے۔

علاوہ اس مسئلہ میں بھی اختلاف کیا ہے کہ وہ اپنے ماتحت نانا بچوں
کو نیک کاموں کی ہدایت کرے اور ان پر مجبور کرے تو ان اعمال کا ثواب کس کو
ملے گا۔ اس میں تین قول ہیں ایک یہ کہ ثواب ولی کو ملے گا دوسرا یہ کہ ثواب بچہ کیلئے

حالت عظام اس وقت تک نماز شروع نہ کرتے جب تک وہ لوگ اطلاع نہ دیتے کہ صفیں برابر ہو گئی ہیں، اس کے متعلق پوری تفصیل اپنے موقع پر آئے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ غرض اعمال مستحبہ میں بھی ابن و عیال سے مسامتہ نہ کرنا چاہیے۔

اب ہم تم کو بتاتے ہیں کہ حکام صرف نفقہ اور کپڑا وغیرہ ہی میں فیصلہ نہیں کرتے ہیں جس سے لوگوں نے یہ سبب لیا کہ میں یہی چیزیں مرو کے ذمہ لازم ہیں۔ دین کی ادائیگوں میں فیصلہ کیوں نہیں کرتے۔ سو اس کی وجہ یہ ہے کہ حکام ان ہی حقوق کا فیصلہ کرتے ہیں جن کے متعلق ان کی طرف مافوق کیاجائے اور جن حقوق کا مافوق نہ کیا جائے گا ان کا فیصلہ نہ کریں گے، چھوٹے اگر کسی شخص کے مقابل میں تہا ہے یا پس تعین یا چارعت میں ہوں، پھر تم ایک ہی جہت سے اس پر مطالبہ (قائم ہو تو حاکم ایک جہت سے تہا نہ تھی میں فیصلہ کر دے گا اس کے ذمہ یہ لازم نہیں کہ بقیہ جتوں سے جن کو تم نے ظاہر نہیں کیا نہ ان کا مطالبہ کیا تہا ہے لئے فیصلہ کیا اسی طرح یہاں سمجھو کہ رعیت کے کچھ حقوق دینی بھی رہی کے ذمہ ہوتے ہیں جن کو وہ ادائیگوں کو ناسزا مٹا کر یا پستی کرانا، ذکوہ اور زہ کی تاکید کرنا، ان کے اخلاق و عادات کی اصلاح کا اہتمام کرنا، مگر ان حقوق کا ادائہ کرنا رعیت کی خواہش نفس کے موافق ہے اس لئے وہ اس سے خوش ہے کہ دینی سخاں حقوق کو ادائیگیوں کا تو وہ حکام کے سامنے بھی ان حقوق کا ذکر نہیں کرتے یا اس لئے کہ رعیت کو اس بات کا علم ہی نہیں کہ تہا ہے کچھ دینی حقوق بھی ہیں یا علم تو ہے مگر وہ اس سے خوش ہے کہ دینی نے ان حقوق کو ادائیگیوں کا اور اس سے اعمال شرعیہ کا مطالبہ نہیں کیا بلکہ بعض دفعہ ایسے دینی سے محبت کی جاتی ہے کیونکہ وہ خدا کی نفس کے موافق ہے اور دوسرے حقوق جو حظ دنیا کی قبیل سے دینی

ہوئے اس قول کی تقویت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس خط سے بھی ہوتی ہے جو اپنے پانچ بھائیوں کے نام لکھا تھا

ان اھم امور کمر عندی الصلوۃ من حفظھا وحافظ علیھا حفظ دینہ و من ضیعھا فہو لھا سواھا اضع لی تمہلے سب کاموں میں زیادہ نگرانی کہے جو شخص نماز کی حفاظت کرے اور اس کی پابندی کرے وہ اپنے دین کو محفوظ کر لیا اور جو نماز کو ضائع کرتا ہے وہ اس کے سوا دوسرے کاموں کو زیادہ ضائع کرنے والا ہو گا۔

ان سب نصوص سے یہ ثابت ہے کہ انسان پر اپنے اہل و عیال کا صرف نفقہ ہی واجب نہیں بلکہ ان کے دین کی حفاظت بھی لازم ہے،

اس باب میں شیخان و مفتیوں کے ہاں میں جو مڑ پر اپنے اہل و عیال کے متعلق واجب ہے قاعدہ کلیہ ہے کہ جو اعمال خود مرد پر واجب ہیں ان پر اپنے اہل و عیال کو عامل بنانا بھی واجب ہے مگر وہ بالغ ہوں تب تو وجوب حقیقی حقیقت میں ہے جو ان اعمال کے جو شرعیئے ان سے ساقط کر دیئے ہیں جیسے جمعہ عورتوں اور غلاموں سے ساقط ہے، چنانچہ کتب فقہیہ و دلیل شرعی کے ساتھ یہ مسئلہ مذکور ہے اور اگر بالغ ہوں تو وجوب حقیقی نہیں بلکہ بغیر ہے یعنی نا باغی کہ احکام ضروریہ کی تعلیم دینا اور عادت ڈالنا واجب ہے گو پابند بنانا واجب نہیں بلکہ مستحب ہے اور جو اعمال خود مرد پر واجب نہیں بلکہ مستحب ہیں ان کا اہل و عیال کو عامل بنانا بھی مستحب ہے مگر ان کو یہ بھی بتلادینا چاہئے کہ یہ اعمال مستحب ہیں جیسا اخلاص راشدین رضی اللہ عنہم کا عمل میں صفوں کے برابر کرنے کے متعلق معلوم تھا کہ اول خطبہ میں بیان کر دیتے تھے کہ صفوں کا برابر کرنا واجبات میں سے نہیں بلکہ مکملات معلوہہ ہے اور سنت ہے، پھر کچھ آدمیوں کو صفیں برابر کرنے پر مقرر کرتے جو لوگوں کو اس پر مجبور کرتے تھے اور

اذہب فالب (چاؤ کھیلو) کھا جائے، میں تو ایسا نہ کروں گا اور اگر وہ خود
کھینے لگے گا تو اس کو منع بھی نہ کروں گا کیونکہ بچوں کے لئے بقدر ضرورت
ہو و لوب کی اجازت ہے۔ سو دیکھو سلف کے یہاں تربیت کا کیا طریقہ
تھا اور نامزد اعمال میں اپنی باتوں کے درج ہونے پر وہ کیسی استیلاط
کرتے تھے۔

یہ تو ان امور کے متعلق کلام تھا جو دین میں مشروع ہیں اور جو امور
نفس کے لئے مباح کر دیئے گئے ہیں تو ان کو اہل و عیال کی خاطر چھوڑ
دینا مستحب منسوب ہے جب تک دین میں کوئی مقصد نہ پیدا ہو۔
اسی طرح جو معاملات ولین دین میں ملاپ کی قسم سے ان کے درمیان
یا ہم ہوا کرتے ہیں۔ ان میں بھی مستحب یہ ہے کہ ان معاملات کی ترغیب
دی جائے مگر سختی نہ کی جائے تاکہ ان کو مکالم اسطیق کی عادت ہو کر یہی
سنت ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے بعثت
کاتمکم مکالم الا خلاق۔

جہاں سے اس قول کی دلیل یہ ہے کہ اہل و عیال کے واسطے اپنے حفظ
نفس کو چھوڑ دینا مرد کے حق میں مستحب ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا ہے

المؤمن یبذل بشجوة عیالہ
مومن اپنے گھروالوں کی خواہش کے گایا کر لکھے

یعنی جس چیز کو ان کا دل چاہتا ہے وہ کھاتا ہے اپنی خواہش کے
موافق و ممانش نہیں کرتا چنانچہ کسی وقت اس کو اشتہات پر مگر گھروالوں کی
خاطر سے کچھ کھا لیتا ہے تاکہ اس کے دکھانے سے وہ بھی کھانا نہ چھوڑ دین
تو دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل و عیال کی خاطر اپنی خواہش
کے چھوڑ دینے کو کمال ایمان کی علامت بتایا ہے کیونکہ اگر وہ اپنے خواہش

کے ذمہ ہیں جیسے کھانا پکڑنا وغیرہ ان کا چھوڑنا رعیت کو گوارا نہیں وہ
راہی سے ان حقوق کو طلب کرتے ہیں جب وہ طلب کے بعد بھی تو جسہ
نہیں کرتا تو حکام کی طرف مداخلت حاجت ہوتی ہے چنانچہ جب بعثت
ان حقوق کا مطالبہ اور مداخلت ہونے لگا تو ان حقوق کا راہی کے ذمہ
واجب ہونا مشہور معلوم ہو گیا اور دوسرے حقوق یعنی حقوق دینیہ
کے طالب بھی کم ہیں ان کے ادا کرنے والے بھی کم ہیں جاننے والے بھی
کم ہیں تو وہ ایسے اوپر سے ہو گئے کہ گویا ان کا بیان کرنے والا اور بتلانے
والا دین میں کوئی بدعت ایجاد کر رہا ہے۔ غایتہ وانا الیہ راجعون دین
میں کیسا مذہن پیدا ہو گیا ہے کہ اس کے نشانات ہی بدل گئے اس پر عمل
کرنے والے ہی جانتے رہے، معاملہ بیان تک حد سے بڑھ گیا کہ جب کسی
کو دیکھا جاتا ہے کہ اپنے گھروالوں کو حاجات دین کا امر کر رہا یا دین کے معاملہ
میں ان پر سختی کر رہا ہے تو اس کو دھمکا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ میں
جانتے ہی دو ایسی توبہ پھر ہے جب تمہاری عمر پورا ہوے گا خود عمل کرے گا۔
اس کا یہ مطلب ہوا کہ دین دو ہیں، ایک بچوں کا دین، ایک بڑوں کا دین
اللہ تعالیٰ سلف پر دم فرمائے۔ ان کا یہ طرز و قصان کے یہاں بچوں اور بڑوں
کا سب کا ایک ہی دین تھا۔

میسر ایکسٹرنل نے اپنے ایک شیخ کا واقعہ جس سے بیان کیا کہ اسے
شاگرد کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ ان کا چھوٹا بچہ مکتب سے آیا اور کہنے
لگا کہ میں نے اپنی شوق یاد کر لی ہے اب میں بیچارہوں یا کھیل کو چلا
جاؤں، شیخ نے اس کا کچھ جواب نہ دیا۔ بچہ نے بار بار اپنے سوال کا اعادہ
کیا، مگر وہ خاموش ہی رہے، شاگرد نے عرض کیا کہ آپ بچہ سے کون نہیں
کہہ دیتے کجاؤ کھیلو، کیا بچوں کے لئے مکمل مشروع نہیں؟ یہ تو ان کی محنت
تھکے لئے مفید ہے۔ شیخ نے فرمایا کہ تم یہ چاہتے ہو کہ میسر نامزد اعمال میں

واجب ہے۔ جیسا اوپر گذر چکا نیسہ بیوی کے ماننے پیٹنے کی بھی اجازت
دے ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

واللائی تغافلون فتشوزهن فظلوھن واھجروھن
فی المضاجع واضربوھن فان اظلمکم فلا تبغوا
طیبر۔ سبیل

(ترجمہ) اور جن عورتوں کی طرف سے تم کو نفوز (نافضائی)
لا خطرو ہو (اول)، ان کو نصیحت کرو اور دھس ان کو خواب گاہ
میں الگ کر دو اور اس پر بھی باز نہ آئیں تو ان کو بزنائے قریب
دو احمکے بعد اگر وہ تمہاری اطاعت نہ کریں تو دم بھی ان
کے مانتی ہو جاؤ اور خواہ مخواہ ستانے کے لئے ان پر راستہ
نہ ڈھونڈو۔

اس باب میں حدیثیں بھی بہت ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ جماع
کے بارہ میں موقوف اپنا حق بیوی سے پوری طرح وصول کر لینا جائز
ہے (خواہ اس کو رغبت ہو یا نہ ہو) کیونکہ ایسا نہ کرنے میں اس کے دین پر
بڑے فساد کا خطرہ ہے تو یہاں بھی پہلی صورت کے مقابلہ میں اعلیٰ سے اولیٰ
پر تنبیہ کی گئی ہے۔ تم شریعت کے اس عجیب نظام کو دیکھو جب تم اس میں
خلل کرو گے (بیشک میں رہاؤ گے) کہ اگر دین میں خلل کا اندیشہ نہ ہو تو
شریعت نے مسلمانوں کو اپنے حفاظت کے چھوٹے کیسی تعزیر دی ہے
کہ کھانے تک میں اپنی رغبت کو اہل و عیال کی رغبت کے تابع نہ کرنے کا
حکم دیا، اور اگر کسی رغبت کے چھوٹے سے دین میں خلل کا اندیشہ ہو
تو اس کا پورا کرنا مستحب ہے بلکہ ضروری اور واجب ہو جائے کیونکہ
جس چیز سے روکنا واجب ہو ساقط کر دیتا ہو جیسا یہاں بیوی کا شوہر
تو اہل خانہ سے روکنا نفقہ واجب ہو ساقط کر دیتا ہے تو اس کا اہل کرنا

بے کھانا کرے جب بھی ایمان سے توفیق نہ ہوگا کہ یہی فی نعم
مباح ہے اور جس کام کا کرنا ایمان سے خارج نہ کرے اس کا چھوڑنا
کمال ایمان ہوگا اور اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
اعلیٰ سے اولیٰ پر تنبیہ فرمائی ہے کیونکہ کھانا جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی
محبت سے اس بدن کی حیات موقوف رکھی ہے وہ لذت و تنعم میں ہمیشہ مکرر
ہی ہوتا ہے اور اپنی خواہش و رغبت کے ساتھ کھانا اہل بار کے قول پر
مصلحت بدن کے لئے زیادہ مفید بھی ہے اور سنت نبویؐ سے بھی رعایت
طلب کو بھڑکایا ہے حتیٰ کہ اہل امان قین نے فرمایا ہے کہ جو کھانا بعض
اوقات بدن کو مضر ہوتا ہے وہ بھی اگر چہ رغبت سے کھالیا جائے
تو نقصان نہیں کرتا باس ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل و عیال
کی خاطر اپنے مرطب کھانے کو چھوڑ دینا ایمان کامل کی علامت قرار دیا ہے
کیونکہ اس صورت میں وہ اپنے دین کی صلاح کو صلاح بدن پر ترجیح دیتا
ہے تو یہی باب سے ہے جس پر ہم نے اشارہ کیا ہے کہ اس میں اعلیٰ
اولیٰ پر تنبیہ کی گئی ہے کہ تم کھانے میں جو دنیا کی نعمتوں
میں سب سے اعلیٰ ہے اہل و عیال کی رغبت کو مقدم کرتا ہے تو معمولی
باتوں میں تو خسرو اس کا لحاظ کرے گا۔

اور یہ جو ہم نے شرط لگائی ہے کہ یہ رعایت اس وقت کی جائز
ہے جبکہ اس سے دین کا اثر نہ ہو اس کی مثال جماع ہے کہ اگر مرد کو
جماع کی خواہش ہو اور اس کے ترک سے دین میں خلل کا اندیشہ ہو
تو اگر چہ بیوی کو اس وقت رغبت نہ ہو پھر بھی مرد کو اپنی رغبت کو
مقدم کرنا چاہیے۔ بیوی کی رغبت کا انتظار نہ کرے اس لئے شریعت
نے تشوہ و زچہ کے وقت جبکہ وہ اپنے بلا غدر رشوئی جگہ سے انکار
کرے نفقہ بند کرنے کی اجازت دی ہے حالانکہ نفقہ شوہر کے ذمہ

کہتا اس کو خوشی نہ ہوتی، اسی وقت کوئی قتیہ صاحب تشریف لے گئے
(انہوں نے یہ واقعہ سنا تو) کہنے لگے کیا داسیات ہے تم نے جھوٹ بول
کر اس کا دل خوش کیا یہ تو جائز نہ تھا۔ تم نے جس بھی کا قصد کیا اس سے
بزرگ گناہ میں مبتلا ہو گئے۔

کسی نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا کہ بہت سی دلوں کو یہی بزرگ
صوفی ادا ان سے بغض رکھنے والا مسلمان نہیں ہیں، کہا بیشک مسلمان
ہیں اس نے کہا پھر جب ایک مسلمان دوسرے سے نافرمانی بغض کے اور
جس سے بغض کیا جاوے لمبے وہ سچا مسلمان ہے تو کیا اس کو اپنے بھائی
مسلمان کی اس حالت سے رنج نہ ہوگا کہ نافرمانی بغض کی وجہ سے اس کا
ایمان ناقص ہو رہا ہے۔ کیونکہ مومن کو اپنے بھائی مسلمان کی ہر اس حالت
سے تکلیف پہنچتی ہے جو خود اس کو پیش رفتی تو تکلیف دہتی تو جیسا اس کو
اپنے ایمان کے ناقص ہونے سے تشریش ہوتی ہے ایسے ہی اپنے بھائی
کے نقص ایمان سے تکلیف ہوتی ہے پس جب یہ بات مجھ میں آئی
تو اب اس جواب میں کذب کہاں ہوا، بلکہ اس بزرگ نے اپنی حالت
اور غلطی کی حالت کے موافق سچا جواب دیا ہے۔ یہ سب جوابوں سے
جواب بہتر ہے مگر اس کو وہی سمجھ سکتا ہے جس کو علم حال اور علم دہی
دونوں سے حصہ ملا ہو ورنہ ایک میں مقلد ہوگا اور وہ فقیہ کا مقلد ہو یا
صوفی کا جو فقیہ کا مقلد ہوگا صوفی کو برا کہے گا جو صوفی کا مقلد ہوگا فقیہ
کو برا کہے گا اور جس کو فقہ ظاہر اور فقہ حال دونوں سے حصہ ملا ہوگا
وہ کسی کا مقلد نہ ہوگا بلکہ متقی ہوگا اور کسی کو برا نہ کہے گا۔

ہمارے اس قول کی کہ اصل مقصد دین ہے اس کے سوا جو کچھ ہے
تبعا مقصود ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اشارے سے بھی
تائید ہوتی ہے کہ

واجب ہے ادا کر اس کے مائل کرنے کے لئے ممنوع کو بھی جائز کر دیا جائے
تو اس کی تحصیل اور زیادہ ہوگا کہ جو حاجی ہے (جیسا بیان یہی حق ہے)
کیونکہ مرد کا اپنی بیوی کو مارنا بدن نشوونے کے ممنوع ہے مگر نشوونے کے
بعد مارنا جائز ہے تو رغبت جماع کو پورا کرنا بہت بڑی عبادت جو گئی
اسی پر بدتریت کے تمام نظام کو قیاس کرو۔

اس گفتگو سے یہ علمی مسئلہ بطور نتیجہ کے معلوم ہوا کہ دین اور مصلح
دین اصل مقصود ہے اس کے سوا جو کچھ ہے وہ تبعا مقصود ہے بشرطیکہ
اس سے دین میں کوئی خلل واقع نہ ہو اور اس کا مائل ایسے مباح کی طرف
بھی نہ ہو جس کا کرنا اور چھوڑنا برابر ہے کیونکہ مباح کسی درجہ میں
مقصود نہیں نہ ادا نہ نہ تنہا، اور بھی وسیلہ ہے طریق ہو مگر کے ترجیح
کی کیونکہ ان کے طریق کی بنا کر تک حلقہ نفس اور عمل اذیت اور تک اذیت
(مسلم) اور مسلمانوں کا دل خوش کرنے پر ہے (اور ان امور کا عبادت ہونا
ظاہر ہے طرف صوفیہ نہ مباحات میں تخیل کرتے ہیں نہ ایسے اعمال کے پاس
جاتے ہیں جن سے دین میں خلل کا اندیشہ ہوا ہے اپنے نفس کے ساتھ
توان کا معاملہ ہے کہ اسکی خواہشوں کو پورا نہیں کرتے اور اس کی خوشی
کمنے کے لئے کسی کو اذیت نہیں پہنچاتے اور دوسروں کے ساتھ معاملہ
ہو سکتے کہ ان کی اذیت کا تحمل کرتے اور یہ مسلمان کا دل خوش کرنا چاہتے
ہیں۔ بیان تک کہ ایک صوفی کے متعلق متفق ہے کہ ان سے ایک شخص
ملا اور دریافت کرنے لگا کہ آپ کس حال میں ہیں؟ فرمایا کہ مشکوش
اور پریشان ہوں یا اور کوئی غلطی اسی کے معنی میں فرمایا۔ جب وہ چلا
گیا تو چند نام نے عرض کیا کہ حضرت آپ نے یہ بات کیوں کہی؟ و بظاہر تو آپ
پریشان معلوم نہیں ہوتے، فرمایا کہ میں جانتا ہوں کہ اس کو مجھ سے بغض
ہے تو میں نے اس کا دل خوش کرنا چاہا (اگر میں اپنی راحت کا اظہار

لَا تَرَىٰ لِلدِّينِ لَاحًا وَلَا خَيْرًا لَهُ مَنَ ان يَتَصَدَّقَ

بصاع من طعام

کوئی شخص اپنی اولاد کو تادیب کرے یہ اس سے بہتر ہے کہ ایک صاع غلہ صدقہ کرے۔

کیونکہ اولاد کے ساتھ قلبی تعلق جو تباہی جیسا حدیث میں وارد ہے اولاد مغلطہ و مجنبہ اولاد بخل اور بزدلی کا سبب ہے یعنی ان دو مذموم خصلتوں کے بڑھنے میں اولاد بڑا سبب ہے کیونکہ اس کی محبت مالی کے خرچ کرنے سے مائل ہوتی ہے وہ سمجھتا ہے کہ میرا بیٹا میرے مالی کا زیادہ مستحق ہے پھر غریبوں پر کیوں صدقہ کروں اور جب جہلمیں جاتا ہے تو دل اولاد میں رکھ دیتا ہے اور واپسی کا مشاق ہوتا ہے جس سے بزدلی اور جاگنے کی خواہش پیدا ہوتی ہے غالب حالت یہی ہے اور حدیث میں لوگوں کی غائب حالت ہی کو بستہ قرار دیا گیا ہے رشاد و نادر ایسے غصے میں ہوتے ہیں جو اولاد کو امیر کے مخالف کر کے میدان جہلمیں بے فکر ہو کر جاتے ہیں جیسا حضرات صحابہ و تابعین کی حالت تاریخ سے معلوم ہو چکی ہے اور مال سے بھی قلب کو تعلق ہوتا ہے مگر اولاد کے ساتھ تعلق زیادہ ہوتا ہے اور جس بات سے اولاد کو تکلیف ہوتی ہے اس سے باپ کے دل کو تکلیف ہوتی ہے۔ اسی لئے اولاد کی تادیب اور تنبیہ جس سے اس کے دل کو تکلیف پہنچے ہے ایک صاع صدقہ سے بڑھ کر ہے کیونکہ یہ نفس پر زیادہ شائق ہے (صدقہ انسا شائق نہیں) بیان شاید کسی کحل میں یہ خیال پیدا ہو کہ ایک صاع کی شدید سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اگر ایک صاع سے زیادہ صدقہ کرے تو وہ تادیب اولاد سے کمتر ہوگا بلکہ اس سے بڑھ کر ہوگا۔

اگر کوئی اپنی اولاد کو تادیب و تنبیہ نہ کرے بلکہ دو صاع غلہ خیرات کر دیا کرے تو یہ زیادہ بہتر ہوگا۔ جواب یہ ہے کہ حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ مذکورہ مقدار بڑھا کر تادیب اولاد کو کم کر سکتا ہے بلکہ مقصود تفاضل اعمال کا بیان ہے کہ اولاد کی ادنیٰ تنبیہ و تادیب صدقہ کی ادنیٰ مقدار سے بڑھ کر کم ہے کیوں کہ بچوں کو شرعی منزلت و حقوق طریقہ سے ہوتی ہے جیسے ایک تازیانہ یا کان مل دینا یا ایک ٹمچہ، اور کفارات مشرورہ کی ادنیٰ مقدار ایک حد ہے چنانچہ حدیث میں ہے صد نکل مسکین پس رحل یہ ہوا کہ اولاد کی تادیب تنبیہ کا ادنیٰ درجہ صدقہ مشرورہ کے ادنیٰ درجے سے بڑھا ہوا ہے اور شریعت نے صدقہ کی ادنیٰ مقدار جو عمر کر کے اس سے انسان کو پوری طاعت حاصل ہو جاتی ہے یعنی وہ اتنی مقدار ہے جس سے عام طور پر شخص کا پیٹ بھر جاتا ہے اور جب انسان کا پیٹ بھر جائے تو اسکی تمام خواہشیں اور ساری منفعتیں اور سبب قوتیں جمع ہوجاتی ہیں اب وہ پوری طرح اپنے مقاصد کے حامل کرنے پر قادر ہو جاتا ہے تو گویا کسی کا پیٹ بھر دینا اس کو زندہ کر دینا ہے اور مرتے ہوئے آدمی کو زندہ کرنا بیانیہ یعنی کام سے شرعاً ملنا معلوم ہے پس شریعت نے اس ادنیٰ تکلیف کو جو اولاد کی تادیب شدہ سے رباب کے دل کو دہکتی ہے۔ سب سے بڑے عمل یعنی احیاء نفس سے بھی بلند قرار دیا ہے کیونکہ یہ نفس پر زیادہ شائق ہے صدقہ میں اس قدر تکلیف دل کو نہیں پہنچتی جیسی اولاد کو سزا دینے میں پہنچتی ہے اس تقریر سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہو گیا کہ عزم میں سب سے افضل احکام الہی میں اسرار رحمت کو سمجھنا ہے کیونکہ اس سے ایمان قوی ہوتا ہے اور اس سے نفس کے مقابلہ

عہ مد صاع کا پودھائی ہے اور کفارات کی ادنیٰ مقدار ایک مدھونا نامیکہ مد صاع ہے

خفیہ کے نزدیک نصف صاع اقل مقدار ہے ۱۰۲

عہ صاع مٹری ہندوستانی وزن سے چار سیر کے قریب ہوتا ہے ۱۰۲

میں مدد ملتی ہے اس کی تائید حق تعالیٰ کے اس ارشاد سے ہوتی ہے۔

ومن احسن من الله حكما لقوم يوقنون

اللہ سے بہتر حکم کرنے والا کون ہے ان لوگوں کے لئے جو یقین رکھتے ہیں۔

کیونکہ غالب احوال میں جتنی منصف نظر اور فہم اور تدبیر ہی سے حال ہوتا ہے اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے یقین حاصل کرو کیونکہ میں ہی اس کو حاصل کرتا ہوں۔

بیز باپ پر واجب ہے کہ اولاد کے ساتھ ایسا معاملہ کرے جس سے ان کو باپ کے حقوق واجبہ ادا کرنے میں مدد ملے جس کی دلیل یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک صحابی حاضر ہوئے جنہوں نے اپنے ایک بیٹے کو کوئی چیز جسکی حق اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس بہرہ پر گواہ کرنا چاہتے تھے تو حضور نے ان سے پوچھا۔ اس بیٹے کے سوا انتہا سے اور بھی اولاد ہے؟ کہا ہاں۔ فرمایا کیا تم نے اس سب کو بھی اس کے برابر دیا ہے؟ کہا نہیں۔ فرمایا کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تمہاری خدمت گزاری میں سب کے سب برابر رہیں؟ کہا ہاں۔ فرمایا تو پھر تم بھی ان کے درمیان برابر کرو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں غور کرو

اتحب ان ياتوك اولادك ف البر سواء

کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تمہاری خدمت گزاری میں سب کے برابر ہوں؟

اس جملہ میں اس امر پر تصریح ہے کہ تمہارا افضل قواس مطلوب کا متناہی ہے وجہ تم اولاد سے خدمت گزاری میں مساوات کے طالب ہو تو خود مساوات کیوں نہیں کر سکتے تم کو بھی ان کے ساتھ مساوات عمل کا بتاؤ (کہنا چاہیے) غرض اس حدیث میں باپ کو تو غریب ہی سمجھتے ہیں کہ اولاد کی

ساتھ ایسا معاملہ کرے جس سے ان کو خدمت گزاری میں مدد ملے (اس کی خدمت کا جذبہ ان کے دل میں پیدا ہو)۔

اسی کی تفسیر یہ واقعہ بھی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو چکا کہ خطبے آپ کی اندراج نے دریافت فرمایا کہ آپ ہم میں سے کس کو محبوب رکھتے ہیں۔ فرمایا اس سوال کا جواب دوسرے وقت دیا جائے گا پھر آپ نے ہر ایک کی بی کو دوسروں سے چھپا کر ایک ایک سے سنا دیا اور ہر ایک کو تاکید کر دی کہ اس کی اطلاع کسی کو نہ دے پھر دوسرے وقت آپ نے وہی سوال کیا گیا کہ آپ کو سب بیویوں میں کون سی زیادہ محبوب ہے تو فرمایا دنیا والی زیادہ محبوب ہے، تو یہ جو حضور نے سب کو خوش کر دیا اللہ کسی کے دل میں ذرا بھی ملال و پریشانی کا اثر نہ ہوا کیونکہ ہر بی بی کا خیال تھا کہ دنیا والی ہی ہیں اور احد کوئی نہیں۔ پس ہر مرد کو اپنی چند بیبیوں کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کرنا چاہیے کہ ہر ایک سے پیچھے نہ رہے زیادہ محبت ہے۔

کیونکہ اس سے حسن معاشرت میں مدد ملتی ہے اور حسن معاشرت بیبیوں لائق ہے کہ ان کی بہتری اسی میں ہے۔ اگر بیبیوں کے ساتھ حسن معاشرت کا معاملہ نہ ہو تو ان کو دنیا و آخرت دونوں پر ہلاک ہو جائیگی۔ یہ تو اولاد و اندراج کے متعلق حسن معاشرت کا حکم تھا جسے غلامان کے ساتھ تعدل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا برتاؤ یہ تھا کہ بعض دفعہ آپ غلام کے ساتھ آنا بیٹے تھے اور فرماتے تھے کہ ان کی طاقت سے زیادہ کام نہ لو۔ نیز آپ نے فرمایا ہے کہ جب تمہارا خادم کھانا لیکر آئے تو اس کو اپنے ساتھ کھلاؤ اور اگر پیٹے ساتھ نہ کھلاؤ تو اس کو اپنے خاص کھانے میں سے ایک دو قطرہ ہی دے دو۔ اس کے متعلق مفضل کلام اپنے موقع پر آئے گا۔ کیونکہ اس طرح برتاؤ کرنے سے غلام کو اپنی خدمت کا جذبہ پیدا ہو گا اور اس کے مال کو اپنا مال سمجھ کر اس کی حفاظت کرے گا۔

کا ارشاد ہے۔

و کرم علیہن ان لا یبدخلن احد اورو کرم و لا یوطئن

منہما غیر کما الدباذنہم

تمہارا حق عورتوں کے ذمہ ہے کہ تمہارے گھروں میں کسی کو بدون تمہاری اجازت کے داخل نہ ہونے دیں اور تمہارے بستروں میں بدن تمہاری اجازت کے کسی کو قدم نہ رکھنے دیں۔

نیز آپ کا ارشاد ہے

تحفظ المرأة زوجہا فی نفسہا و مالہ

محبت کو شوہر کی حرمت و ناموس کی حفاظت کرنا چاہیے اپنی ذات میں بھی اور اس کے مال میں بھی۔

یعنی اپنی عصمت و کبر کی حفاظت کرے اور شوہر کے مال کو فضول کاٹنے میں نہ لگائے۔ یہ تو اس کے ذمہ واجب اور مستحب کا بیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں ہے۔

جہاد المرأة حسن التعلل

محبت کا جہاد شوہر داری کی خوبی ہے۔

یعنی شوہر داری کے حق کو اچھی طرح ادا کرنا اور جہاد دو قسم ہے واجب اور مستحب، اسی طرح شوہر داری کی خوبی دو قسم ہے اس کا جو حصہ اپنی ذات کی حفاظت اور شوہر کے مال کی نگہبانی وغیرہ سے متعلق ہے وہ تو واجب ہے اور جو حصہ اپنی زینت و آرائش سے شوہر کو خوش کرنے کے لئے اور اس کی ذات و کبر کی زیادہ نگہداشت وغیرہ سے متعلق ہے وہ مستحب ہے۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

والخاھر راعی فی مال سیدہ

اود غلام اپنے آقا کے مال کا نگہبان (ذمہ دار) ہے۔

اسی کی نظیر واقعہ ہے جو حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ وہ اپنی غوغا کے زمانہ میں ایک رات کچھ کھڑے تھے بعض درباری بھی آپ کے پاس تھے کہ چراغ کا تیل ختم ہو گیا اور کھینے کا کام باقی تھا آپ کا غلام اس وقت سو گیا تھا۔ ایک درباری نے غلط کیا کہ غلام کو جگا دیا جاتے تاکہ چراغ میں تیل ڈالے مگر غلام نے یہ فرمایا نہیں وہ ابھی سو رہا ہے کئی سہند میں جگا دینے سے اس کو تکلیف ہوگی اسی کے بعد آپ خود اٹھے اور چراغ میں تیل ڈالا اور اپنی جگہ واپس آکر پھر کھینے لگے اور فرمایا کہ جب میں تیل ڈالنے کو اٹھا تھا اس وقت بھی مہر قضاوت کر آیا تو اب بھی عری ہوں دسل ڈالنے کے لئے اٹھنے سے میں کچھ بدل نہیں گیا، اگر ہم اس قسم کے واقعات کا سلف صالحین کی تاریخ میں متبع کریں تو بہت واقعات ملیں گے مگر سمجھنے والے کے لئے یہ صورت بھی بہت ہے۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

والمرأة راعیة فی بیت ذمہا و مسئلۃ عن روعہا

عورت اپنے شوہر کے گھر کی ذمہ دار اور نگہبان ہے اور اس سے

اس ذمہ داری کے متعلق باز پرس کی جائے گی۔

اس فصاحت و اہجاز کلام میں تو غور کر دیکھا واضح اور مقصود کو پوری طرح ادا کرنے والا ہے۔ کیونکہ عورت کو شوہر کے ان ہی حالات و معاملات سے سبقت پڑنا ہے جو گھر کے اندر ہوتے ہیں تو اس کو گھر کے بارے کے حالات کا ملکوت نہیں کیا گیا کیونکہ ان ملک اس کی پوری دسترس نہیں ہوتی۔ اس جملہ میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ عورت کو گھر کے اندر پردہ میں رہنا چاہیے اگر عورتوں کے لئے مردوں کی طرح بے پردہ باہر نہ جانا نہ جوتا تو ان کی ذمہ داری کو گھر کے ساتھ خاص نہ کیا گیا تاہم اور گھر کے اندر جو امور عورت کے ذمہ واجب ہیں ان کی تفصیل دوسری حدیثوں میں مذکور ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

خفالت کرے اور بدن اجازت کے اس میں سے کھڑے اس عجیب شبیہ پر غور کرو کیونکہ بیشک کے دل میں یہ خیال آسکتا ہے کہ باپ کا مال تو ایک دن میری ہی پاس آجائے تو اس کے بارے میں میرا اور وہ مرثی کا محو کیا نہیں ہے بلکہ مجھے باپ کے مال میں تصرف کا حق ہے تو شائع علیہ السلام نے عجیب فرمایا کہ اس وقت یعنی جب تک باپ زندہ ہے وہ بیڑوں ہی کے مثل ہے اس کو ایسی طرح تصرف جائز ہے جس طرح خسیوں کو جائز ہے کہ بجا اجازت کچھ نہیں لے سکتا اگرچہ یہ مال بعد میں بیٹے ہی کا ہو جائے گا مگر بعد کی خبر سے ہے کیا عجیب ہے کہ بیٹا ہی باپ کے سامنے فوت ہو جاتا اور اس نے اگر بیٹا باپ کا مال چرائے تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا مگر اس میں کوئی تفصیل مذکور ہے جو کتب فقہ میں مذکور ہے اور باپ اگر بیٹے کا مال چرائے تو اس کا ہاتھ کسی حال میں نہ کاٹا جائیگا کیونکہ بیٹے کا اپنے مال میں اس وقت کچھ حق نہیں بجز مقدار نفقہ کے جو اس کے لئے مقرر کر دیا گیا ہو بشرطیکہ باپ کے ذمہ اس کا نفقہ واجب ہو ورنہ باقی ہونے کے بعد باپ کے ذمہ اولاد کا نفقہ واجب نہیں مگر یہ کہ وہ اپنے ہونے کا قائل نہ ہو ورنہ اولاد کا مال لفظ تمام اموال کو شامل ہے جن کو عرفاً مال سمجھا جاتا ہے۔ نقد اور چاندی سونے کے ساتھ خاص نہیں ہیں اولاد کو باپ کے تمام اموال کی حفاظت لازم ہے۔ کسی مال میں بھی بدن اجازت کے تصرف نہ کرنا چاہیے اور ان سے کئے گئے بیٹے اور غلام اور زوجہ کے لئے مستحب ہے کہ ان کا من کے اندر بھی جان کے ذمہ لازم نہیں ہے کی مدد کریں اسکی راحت کا اہتمام کریں اور جو مصالح ان کو معلوم ہوں ان پر محبت اور تمیز کے ساتھ اس کو متنبہ کریں کیونکہ غالب حالت یہ ہے کہ گھر کی چیزوں کو زیادہ تر یہی سمجھتے اور استعمال کرتے ہیں تو ان جزئیات کا جو وقتاً فوقتاً پیش آتی رہتی ہیں ان کو ہی زیادہ علم ہو سکتا ہے اور ان پر

اس ترتیب عجیب میں بھی غور کرو چونکہ غلام دستور عام کے مطابق مالک کے مال کے سوا اور کسی چیز میں تصرف کا مالک نہیں نہ کچھ بگاڑ سکتا ہے نہ سلوار سکتا ہے اس لئے کہا گیا کہ اس سے متعلق مال کے باز پرس ہوگی کیونکہ غالب یہ ہے کہ مال غلام کی امانت و حفاظت میں رکھا جاتا ہے اگر اس کے سوا کوئی اور چیز بھی اس کی ذمہ داری میں دی گئی ہو تو اس میں بھی حق امانت ادا کرنا اس کے ذمہ واجب ہے کیونکہ حدیث کے الفاظ لوگوں کی مالا مالت پر مبنی ہیں۔ اسی طرح بیوی کے بارے میں بھی یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر شوہر نے اولاد خانہ داری کے علاوہ کسی اور تصرف کا بھی اس کو مالک کر دیا ہو تو اس کے ذمہ اس کی حفاظت بھی لازم ہے کہ پوری طرح حق امانت ادا کرے یہاں تک کہ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ عورت کے ذمہ لازم ہے کہ شوہر کو گھر کی ہرزادگی کی سے باخبر رکھتی رہے کیونکہ شوہر سے شریعت کا مطالبہ ہے کہ گھر والوں کی اچھی طرح نگرہداشت کرے تو جب عورت اس کو تمام کلیات و جزئیات سے بخبردار رکھتی رہے گی اسی کے موافق اس کی طہر سے نگرہداشت ہوگی جس کا نفع حسب کو پہنچے گا اور اس طرح شوہر کو ان کے حقوق کی ادائیگی میں آسانی دے گی اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

والرجل راعی مال ابیہ

اور مرد اپنے باپ کے مال کا نگہبان اور ذمہ دار ہے رجل یعنی مرد کا اطلاق بالغ پر ہی ہوتا ہے نابالغ پر نہیں ہوتا اور یہاں بھی بالغ ہی مراد ہے کیونکہ بالغ ہی اس کا مالک ہوتا ہے اسی وقت اس سے سوال اور باز پرس کا موقع ہوتا ہے نابالغ سے باز پرس نہیں ہوتی کیونکہ وہ مالک نہیں ہو سکتا وہ خود ہی مال کی پھر دہش اور ذمہ داری میں ہوتا ہے یا جس کے حوالہ باپ نے کر دیا ہو تو اس وقت وہ مرثی سے اس کے متعلق باز پرس ہوگی بہر حال بالغ لڑکے پر واجب ہے کہ اپنے باپ کے مال کی

کامیاب اور بادشہ جیسے اسی لئے دکانہ اور گھر میں دوپہر تک کھاتے ہیں۔ جان نکلتی ہے اگر دل میں یہ بات اچھی طرح لاسخ ہو جائے کہ مال و متاع جو کچھ ہمارے پاس ہے حقیقت میں اللہ تعالیٰ کا ہے جس کے ہم عطا و امین بن گئے ہیں تاکہ حکم الہی کے موافق اس کو خرچ کریں تو واجبات شریعہ میں مال خرچ کرتے ہوئے دل میں تنگی کے بجائے بشارت و فرحت پیدا ہوگی اور مخلوق نفس میں خرچ کرتے ہوئے دل تنگ ہوگا کہ نہ معلوم یہ خرچ مالک کو پسند ہے یا نہیں۔

ایک بزرگ اپنی اولاد سے فرمایا کرتے تھے کہ تم ایک حکم کر لو تو کامیاب ہو جاؤ ان کا مطلب بہت تھا اس لئے کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ اسکی تفصیل دریافت کریں کئی دن تک بار بار وہی بات کو دہراتے تھے اس سے زیادہ کچھ نہ کہتے۔ یہاں تک کہ ایک نے جرات کر کے دریافت کیا کہ وہ کونسا کام ہے؟ فرمایا بندہ کے طریق میں داخل ہوا تو جس تک کہ وہ بڑی بھاری مال ہو جائیگی کہا گیا بندگی کو حقیقت کیلئے؟ فرمایا دھنی اور افراط کو ترک کر دینا اور پوری طرح حکم کو تسلیم کرنا اور بچا لانا، واقعی انہوں نے بہت اچھی تعلیم دی تھی صرف غفلتوں میں بہت بڑا علم ظاہر کیا۔ اللہ تعالیٰ ہم کو بھی ایسا سچا بندہ بنائے۔ ہمہ غالب سواہ قول فی وجہ الشاہد والمرسل راع فی المرسل عن راعیہ علی قولی اللہ العزیز جلت اس جلالت العزیز اور محتاجانہ لا یب سواہ۔

اس حدیث کی شرح سے معلوم ہوا ہوگا کہ حسن معاشرت ہی دین کا بڑا فرق ہے جس کی طرف خاص عیہش میں غلبہ کر گیا ہے افسوس ہے کہ اسکی طرف آئی کل بہت کم توجہ دی جاتی ہے عام طور پر حسن معاشرت کو دین سے خارج سمجھا جاتا ہے اور تفرق سے لو اس کا کو تعلق ہی نہیں رہا مانا جاتا چنانچہ اگلو سے معنی اس کو سمجھا جاتا ہے جن کو نہ عیہش سے تعلق ہو نہ عیہش سے نہیاب عیہش کی پڑا ہوا عیہش اور انھیں کی عیہش اور عیہش میں ہر شخص کو ذرا درجہ عیہش قرار دیا گیا ہے جس کے ذرا

جو مصالح مرتب ہوتی ہیں ان کو بھی یہی زیادہ جانتے ہیں اور اس کا مضابطہ یہ ہے کہ اگر گھر کوایت گھر سمجھیں جس طرح اپنے گھر کی ضروریات اور مصالح پر نظر ہوتی ہے اسی طرح باپ اور شوہر اور ممالک کے گھر کی ضروریات اور مصالح پر نظر کرنا چاہیے کیونکہ انسانیت کی حقیقت یہی ہے چنانچہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

حتی یحب الخیر المؤمن ما یحب لنفسہ
کوئی شخص مومن کامل نہ ہو گا جب تک اپنے جانی مسلمان کے لئے
وہی نہ چاہے جو اپنے لئے چاہتا ہے۔
مفسر واصل اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ایمان نبی کے متعلق ہے تو یہاں تک
بعد از اولی اس کے خلاف ہے۔

اس جگہ ایک موفیدہ گفتگو بھی ہے۔ وہ یہ کہ بندے کے حقیقت میں ایمانیت وار ہیں اور مال سے بڑے مولیٰ حق تعالیٰ شاد نہ کا ہے۔ پس اپنے نفس کی نگہداشت کر کہ وہ معنی نہ کرنے پائے اور ایمانیت کو پورا طرح ادا کرتا ہے، بندگی کے اوصاف سے متصف ہو رہا ہو بہت کے اوصاف سے متصف نہ ہو کہ نورے دعوے سے اپنی ملک ثابت کرنے لگو مالا کچھ و حقیقت

مالک ہر شے حسب استطاعت این ایمانیت چند روزہ نزد مات
پس حقیقت کو فراموش کر کے ملک مجازی پر غرور ہونا اور دعوے
ملک سے تجرمیں مبتلا ہونا ناقابل کام نہیں۔ یہی ہے سعید بن ابی
جو سعید بن ابی اور بد بخت بننا ہے جو بد بخت بننا جنہوں نے خدا کی ملکیت کو ذہن
اور اپنے کو امین وہ سعید ہو گئے اور جنہوں نے خدا کی ملکیت کو ذہن
نہ نکال دیا اپنے کو مالک سمجھ بیٹھے وہ بد بخت ہو گئے، بخل کا بڑا
سبب یہی ہے کہ انسان مال کو اپنا ملوک اور خدا کے احکام کو ایک قسم

باب پنجم و دوم

حدیث

التبکیر والتبید بالصلوة

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے تھے کہ جب سخت گرمی ہوتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس نماز کو اول پڑھتے اور جب سخت گرمی ہوتی تو اس نماز کو ٹھنڈے وقت میں پڑھتے تھے۔ مراد جھلکی نماز ہے۔

ظاہر حدیث تو یہ ہے کہ گرمی کی نماز میں جمعہ اور ظہر کی نماز اول وقت پڑھنا چاہئے اور گرمی کے زمانہ میں دوسرے پڑھنا چاہئے۔ اس پر چند وجوہ سے کلام ہے۔

(۱۹۷) استبالتشویش کو زائل کرنا چاہیے گرمی میں اول وقت اور گرمی میں دوسرے پڑھنے میں کیا حکمت ہے ہاگم یہ کہنا چاہئے کہ یہ حکم تعالیٰ ہے قیاس و عقل کو اس میں دخل نہیں تو گفتگو کی ضرورت نہیں اور اگر کہا جائے کہ یہ حکم معقول الخی ہے جس میں قیاس و عقل کو دخل ہے تو اس میں حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اپنے متعلقین کے حقوق کی نگہداشت فرض ہے اور ان حقوق کی نگہداشت ہی حقیقت میں اصل تصوف ہے، کیونکہ سب حقوق اللہ تعالیٰ کے مقرر کئے ہوئے ہیں اور اللہ کے حقوق کا ادا کرنا ہی تصوف ہے خدا کا حق منظر عبادات ہی پر منحصر نہیں بلکہ انسان کے تمام احوال و تعلقات پر حاوی ہے اگر کوئی محض عبادت اور ذکر کا حق ادا کرے اور ان حقوق کو ادا نہ کرے جو بیوی بچوں باپ ماں بھائی بہنوں اور اہل بیت و اہل بیتوں وغیرہ کے حق تعالیٰ نے واجب کئے ہیں تو یقیناً اس کو صوفی نہ کہا جائے گا بلکہ کسی کو ان حقوق کے ادا کی ہمت نہ ہو لے نکاح نہ کرنا چاہئے، بستی میں رہنا چاہیے نہ چاہئے، سبکدوشی نہ چاہئے، جنگ میں رہنا چاہئے، بشرطیکہ والدین اسی طرح دو مکر قراستہ حار میں سے کسی کا فتنہ اس کے ذمہ شرعاً واجب ہو یا واجب ہو اور اس نے ان کو بعد از فقہائے اہل حق و غیرہ دیدی ہو یا انہوں نے علیحدہ حق سے اس کو سبکدوش کر دیا ہو کیونکہ عزت و غفلت ہی ہر شخص کو جائز نہیں صبر اسی کو جائز ہے جس کے ذمہ اہل حقوق کے حقوق واجب ہوں خوب سمجھو۔

قوله في الوجه الثاني هنا بحث وهو ما الحكمة في التكيرو بها
الى قوله في الوجه الثالث لا يصل احدكم وهو يافع الاخشين

۱۹۸) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع جملہ امور میں

کیا جائے عبادات میں بھی عادات میں بھی

ہر شے سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دین میں
اپنی رائے اور فہم سے بھی بعض امور مشروع کرتے تھے اور اس پر بھی امت
کو اسی طرح عمل کرنا واجب تھا جیسا وہی ظاہر ہے۔ یہ اس سے سمجھا گیا کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی نماز کو مقدم کیا ہے کبھی مؤخر اور
یہ نہیں بتلایا کہ آپ نے فتنی نازل ہونے کی وجہ سے ایسا کیا ہے حالانکہ
اہل جب کوئی کام یا کوئی امر دینی سے کرتے تھے تو پہلے اس کی خبر دے دیا کرتے
تھے کہ تجھ پر اس معاملہ میں یہ بھی نازل ہوئی ہے۔ اس میں ان لوگوں کی
وسیلہ سے جو قول خداوندی تعظم بین الناس ما اذاک اللہ کی تفسیر میں
فرماتے ہیں کہ رہا انکا اللہ کے علوم میں وہ تمام امور مراد ہیں جو آپ کے
دل میں بطور ظاہر کے آتے یا آپ ان کو مصطیٰ سمجھتے۔ اگرچہ ان کے متعلق
دینی نازل نہ ہوتی کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عبادت کے طور پر جو کچھ
جی کرتے تھے وہ سب وحی کے قبیل سے ہے غدا بواسطہ ہو کہ طر مشقہ
اس حکم کو لے کر آیا ہو یا وحی الہیائے خدیجہ بواسطہ ہو۔

اس لئے اہل
اتباع سنت ہی افضل اعمال ہے توفیق واہل
تحقیق اس پر اتفاق ہے کہ ہر کام میں اتباع سنت افضل اعمال ہے اور
یہی مختصر خداوندی کا بڑا خدیجہ ہے۔ اس کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس

کو مومنین کے لئے مبرا رحمت بنا کر مجاہدہ چنانچہ آپ کے متعلق اللہ تعالیٰ کا
ارشاد ہے۔ بالومؤمنین رؤف رحیم کہ آپ مومنین پر بہت شفقت
کرنے والے بڑے مہربان ہیں تو جس چیز میں مسلمانوں کو فدا بھی اذیت اور
تشریش ہوتی تھی آپ اس کو فدا بھی کر دیا کرتے تھے چونکہ سخت سردی سے ان
کو تکلیف ہوتی تھی خصوصاً اصحاب صفہ کیونکہ ان کی اور ان کے سوا دوسرے
صحابہ میں سے بھی بعض کی غلبہ حالت یہ تھی کہ ان کے پاس کپڑے کم تھے تو
آپ جمہ اور ظہر کی نماز سویرے پڑھتے تھے کہ دیر سے پڑھنے میں ان کو بھگڑ
سے تکلیف ہوتی تھی اور سردی کا غرر بہت سخت ہے جیسا دوسرے کی گرمی کا
غرر بھی سخت ہے اسی لئے گرمی میں آپ اس نماز کو دیر سے پڑھتے تھے،
کیونکہ گرمی سے بھی بہت تکلیف ہوتی ہے اور یہاں سے معلوم ہوا کہ جس
چیز سے انسان کو نماز میں تشویش و پریشانی ہو اس کو فدا کر دینا چاہیے
کہ اس سے نماز اچھی طرح ادا ہوتی ہے۔ تشویش کے ساتھ نہ مشغول ہو سکتا
ہے نہ حضور قلب۔

عبادت میں خشوع اور حضور قلب سب سے بڑا مطلوب ہے

اور نماز میں نمازی سے جن امور کا مطالبہ کیا گیا ہے ان میں یہی
دو چیزیں سب سے بڑی ہیں۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا ہے۔

لا یصلی احدکم وهو میدافع الاخشین
کوئی شخص اس حالت میں نماز نہ پڑھے کہ وہ پیشاب یا پاخانہ
کو دبا دیتا ہو۔
کیونکہ اس حالت میں خشوع اور حضور قلب نصیب نہ ہو گا۔ ساری
توجہ پیشاب یا پاخانہ کے دبلنے میں مشغول ہوگی۔

بھی کافی ہو جاتا ہے اور بڑا اتباع سنت کے بڑے بڑے علماء سے بھی
بیکار ہو جاتے ہیں خوب سمجھ لو۔

ہم نے اپنے کام کو دیکھا ہے کہ بعض کو انہوں نے مشربانہ تبعیہ کی
تعلیم دی بعض کو مشرب و سواد لالہ الاشرار اور دونوں برابر تہ الاشرار کی
تعلیم دی بعض کو مشرب پانچ سو مرتبہ لا الہ الا اللہ کا ذکر بتلایا اور بعد ازاں اسی
عمل قلیل سے یہ لوگ کامیاب اور جلد نسبت مع اشرار کی دوست سے ملنا مال
ہو گئے کیونکہ ذکر کے ساتھ ان کو اتباع سنت کی بھی تعلیم دی جاتی ہے کہ وفو
اور استقامت اور نماز کے تمام آداب سنت کے خواص پر کیا لائیں نشست و
برخاست بہیزری اور نیند میں اور غیر ماثورہ کی پابندی کریں عجاوینات
معتقد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں مسلمانوں کے ساتھ
حسن اخلاق سے پیش آئیں ہر مسلمان کی عزت و حرمت کو اپنی عزت و حرمت
سے زیادہ سمجھیں دل آزاری اور دل شکنی سے پرہیز کریں جملہ اہل حقوق کے
حقوق ادا کریں اور ادا نہ ہو سکیں ان سے معافی طلب کریں نماز روزہ وغیرہ
اور جو واجبات و فرائض قضا ہو گئے ہیں ان کو ادا کریں کسی کا فرض ادا نہ کیا
ہو اس کو جلد ادا کریں وفرو وفرو نماز یا جماعت ادا کریں اس کا اہتمام کریں
کہ تکبر اور ادا کی فوج نہ ہونے پائے، اگر کسی عذر کی وجہ سے مسجد میں نہ جاسکیں
تو گھر پر گھر والوں کے ساتھ ہی جماعت سے نماز پڑھیں اسی طرح جملہ اعمال
میں اتباع سنت کا پورا اہتمام کیا جائے مگر یہ بتائیے کہ اتباع سنت
کے اہتمام کی وجہ سے اس شخص کو دھام دھم کر کے توفیق ہو جاتی ہے وقت سیدنا
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد دل میں تازہ رہتی اور بھی دشمن مرنے سے
کس وقت اور اس حالت کے متعلق آپ کی سنت کیا ہے؟ جب اس طرح
ذکر رسول دل پر غالب ہو جائی تو محبت رسول کا بھی دل پر غالب ہو جائے اور محبت
رسول کا وسیلہ محبت و حسن کنرا لایہ ہو ناظر ہے، اس کے بعد حضور ﷺ کا ذکر

ارشاد سے ہوتی ہے۔

قتل ان کنتہم تعذبون اللہ فانتہون یحبکم اللہ
فوا دیجئے کہ اے لوگو اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو یا محبت الہی
کی دولت حاصل کرنا چاہتے ہو تو میرا اتباع کرو اللہ تم سے
محبت کریں گے۔

اس میں مطلقاً اتباع کا حکم ہے یہ نہیں کہا کہ کن یا مورو کے متعلق مراحضہ
وہی نازل ہوئی ہو ان میں ہی میسرہ اتباع کرو پس حضور کی سنت کا اتباع
ہر حال میں موجب قسرت اور سبب محبوبیت ہے خواہ آپ کے بعد عمل
کیا ہو یا اپنی رائے سے عمل کیا ہو کیونکہ آپ کی رائے ہی اللہ تعالیٰ کی تقریر
کے بعد وہی میں داخل ہے۔

قوله الیہد الخ ما فیہ وسیل علی ان سیدنا صلی اللہ علیہ
سلم یشترع من الہود فی الدین الی قولہ قتل ان
کنتہم تعذبون اللہ فانتہون یحبکم اللہ

فہے کسی نے ہمارے اکابر میں ایک جگہ لکھا ہے کہ کانام یاد نہیں رہا سوال
کیا کہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہ کے سلسلہ میں ذکرین
شاغلین کو جلدی کامیابی کیوں ہوتی ہے۔ دو مکر سلسلہ دلوں کو اتنی جلدی
کامیابی نہیں ہوتی فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت حاجی صاحب کے سلسلہ
میں اتباع سنت کا اہتمام زیادہ ہے اور اتباع سنت کا خاہر ہے کہ اس
سے جذباتی جلد ہو جائے اہ کیونکہ شیعہ سنت محبوبیتی بن جاتا ہے جیسا
ارشاد ہے قتل ان کنتہم تعذبون اللہ فانتہون یحبکم اللہ اور محبت کے لئے جذب
لازم ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو منصب کیا جاتا ہے اور نسبت باطن
اسی قدر جلد حاصل ہوتی ہے جس قدر جلد جذب غیبی عطا ہو جائے اور یہ
دولت اتباع سنت سے جلدی حاصل ہوتی ہے اتباع سنت کے ساتھ عقل قلیل

لے ایمان والا! تم نماز کے قیامت جاؤ اس حالت میں
کہ تم نشہ سے مست ہو۔

اہل توفیق نے اس کی تفسیر میں فرمایا ہے سکاری من عیب النبی
کہ جب دنیا کے نشہ سے مست ہو کر نماز کے قریب نہ جاؤ۔ بلکہ اس
نیکو کو دور کر کے نماز شروع کرو۔

علم اعتبار اور تفسیر بالرائے میں فرق اور یہ تفسیر بطور
علم اعتبار کے ہے جس کا محل یہ ہے کہ مترآن کے مدلول حقیقی کے ساتھ بطور قیاس
کے دوسری چیز کو بھی شامل کیا جاتا ہے چنانچہ یہاں مدلول حقیقی تو یہ ہے
کہ شراب کے نشہ کی حالت میں نماز نہ پڑھنا چاہیے اہل توفیق نے جب
دنیا کے نشہ کو بھی مدلول حقیقی کے ساتھ قیاساً شامل کر دیا کیونکہ یہ نشہ
بھی نماز میں حضور قلب سے مانع ہے جیسا شراب کا نشہ مانع ہے، پس
صوفی کا علم اعتبار زیادہ اور بالہینہ کی تفسیر بالرائے سے بالکل جدا ہے
کیونکہ وہ لوگ تو قرآن کے مدلول حقیقی کی نفی کرتے کہ دو مزل مدلول پای طرف
سے بیان کرتے ہیں اور یہ سراسر قرآن کی تفسیر ہے جو حرام اور قریب بکفر
ہے اور صوفیہ مدلول حقیقی کی نفی نہیں کرتے بلکہ اس کو باقی رکھ کر
دوسرا اشارہ کرتے ہیں اس کے ساتھ شامل کرتے ہیں جیسا فقہاء
سے اصل قرآن کے ساتھ بہت سی فروع کو ملے کیا کرتے ہیں۔ خوب
سمجھ لو۔

قوله العبد السادس فيه دليل على ان المصطفى في الصلوة
بغلاء القلب الى قوله سکاری من عیب النبی

۱۰۰) تشویش قلب کی پرواہ نہ کی جائے ہمیشہ سے یہ
بھی معلوم ہوا کہ

نفی اثبات اور کرامات بھی حصول نسبت مع اللہ کے لئے کافی ہو جاتا
ہے جس کے ساتھ کبھی ذکر پاس انھاس کا اضافہ بھی کر لیا جاتا ہے، کبھی ذکر
قلبی بتلایا جاتا ہے کبھی کوئی مراقبہ جب حال تجویز کر دیا جاتا ہے زیادہ
عبادت و بیانات کی ضرورت نہیں ہوتی۔

۱۹۹) نماز میں فراغ قلب مطلوب بھی دین ہے کہ
نماز میں دل کا یکسو اور فی السخ کرنا مطلوب ہے کیونکہ وہ اللہ عزوجل کا گھر
ہے۔ یہ اضافت تفسیراً ایسی ہے جیسا کہ بیت اللہ کہا جاتا ہے۔ وہ
اللہ تعالیٰ مکان سے پاک ہے مطلب یہ ہے کہ زمین کا دل اللہ کے افکار و
تجلیات کا محل ہے۔ یہ اس سے مفہم ہے کہ دلول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
سودی اور گرمی کی شدت کا لحاظ فرماتے تھے جو عیناً دل تک بھی پہنچتی
اور اس میں تشویش پیدا کرتی ہے۔ یہاں تک کہ کبھی اس میں مشغول
ہو کر اس کام سے رہ جاتا ہے جس کو پورا کرنا چاہتا ہے۔ اسی طرح جو
چیز بھی مشغول اور مشغوش کرنے والی ہو خواہ کسی قسم کی ہوا کی
ساختہ یہی معاملہ کرنا چاہیے۔

دنیا سے زیادہ موجب تشویش کوئی چیز نہیں
اسی لئے اہل توفیق تو دنیا ہی سے الگ ہو گئے تھی تو اتنے
نیادہ موجب تشویش کوئی چیز نہیں اسی وجہ سے انہوں نے نفسانی
خواہشوں اور مناصب حکومت کی طلب کو بھی بالائے طاق رکھ دیا کیونکہ
یہ بھی بڑی تشویش کا باعث ہیں۔

اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

یا ایہا الذین آمنوا لا تعربوا الصلوة وانتم ساری

(۱۰۱) مصلحت عامہ کی رعایت مصلحت خاصہ مفت ہے

حدیث سے مصلحت عامہ کی رعایت کا امر بھی معلوم ہوا کہ جو یہ گری ادا
رہی کی شدت کا لحاظ اسی لئے کیا گیا کہ بعض لوگ اس کلفت کا تحمل نہیں کر
سکتے یا کم کر سکتے ہیں ورنہ بالیقین بعض ایسے بھی ہیں جو اس کا تحمل کر سکتے
ہیں بلکہ اس سے خوش ہوتے ہیں کیونکہ اس میں ان کو ثواب ملتا ہے
کو عبادت میں ثواب بقدر تعب ہی کے ہوتا ہے اور تو ہے اس لئے
ثواب ملتا ہے کہ تعب کے ساتھ عبادت کرنا مجاہد ہے۔ اسی لئے بعض
متعبدین گری کے نماز میں اپنی نماز کا معمول گھر کے اندر ادا کرتے
ہیں اور باہر سے گھر کی چست پر تاکہ مجاہد کا ثواب ملے۔ حق تعالیٰ
فرماتے ہیں

والسین جاہد و افینا لنہد ینہم سبلنا
اور جو لوگ مجاہد واسطے مجاہد کرتے ہیں ہم ان کو اپنے راستوں
کی ہدایت کرتے ہیں۔

اس پر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان خواص کی رعایت نہیں
کی بلکہ عام لوگوں کی رعایت کے سب کو ایک ہی طریق پر چلا دیا اور
بعض کا ثواب اس لئے کم کر دیا کہ وہ سوں کی نماز ہی اس تشویش کی
وجہ سے نہ ہوتی جو گری یا سردی کی شدت سے ان کو نہ ہوتی تان
کو کوئی ایسا مرض لاحق ہو جاتا جو بہت سی نمازوں کی جماعت میں آتے
سے منع ہو جاتا مگر مصلحت عامہ کی رعایت میں یہ شرط ہے کہ دو
فریق میں سے ایک کی رعایت کرنے سے دوسرے فریق کے دین میں
خلل واقع نہ ہو چنانچہ یہاں ایسا ہی ہے کہ ایک فریق کے زیادہ ثواب
کو اس وقت کم کیا گیا جبکہ اس کا فرض پوری طرح ادا ہو گیا۔ ایک کی

تشویش قلیل ہو تو اس کی پرفاہ نہ کی جائیگی کیونکہ اس سے بجز خواص کے
کوئی بچا ہوا ہے اور خواص کو معفو ہے ہی۔ یہ اس سے معلوم ہوا کہ
صحابی نے رضی اللہ عنہ کی کوشش سے موصوف کیا ہے کہ رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم رضی اللہ عنہ کی شدت میں نماز کو مقدم یا مؤخر کرتے تھے فتویٰ
ہی گری یا مرض میں ایسا نہ کرتے تھے تو جب گری یا مرض زیادہ نہ ہو بلکہ قلیل
ہو اس وقت بھی کچھ تکلیف تو ضرور ہوتی ہے کیونکہ طبیعت بشریت کمزور ہے
بنائی گئی ہے اور کمزور پر قدرتی طور سے ہر چیز کا اثر ہوتا ہے مگر قدر
قلیل تکلیف یا تاثر کا اعتبار نہیں کیا گیا۔ اسی لئے علماء نے فرمایا ہے کہ
اگر پیشاب یا نساء کا ہوا یا قنوطا ہو جس سے حق تعالیٰ فوت نہ ہو تو نماز بلا کر
جائز ہے۔

قوله الوجه السابع فيه دليل على ان اذا كان

التشوش سبب الاجابة الى قوله فالصلاة جائزة

ف یہاں سے ان لوگوں کی غلطی واضح ہو گئی جو ذکر و شغل کے لئے دل کی
پوری یکسوئی کے طالب نہ کرتے ہیں اور جب تک پوری یکسوئی حاصل نہ
ہو ذکر و شغل ہی کو ترک کر کے رہتے ہیں ان کو بھی یہ سچا بتیے کہ پوری یکسوئی
بجز خواص کے کسی کو حاصل نہیں ہوتی غنوی بہت پریشانی پر شخص کو
دلا گئی ہے اس کے دفع کا انتظار کرنا اس انتظار میں کام کو موقوف
نکھنا عمر کو ضائع و برباد کرنا ہے بلکہ فراغ قلب کا صمیم راستہ یہ ہے
کہ پریشانی کی حالت ہی میں ذکر اللہ و اعمال و طاعات میں مشغول ہو جائے
اس کی برکت ہی سے جلد فراغ قلب حاصل ہو جائے گا۔ مولانا فرماتے ہیں

گر گریزی براسید راحت ہم نازل چاہت آید آئے
یہ کچھ ہے دو دے دامت جو بخت کا حق اور نیست

میت سے دوسرے فرض کو ناقص نہیں کیا گیا۔

قوله الوجه الثامن فيه دليل على الامري بالظ

لصحة العامة الى قوله بعد ما حصل له فنه

فت تعبد برداشت کرنا مطلقاً عبادہ نہیں بلکہ اس

میں تفصیل ہے حضرت شارح کے کلام سے بظاہر یہ مفہوم ہوتا

ہے کہ ان کے نزدیک مطلقاً تعبد برداشت کرنا

عبادہ اور موجب زیادہ ہے مگر حقیقت کے نزدیک یہ حکم مطلق نہیں

بلکہ مقام کے ساتھ مخصوص ہے قالہ سیری حکیم الامت دام ظلہ

طرق و وسائل میں بلا ضرورت قصداً تعبد برداشت کرنا عبادہ ہے نہ

موجب اور مثلاً گواہ نزدیک ہے اور دوسرے کنویں کے پانی سے

وضو کرنے میں تعبد نہیں اور دیا پر جا کر وضو کرنے میں تعبد ہے

کنویں کو چھوڑ کر دیا پر جانا عبادہ اور موجب ثواب نہ ہو گا۔ ہاں اگر

کنویں کی پانی ناپاکی پر پڑے ہو تو اس وقت سے شک دیا سے وضو کرنے

میں زیادہ ثواب ہو گا کیونکہ اس صورت میں محل تعبد بلا وجہ نہیں بلکہ

موقوف وجہ سے ہے اسی طرح اگر مسجد کے حمام میں سڑی کے زمانہ

حکم تھا اور مقاصد میں تعبد برداشت کرنا مطلقاً موجب ثواب ہے مثلاً

غذا کو طویل قرائت اور طویل رکوع و سجود سے ادا کرنا حال میں عبادہ

اور باعث ثواب ہے جبکہ تنہا نماز پڑھ دلو کیونکہ بخت میں امام کو

تخفیف صلوة کا حکم ہے۔ اسی طرح فرض نماز کو جماعت سے ادا کرنا

عبادہ اور موجب اجر ہے جو جماعت سے ادا کرنے میں تعبد ہوتا ہو

بشرطیکہ تعبد تحمل سے زیادہ نہ ہو اور دوسروں کی پریشانی کا سبب

بھی نہ ہو کیونکہ یہ امور مقاصد میں سے ہیں طرق و وسائل میں سے

نہیں۔ اب سمجھو کہ حنفیہ کے نزدیک نماز کو اول وقت میں ادا کرنا عبادہ

میں سے نہیں بلکہ مباحات میں سے ہے پس بعض نفس کو تعبد میں ڈالنے

کے لئے گرمی کے موسم میں اول وقت ظہر کی نماز ادا کرنا عبادہ یا موجب

نہ ہو گا کہ بلا وجہ تعبد برداشت کرنے کا نام عبادہ نہیں البتہ بن علی

کے نزدیک ہر نماز کو اول وقت میں ادا کرنا افضل ہے جیسا شافعیہ

کا مذہب مشہور ہے ان کے نزدیک گرمی کے موسم میں ظہر کی نماز کا اول

وقت میں ادا کرنا عبادہ ہو گا پس اگر مالکیہ کا مذہب اس باب میں شافعیہ

کے مخالف ہے جب تو شارح کا کلام اہل تحقیق کے موافق ہے اور افغان کا

مذہب اس باب میں حنفیہ کے مخالف ہے تو یہ کلام اہل تحقیق کے خلاف

ہے اور جب حنفیہ کے نزدیک گرمی کے زمانہ میں ظہر کی نماز ٹھنڈے وقت

پڑھنا ہی افضل ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نماز کو مؤخر کر کے

کسی کا ثواب کم نہیں کیا بلکہ سب کے ثواب کو زیادہ ہی کیلئے کیونکہ اس

صورت میں اگر کوئی اپنے نفس کو تعبد میں ڈالنے کے لئے ظہر کی نماز اول وقت

میں پڑھنا چاہے تو خفیہ اس کے فعل کو عبادہ میں داخل نہ کریں گے

نزیات ثواب کا سبب بھی ہیں غافلہ، واللہ تعالیٰ اعلم۔

اسی طرح بعض متعبدین کا گرمی کے زمانہ میں گھر کے اندر اور سردی

حجت میں سب سے زیادہ کمزور کی رعایت کرنا چاہیے

یہاں سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حکم ارشاد دیا اور
بسیارضعفکم (سب سے زیادہ کمزور کی چال چلا کر) سفر کی کسات
خصوص نہیں بلکہ ہر موقع کے لئے مام ہے چنانچہ یہ حدیث بھی اسی دلیل
ہے کہ جب بعض لوگ گری کی تکلیف برداشت نہ کر سکے تو رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کے ساتھ کمزوروں جیسا معاملہ کر کے تخفیف
کو اختیار فرمایا اس سے یہ بھی مسکد می مستنبط ہوا کہ امام کو اپنی حجت
کے حال پر نظر کرنا چاہیے اگر ان میں کوئی کمزور یا بیمار یا ضرورت مند
تو نماز میں تخفیف کرے کہ اس وقت یہی سنت ہے اور اگر سب
قوی (تندرست) معلوم ہوں ایمان میں بھی بدن میں بھی کوئی
کے ساتھ افضل طریقہ یعنی عزمت کو اختیار کرے اور نماز کے
بعد ان کاں طویل کر دے۔ غرض ہر شخص کو جس کے متعلق کسی قسم
کا ضرر دلی ہو ادنی یا اعلیٰ مناسب یہ ہے کہ اپنے متعلقین کے لئے
تمام امور میں چھوٹے ہوں یا بڑے، معمولی ہوں یا غیر معمولی اس حالت
پر نظر رکھے جان کو آسان ہو اور اس میں بھی کمال مطلوب ہے۔
ایسی آسانی مطلوب نہیں جس سے کمال فوت ہو جائے۔ اور یہ بات
فقہ مال سے میسر آسکتی ہے رفیقہ النفس ہی اس کی رعایت پوری کر
سکتا ہے اور فقہ مال جسد انوار فقہ افضل و انفع ہے۔

جیسا فقہ نے فرمایا ہے
فقہ مال فقہ کی اعلیٰ قسم ہے کیونکہ فقہ مال کی حیثیت
فدقہ ہے جو فقہ مال خلاصہ ہے اور مفروضہ ہے جیسا نحوی کیلئے
تصوف کیونکہ جو سے مقصود قرآن و حدیث کو محنت کے ساتھ پڑھنا

میں کھلی حجت پر نماز پڑھنا بھی مجاہد موجب ثواب نہیں کیونکہ وسائل میں
بلا ضرورت تقصیر جفاشت کرنا مجاہد نہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں
نے بطور طالع کے ایسا کیا ہوگا ثواب کی نیت سے نہ کیا ہوگا۔

(۱۰۲) مستحبات کا اسی قدر اہتمام کیا جائے جس سے

دوسروں کے فرض میں خلل واقع نہ ہو یہ بھی
معلوم ہوا کہ عبادت میں قدر واجبہ زائد مستحبات وغیرہ کو اس وقت
اختیار کیا جائے جب کہ اس سے دوسروں کے فرض میں نقصان نہ لگے
کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری تقریر کے موافق بعض حضرات
کو زیادہ ثواب اسی وجہ سے عروم کیا تھا کہ سخت گرمی میں نماز پڑھنے
سے دوسروں کے فرض میں نقصان آتا تھا۔

قوله الوجه التاسع فيه دليل على انه لا يؤخذ
ما زاد على الواجب الى قوله الا من اجل نقص فرض الغير
فہر بعض لوگ اپنے عموالات و وظائف کے ایسے پابند ہوتے ہیں کہ نماز
کی پریشانی کی بھی پروا نہیں کرتے مثلاً سفر میں دین کے وقت کی بھی
رعایت نہیں کرتے۔ دین چھوٹے یا ملے وہ بدن وظیفہ پورا کئے نہیں
دہنتے تو اگر ایسا شخض تنہا سفر کرتا ہو اس کو اختیار دیا ہے اور اگر
وفاقہ کے ساتھ سفر کرے یا ہو تو ان کی رعایت اپنے عموالات کی رعایت
مقدم ہے کیونکہ دین چھوٹ جانے سے سب کو پریشانی ہوگی الخ
پریشانی سے ان کے فرائض میں خلل واقع ہوگا نماز میں دل جمعی نہ ہو
ہو جائے گی اور اجنبی جو قیام کرنے سے کھانے پینے سونے میں بھی
تکلیف ہوگی۔

مشورہ کیا کرتا تھا۔ الغرض یہ عالم فقیر دوسٹس سے ملنے آئے اور ان سے باتیں کی پھر اپنے لئے دعا کی درخواست کی کہ کو ان کی عادت تھی کہ وہ پیشوں کیساتھ تواضع سے پیش آتے اور ان کی دعا کی درخواست کیا کرتے تھے ان بزرگ نے فرمایا بلکہ مناسب یہ ہے کہ آپ دیکھ لیں دعا کیوں خواہ اس حالوں کے علماء فقیر سے ہیں۔ دوسٹس کا یہ کہنا تھا کہ وہ عالم بے خود ہو گئے ناز و ناز دے لگے اتنا رشے کہ جان نکلے کو جو گئی۔ بار بار یہ کہتے تھے کہ یہ عجیب سی آدمی ہے علماء میں شمار کیا جاسکتا ہے۔

عالم کس وقت عالم ہوتا ہے عالم کا یہ عالم بجز اس وقت تک عالم نہیں ہو سکتا جب تک اس کا ہر سانس اللہ کیساتھ اللہ کے لئے نہ نکلے اور جو توسل دین کے ساتھ نہیں ہے یہ اور کچھ نہیں ہے مجھے اس عالم کی دینداری سے جو پہلے سے معلوم تھی بہت کچھ امید تھی مگر اس دن کی حالت اور اذراوت و خضوع سے قوی امید ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ ان کو اس کی بدولت آخرت میں قرین کے درجوں میں بلند فرمائیں گے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے فضل سے وہیں پہنچا دیں کہ ان کے سوا کوئی مدد نہیں۔

قوله الوجه العاشر فيه دليل على ان قوله صلى الله عليه وسلم سيروا البير اضعفكم انى قوله لا رب سواه

اور سمجھنا ہے اور پڑھنے سے مقصود عمل ہے اور عمل میں درجہ کمال مطلوب ہوتا ہے اور تکمیل علم و عمل ہی کام تصوف ہے پس تصوف نوجو کا خاصہ اور مغز مہموذ کی اصطلاح میں فقہ حال کو مراد اور نگہداشت کہتے ہیں کیونکہ فقہا اہل ہر وقت اللہ تعالیٰ کے حکم کی نگہداشت کرتا ہے۔

ایک فقیہ اہل کی حکایت چنانچہ میں نے ایک فقیہ کے متعلق جو واقعی فقیر تھے سنا ہے کہ جب ان سے کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا تھا تو وی ویر سکوت کر کے جواب دیا کرتے اس کی وجہ ان سے پوچھی گئی تو فرمایا میں (اولی) اس پر غور کرتا ہوں کہ میں نے اس وقت کیا مناسب ہے ہر جواب دینا یا غور کر لینا اس کے بعد جو مناسب ہوتا ہے اس کے موافق عمل کرتا ہوں، دیکھو ان بزرگ نے فقہاء، فقہ حال اور مراد قہ تیوں کو کس طرح جمع کر کے دکھا دیا کیونکہ فقہ عالم کا مقتضایہ تھا کہ وقت کا حق ادا کیا جائے۔ مراقبہ کا مقتضایہ تھا کہ غفلت سے بات نہ کی جائے بلکہ غفلت حتی پیش نظر ہے ان بزرگ نے ہر سوال کے بعد سکوت ویر سکوت کر کے جواب دینے کی عادت ڈال کر تیری کو جمع کر لیا۔

وہ حقیقت فقیر اور علماء یہ غفلت ہیں۔ علماء نظام میں جو اہل انصاف ہیں وہ بھی ان کی عظمت و جلالت کا اعتراف کرتے ہیں۔

ایک عالم اور صوفی کی حکایت چنانچہ میں نے ایک بار کثرت ہشہ عالم فقیر جو توی کے لئے مرجع خاص و عام تھے ان سے ملنے گئے اور وہ دائمی تیری دینے کے اہل تھے مگر سلطنت کے مشیر بھی تھے باوجود ان کی عظمت و فیضیت کی وجہ سے بعض باہم معاملت میں ان سے

باب پنجم
سوم

حدیث

تحیۃ المسجد والامام یخطب

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص جب کہ دن اس وقت آیا جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے تو آپ نے اس سے فرمایا اے فلاں! کیا تو نے نماز پڑھ لی ہے؟ کہا نہیں! فرمایا کھڑا ہو جا اور نماز پڑھ ایک قیوم روایت میں ہے قال تعذرا کعب دکتین و تعجز فیہما، فرمایا کھڑا ہو جا اور دو رکعتیں اختصار کے ساتھ پڑھ لے۔

شرح خطبہ کی وقت نہایت المسجد پڑھنے کا حکم

بظاہر حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جمعہ کے دن خطبہ کے وقت تحیۃ المسجد پڑھنا جائز ہے مگر نہایت ضعیف اس سے منہ کرتے ہیں کیونکہ وہ سری حدیث میں ہے کہ ایک شخص جمعہ کے دن خطبہ کی وقت لوگوں کی گردنوں کو پھلانگتا ہوا مسجد نبوی میں آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا اجلس فقد اذیت، بیٹھ جاؤ تمہارے لوگوں کو اذیت دی گئی ہے اس کو تحیۃ المسجد کا امر نہیں فرمایا اور حدیث جابر میں جو کہ ذہر بحث ہے اس امر کی تصریح نہیں کہ یہ خطبہ نماز جمعہ کا خطبہ تھا یا خطبہ اتنا معلوم ہوا ہے کہ جمعہ کے دن میں تھا، سو ممکن ہے کہ جمعہ کے دن حضور نے کسی اور سبب سے فرمایا جس کے بعد خطبہ دیا ہو۔ کیونکہ آپ کی حالت بھی کہ جب کوئی عہد و پیش ہوتی تو لوگوں کو جمع کرانے اور خطبہ دیا کرتے تھے اس احتمال کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شخص مذکور سے دیابت فرمایا کیا تو نے نماز پڑھ لی؟ اس نے کہا نہیں تو اگر یہ خطبہ نماز جمعہ کا خطبہ ہوتا تو اس سوال کا موقع نہ تھا کیونکہ جمعہ کی نماز کا وقت بالاتفاق خطبہ کے بعد ہے اس سے پہلے نہیں راوی تحیۃ المسجد واجب یا فرض نہیں جو اس کو دیتا کیا جاتا ہے بل ظاہر اس حدیث سے تحیۃ المسجد کے وجوب پر استدلال کرنا صحیح نہیں کیونکہ یہ خود مختل محتاج بیان ہے اس ظاہر یہ ہے کہ یہ خطبہ نماز پڑھنے کے بعد کسی ضرورت سے تھا اور شخص مذکور مسجد میں داخل ہوتے ہی خطبہ سننے بیٹھ گیا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے بیٹھنے سے شبہ ہوا کہ یہ یا تو فرض نماز پڑھ چکا ہے یا اس کا خیال ہے کہ ابھی تک مسجد میں بیٹھا نہیں ہوئی خطبہ کے بعد نماز ہوگی تو آگے دیر یافت فرمایا کیا تو نے نماز پڑھ لی؟ جب اس نے کہا نہیں فرمایا اٹھو نماز پڑھ لو، یعنی مسجد میں جماعت ہو چکی ہے تم اس خیال میں نہ ہو کہ خطبہ کے بعد نماز ہوگی اور چونکہ بعض روایات میں تصریح ہے کہ آپ نے اس کو دو رکعت پڑھنے کا امر دیا اس لئے ظاہر یہ ہے کہ یہ خطبہ نماز فجر کے بعد تھا۔ عسکر بعد ہوتا تو فجر رکعت پڑھنے کا امر فرماتے اور شاید وقت تنگ ہو گیا ہو گا اس لئے حضرت دو فرض

پڑھنے کا اور ان میں بھی اختلاف کرنے کا حکم دیا اور اللہ تعالیٰ اعلم مگر مسلم نے اس حنفی کو بایں الفاظ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

من دخل يوم الجمعة والا ما يخطب فليس كرجل
من صفتين خفيفتين

جو شخص جمعہ کے دن ایسے وقت آئے گا کہ امام خطبے کا جو
تو دو رکعتیں ملکی چکی پٹھ لے۔

اور اگر یہ حدیث صحیح ہے تو بلا شک اس باب میں مرجع ہے جمیع
کسی تاویل کا احتمال نہیں۔ اسی وجہ سے مذہب مالک میں اسی حدیث
کے موافق ایک قول یہ بھی ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن خلیفہ کے وقت آئے اس
کو دو رکعتیں جلدی جلدی پڑھ لینا چاہیے۔

پس ہم نے اول قربات یہی ہے وہی حدیث کا ظاہر مفہم ہے اور
دوسری حدیث سے اس کا معارضہ بعض معتقدین کے ادب سے ذکر کر دیا
گیا کہ انہوں نے دوسری حدیث کو اس کا معارضہ نہ کیا ہے۔

عہ مسلم اور بخاری کا حدیث کی حدیثی شائع کا یہ فرمانا کہ اگر یہ صحیح ہے

کو واضح کرنا ہے کہ ان دونوں کتابوں کا صحیح ہونا غرضانہ مجہود کے اعتبار سے ہے
جس میں ایک وہ حدیثوں کا ضعیف ہونا کچھ مفروضہ اور قاصر نہیں چنانچہ اس حدیث
میں دارقطنی نے کلام کیا ہے کہ کتاب روایت نے اسکو بخیر و افتخار روایت کیا ہے قول
مالک کی حدیث میں جو ایک روایت کے کسی نے روایت نہیں کیا پس مولیٰ حدیث کے خلاف
ہے یہ حدیث ان الفاظ سے شاذ میں داخل ہے وہاں جو مقدمہ شرح ابی داؤد و علامہ ابن
اور حدیث شاذ کو صحیح میں شمار نہیں کیا جاتا و اللہ تعالیٰ اعلم

عہ درہ حقیقت میں وہ اسکی معارض نہیں کی بلکہ جو لوگ خطبہ کی سنت پر اکتفا کرتے ہیں

کیونکہ ان کو
فضیلت سلف کا انکار محض جبل و غبار ہے
فضیلت حاصل ہے جس سے کسی کو انکار کی گنجائش نہیں اس کا انکار کرنا
محض اپنی غیبت و جہالت کا ثبوت و دنا ہے اگرچہ کسی وقت کسی مسئلہ میں
متاخر پر بھی ایسی بات منکشف ہو جاتی ہے جو متقدمین پر منکشف نہیں
ہوتی مگر اس سے ان کی جہالت منصف و عظمت شان میں کچھ خلل واقع نہیں
چونکہ یہ جو یہ عرض مولیٰ کریم کی ایک مطلب ہے جس سے وہ متاخرین کی
شکست ٹوٹی کر دیتے ہیں۔

متاخرین پر بعض علوم کے منکشف ہونے کی حکمت جو سلف پر
منکشف نہیں ہوتے کی وجہ سے جو ان کا دل شکستہ تھا
اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

فعل بعض من بدله ان يكون اذی له من بعض من سمعه
کہ شاید بعض سے بدھ میں پوری حدیث پہنچے گی بعض سے سننے والوں
سے زیادہ سمجھنے والے ہوں۔

عرض متاخرین کے لئے بھی کچھ حصہ دکھایا گیا کہ زیادہ حصہ متقدمین ہی
کا ہے اس میں ایک حکمت یہی ہے کہ اس طرح کتاب اللہ اور حدیث نبوی

وحدیث مولا مرتضیٰ سے تمام حجت المسبحہ کو تیار کرتے ہیں وہ اس کو دلچسپی نہیں کہتے میں سوائے
مسی اللہ علیہ وسلم کا دوسرے شخص کو حجتہ دھوکا امر نہ فرمایا اور ظنی کتاب کہ وجہ سے جلوس کا علم
میں تمام حجت المسبحہ کو حجتہ کے ذریعہ نہیں غایت مافی الہاب پر موقوف کی گئی کہ
جسے متاخرین پر حجت قائم کی جا سکتی ہے شافعیہ پر قائم نہیں کی جا سکتی و اللہ اعلم ۱۲

کے عجائب ہمیشہ باقی رہیں گے ان کے فائدہ قیامت تک ختم نہ ہوں گے، ایک فائدہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے قلوب پر زمانہ میں قرآن عظیم کے فضل کی بادشوں کے منتظر رہیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

وَاتَّقُوا اللَّهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللَّهُ
اللہ سے ڈرتے ہو اللہ تعالیٰ تم کو خود تعلیم دیں

جس سے معلوم ہوا کہ تقویٰ سے علوم و ہنر عطا ہوتے ہیں۔

بسیفی اندہ خود علوم انبیاء بے کتاب بے معیار اوستا

اگر سلف فائدہ اور تمام علوم ختم ہو چکے ہوتے تو متاخرین کو اس آیت کے مطابق اور ان احادیث کے مطابق سے کبھی فائدہ نہ ہوا حالانکہ قرآن کے بارہ میں کامل عملی اللہ علیہ وسلم کا اشارہ ہے کہ انتقزی بجا آید اس کے عجائب ختم نہیں ہو سکتے ولا یخلف علی کثرة الترداد اور بار بار پڑھنے پڑھنے سے کبہ نہ ہی نہیں ہوتا بلکہ ہر دفعہ ہر وقت نازہ کلام معلوم ہوتا ہے

متاخرین کی وہی تحقیق معتبر ہے جو اجماع سلف کے خلاف ہو

مگر اس جو یہ بات بھی یقینی چاہیے کہ متاخرین پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ نفع و کشف ہوگا وہ اجماع متقدمین کے خلاف نہیں ہو سکتا اگر ایسا ہوا تو اسی کو نفع و کشف من اللہ نہ کہا جاتا بلکہ اس پر اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ کرامت کے متاخرین کے علم کا حاصل یہ ہے کہ یہ فائدہ کسی قول ضعیف کو قوی کر دیتے ہیں یا کسی مسئلہ کو متقدمین نے اجماع سے طے کیا تھا متاخرین کو اس کی دلیل کتاب سنت میں معلوم ہو جاتی ہے یا وہ کسی مسئلہ شرعیہ پر سے اشکال کو بوقت قیام کے ساتھ رفع کر دیتے ہیں جس سے متقدمین نے تعزنی نہ کیا تھا خواہ اس نے ان کے نزدیک اشکال کی کچھ اہمیت نہ تھی کیونکہ شاذ و نادر ہی کسی کو وہ اشکال پیش نہ آتے یا اوت ایمان کی وجہ سے ان کی

نظر میں وہ اشکال اشکال ہی رہتا بعد میں وجہ ضعف ایمان اور قلعہ فہم کے وہ اشکال پھاڑ بن گیا جس کو متاخرین میں سے کسی نے محنت تو یہ سے رفع کر دیا اس پر کسی جاہل کا پنے جبل کی وجہ سے یہ گمان کرنا کہ اس نے ایسی بات کہی ہے جس کی نظر متقدمین نہیں پیش کر کے مزید علم اور علم سے ناواقفیت کی دلیل ہے جیسا ہم پہلے کہہ چکے ہیں۔ اگر متاخرین میں سے کسی کو قواعد شرع کے اقتضا سے کوئی ایسی بات معلوم ہو جو تمام متقدمین کے خلاف ہے تو اسے اپنے کو متہم سمجھنا چاہیے کہ متقدمین کو متہم سمجھنے کا اسے حق نہیں

متاخرین کی فہم سلف کے سامنے یقیناً ناقص ہے کی فہم

خواہ کتنی ہی کامل ہو پھر بھی متین متقدمین کے مقابلہ میں ناقص ہے۔ دو وجہ سے ایک تو حدیث کی تصریح کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

خیر القرون قری فی شرا الذین یلونہم فشر الذین یلونہم

تمام قرون میں سب سے بدترین زمانہ پھر وہ جو اس کے بعد ہے پھر وہ جو اس کے بعد ہے۔

اور ظاہر ہے کہ مراد دین کے اعتبار سے خیریت ہے اور دین نام ہے جو بد علم و عمل کا۔ اس سے معلوم ہوا کہ علم و عمل میں متقدمین سب سے بڑے ہوئے ہیں۔ پھر اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ متقدمین کا عمل حائے زمانہ و دین کے عمل سے زیادہ مستحکم اور پختہ تھا اور اس میں بھی شک نہیں کہ عمل علم کا ثمر ہے اور ظاہر ہے کہ جب وہ دونوں میں ایک کا پھل اچھا اور زیادہ ہو اور دوسرے کا خراب ہو کہ جو توس کا پھل عموماً اور زیادہ ہوگا یقیناً وہ دوسرے سے افضل ہوگا یا ایسی بدیہی بات ہے جس سے کسی کو بھی اختلاف نہیں ہو سکتا بشرطیکہ اسے بعیرت و عقل سے کچھ حصر نہ ہو۔ قولہ ظاہر الحدیث یہ بدل علی جواز تحقیق المسجد لای قولہ فی الولیہ الرابع عند من لہ بصیرة و عقل۔

غیر: کوئی تحقیق بیان کریں گے ورنہ جیلنے گی اس کو تحقیق علمی نہ کیا
جیلنے گا بلکہ جیل مرکب اور تلبیس ابلیس میں شمار کیا جائیگا۔

اس کی ایک
صورۃ افضل کی ایک نئی تفسیر اور اس کا تذکرہ

تحقیق ہے جو سورۃ النحل کی تفسیر میں ابھی ابھی ایک نئے مفسر نے بیان کیا
ہے کہ ترجمہ بھارہ من جیل، طیار کی ہفت ہنسیں نہ ترقی صبر و صفت غائب
بلکہ یہ طیرہ مستقل جملہ ہے اور ترقی واحد مذکور ہے جس میں قریش کو خطاب
کیا گیا ہے جیسا الم ترکض فعل جبکہ میں بھی قریش ہی کو خطاب ہے پس سورۃ

کا یہ مطلب نہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ نے خرق عادت کے طے پر باہمی دلوں کے نشکر پر
پرندوں کی فوج بھیج دی تھی کہ جن کے جنوں اور جنوں میں کلمہ کی پتھراؤں میں
پرندوں نے پتھریاں باہمی دلوں پر برساتیں تو ان کا ہر کس نکل گیا بلکہ مطلب

ہے کہ اگر ہم قریش کا دشمن تھا وہ عمر پر اپنی لشکر کشی کو مکہ والوں سے چھپا چاہتا
تھا مگر یہ ڈانٹنی نہ رہ سکا کیونکہ تادم ہے کہ لاش خود پر بندے جنگی لشکروں کے
ساتھ اس امید پر چلے گئے ہیں کہ اب ہم کو آؤ تو دیکھو الم بھنکے کید ہم فی غفلت

کا یہ مطلب ہے کہ لاش خود پرندوں کو دیکھ کر کھولے لشکر کی آمد سے خبردار
ہو گئے اور زمین کی ہفتی نہ ہر کاراز آسمان کے پرندوں نے کھول دیا قریش
مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے ان کے پاس سو پتھروں اور لشکروں کے اور کیا تھا

قریش نے پتھر پھیلنے شروع کئے یہ پتھراؤں ایسا عجیب فریب تھا کہ اس کے
ساتھ امر بہ کے لشکروالوں کو ڈالیں بھی بیکار ہو گئے اور وہ ان پتھروں کا
جواب تر رازی سے دینا بھی بھول گئے دم کے دم میں تمام لشکر کا گھروڑوں

دانتوں سمیت ہر کس نکل گیا نہ کوئی نام لیا نہ نہ پانی دوا۔ یہ واقعہ اللہ تعالیٰ نے
قریش کو یاد دلایا کہ کیا ہے کہ تم اسلام لانے میں یہ اندیشہ نہ کرو کہ اگر وہ
کی طاقتیں تم پر جوم کر میں گی اور تم کو کھلی ڈالیں گی کیونکہ کل ہی کا وہ اندر ہے

فہ۔ اس حدیث کی شروح میں شامع علیہ الرحمۃ نے تصوف کا کافی مسئلہ
بیان نہیں فرمایا مگر متقدمین اور متاخرین کے علوم میں جو فرق بتویا ہے اور
سلف صالح کے ادب و تعلیم کی جس قدر تاکید کی ہے اس کے جلنے کی
توفیر اور علما برہمی کو ضرورت ہے اس لئے اس کا ترجمہ کر دیا گیا یہاں سے
ان لوگوں کی غلط معلوم ہو گئی جو سلف کی شان میں گستاخی کرتے ہیں اور
اپنی علمی یا کشتی تحقیقات کو ان کے علوم سے افضل سمجھتے ہیں ان کو یاد دیکھا
چاہیے کہ علم ہی معتبر ہے جو عمل حکم کا ثمر ہو۔

جس کا عمل مستحکم نہیں اس کا علم بھی مستحکم نہیں

جس کا عمل حکم نہیں اس کا علم بھی مستحکم نہیں اور جس کا علم مستحکم
نہیں اس کی تحقیقات و تحقیقات کتنا زیادہ نہیں کمال علم تقویٰ سے حاصل
ہوتا ہے واللہ واللہ وعلیہ السلام اور اس جملہ وسات تقویٰ کہاں جیسا
سلف میں تھا؟ آجکل یا تو تقویٰ ہی نہیں وہ دودھ کا معاملہ ہے یا تقویٰ
ہے تو اپنے سوا کسی کو متقی نہیں سمجھتے خالص اور صریح تقویٰ بہت ہی کم
ہے اس حالت میں کسی کا اپنے کو متقی یا مجتہد سمجھنا بجاہلالت نہیں تو اور
کیسے۔

فہ عطیے حق کا دروازہ بند نہیں

یہاں سے یہ بھی معلوم
ہو گیا کہ عطیے الہی کا
درازہ بند نہیں بعض دفعہ اللہ تعالیٰ متاخرین پر وہ علوم مشکشف فرماتا ہے
ہیں جو متقدمین پر مشکشف نہیں ہوئے مگر یہ بھی متقدمین ہی کی استیلا کا
ثمرہ ہے اگر متاخرین ان کا استیلا نہ کرتے علم کا دروازہ ان کے لئے مفتوح
نہ ہوتا یہ بھی معلوم ہوا کہ متاخرین کی علمی یا کشتی تحقیقات اس وقت قابل
قبول ہیں جب کہ اجماع سلف کے خلاف نہ ہوں اگر وہ اجماع سلف کے

ہی سے ابوہریرہ کے لشکر کے ساتھ چلے گئے تھے خناس کا کوئی ثبوت ہے کہ ابوہریرہ نے اپنی لشکر کشی کو مخفی رکھنے کی کوشش کی تھی جس کا راز فاش کرنے کے لئے فاش خود بزدلی کو لشکر کے ساتھ چلنے کی ضرورت تھی نہ اس کا کوئی ثبوت ہے کہ قریش نے ابوہریرہ کے لشکر کا سنگسار کے ساتھ مقابلہ کیا تھا اور اپنے حقدار کے ہاتھوں سمیت نماز فوج کا ستھرا کر دیا تھا نہ اس کا کوئی ثبوت ہے کہ قریش کو اسلام سے یہ اندیشہ مانع تھا کہ وہ خود کی طاقت میں ان پر ہجوم کر دیں گی۔ تفلیہا بارہ ورت اصنام مانع اسلام نہ تھی اس منسرتہ کس طرح اپنی طعنے سے بلا وکیل مقدمات بنا کر کھڑے کئے اور خود ساختہ بنیاد پر کلام الہی کی تفسیر کی غفلت قائم کرنے کی یہودہ کوشش کی ہے پس یہ تفسیر جس طرح اجماع سلف کے خلاف ہے اسی طرح تاریخ کے بھی خلاف ہے اس میں زیادہ تفصیل کی گنجائش نہیں اجمالی اشارہ کر دیا گیا تاکہ باطن آج کل کی ایسی نئی نئی تفسیروں سے ہوشیار رہیں ان کو علم ابن ابی جہر کا یاد راہد ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہئے کہ متاخرین کی وہی تحقیقات مغرب میں جو اجماع سلف کے خلاف نہ ہوں ماس کلیہ کو نصیب عین بنانے کے بعد کسی تحقیق کی نئی تحقیقات سے ان کے ایمان کو ضرور نہ ہوگا۔

فہ شیخ کو طالبین کی نگہداشت کرنا چاہیے

اس حدیث سے تعویذ کا یہ مسئلہ مستنبط ہو سکتا ہے کہ شیخ کو اپنے مریضوں شاگردوں کے احوال کی نگہداشت کرنا چاہئے اگر کسی کے متعلق یہ شہد ہو کہ اس نے کسی فرض یا واجب یا سنت میں کوتاہی کی ہے تو اول اس سے دریافت کیا جائے اگر وہ اعتراف کرے تو اس کو اولاً

کہ تم نے ابوہریرہ کے لشکر پر ایسا چھڑاؤ کیا کہ اس کا ہر کس نکال دیا تھا پس تمہارا یہ چھڑاؤ سلامت ہے پھر تم کو کسی طاقت کا کیا اندیشہ؟ دیکھا آپ نے آج کل کے نئے مفسروں کی تحقیقات کو واقعی وہ قرن میں ایسی ہوشگاہیاں کرتے ہیں کہ سلف کے فرشتوں کو بھی ان کی ہوا نہ لگی جو ان پچاڑوں کو ایسی نئی تحقیق کہاں سوچ سکتی تھی کہ قریش کے چھڑاؤ سے بھی لشکروں کا ہاتھوں سمیت مقلایا ہو سکتا ہے پھر معلوم قریش اپنے اس چھڑاؤ کو ابوہریرہ کے بعد کسی اور لشکر کے مقابلہ میں استعمال کر کے کیوں نہ کامیاب ہوئے۔ اور ابوہریرہ کے لشکر کیساتھ والے یہ لاش خود پر نہ سے بھی فتح کر کے وقت کہاں مر گئے تھے لیکر والوں کو لشکر مدرہ کا اس وقت تک علم نہ ہوا جب تک وہ بالکل محصور نہ ہو گئے، نہ نسیبہ کے یہودیوں کو ان لاش خوروں نے لشکر اسلام کی آمد سے خبردار کیا کہ صبح کو اسلامی لشکر غیر میں داخل ہوا اور بستی والے حالی کمال لے کر نکل جانے کا اندازہ کر رہے تھے دفتر سامنے سے لشکر کو دیکھا تو حوٹا نہیں کہتے ہوئے قلعے کی طرف جا گئے۔

اس مفسر کو معلوم ہونا چاہئے کہ یہ کسراں کی تفسیر نہیں بلکہ اپنے جہل کی تعبیر ہے اور یہ معلوم ہو چکا ہے کہ متاخرین کی تحقیقات وہی قبول کی جا سکتی ہے جو اجماع سلف کے خلاف نہ ہوں اور سورت النیل کی یہ جدید تفسیر اجماع سلف کے بالکل خلاف ہے آج تک کسی صحابی یا تابعی یا تابعی یا معتبر مفسر سے پر سند معتبرہ تفسیر منقول نہیں دیکھی گئی کہ تر مہمہ طبرہ کی صفت نہیں بلکہ صیغہ احد مذکر حاضر ہے اور اس کے مخاطب قریش یا اہل مکہ ہیں اور نہ تاریخ سے اس کا ثبوت مل سکتا ہے کہ فاش خود پر نہ سے

فرض واجب دیہ میں تعمیل کا تاکید کیا ہے۔

۵۳
باب پنجم و چہارم

حدیث

دعای رسول صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک سال لوگوں کو قحط کا سامنا ہوا تو ایک اعرابی جمعہ کے دن جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے کھڑا ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ حال تیرا و بر باد ہو گیا اور ظاہل غم و غمیاں جو گئے ہو گئے آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ! آپ کے خطیب ہی میں اپنے دونوں ہاتھ اٹھا لے اس وقت آسمان پر بادلی کا ایک ٹکڑا بھی نظر نہ آتا تھا پس قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے حضور نے بھی تک اپنے دونوں ہاتھ نہست نہیں کئے تھے کہ بادل سبارش کی طرح اٹھا، آپ میرے نیچے نہیں اتارے تھے کہ میں نے بارش کے قطرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ریش مبارک سے پیتے ہوئے دیکھے لائنی بارش ہوئی کہ صبح کی چٹ چپکنے لگی بہنیں دن میں برابر بارش ہوتی رہی پھر اس سے آگے دن بھی اور اس کے بعد دن میں بھی اس کے بعد بھی دوسرے چھ دن تک بارش کا سلسلہ بند نہ ہوا میری اوائلی یا اور کوئی دوسرے جمعہ کے خطبہ میں کھڑا ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ مال غرق ہو گیا عمارتیں گرنے

نے نقص احوال کیلئے سلسلہ کلام قطع کرنا جائز ہے
حدیث ہے یہ بھی معلوم ہوا کہ شیخ کو نقص احوال کیلئے اپنی گفتگو اور تقریر یا خطبہ کے سلسلہ کو قطع کر کے اس شعبی کی طرف متوجہ ہونا جس سے متعلق تعمیر کا شر ہو رہا ہے جائز ہے مگر نقص و تحقیق میں نرمی سے کام لینا اور خود صاحب معاملہ سے معاملہ کی تحقیق کرنا چاہیے جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس واقعہ میں ثابت ہے واللہ تعالیٰ اعلم

دعا کی امید کی جاتی ہے۔

قوله الوجه الثاني فيه طلب الدعاء ممن فيه اهلية
للقبول الى قوله في الوجه الثالث وعند تلك الرقة
وجمع ذلك الخاطر المبارك توجي الرحمة والنجاة

۱۰۵) المعروف عات کسی رحمت ہوتا ہے کسی نعمت یہ بھی ہوتا
ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی امر کا خلاف عادت ہونا کسی رحمت پر دلالت
کرتا ہے کسی اس کے خلاف پر جتنا بڑا بدش کا وقت پر نہ ہونا جس کا انما
بلاکت لول ہور بھی تفریحات ہے اور تفریحات ہے بعض روایات میں
آیا ہے اذا جنس الله قوماً مطر صفيهم واھي شتاءهم جب
اللہ تعالیٰ کسی قوم سے نفرت کرتے ہیں گرمی کے زمانہ میں ان پر بارش
کرتے ہیں اور جاڑے برسات میں آسمان صاف دیکھتے ہیں۔
اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے ساتھ ساتھ فوراً بادل
کا اٹھنا اور بارش ہونا یا بھی خرق عادت ہے مگر یہ تفریق رحمت ہے
قوله الوجه العاشر فيه دليل على ان تغيير العادة
قد تكون دالة على رحمة او غيرها الى قوله والادها
تغير رحمت۔

فے نزول بار میں گناہوں کو کس طرح ختم ہے

انفسی بکل جنی وک کہ مجھ میں یہ بات نہیں باق کو گناہوں کی
وجہ بھی بلائی نازل ہو سکتی ہیں ان کے نزدیک بارش ہونے یا نہ ہونے
کا سبب میں وہی ہے جو اس شخص کے لئے ہوتا ہے مگر اللہ سے کوئی پوچھے کہ
سائنس نے اس کا بھی کوئی سبب بتا دیا ہے کہ جب ہمیشہ برساتا اور جاتی

نہیں ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے تو حضور نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے
اور فرمایا اے اللہ ہمارے ارد گرد بارش کی توجہ سے اور ہمارے اوپر نہ ہو پھر اپنے ہاتھ
سے جس طرف بادل کو اشارہ کیا اس طرف سے کھل گیا اور مدینہ منورہ جاک
تو یہاں پہنچے ہو گیا اگر مدینہ کے اندر آسمان کھڑا ہوتا اور چاروں طرف
بادل گھرا ہوتا ہمیشہ ہر ٹک جھلک بارش کے پانی سے بہتا اور جس
سمت سے بھی کوئی آسمان بارش کی خبر لاتا تھا۔

شرح ظاہر حدیث بتلوا رہے کہ اہل اسے خطبہ کے درمیان کس نے فرمایا
امر کے لئے گنتی کرنا چاہتا ہے اور امان اس کا جواب بھی دے
کتاب اس پر چند جہ سے کلام ہے۔

حدیث سے معلوم ہوا کہ مشکلات کو دل میں مقبولان الہی سے
(۱۰۴) دعا کی درخواست کرنا چاہئے اور طلب دعا سے پہلے اہل اعمال ہی بیان
کرنا چاہئے جیسا ان اعلیٰ نے کیا کہ اول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف
متوجہ ہوا کیونکہ بالاجماع آپ سب مقبولان الہی سے افضل ہیں آپ کی
زندگی میں آپ کے سوا اہمات میں کسی کی طرف بھی وجہ نہ کیا جاتا تھا۔
اسی لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بارش کی احتیاج کے وقت جب استیجا
کے لئے بستی سے باہر نکلتے تو حضرت عباسؓ سے فرماتے کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کی زندگی میں تو حضور کے واسطے سے بارش کی دعا کیا کرتے تھے
اب آپ کے واسطے سے دعا کریں گے کیونکہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے چچا ہیں اور سب سے قریب ترین پھر اعلیٰ نے طلب دعا سے پہلے پریشانی
کا حال بیان کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر انکار نہیں فرمایا
اس میں شک ہے کہ جب تم دین دار سے اپنی پریشانی بیان کرو گے
اس کا دل تباہی کے واسطے پھل جائیگا وہ دل سے دعا کیسے کاہل اور اسے
مبارک دل کے پیچھے اور دل کا ذکر دعا کرنے ہی سے رحمت اور قبول

و مستحکم اور مضبوط شہر کو تہہ بالا بنا دیجیے کہ یہ کون سی مائوسٹو
پیدا ہوئی ہے؟ اس بارش کا مائوسٹو سمندر کی چابک نہیں اٹھا بلکہ
فلوٹ فوس کی چابک سے بنتا اور فلوٹ کے گناہوں کے سبب پرستیا
ہے۔ نعوذ باللہ من الغرق ما ظہر منها و ما باطن

حدیث سے معلوم ہوا کہ عام تحسیر کے لئے بہت بڑا وسیلہ ہے
(۱۰۶) دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کتنی جلدی فائدہ ہوا
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

من اللہم السلام فقد فتح علیہم الابواب الخیر
جس کے دل میں دعا ڈال دی گئی دینی دعا سے جس کو رغبت
اور شوق پیدا ہو گیا اس پر خیر کھروا جانے کو مل جیتے گئے۔
اسی لئے حضرات موصوفیہ فرماتے ہیں کہ دعا فہ عین خیر، دینی دعا
خود اپنی ذات سے مطلوبہ مقصود سے قضا حاجت کے لئے مطلوب
نہیں، قضا حاجت تو تبعاً مطلوبہ ہو کر دعا کی حقیقت (دوائے ملین
اللہ تعالیٰ سے مناجات کرنا اور اس کی طاعت اپنی حاجت مارج ظاہر کرنا ہے
ادنیٰ معجزیت کا خلعت ہے جس سے بڑھ کر بندہ کے لئے کوئی بھی
خلعت نہیں اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا یا ارشاد کافی دلیل ہے۔

ان عبادی لیس لک علیہم سلطان
لے ایسے دیکھ کر بندوں پر تیرا کھڑا تو نہیں۔
دیکھو ان حضرات کو یہ شرف بلند اور اتنی بڑی حفاظت اسی عجزیت
سے تو حاصل ہوئی جو کہ صفت عبودیت ہے اس کی ضد کے متعلق بھی
اللہ تعالیٰ کا ارشاد سن لو۔

وان انکاحین لا مولیٰ لہم
کھڑوں کا کوئی مددگار نہیں (ہر ان کو شیطان کے بندوں سے ملے)

ہی میں بارش ہو اگر تھی ہے تو کسی سال اس قلعہ کی کھانگ گئی کے زمانہ
میں کیوں ہوئی تو بڑے رسات میں کہیں نہیں ہوتی؟ اس عادت مستور
کے بدلنے کا بھی تو سبب کوئی ہو نہ پائیے؟ سائنس اس جو خاموش ہے شریعت
اس شکل کو حل کر دیا ہے کہ عادت مستور کے بدلنے کا سبب لوگوں کی
شامت اعمال ہے۔

ولو انہم آمنوا اتقوا لفتحنا علیہم مبرکات من السماء
والارض ولکن کفواخذناہم بہا کاذبا
یصعبون۔

آج سے سترہ سال پہلے اسی ہندوستان میں لوگوں کو عام طور پر
عفت یا کمانی چوٹی دیا نہ داری عادت بڑھ گئی کہ آج کل عفت کی شریعت
کا انتہا تقابہ حیاتی، بے شرعی، جھوٹ، دغا بازی سے نفرت تھی دلوں
میں خدا کا خوف بڑھ گیا تھا عفتا علانیہ فتن کا بازار گرم نہ تھا وہ
لوگ ان بیماریوں کا نا ہی نہ جانتے تھے جن میں آج کل ہندوستان کا ہر فرد
مبستک ہے جس طرح ان کا ایمان قوی تھا بد بھی قوی تھا صحت بھی جیتی تھی
وقت پر بارش ہوتی تھی پیداوار کی کثرت تھی بے غم و کا نام تھا اب ہر ایک
اعمال خراب ہو گئے ہر فتنہ سینما یا سکوپ کی وجہ سے فتنہ کو ترقی ہے
سودی لین وین کی کثرت ہے علانیہ حرم کاری ہو چکی ہے زہد بے فکری
دی نہ دانت جس کو دیکھو پریشان و حیران، جہد نظر اٹھاؤ ادھر
ہی ایک بدلے بے درماں، بیماریاں ایسی آتی ہیں جن کا کسی نام نہ نہ تھا
لڑائیاں ایسی ہوتی ہیں کہ رستہ لے کر فتنہ سے اس وقت تک کچھ بھی
نظر زمانہ کی آنکھوں نے نہ دیکھی تھی یہ شامت اعمال نہیں تو اور کیا ہے؟ کیا
سائنس اس خوفناک بلڈن کا بھی کوئی سبب بتانے کی جو محو لوگوں
کی فتنہ میں آسمان سے برکت اور دم کے دم میں دھکوں کی آواز کو نہ دیکھتے

ولے سرور دو جہان تھے (صلی اللہ علیہ وسلم) تو بارش کا سلسلہ متواتر
بند نہ گیا۔ یہاں تک کہ لوگوں کی مراد اچھی طرح پوری ہو گئی اسی کے
دور اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

وتمت صرع شعاع صرع فانظروا بعون تستشفعون
تہلک لہما (وتم کو نڈاس پڑ جاتے ہیں) تمہارے شفیع ہیں
پس دیکھ لیا کہ کوئی کس کو شفیع بنائے ہو یعنی یہ دیکھ لیا کہ وہ اس
قابل ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی شفاعت قبول فرمائیں مطلب یہ کہ اس
کے ظاہر و باطن کی تصدیق کرو کہ شریعت کے موافق ہے یا نہیں اللہ علیہ
اس میں صوفیہ کی بھی دلیل ہے کیونکہ وہ فرماتے ہیں

مدر محبوبك عند مطلوبك تجد مرغوبك
مطلوب کے ملنے لپے محبوب کو آگے بڑھاؤ تو مرغوب کے پاؤں کو

محبوب چیز کی قربانی سے مطلوب کو پاؤ گے

یعنی محبوب چیز کی قربانی کرو تو مطلوب کو پاؤ گے۔ لن تنت اذوا
البرحتی تنفقو مما تحبون کیونکہ محبوب چیز کی قربانی ضرور قبول
ہوتی ہے جیسا آیت کا قرآنیکہ مدلول ہے واللہ اعلم۔

اس بگو ایک حوالہ ہے وہ کہ دو دنوں میں دعا کی درخواست
کے لئے یہ دو دعاوی یا ایک دعاوی ہی کیوں کھڑا ہوا حضرات صحابہ اور خلفاء
میں سے کوئی کیوں نہ کھڑا ہوا؟

جواب یہ ہے کہ حضرت خلفاء اور صحابہ کا مقام ایسا تھا کہ ان کے لئے دعا
سائل کا مقام فقر و مسکنت ہے۔ پس درخواست دعا کے لئے وہی اٹھا
جن کا یہ مقام تھا اس اجمال کی تفصیل ایک حکایت کے ضمن میں
معلوم ہوگی۔

قوله المعجبة الشافى عشر فيه دليل على ان الدعاء
من اصعب وسائل الخير الى قوله وان انكافرين
له موافق الامر

فہ شایکی کے دل میں اس جگہ یہ سوال پیدا ہوا کہ کافر بھی تو
اللہ کے بندے ہیں پھر وہ اللہ کی مولاات سے کیوں محروم ہیں۔
جواب یہ ہے کہ ان بندے تو ہیں مگر ایسے بندے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان
کو اپنی طرف منسوب کر کے عبادی مہیکر بندے کہنا پسند نہیں فرماتے
اور بندہ حقیقت میں وہ ہے جس کو ان کا خوش ہو کر اپنا غلام کہے۔
وہ اگر کہہ کر مجھے اپنا غلام کہے پھر اپنا نام ہو میرا یہی
کافروں کو اللہ تعالیٰ اپنا غلام تو کیا فرماتے آوی بھی کہنا پسند نہیں فرماتے
اولئک کلام تعارض بل حصر اصل

کیونکہ وہی حقیقت میں وہ ہے جو آدم علیہ السلام کے طریقہ پر جو ان کے
طریقہ عبودیت کے خلاف کفر و نفاذت حق میں مبتلا ہے وہ آدمی
کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔

اس کی عینی خلاف آدم اند نیستند آدم خلاف آدم اند
فہ یہاں سے معلوم ہوا کہ دعا بذات خود مطلوب ہے قضا راجحت کے
واسطے مطلوب ہے بلکہ قضا راجحت تنہا مطلوب ہے جس جن لوگوں کو
یہ دیکھنا ہو کہ دعا کیونکہ قبول ہوتی ہے وہ اس پر عمل کر کے دیکھیں
یعنی دعا کو بذات خود مطلوب بنائیں۔

(۱۴) شفیع کی عظمت کے موافق عطا ہوا کرتی ہے
حدیث سے معلوم ہوا کہ شفاعت کرنے والے کی عزت و عظمت کی قربانی
اللہ کی طرف سے عطا بھی کرتی ہے چونکہ اس واقعہ میں شفاعت کرنے

معاملہ سرتاپا اللہ کی طرف سے اپنے بندوں پر رحمت ہی رحمت ہے تاکہ اس مبارک راستہ میں قوی اور ضعیف متوسط سبھی چلنے لگیں اور ان میں سے ہر شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا متبع ہے بشرطیکہ ہر ایک کو حقیقت یا شریعت سے اپنا حصہ معلوم ہو گا اس کا حصہ کہاں ہے اور اس کے شرکاء و تائب کیا ہیں وہاں وہاں تو برفا فائز بھی ہے کہ انسان کو یہ معلوم ہو جائے کہ میرا حصہ حقیقت میں ہے یا شریعت میں اور جس میں بھی حصہ اس کے شرکاء و تائب کہاں تو کوئی جو اس سے آگے ہو کہ جلدی آخرت میں ملے گا کہ دارالغبار وہی ہے دنیا دارالعمل ہے دارالغبار نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایمان میں سے کرے جن کو اپنے فضل سے اس فائدہ و فطی کے ساتھ سزا فرمایا ہے۔

قوله في الوجه الثالث عشر فيه دليل على ان الاله عظيم
يخون على قدر حرمه الشفع الى قوله في الوجه
الخامس عشر جعلنا الله ممن من بعد عليه دينه
فان دعائنا رضوانا تسليم کے مافی نہیں منقالت جب ہوتی ہے کہ دعائزات
خود ملوث ہو کہ نقصان حاجت مطلوب ہو اور اگر دعا جو اس لئے مطلوب ہے
کس میں اللہ تعالیٰ سے مناجات ہے اپنے عجز و نیاز کا اظہار ہے لوہل
ہے اس پر راضی ہو کہ حاجت پوری ہو یا نہ ہو دعا کو نہ چھوڑوں گا اور ہر حال میں
اللہ تعالیٰ سے راضی رہوں گا تو یہ دعا میں رضوانا تسلیم ہے پس بعض بزرگوں کے
واقفیت سے جو یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے دعا کو تسلیم و رضا کے خلاف
سجہ کر چھوڑ دیا تھا یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ دعا واقع میں رضوانا تسلیم کے خلاف
ہے بلکہ یہ سمجھنا چاہئے کہ یا تو وہ بزرگ غلط حال کی وجہ سے دعا کو تقاب رضوانا
یعنی نہ کرتے یا یہ کہ گناہ و فحش میں منغلط نہیں ہو گئے تھا رضوانا تسلیم کی
یہ خامیت ہے کہ جب اس کا غلبہ ہوتا ہے دعا چھوٹ ہی جاتی ہے۔ استدلال
کے بعد چرچہ کرنا کرتی ہے۔ خوب سمجھ لو۔

ایک دفعہ جزیرہ اندلس
ایک بزرگ مجذوب کی حکایت میں قلمباز تو لوگ ایک
مجذوب بزرگ کے پاس گئے ان سے درخواست کی کہ نماز استقامت کیلئے
آپ بھی ہم سے ساتھ چلیں ان کی عاصی یہ تھی کہ ایک ہانس پر کیوں کی
طرح سوار ہو کر چلتے تھے تاکہ لوگ یہ قوف بھیجیں اور احمق سمجھ کر ایذا
نہ دیں چنانچہ اسی شان سے وہ ان کے ساتھ ہوئے اور راستہ میں
شاہی بارغ تھا تو آپ شاہی بارغ کے پاس پہنچے اور بڑے زور سے
دروازہ کھٹکے یا بارغ کا دروازہ کھٹکے سنگھڑا کر باہر آیا اور کہا کیا بات ہے
فرمایا بارغ میں جتنے دہشت یہی سب میں پانی دے مالتے کہا آپ
بھی عجیب بیہودہ گو ہیں میں اپنے بارغ کی حالت کو اچھی طرح جانتا ہوں
جب پانی دینے کی ضرورت ہوگی خود پانی دے دلا گا تمہارے کہنے کی کیا
ضرورت ہے۔ بزرگ نے لوگوں کی طرف رخ پھیرا اور فرمایا تم نے اس کی
بات سنی؟ جب یہ ادنیٰ احمق اپنے بارغ کی ضرورت کو دوسروں سے زیادہ
جانتے ہے تو کیا اللہ تعالیٰ اپنی زمین کی ضرورت کو نہیں جانتے؟ وہ
بھی اپنے بارغ کی حالت کو خوب جانتا ہے تو تم نے مجھے اپنے ساتھ لے
کر اس کے سوا کچھ نہیں چاہا کہ مجھے اللہ کے سامنے ذلیل کر دیا اس
مالی کے سامنے ذلیل ہوا۔ پھر اپنے ہانس پر سوار ہو کر لائے لوٹ گئے
اور لوگوں کو چھوڑ کر چل دیئے مگر اس تسلیم و رضا کا یہ ثبوت ملا کہ لوگ
اپنے گمراہ کو ٹوٹنے نہ پاتے تھے کہ بارش سے سیلاب ہو گئے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام تسلیم و رضا میں سب سے اعلیٰ
تھا مگر کسی کے ساتھ آپ ہر شخص سے اس کے حال کے موافق معاملہ فرما
تے کمزور کی دلجوئی فرماتے ان کی درخواست پر دعا کرتے قوی کو
اس کے حال پر تکتے اور متوسط سے لطف کا معاملہ فرماتے اور یہ

کی امید غالب ہو تو نصیحت کی جائے ورنہ خاموشی اختیار کی جائے۔ کیونکہ بعض لوگوں کو نصیحت کی ممانعت ہے تو وہ اُن شریعت ہی کو بُرائے سمجھتے ہیں۔

(۱۰۹) فوائد محبت اور اُس کے شرائط کے قرب اور دُور ہونے کی برکت

یہاں ایک اور اشارہ بھی ہے کہ زمین کو برکت سے نالا مال کر دیا۔ حالانکہ وہ دُور زمین ہے تو جتنا دُور زمین سے انسان کو برکت محبت سے) کیا کچھ فائدہ ہوگا؟ (خود ہی بھرنو) چنانچہ اُسی بھارت (اور محبت) سے جو طلب کو برکت حاصل ہوئی کہ دُور زمینوں میں سب سے کم عذاب اُن پر ہے حالانکہ اُنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع نہیں کیا تھا (مگر حضورؐ کے ساتھ رہے۔ آپ کی محبت سے شرف ہوئے تو برکت سے محروم نہ رہے) لیکن بھارت (اور محبت) کے متعلق یہ امر قابلِ تہنید ہے کہ اگر اُس سے اہل ایمان کو کسی قدر منفعت اور مدد پہنچتی ہو تو اس کو کچھ برکت حاصل ہوگی۔

اور اگر زیادہ منفعت و مدد پہنچے تو برکت کے ساتھ اُس کو کثرت و حرمت بھی حاصل ہوگی۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے قریب و دُور کی زمین کو ہر طرف بارہ میل تک محرم کر کے طرزِ حرم بنادیا ہے۔ کہ دُور اُس کا شکار مالا جائے نہ اُس کا درخت کاٹا جائے۔ یہ حرمت (اُس زمین کو) اُن ہی لوگوں کی وجہ سے تو حاصل ہوئی جو اُس زمین کے بسنے والے تھے (چنانچہ اُنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھارت اور نصیحت کے ساتھ آپ کی نفرت میں بھی حصہ لیا تھا آپ کا اتباع بھی کی تھا تو اُن کے التزام کا یہ اثر ہوگا کہ اُن کی زمین میں بھی محرم ہو گئی) پس قریب (اُس زمین کے لیے) جیسا جیسا ہے جیسا عاقل مٹا طب کے لیے اتباع

دکھایا وہ بوجہ اتباع کے محرم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح یہ زمین بوجہ قریب اہل اتباع کے محرم ہو گئی، کیونکہ مخلوق میں ہر فرد کو اُس کی حالت کے مناسب نفع حاصل ہوتا ہے پس زمین کو مملوک کی بھارت سے یہ نفع ہوگا کہ اُس کو حرم بنادیا گیا) جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ محبت کی نسبت (اور مقدار) ہی

حدیث سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت بڑا معجزہ معلوم ہوگا کہ بادل آپ کے لیے مسخر کر دیا، ہر اکو جس کی طرف اُنھیں سے اُبلدہ کرتے اُس طرف سے بادل نکل جاتا، کیونکہ زبان سے تو آپ ہی تعالیٰ سے نہ آکر کہہ رہے تھے بادل کو زبان سے کچھ نہیں کہا اُس کی طرف) تو اشارہ ہی کیا تھا۔ پس بادل کو آپ کی اطاعت کا علم نہ دیا گیا ہوتا تو وہ آپ کے اشارہ کی تعمیل نہ کرتا، کیونکہ بادل بھی سیاحیٹ میں آیا ہے ماحصل ہے یہاں جاتا ہے حتیٰ دیر در تہلے جس جگہ رہتا ہے (حکم سے رہتا ہے) اور اس میں ایک لطیف اشارہ ہے کہ بادل تو باد جو اس قدر ہلکے اشارہ کو بھی سمجھ لیتا ہے۔

محرم القمیت کو نصیحت کے بجائے نفع کے نقصان ہوتا ہے

اور محرم القمیت (دلی کا ہر انصافوں کے ذمہ ہے) ہائیں کر بھی متبذ نہیں ہوتا۔ کلاہن راق علیٰ غلو بعد دیکھ نہیں بلکہ اُن کے دلوں پر زنجیر لگ گیا ہے جس کے لیے سعادت (کے راستہ) میں کوئی قدم (مقرر نہیں) یا جس کے لیے اذل میں سعادت (مقرر) نہیں۔ پس کے لیے ساری نصیحتیں نقصان دہی رہیں جاتی ہیں۔

قرآن طہ النورۃ النورۃ فیہ دلیل علیٰ مقام معجزۃ علیہ السلام
الی قولہ من لم یکن لہ فی القمیت سعادتۃ فکل موعظۃ
علیہ خرابہ۔

فہم یہاں سے معلوم ہوا کہ امر بالمعروف میں جلدی نہ کرنا چاہیے۔ اگر نفع
ماہا القمیتۃ الاولیٰ فیمنیۃ علیٰ اصل العبارۃ من لم یکن لہ فی القمیت
قدیم الم یفزع الیہ وصحفہ الکتاب الی قولہ من لم یکن لہ فی القمیت
سعادتۃ۔ والقریۃ الثانیۃ جینیۃ علیٰ کون القمیت بکمال الکاف معنی الاول
ولکن الظاہر هو الاول لکثرة استعمال تقدم یعنی الاول فی کلام المتقدم۔
والتثانی، علم حار۔

محل میں آسکتا ہے۔

پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ فجر و عصر کا گویاں ذکر نہیں مگر دوسری روایات میں موج دھبے، کیونکہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ بعد (ظہر) فجر کے بجز فجر کی دو سنتوں کے (نفل) نماز نہیں۔ اس باب میں (اور بھی بہت احادیث ہیں۔ نیز یہ بھی وارد ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان دو رکعتوں میں تخفیف کرتے تھے اور تخفیف کی علت بھی۔) (یعنی روایات میں، مذکور ہے۔)

ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصر سے پہلے دو رکعتیں پڑھتے تھے۔ اس باب میں بھی بہت احادیث ہیں۔ دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ اگر یہ تشہد (معنی ہے جب تو گھٹو گی) کی فرست (یعنی ادا کرے) حکم کسی حکمت پر جی ہے تو وہ حکمت و انشا علیہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں (عقل اپنی آست کو) خدمت (اور حدیث) میں ترقی کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ جیسا مقام (بن علیہ) کو (قرآن) میں کی ہدایت فرمائی تھی جبکہ اُس نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا میرے ذمے (ان فرائض کے علاوہ) کچھ اور بھی ہے۔ فرمایا نہیں مگر یہ کہ تم اپنی خوشی سے (کچھ نفل ادا) کرو۔

تو جس چیز کی آپ تعلیم علی زبانی تعلیم سے زیادہ مؤثر ہے نے قول سے تخریب دی تھی اسی کی اپنے عمل سے تخریب دی۔ کیونکہ آپ کی علی تعلیم زیادہ مؤثر ہوئی تھی اور (قاعدہ بھی یہی ہے کہ) احکام کی پہنچائی عمل سے ہی زیادہ کامل ہوتی ہے۔ اگرچہ قول بھی اس کے لیے کافی ہے جیسا شریعت (کے اصول) سے بار بار معلوم ہو چکا ہے۔ (اور حکمت و نوافل کے بیان میں) یہ توضیح بہت محو ہے۔ جس کام کا دوسروں کو امر کرو خود بھی اُس پر عمل کرو یہ سنو معلوم ہو گا کہ انسان جس نیک کام کا دوسروں کو امر کرے یا تخریب دے اُس پر

باب پنجم و پنجم

حدیث

صلوة النوافل قبل الفرائض و بعدها

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر سے پہلے دو رکعتیں پڑھتے تھے اور اُس کے بعد دو رکعتیں اور مغرب کے بعد اپنے گھر میں دو رکعتیں پڑھتے تھے اور عشاء کے بعد دو رکعتیں اور جمعہ کے بعد نماز نہ پڑھتے۔ یہاں تک کہ (گھر کی طرف) لوٹ جاتے چہر دھو لیں، دو رکعتیں پڑھتے۔

شرح ظاہر حدیث میں احکام پر مبالغہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر سے پہلے اور عصر کے بعد سب میں نماز پڑھتے تھے مگر مغرب کے بعد سب میں نماز نہ پڑھتے تھے بلکہ اپنے گھر میں دو رکعتیں پڑھتے تھے مگر جمعہ کے دن نماز جمعہ سے پہلے اور پیچھے مسجد میں نماز نہ پڑھتے تھے جو سے غارت ہو کر اپنے گھر میں دو رکعتیں پڑھتے تھے اس پر چند وجہ سے کلام ہے۔

(۱) یہاں دو سوال ہیں (۱) یہ کہ دعاؤں سے پہلے نماز اور عصر کا ذکر کیوں نہیں کیا؟ (۲) ان دونوں کا کیا حکم ہے؟ ان کے آگے یا پیچھے نفل نماز ہے یا نہیں؟ (۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نفل نماز کی جو صفت و اور کیفیت یہاں (مقتول) ہے یہ تشہد (یعنی) ہے جن کی علت عقل سے معلوم نہیں، ہو سکتی یا قیاسی حکم ہے جس کی علت

خود بھی مل کر نا چاہیے۔ یہاں تک کہ قال کے ساتھ اس کا حال یہ جائے تاکہ حق تبارکے اس ارشاد کے تحت میں داخل ہوں (میں ہی مستعد و مجاہد ہے)۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ مَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ كَبُرَ مَقَاتِلُهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝

اے ایمان والو! تم اپنی بات کہیں کہے ہو جو کہتے نہیں ہو۔ اللہ کے نزدیک یہ بات بہت بڑی ہے کہ ایسی بات کو جو کہتے نہیں ہو ۝

اگرچہ کہ یہ آیت دعویٰ کے متعلق ہے، امر بالمعروف کے متعلق نہیں۔ مطلب آیت کا یہ ہے کہ ایسا دعویٰ نہ کرنا چاہیے جس کو پورا نہ کیا جائے اور یہ بات سیاق سے بھی ظاہر ہے اور شاہانِ نزول سے بھی معلوم ہے۔ مگر آیت کے ظاہری الفاظ مطلق قول پر قال ہیں جس میں دعویٰ اور امر بالمعروف دونوں داخل معلوم ہوتے ہیں۔ پس امر بالمعروف میں بھی اس کا لحاظ کرنا چاہیے کہ جمہات کے دعووں کو امر کیا جائے خود بھی اس پر عمل کیا جائے اور ہر حال میں آیت کا یہ مطلب نہیں کہ بے عمل دعووں کو نصیحت نہ کرے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ناسخ کو بے عمل نہ ہونا چاہیے اسی لیے بعض اہلِ حال نے فرمایا ہے کہ فقیر اسلام اور فقیرِ اعلیٰ کو قیامت کی ہوا میں پھلنا اور دنیا کا پاد لہٹنے کے وقت معلوم ہوگا کہ ان دونوں میں اس میدان کا کشمکش کون ہے؟ اُس وقت حقیقت برسرِ پردہ آئے جائے گا اور معلوم ہوگا کہ ممکن وعدہ کیا۔ مگر یہیں کا پڑنا اور سامنی کا مل کرنا کارآمد نہیں بلکہ احکام پر عمل کرنے اور اُس کو حال بنانے کی ضرورت تھی۔

نوافل کے مشروع ہونے کی حکمت اگرچہ ہم نوافل کے مجموعی عدد پر نظر کرتے ہیں تو اس حکمت (مذکورہ) کی ساتھ ہمارے سامنے ایک اور حقیقت آتی ہے جو بہت ہی لطیف ہے اور اپنی بہت کی کھنکھن میں سے (عجب حقیقت) ہے کہ کوکرم دیکھتے ہیں کہ جن نمازوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (بغورِ تلقین کے) زیادہ کیا ہے

جمعہ آٹھ سے معلوم ہوتا ہے کہ دن کا مجموعہ چالیس رکعتیں ہیں اور ایک رکعت ترکی (دن کے علاوہ) پہلے توکل پناہ میں رکعتیں ہوتی۔ ان کو پانچ فرض نمازوں کے ساتھ ملایا جائے تو پچاس نمازیں پوری ہوں گی اور یہی وہ اصلی عدد ہے جو ان فرض ہوتا تھا۔ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت پر شفقت کر کے تخفیف کی درخواست کی تھی (کو پچاس سے پانچ رکعتیں) لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکسارت پر رکعت کئی ہیں درجہ کمال کو اختیار فرما دیا کہ اصلی فرض حق کو ہی پورا کرتے تھے تاکہ ارشاد خداوندی **الذکر والذکر** (کی تعمیل) میں آپ کا قدم ڈالنا ہو جائے۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام نے (شعب علیہ السلام) فرمایا تھا اے اہل جلیلین تحقیق خداوندانِ عقی کران دونوں تدرج ہو چکے ہیں مدت کو بھی میں پورا کروں یعنی آٹھ سال کی مدت یا دس سال کی مدت تو تجھ پر کوئی الزام نہ ہوگا) پھر آپ نے دونوں میں سے بڑی مدت کو پورا کیا کیونکہ انبیاء و رسول صلوٰۃ اللہ وسلام علیہم وعلیٰ آلہم وعلیٰ سلمت والے جہاں اور کون نہ ہوں وہ تو مخلوق کے بہتوں سے بھی بہتر ہیں ان کا طریقہ یہ ہے کہ اعلیٰ و افضل و اکمل کو اختیار فرماتے ہیں اب ہمیں ان چالیس رکعتوں کے بنانے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ رکعتیں تو (نست) خبر کی ہیں اور بارہ رکعتیں چاشت کی ہیں۔ جیسا احادیث سے معلوم ہوتا ہے اور زوال (آفتاب) کے وقت صلی اللہ علیہ وسلم اوقات نماز سے منع کرتے تھے اور بہت عرصہ بعد اللہ وحی ہے جس میں حضرت امیر المومنین کی قیادت میں دعا فرمائی ہے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کو پوری طرح نوا کرتا تھا۔ ۱۲

عہ فی الاصل وعند الزوال فی بعد ما کان فی بیئہ من الصلوٰۃ فی ذلک الوقت ثم وجعلہ السلام قطع فیہ اربعاً الخ و فیہ تعصی و تعصی بعد ما کان بیئہ من الصلوٰۃ الخ و در تکرار وجہ قولہ ثم وجعلہ علیہ السلام فان الرجوع بعد من النسم ویس و لا یس من النسم شیء فانہ صلی اللہ علیہ وسلم انما یس من الصلوٰۃ عند ہذا وجہ النسم بانہ حالہ صلی اللہ علیہ وسلم انما یس من النسم عند کبر الساء ولہذا یس من الصلوٰۃ بعد الزوال قلت انہ ۱۲

ایک گھنٹہ پہلے، ان لوگوں کو کال کر دیا کہ اب ان ۵۵ منٹ قبل نکلتے تھے، چڑھنے والے کو حقیقی پچاس غازیوں کا ثواب ملے گا۔ اگرچہ تین یا چار غازیں بھی پچاس غازیوں کے برابر ہیں۔ لیکن یہ ہزاروں کا ثواب دس کے برابر ہے۔ مگر وہ کبھی پچاس نہیں۔ حقیقی نہیں۔
واللہ تعالیٰ اعلم - ۱۲ -

یہاں ایک لطیف گفتگو ہے وہ یہ کہ یہ اہمت (محکمہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتیم) دوسری امتوں پر گراہ کیوں بنائی گئی؟ جیسا کہ اللہ عزوجل کے اس ارشاد سے معلوم ہوگا ہے :

وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ
وَيَكُونُ الرُّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا -

”اور ایسا ہی ہم نے تم کو امت و مظلومین کے لیے بھیجا ہے۔ اے لوگو! تم اور لوگوں پر گواہ بنو اور یہ رسول تمہارے اُدھر گواہ ہیں۔“

اُمّتِ محمدیہ دوسری نشیمن کیوں کہ افضل ہو گئی حالانکہ یہ اُن سے کمزور ہے

حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تو (شبِ معراج میں) سیدنا مولیٰ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرمایا تھا کہ میں اپنی اسرائیل کو بہت زیادہ جھیل چکا ہوں (اُن پر وہ عربی فزنی کی کئی قصیں سنیں وہ اُن کو بھی پوری طرح ادا کر سکے) اور آپ کی اُمت (اُن سے) کمزور ہے وہ) اس کی (یعنی پانچ خاندوں کی) حفاظت نہیں دیکھتی تو (جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا فیض فرمایا کہ ہمارے اکابر سیدنا مولیٰ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر کمال کی توقیر و عطا فرمائی کہ جو مرد اولاً مطلوب تھا اس کو (غیر) آپ نے ہی نوراً کر دیا۔

(اور اُمت کو بھی اس کی ترغیب دی) تاکہ گواہوں کا تزکیہ و کمال ہو جائے کیونکہ تزکیہ و جدالت گواہی کی شرط ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس اُمت کا تزکیہ (اچھی طرح) ظاہر ہو گیا (کہ دوسری اُمتیں باوجود ضعف کے وہ غزویوں کو بھی جُوداً نہ کر سکیں اور یہ اُمت باوجود ضعف کے پچاس فیاض ادا کرتی ہے۔

ترقی کے دو دروازے

ترقی کے دو دروازے
 اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو
 باوجود اس کے صنعت کے اسی پر خیریں پھیر دیا،
 بکہ آپ نے پہلے لیے ترقی کے دو دروازے اور کھول دیئے۔ ایک تو اپنے اس
 ارشاد سے کہ وحید اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام
 بین العشائین اثنی عشر رکعة بحمدہ اللہ لہ قہراۃ الجنة۔ "اللہ اس بندے پر رحم
 فرمائے جو چار (رکعت والے رُخ) اسے پہلے چار رکعتیں (نفل) پڑھے اور چار (رکعت
 والے رُخ) کے فرض کے بعد بھی چار رکعتیں (نفل) پڑھے اور اسی فرض مغرب و عشاء کے
 درمیان بارہ رکعتیں پڑھے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں عالی شان عمل
 بنائیں گے۔"

اس حدیث سے غلو و عصر و عشا کے پنے اور بچے چار رکعتیں پڑھنے کی نفی ثابت ہوئی۔ مگر عصر کے بعد نمازوں کی نجات احادیث مشہورہ متواترہ میں وارد ہے اور یہ حدیث اُن کے برابر نہیں اس لیے بعد عصر کو اس حدیث سے مستثنیٰ کیا جائے گا۔ ترمذی نے بسند حسن روایت کی ہے بحمدہ اللہ امر اُٹھے قبل العصر وجہ۔ اللہ تعالیٰ اُن شخص پر رحم کرے جو عصر سے پہلے چار رکعتیں پڑھے۔ اس میں عصر کے بعد کا ذکر نہیں اس لیے نماز عصر سے پہلے ہی چار رکعتیں پڑھنا جائز نہیں۔ بعد میں شیخین، والفقہ تھمالے اعلم ۱۶۔ اور اس کے مشابہ دوہری احادیث بھی اس کے ہم معنی وارد ہوئی ہیں (جن میں لواظلی کی ترفیع ہے) اور وہ بہت حدیثیں ہیں ۱۷

دوسرے اور تیسرے
جملہ افعال اقبال میں تزکیہ کامل کی ضرورت ہے
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (نماز کے علاوہ چارے) بقیہ افعال و اقوال کے
 تزکیہ کامل کی ضرورت پر بھی اپنے اس ارشاد میں اشارہ فرمایا ہے:
 صلوا لله صلواته الفاضل والمکرم لعلکم تزدن الله الا لعلکم

ذکر و ذکر آپ نے ان (فعل) غاذوں کو کسی عجیب ترتیب کے ساتھ متفرق اوقات میں رکھا ہے۔ اگر آپ ان سب کو ایک ہی وقت میں دکھ دیتے یا ان کا عدد مقرر فرمادیتے جس میں نہ پہلی یا کسی نہ ہو سکتی ہو تو اس میں رامت کو (مشقت ہوتی اور شاید بہت لوگ ان کے پورا کرنے کی قدرت نہ پاتے۔ مگر آپ نے ایسا نہیں کیا بلکہ ان میں سے بعض (فواصل) کو تو فرض غاذوں کے ساتھ رکھا اور جو بعض (فواصل فرض) غاذوں کے ساتھ نہیں ہیں ان کا وقت (بہت) وسیع ہے۔ مثلاً رات کی غاذ (یعنی تہجد) ایک جانب میں ہے (جس کا وقت بہت ہے) اور چاشت کی غاذ طلوع آفتاب سے زوال تک (ایک جانب میں) ہے (اور یہ بھی کافی وقت ہے) پھر اگر کوئی قیام العین (یعنی تہجد) اور چاشت کی غاذ سے عاجز ہو وہ ان غاذوں سے تو عاجز نہ ہوگا جو فرضوں کے ساتھ ہیں۔ یہ تو سب ہی آدمیوں کو آسان ہیں۔ چنانچہ ایسا بہت کم دیکھا گیا ہے کہ کوئی غازی فرض غاذ کو ادا کرتے ہوئے اس سے پہلے اور کچھ فعل غاذ نہ پڑتا ہو اور اگر کوئی ایسا ہو تو وہ (شاؤد) نادر کے حکم میں ہے (اور نادر بن زید معدوم کے ہے) جس کا لحاظ نہیں کیا جاتا۔

تم اس لطیف اثناء پر بھی نظر کرو کہ جب ہم سے اولاً پچاس غاذوں کا مطالبہ کیا گیا پھر فرض پانچہ گھنٹیں تو اصل فرض تو یہ پانچ ہی ہیں مگر کمال کا درجہ پچاس ہیں تو یعنی اس اصل میں جو حکم فقی سے ثابت ہے کہ یہ عمل بھی اس کو دوسری اصل سے جو اور مطلب بھی پورا کر دیا گیا یعنی پانچ فرضوں (کے ساتھ) پہنچا لیں (کشتی طاکر ان) کو پچاس کر دیا گیا (اور ان کا نام فعل رکھا کیونکہ یہ حتی (اور لایم) نہیں) بلکہ درجہ کمال حاصل کرنے کے واسطے ہیں) اسی لیے حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن اللہ جل جلالہ فرمائیں گے میرے بندہ کی ناز کو دیکھو اگر وہ فرض کو میری طرح بجالا یا جو دنیا و دوزخ کیو کہ اگر اس کے پاس کچھ نوافل ہوں تو فرض رکھی (کو ان سے) پورا کر دو۔ تو اس اصل کو جو فرض ہے دوسری اصل سے جو کہ اولاً وضع کی گئی تھی پورا کر دیا جائے گا۔ پس اس وقت اللہ تعالیٰ کا یہ

» جس شخص کو اس کی نماز بے حیائی اور بڑے کاموں سے نہ روکے اس کو اللہ سے بُد پر پڑے گا «

(قریب بڑے کام کیوں کہ اس صورت میں اس کی ناز نماز نہ ہوگی بلکہ صرف اٹھک۔ بیشک ہوگی جو نعمت الہی کے لائق نہیں بلکہ اس کے مافی ہے اور یہ وہی اس وقت ہے جبکہ یہ شخص گناہوں سے نادم ہو کر توبہ بھی نہ کرتا ہو۔ اگر توبہ کر لیتا ہو اور دل میں رامت ہو تو توبہ نہ ہوگا بلکہ توبہ کے کسی وقت گناہوں سے بالکل الگ ہو جائے گا۔ بعض گناہ سے رامت ہی اللہ کی توفیق ہو نا بھی نماز کی برکات میں سے ایک برکت ہے)»

پس اسے مشاہدات اور شجرات کے سامنے بھی اللہ کی قسم (کچھ تو اپنی جان کی خبر لے۔ اپنے کو اس مقام مدنیہ اور عظیم الشان درجے سے محروم نہ کر۔ اپنے نفس کو ذلت اور غلامت کے مقام میں گھڑا کر اور نعمات پرستی میں آزاد نہ چھوڑ کر کیونکہ جو شخص اپنی خواہش نفس کا اتباع کرتا ہے اس کی معرفت (اوریت) داخل ہو جاتی ہے اور دین بدلتا ہو جاتا ہے۔ جس کی یہ حالت ہو اس کا عمل برباد ہے اور جہنم اس کے لیے زیادہ مناسب ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اگر تم (برابر) دوزخ و کوہیان تک (مکہ مکرمہ) حرم کی طرح (داخل) ہو جاؤ اور راتوں کو غافل پڑھو یہاں تک کہ کمان کی طرح (عجیدہ) ہو جاؤ۔ مگر تمہارے اندر دوزخ اور قہر میں نہ ہو جو درجات (سے) روکنے والی ہو تو یہ اعمال تم کو جہنم سے نہیں بچا سکتے۔ اور جو ان آدمی جب اپنی مشورتوں کو چھوڑ دیتے تو اب اس کا نفس خود تصور کے حامل کرنے کی توفیق کرتا ہے (وہ ان اعمال میں کو شش کرنے لگتا ہے جو جہنم میں پہنچانے والے اور جہنم سے روکنے والے ہیں)

نوافل کی ترتیب اور تفریق کی حکمت تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس عجیب حکمت میں غور

وہیچے کچھ نوافل نہ پڑتے ہوں مگر ہر گز اہل ایسے لوگوں کی کثرت ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ
 اُن کو ہدایت دے اور ہمیں اور سب مسلمانوں کو تکمیلِ عبادت کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین
ف یہاں سے سالکین کو بین الہین چاہیے کہ اُن کو پانچ فرضوں کے علاوہ کم از کم
 ۵۰ رکعتیں نوافل کی مع وتر کے پڑھنا چاہئیں تاکہ حقیقتاً مکمل ہر طرح ۵۰ نمازی
 ادا ہو جائیں کیونکہ طریقِ سلوک، مجاہدہ اور کثرتِ عبادت پر منحصر ہے ان کو پیشانیوں
 رکعات سے کہ نوافل نہ پڑھنا چاہئیں۔ میں کہ ایک محدث خود ہے جو حضرت شامی
 نے بیان فرمائی۔ دوسری محدث یہ ہے کہ کثرتِ عبادت کے بارہ رکعتوں اور وتر کی تین رکعتوں
 کے علاوہ تیس رکعتیں اور پڑھ جائیں۔

حنبلہ کے نزدیک سننِ مؤکدہ کی تفصیل یہ ہے کہ نماز فجر کے پہلے دو رکعتیں ظہر سے
 پہلے چار اور اس کے بعد دو رکعتیں مغرب کے بعد دو رکعتیں عشاء کے بعد دو رکعتیں
 ہیں۔ ان کے ساتھ وتر کی تین رکعات گنا سے مجموعہ دو ہندسہ ہوا۔ ان کے
 علاوہ تین رکعات نوافل اس طرح پڑھ لی جائیں کہ مغرب کی سنتوں کے بعد عشاء اور تین
 چار رکعات، جمعہ و آفریقہ میں آٹھ رکعات، عشاء و اشراق چار رکعات، عصر سے
 پہلے دو رکعتیں اور اس میں تین چار مسجد کی نیت کر لی جائے۔ مطلقاً نوافل چار رکعات، ظہر کی
 سنتوں کے بعد دو رکعتیں عشاء سے پہلے دو رکعتیں، عشاء کی سنتوں کے بعد دو رکعتیں۔
 اس طرح مجموعہ عدد رکعات نوافل و سنن مع وتر کے پینتالیس ہوگا۔ ان کے ساتھ پانچ
 فرض نمازوں کو پانچ سو پچاس نمازوں کا عدد پڑھا ہو جائیگا۔ اگر آفریقہ میں متحدہ کے
 لیے بیارہونے کی امید ہو تو عشاء کی سنتوں کے بعد وتر سے پہلے یا پچھلے دو رکعتیں
 متحدہ کی نیت سے پڑھ لی جائیں۔

ف جب یہ تسلیم کر لیا کہ نماز ایک رکعت پر بھی نماز کا اطلاق ہوتا ہے تو ۵۰ نمازی
 پورا کرنے کی ایک صحت یہ بھی ہے کہ پانچ فرض اور وتر کی رکعات کا مجموعہ
 ہر سنت رکعات ہے۔ ان کے علاوہ تیس رکعتیں اور پڑھ لی جائیں جن میں بارہ رکعات
 تو سننِ مؤکدہ کی ہوں اور چار اشراق کی اور ظہر کی دو سنتوں کے بعد دو رکعتیں عصر سے
 پہلے چار رکعتیں مغرب کی سنتوں کے بعد چار رکعتیں، عشاء کی سنتوں کے بعد دو رکعتیں،

اور شاد و ہر طرح اِصاویق آئے گا۔ حابیل بن الفضل لکھتے ہیں۔ کہ میرے یہاں
 بات نہیں بدلا کرتی۔ چنانچہ گورق نمازی اس وقت پانچ ہیں مگر وہ بھی پچاس بھی
 ہیں کیونکہ ازل تو پانچ کا عتاب پچاس کے برابر کر دیا۔ چنانچہ پانچ کی کمی کو بھی
 نوافل سے پورا کر دیا جائے کہ نفل فرض کے برابر ہیں مگر چونکہ اطلاق پچاس نمازی نہیں
 ہوئی تھیں اس لیے ۵۰ نفلوں کو بھی فرض کا درجہ دے دیا گیا۔ اس پر شاید یہ سوال
 وارد ہو کہ کیا ۵۰ رکعات سے زیادہ کو فرض کا درجہ نہ دیا جائے گا۔ کیا ان سے
 فرض کی کمی کو پورا نہ کیا جائے گا۔ جواب یہ ہے کہ قیاس کا مقتضی یہی تھا مگر لفظِ سنن
 نے اپنے فضل سے تمام نوافل کو فرض کا مکمل بنا دیا ہے۔ کیونکہ نفل ہونے میں یہ
 ۵۰ اور اس سے زیادہ سب برابر ہیں۔

(واللہ ذو الفضل العظیم) قوله الوجه الاول هذا الذي جاء
 عنه عليه السلام من صفة هذا النفل حل هو تعبداً ليقول اني قوله
 في الوجه الثاني في بناء قوله تعالى حابيل بن الفضل لکھتے ہیں۔

ف اس حدیث کی شرح میں علامہ شامی نے حکمتِ نفل کے متعلق جو کلام
 علیہم کو ظاہر کیا ہے یہ اُن علوم میں سے ہے جو اوصوفیہ کے ساتھ مخصوص
 ہیں اور دراصل یہ اسرارِ کشفیہ ہیں جن کے بیان سے زبانِ کشف قاصر رہتی ہے اسی
 لیے ممکن ہے کہ اس تقریر کے بعض مقامات اہل علم کی نظر میں خدوش ہوں
 مگر علومِ کشفیہ و توحید کو مقدمات و دلائل کی حاجت نہیں صاحبِ دلی کا اصرارِ صمد
 اس کے لیے کافی ہے۔

ف یہاں سے اُن لوگوں کی غلطی واضح ہو گئی جو سننِ مؤکدہ کے بھالنے میں بھی
 تمایل اور تکاس سے کام لیتے ہیں اُن کو تنبیہ ہو جائے چاہیے کہ وہ اپنے
 کو بہت بڑے و مجرم گردھے اور اپنی بھلائی سے غفلت کر رہے ہیں یہاں
 گناہ ہے جو نوافل کو باجمہ و کثرتِ پوری طرح بھلا دے جو کہ نوافل سے اُن کی تکمیل کا محتاج
 نہ ہو۔ پہلے زمانہ میں ایسے نمازی شاد و ناخوش ہوتے تھے جو فرضوں کے پہلے اور

دترکے بعد ہی سے تہجد دو رکعتیں۔
 اگر کسی کو یہ ترتیب آسان نہ ہو تو جس وقت فرصت زیادہ ہو اس میں تعداد رکعات
 بڑھا کر تیس کا عدد پورا کر دے۔ مگر جو صورت ہم نے بیان کی ہے وہ بعض احادیث کے
 موافق ہے۔ مثلاً ایک حدیث تھکی میں ہے :-
 ابن آدم اس کے لی اربع رکعات میں اول النہار اکیث اضرہ -
 " اسے ابن آدم : قوت کے شروع میں میرے پلے چار رکعتیں پڑھ لیا کر۔ نیں دن بھر
 تیری مخالفت کروں گا "

مغرب اور جمعہ کے بعد مسجد میں سنتیں نہ پڑھنے کی حکمت

بسن لوگ اس وقت تکے مانہ دے اور بیٹے روزہ دار ہوتے ہیں۔ اگر رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کی سنتیں مسجد میں پڑھتے تو صبح بھی مسجد کے پابند ہوتے جس
 سے صبح کو شکیات ہوتی جو آپ کو گوارا نہ تھی۔ حضور نے تو فرض مغرب کے متعلق بھی یہ
 فرمایا ہے کہ اگر شام کا کھانا سنا سنہ کے دیا جائے اور نازک اقامت ہونے لگے تو
 پہلے کھانے سے نازک ہو جاؤ۔ تو نواہل کے لیے اُن کو مسجد کا پابند بنانا آپ صلیکے
 گوارا فرماتے ؛ اس لیے مغرب کی سنتیں گھر میں پڑھتے تھے تاکہ رات حاجت فرم پڑھتے
 ہی اپنے گھر پہلے جائیں اور ضروری کاموں سے فارغ ہو کر یا کسی قدر راحت و اہل کے
 سنتیں پڑھ لیں اور جمعہ کے بعد مسجد میں سنتیں اس لیے نہ پڑھتے تھے کہ تا صاف لوگ یہ
 خیال نہ کریں کہ یہ دو رکعات ظہر کی چار رکعتیں پُوری کرنے کے لیے پڑھی جاتی ہیں۔ پھر
 وقت و دفعہ یہ اعتقاد نہ ہو جائے کہ یہ رکعتیں فرض ہیں۔

جیسا میں علماء کا قائل ہے کہ جمعہ کا خطبہ ظہر کی دو رکعتوں کا قائم مقام ہے حالانکہ
 خطبہ کو نماز سے بظاہر کم نسبت نہیں تو ان دو رکعتوں کو تو روزہ ظہر کی دو رکعتوں کا قائم مقام
 سمجھ لیا جائے۔ کیونکہ ناذ کو نماز سے پوری نسبت ہے۔ اب اس میں علماء کے گفتگو کی
 ہے کہ مغرب کی سنتوں کا اندراج کے بعد دو رکعتوں کا مسجد میں پڑھنا کیسا ہے ؛ سو اس
 پر تو سب کا اتفاق ہے کہ مغرب کے بعد مسجد میں سنتیں پڑھنا جائز ہے کیونکہ رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت کی دم سے ان کو گھر میں پڑھا ہے وہ وقت دوسروں
 کے حق میں منقوض ہے۔ لیکن افضل یہی ہے کہ اُن کو گھر میں ہی ادا کیا جائے۔ کیونکہ
 فضیلت حضور کے اتباع ہی میں ہے۔ اگرچہ سلف میں بعض حضرات ان سنتوں کو

اکثر علماء نے اس حدیث کو نفاذ شرعی پر محمول کیا ہے۔ قرطبی کی حدیث میں ہے
 رحمہ اللہ اس وقت قبل العصر دینا۔ جس کا ترجمہ گھر پہنکا۔ نماز عشاء اور عصر کے بعد
 چار رکعتوں کی فضیلت ایک حدیث میں گزر چکی ہے۔ مولا ابراہیم کے بارہ میں اختلاف
 ہے کہ چار رکعات علاوہ سنت مغرب کے ہیں یا مغرب کی سنتوں کے ساتھ، اگر کسی کو
 مغرب کے بعد چار ظنوں کا وقت نہ ملے تو وہ عشاء سے پہلے چار رکعتیں پڑھ لیا کرے کہ
 ایک حدیث میں جو اوپر گزر چکی ہے عشاء سے پہلے ہی چار رکعتیں پڑھنے کی فضیلت وارد
 ہے۔ اسی طرح بعض روایات میں دترکے بعد دو رکعتیں کو تہجد کا قائم مقام بتلایا
 گیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ف یہ تو ترکیب طوطی کی صورت تھی اسی پر اکتفا نہ کرنا چاہیے بلکہ جو اضافی واقعات
 میں ذکر کیا گیا انہم کا جانے اسی کا نام درج اور تقریبی ہے جس کے لیے اصطلاح
 فتن کی ضرورت ہے جو شرح حنفیہ کی قرابت و تعلیم سے حاصل ہوتی ہے کہ وہی
 امر اہل قلب کے طیب ہیں۔

نفس نواز کشت افلاک پیر

دامن آن نفس کشش اسحت کبیر

ن حدیث سے معلوم ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کی سنتیں مسجد میں
 نہ پڑھتے۔ بلکہ گھر میں پڑھتے تھے۔ اسی طرح جمعہ کے بعد گھر میں دو رکعتیں پڑھتے

سے حاصل ہوتا ہے اور نور (قلب) و حکمت (باطن) سے اتباع سنت میں سلف کی موافقت نصیب ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو بھی اپنے فضل سے اس کی توفیق ارزانی فرمائیں۔ آمین

نوافل و وتر کا گھر میں ہی پڑھنا افضل ہے جیسا احادیث سے واضح ہے مگر چونکہ ایک زمانہ میں مکہ میں سنت کی جماعت پیدا ہو گئی جس نے سنن دوا نفل کو باطل ہی ترک کر دیا تو اہل حق نے سنن و مکہ کو مسجد میں پڑھنا شروع کر دیا تاکہ لوگ اسی کو مکہ سنت اور نہ کہ سنت کہہ کر ہٹام نہ کریں اور مکہ میں سنت کا علاوہ بھی ہو جاوے۔ مگر جو کہ بعد نظیں پڑھنے میں اس کا خیال کرنا چاہیے کہ جس جگہ مسجد کی نماز پڑھی ہے اسی جگہ نظیں نہ پڑھی جائیں بلکہ وہاں سے ہٹ کر یا کچھ دیر توقف کر کے پڑھیں۔ فرق کے بعد معنی متعلقہ نہ پڑھیں۔ شارس نے جو کہ بعد دو رکعتیں بیان فرمائی ہیں۔ یہ ان کا مذہب ہے ضعیف کے نزدیک چار یا چھ رکعتیں ثابت ہیں۔ دلائل و علاء السنن میں ملاحظہ ہوں۔

علاؤ شارب کی تقریر سے اتباع سنت کی تاکید اور فرقہ علم اور فرقہ مال کی تعریف بخوبی واضح ہے اور فرقہ مال ہی کا نام تقصوت ہے جس کا مامل یہ ہے کہ شریعت کی جو باتیں زبان سے بیان کی جاتی ہیں وہ علاء مال ہیں جائیں۔ کتاب اچھی کسی یہ کہنے کا حق ہے کہ تقصوت کا قرآن و حدیث سے ثبوت میں و حق یہ ہے کہ محققین موصیے سے بڑھ کر شیخ کتاب و سنت کوئی جماعت نہیں۔ جملہ اللہ معہا جمعہ۔ آمین۔



مسجد میں پڑھنے سے اور جو کہ بعد دو رکعتیں پڑھنے کے بارے میں علاؤ اختلاف ہے۔ بعض نے مسجد میں پڑھنے سے منع فرمایا ہے بعض نے جائز کہا ہے۔ مگر جائز کہنے والے بھی یہ فرماتے ہیں کہ جو کہ نماز کے متعلق نہ پڑھے بلکہ ایک دو روزہ سے نفل کو دو مرتبہ دروازہ سے مسجد میں آکر پڑھ سکتے ہیں مگر فرقہ جو ادا کیا ہے اس جگہ سے ہٹ کر یہ رکعتیں پڑھے۔ اور اگر جگہ نہ ملے تو شوری ہو تو کم از کم جو کہ نماز کے بعد کچھ دیر بیٹھا رہے اور پھر یہ دو رکعتیں پڑھے تاکہ وہ شبہ جائز ہے کہ یہ دو رکعتیں نماز ٹھکر کی چادر تیری کرنے کے لیے ہیں اور اس میں تو کسی کا بھی اختلاف نہیں کہ ان کا مسجد میں پڑھنا ہی افضل ہے۔ یہ خلاصہ ہے اس تقریر کا جو علامہ شارح نے اسی مقام پر بیان فرمائی ہے۔

علاؤ زمانہ کی شکایت

اس کے بعد انھوں نے اپنے زمانہ کے علاؤ پر افسوس ظاہر کیا ہے کہ وہ جس کی نماز کے متعلق یہ رکعتیں پڑھتے ہیں۔ نہ جگہ ہوتے ہیں نہ کچھ وقت کرتے ہیں۔ گویا انھوں نے اس حدیث کو اور مسلم کی اس حدیث کو سنا ہی نہیں جس میں وارد ہے کہ ایک شخص جو کہ نماز سے غافل رہا ہو کر اسی جگہ نظیں پڑھنے لگا تو حضرت عمرؓ نے اس کو اپنی بیٹری طرف گھسیٹا اور فرمایا بیٹھ جاؤ و پہن آئیں اسی سے برباد ہو گئی ہیں کہ وہ نمازوں میں نفل نہ کرتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کے قول کی توجہ و تصدیق فرمائی۔ یہ دونوں حدیثیں صحت اور شریعت کی انتہا کو پہنچی ہوئی ہیں۔ پھر بھی علاؤ زمانہ ان کی معصوم پر غور نہیں کرتے۔ یہی علم اور اہل علم کا ہم سب سے گتے؟

اِنَّ اللّٰهَ وَاَوْلٰٓئُوْهُ بِمَا صُوْنٌ
 دین میں کسی نئی باتیں پیدا ہونے لگیں؟ جو کہ لازماً یہ حدیث اس جماعت کے ہاتھوں پیدا ہو رہا ہے جو علم کی طرف منسوب ہے۔ ان کے پاس بجز الفاظ نقل کر دینے اور زبردستی بحث و مباحثہ اور تخریج و مباحثات کرنے کے کچھ نہیں رہا۔ یہاں تک علم اس طرح حاصل نہیں ہوتا کہ اس کا یہ طریقہ ہے۔ علم کو اتباع سنت سے

اس گفتگو اور اتفاق دلائل کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دکر کیا گیا تو آپ نے ان میں سے کسی کو حاکم نہیں فرمایا :-

ظاہر حدیث یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو جو قریش کی طرف تشریف جانے کا حکم دیا اور صحابہ نے اس حکم کی تعمیل میں سبقت کی اس پر چہنہ درجہ سے کلمہ ہے :-

اس حدیث کے فائدہ پر گفتگو کرنے سے پہلے واقعہ کی طرف اشارہ کرنے کی ضرورت ہے جس کی وجہ سے صحابہ کو جو قریش کی طرف جانے کا حکم ہوا تھا۔ (۱۱۱) سو واقعہ یہ ہے کہ جب صحابہ غزوہ اُحزاب سے واپس ہوئے (جہاں کو غزوہ خندق بھی کہتے ہیں)۔

خلاصہ واقعہ غزوہ خندق کیونکہ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی حفاظت کے لیے مشرقی جانب میں بڑی گہری اور چوڑی خندق کھدوائی کہ اسی طرف سے مدینہ میں دشمن میں آنے کا راستہ تھا باقی متین سازوں، ٹیلوں اور لوگوں کے مکانات کی وجہ سے محفوظ تھیں۔ فوج اور کونین اسکی تھی۔ ایک ایک دو دو آدمی آسکتے تھے تو ان کے دھکے کو ترانہ سازوں کی مختصر جماعت کا کافی تھی۔ یہ لڑائی سب سے پہلی ہوئی ہے اُس کے بانی یہودی تھے بغیر تھے جو چند سال پہلے مدینہ سے جلا وطن کئے گئے اور غیر میں جا رہے تھے۔ انھوں نے کھجور کا کریش کو مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے آمبادا اور یقین دلایا کہ غیر کے یہودی بھی تمہارے ساتھ ہوں گے اور یہود جو تھے یہودی جو مدینہ میں رہتے ہیں ہماری موافقت کریں گے۔ چنانچہ اہل مکہ نے اپنی فوجی جمعیت کے ساتھ مدینہ کا رخ کیا۔ اطراف و جوار ان کے دیوانی ہیں ان کے ساتھ ہو گئے۔ مدینہ پہنچے پہنچتے ان کی تعداد دس ہزار ہو گئی۔ جو قریش نے ان کی کثرت پر ہر دوسرے کے مسلمانوں سے فداکاری کی اور یقین عمل کے قریش کے ساتھ ہو گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے باہر نکل کر مقابلہ کرنا پسند فرمایا

حدیث

غزوہ بنی قریظہ

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ظہر کے بعد) غزوہ اُحزاب سے فارغ ہو کر واپس ہوئے تو آپ نے ہم سے فرمایا کہ کوئی شخص عمر کی غار نہ پڑے۔ مگر جو قریش (کے محل) میں پہنچ کر بیٹھیں وہاں جو رہے۔ غار عمر کی وجہ سے تاخیر نہ کر۔ غار وہاں جاکر پڑھو تو صحابہ یہ حکم سنتے ہی غار نہ ہو گئے جہاں سے اکثر غار عمر کے وقت جو قریش کے محل میں پہنچ گئے اور ایک جماعت کو دستہ ہی میں عمر کا وقت ہو گیا تو ان میں دو فریق ہو گئے، بعض نے کہا کہ ہم جو عمر کی غار نہ پڑیں پتہ کر ہی پڑیں گے ماسے میں نہ پڑیں گے۔ (کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کا ارشاد یہی تھا کہ جو قریش میں پہنچنے سے پہلے کوئی عمر کی غار نہ پڑے۔ یہاں ہم کو اس ارشاد کی پوری تعمیل کرنا چاہیے بعض نے کہا ہم تو راستہ ہی میں غار پڑھ لیتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ مراد تھی کہ غار کو وقتاً کر دو یا وقت مکررہ میں آکر دو۔ بلکہ آپ کا مطلب یہ تھا کہ غار عمر کی وجہ سے روانگی میں تاخیر نہ کی جائے۔ سو ہم نے روانگی میں تاخیر نہیں کی بلکہ حکم کے ساتھ ہی روانہ ہو گئے اور جب ہم نے حکم کی تعمیل کر دی ہے تو آپ راستہ میں غار پڑھنا اور جو قریش کے محل میں غار پڑھنا برابر ہے، پھر دونوں فریق کی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نبی اعلیٰ پر شک نہ کیا فتح اور فلاح اور پھر دونوں ایک احتیاطی دواں قیام کر کے مدینہ کا رخ کیا اس وقت مسلمانوں میں کچھ لوگ زخمی بھی تھے جن کو قریش کی تیر بازی سے زخم کا دل لگ تھا اب ان کو سامنے لے کر واپس ہوئے اور بدھن سے ہتھیاروں کو غسل کرنے کا ارادہ فرمایا کہ کسی وقت جبریل علیہ السلام ہتھیار بند قریش لائے اور کیا کیا آپ ہتھیار رکھنا چاہتے ہیں وہ کو جگہ بھی ملک ہتھیار بند ہیں آپ نے فرمایا اب کیا کام دیا ہے جس کے لیے ہتھیار بند رہنے کی ضرورت ہے جبریل علیہ السلام نے کہا بنو قریظہ پر حملہ کرنا اور ان کو غدری کی مزا دینا ہے پھر انہوں نے قریش سے حکم پہنچا یا کہ اسی وقت بنو قریظہ کی طرف چلے آج بھی ہتھیار نہ رکھئے اور جتنے مسلمان اسباب کے مقابلہ کو گئے تھے ان کو بھی حکم دینے کہ اسی وقت بنو قریظہ کی طرف روانہ ہو جائیں۔ چنانچہ صابہ روانہ ہو گئے ان میں جو زخمی تھے وہ بھی دو دو تئوں کا سہارا لیے ہوئے نکل کھڑے ہوئے۔

بنو نضیر اسلام (یعنی اہل انزاب قریش) نے (دلت کی سرحد سے بے تاب ہو کر اگرچہ راہ فرار اختیار کر لی تھی مگر محسوس تھے کہ ہوا اس درست ہوئے تو ابھی اس حرکت پر تادم ہوئے اور دوبارہ لوٹ کر) مدینہ پر حملہ کرنے کی طی کر گئے۔ کیونکہ ان کو معلوم تھا کہ وہ تیر بازی سے، مسلمان بہت زخمی ہو چکے ہیں اور پھر اسے بھانسنے کی خبریں قریش کے خندق سے پہرہ بھی اٹھائی گئی ہو گی۔ اب ہم کو دلخیز مدینہ میں کس جہاد شہداء ہو گا اور زخم خوردہ لشکر اسلام کو ہمارے مقابلہ کی سکت نہ ہو گی) وہ یہ خیالات ہی پکارتے تھے کہ دفعہ دوسری جاسوس وغیرہ کی زبانی یہ خبر سن کر کہ مسلمان خندق سے واپس ہوئے ہی اسی وقت بنو قریظہ کے مقابلہ کو نکل کھڑے ہوئے۔

وہ تو اللہ عزوجل نے ان لوگوں کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور ان کو معلوم ہو گیا کہ لشکر اسلام باوجود زخم خوردہ ہونے کے ان کی طرح بزدلی اور کمزوری نہیں ہوا اس کے وہی دم غم باقی ہیں تو سب (کچھ بھی) واپس بھاگے چلے گئے اور اللہ تعالیٰ نے (اسی عنایت اور رحمت سے) مسلمانوں کے سر سے وہ ڈانٹا لے

شکر کے اندر وہ کبھی مقابلہ کا حکم دیا۔ لشکر قریش نے خندق کے پاس قیام کیا کیونکہ مشرک ٹھنڈے کا راستہ وہی تھا خندق کی عرض وقتی دیکھ کر ان کے حوصلے بہت ہو گئے۔ اس کا جو مرکز آسمان نہ تھا۔ وہ چار ہماروں نے خندق میں گھوڑے ٹالے بھی مگر مسلمانوں کی تیر بازی سے ان کو پلہ ہونے کی صلت نہ دی۔ ایک وہ ہمارہ بہت کم کے باہر بھی ہوئے تو حضرت علی اور حضرت زبیر جیسے ہماروں کی تلواروں نے ان کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اب قریش نے خندق کے کنارہ سے مسلمانوں پر تیر بازی شروع کی تو مسلمانوں نے بھی تیر بازی سے ان کو جواب دیا۔ کئی دن تک اسی طرح مقابلہ رہا۔ سرحد کا موسم تھا۔ قریش کا لشکر کھلے میدان میں تیرازی سے پریشان تھا اور سہاواں درمہ بھی ختم ہوئے لگا تو قریش نے بنو قریظہ پر اتفاقاً کیا کہ وہ مدینہ کے اندر سے مسلمانوں پر حملہ کر دتے کہ وہ تیرازی طرف متوجہ ہوں اور ہم خندق کا جو رخ کر کے شہر میں گھس جائیں۔

بنو قریظہ نے قریش کی کمزوری اور بے بسی دیکھ کر ان کی موافقت سے پہلوئی کی اور دوبارہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صلہ کرنا چاہی ابھی وہ پیام صلہ نہ بھیجے پائے تھے کہ اسی دلت بخند ہی ہوا جسے مذکور سے علی جس سے قریش کے عمیدوں کی طنائیں ٹوٹ گئیں۔ کھلے میدان میں جنموں کی پناہ جاتی نہ رہی تو سب سے پہلے ابوسہیل اپنی ساکنی پر سوار ہو کر کھد کی طرف بھاگے ان کو بھانٹ دیکھ کر تمام لشکر نے راہ فرار اختیار کی۔ کچھ تک میدان بالکل صاف تھا کہ کفار میں سے ایک بھی مدینہ کے آس پاس نظر نہ آتا تھا۔

يا ايها الذين امنوا اذكروا نعمه الله عليكم اذ باءكم بكمه فجاء
فارسا ناهيهم رجلا وجيوا جندوا لهما وها كان الله يما تملكون بهيمه
الى قوله لهد الله الذين كفروا بغيله لمصر يا واخلوا كمل
الله المؤمنين القتلى وكان الله قويا عزيزا

جوان دلوں نے دین پر لڑتے ہوئے کرنے کی عزت میں ڈان پائی تھی یہ تو فخر و کبریا
اور حق اپنا سمجھ کر اس سے کیا فائدہ حاصل ہوئے۔

کامیابی اور ادا و غیبی کا بڑا سبب اشتغال امر ہے

اس سے معلوم ہوا کہ نصرت (اور کامیابی) کا بڑا سبب اشتغال امر ہے اگر کامیابی
کے احکام کو بھلا جائے، کیونکہ تین بارہ دفعہ شیطان جو دو آدمیوں کے سلسلے سے
نکلے تھے نہ (دشمن سے) دشمنی کی حالت دیکھتے تھے نہ کسی کو دیکھ کر سکتے تھے (معنی
تعمیل حکم کے لیے نکل کر غصے ہوئے تھے) تو جب انہوں نے حکم کے آگے گردن نہ جھکا
دی اور معاملہ کو اللہ کی قدرت کے حوالہ کر دیا اور درجہ باطنی حال سے کہہ دیا کہ جتنا ہماری
قدرت میں تھا ہم نے کر دیا آگے جو کچھ ہو گا آپ کی قدرت سے ہو گا) تو اللہ تعالیٰ
نے اُن کی ایسی مدد کی کہ بدوٹ لڑے کامیاب ہو گئے۔ ان کو کچھ بھی نہ کرنا پڑا محض
معاہدے اس بات کو خوب سمجھ لیا تھا کہ اللہ تعالیٰ ہم سے صرف اپنے حکم کی تعمیل
چاہتے ہیں اور نصرت (و کامیابی) معنی اللہ کے (فعل و انعام سے ہوتی ہے جو
وہ اپنے اس ارشاد کی تصدیق کے لیے عطا فرماتے ہیں: دکان حقائق فی نصرت اللہ
مشکلات کی مدد کرتا ہے اور دوسرے ذکر نامہ ہے)۔

(جس کا معنی اپنے فعل سے اللہ تعالیٰ نے ذکر لیا ہے۔ اس میں بندہ کا
کچھ دخل نہیں۔ اس کا کام تو تعمیل حکم ہے۔ انقیاد اور تسلیم کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے
فعل سے کامیابی عطا فرماتے ہیں) اور اپنے بندوں کے سامنے اللہ تعالیٰ کا معاملہ
قیامت تک یہی ہے تاکہ جو اُس کی مدد کرے گا اللہ تعالیٰ بھی اُس کی مدد
کریں گے۔ اور اللہ تعالیٰ کی بات سے بڑھ کر کسی کی بات سچی (جو سچی) ہے؟
اسی یہ سنت اللہ بدل نہیں سکتی اگر کسی جگہ دشمن کے مقابل میں باوجود جملہ اسباب
کامیابی متحج ہونے کے شیطان کا کام وہ ہے ہوں تو سمجھ لینا چاہیے کہ بجا اور فی حکم
میں کُن سے کوتاہی ہوئی ہے، بندہ کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی مدد یہی ہے کہ

اُس کے حکم کی تعمیل کرے اور جس بات سے منع کر دیا گیا ہے اُس سے پرہیز کرے۔
(اور درحقیقت یہ خود بندہ کی طرف سے اپنی مدد ہے کیونکہ تعمیل احکام اور اجتناب پرہیز سے
جو کچھ نفع ہے بندہ ہی کا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو نہ اس کی اعانت سے کچھ نہ مضرت سے
کوئی نقصان، مگر یہی اُن کی طرف سے نعمت پر نصرت ہے کہ اس کو اپنی نصرت فرمادیا۔
حالانکہ وہ اس سے بری ہیں کہ کوئی اُن کی مدد کرے)

پہلے بزرگوں کا ارشاد ہے کہ شرفا بندہ سے عمل مقصود ہے۔ کامیابی مقصود
ف نہیں کیونکہ کامیابی اس کے اختیار میں نہیں اس کے اختیار میں عمل ہے۔ پس
عمل ہی کو مقصود سمجھنا چاہیے۔ ثمرات پر نظر نہ کرنا چاہیے۔ جس شخص کا عمل مرضی الہی کے
موافق ہے وہ بکری کا نام کی حالت میں بھی کامیاب ہے۔ کیونکہ سب سے بڑی
کامیابی رضائے حق ہے اور وہ اس کو حاصل ہے۔ اس بات کو ہمیشہ نظر رکھنے سے
تمام پریشانیوں کا علاج ہو جاتا ہے۔ سالکین میں زیادہ تر پریشان وہ ہیں جو عمل
کو مقصود نہیں سمجھتے بلکہ خاص حالات و کیفیات کو مقصود سمجھتے ہیں جو کو وصل اور
دعوت اور کامیابی کا قصب دے دکھائے۔ حالانکہ یہ حالات اور کیفیات بندہ کے
اختیار میں نہیں اور اور غیر اختیار کے دوسرے ہوتا پریشانی غول لینا ہے۔ پس اُن
کو تعمیل اعمال کا اہتمام کرنا چاہیے جو اُن کے اختیار میں ہے جس کا ان کو مسکلف
کیا گیا ہے۔ جب عمل کامل ہو جاتا ہے تو عبادۃ اللہ یہ ہے کہ دعوت و کامیابی عطا
ہو جاتی ہے اور تعمیل اعمال کا طریقہ یہ ہے کہ آداب ظاہرہ کو بھی ادا کیا جائے جو
علائے شریعت سے معلوم ہو سکتے ہیں اور آداب باطنی کی بھی پوری رعایت کی
جائے جو مشائخ طریق سے معلوم ہوں گے۔

آداب باطنی میں بڑا ادب یہ ہے کہ عمل ریاضے پاک ہو۔ رضائے حق کے ہوا
اُس سے کچھ مقصود ہو اور عمل کے بعد دل میں تواضع ہو۔ عجب پروا نہ ہو کہ میں
نے اتنا بڑا کام کیا بلکہ عمل کو اللہ کا فضل سمجھ اپنا کمال نہ سمجھ۔ اعمال صالحہ سے طبعاً
فرحت اور مسرت کا ہوا عجب نہیں یہ تو عمل صالح کی خاصیت ہے کہ اُس سے فرحت

ذکر جانے لگا۔ کیونکہ جو کامل مرتضیٰ حق کے رافق تھا وہ اُس وقت بھی حقیقتہً
کامیاب ہوں گے۔

چنانچہ ایک بزرگ نے ایسے ہی موقع پر ایک شخص کو جواب دیا تھا جس نے بطور
علم کے دریافت کی تھا کہ آپ کے بزرگوں کی جدوجہد سے کیا حاصل ہوا؟ فرمایا یہ
سودا خدائے حق میں شیریں جگہ سے گوشت
پازی اگرچہ نہ دسکا مرقو کھو سکا
کس نہ سے اپنے آپ کو کٹا ہے مشق باز
اسے رویا وہ مجھ سے قوی ہے نہ ہوسکا

یہاں سوال کو کتنا حد تک کی جامعیت کے احوال کی اصرار تو بہت دشوار ہے۔ اس
شرط کے تو یہ معنی ہونے کے مسلمان کسی وقت بھی کسی اجتماعی عمل میں کامیاب نہ ہو سکیں گے
جواب یہ ہے کہ کسی اجتماعی عمل میں کامیابی کے لیے نہ راضی اور مستقبل میں اعمال کا
درست ہونا شرط نہیں اگرچہ کمال تلاش اسی سے وابستہ ہے بلکہ حالت موجود میں
اصلاح عمل شرط ہے اور یہ خود شعور میں کیونکہ جب تک تو بہ سے ایک منٹ میں پچھلے گناہ
معاف ہو سکتے ہیں۔

پس جب مسلمان کسی اجتماعی عمل کو شروع کرنا چاہیں اُس وقت سب سے
پہلے اُن کا امیر حق تبار کے کی جناب میں اپنے تمام گناہوں سے توبہ کرے۔ پھر
سب مسلمانوں سے کہے کہ ہر شخص سچے دل سے توبہ کرے اس کے بعد حالت عمل
میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کرتے رہیں۔ گناہوں سے الگ رہیں اللہ تعالیٰ
کامیابی اُن کے قدم چمکے گی۔ پس جہاں دوسرے اسباب کے لیے جدوجہد
کی جاتی ہے اس سب سے بڑے سبب کے لیے بھی توجہ دینی کی کوشش کرنی چاہی
کہ وہ تو کیا حرج ہے؟

شاید اس مقام پر کسی کے دل میں یہ سوال پیدا ہو کہ امام حسین علیہ السلام
جلاہب جرید کے مقابل میں کیوں ناکام ہوئے۔ وہ تو انشائیہ احکام میں اُس وقت

و نشاط اور طاقت باطن حاصل ہوتی ہے۔ قل بفضل اللہ و برحمۃ جنتہ علیٰ علیہ و
جبرائیلہ کی یہ نعمت ہے کہ اُس سے محض کے دل کو رنگ اور پریشانی ہوتی ہے۔
حدیث میں ہے:

”اذا سب ثلاث حنتلک رسالتہ ثلاث یثبت فانت ہو“
عُجب یہ ہے کہ عمل کو اپنا کمال سمجھے۔ جس کا لازمی اثر یہ ہے کہ دوسروں سے
جوش کے برابر عمل نہیں کر سکتے اپنے کو افضل سمجھے اور یہ ادب ظاہر و باطن جیسا
مبادیہ باطن میں ہیں۔ اسی طرح عباد ظاہر میں بھی ہیں۔ مسلمانوں کو جلد و پیر میں
بھی ان ادب کی رعایت کرنا چاہیے۔ مثلاً ظاہری ادب یہ ہے کہ فحشی شرعی سے
جماؤ کی اجازت ہو اور جن شرائط کے ساتھ جماد مشروط ہے وہ سب سمجھیں ہوں اور
باطنی ادب یہ ہے کہ اعلا کل من اللہ کے ہوا کی طرح مقصود نہ ہو۔

پہلے سے سیاسی جدوجہد کرنے والے مسلمانوں کو بھی بین چاہیے کہ
نصرت الہی کا سب سے بڑا سبب مسلمانوں کے حق میں امتثالِ حکم ہے۔ مسلمان
کو اسی طرح کامیاب ہو سکتے ہیں مگر جہاں سے سیاست دان اس سب سے بڑے سبب
کا تو اہتمام نہیں کر سکتے۔ دوسرے اسباب کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔

یہاں شاید یہ سوال پیدا ہو کہ بعض دفعہ علماء بھی تو باوجود اصلاحِ اعمال کے ناکام
ہو گئے ہیں کامیاب نہ ہوئے۔ جواب یہ ہے کہ اعمال دو قسم کے ہیں۔ ایک انفرادی جو
ہر شخص کی ذات سے الگ الگ متعلق ہیں۔ ان میں ہر شخص اپنے عمل کی اصلاح سے
کامیاب ہو جاتا ہے۔ دوسرے اجتماعی جو مسلمانوں کے اجتماع سے متعلق ہیں انفرادی
اعمال میں صلوا کی ناکام نہیں ہو سکتے جبکہ امتثالِ حکم میں انھوں نے کوئی ناکامی نہ کی ہو
اور اجتماعی اعمال میں کامیابی کے لیے جماعہ کا اصلاح عمل کافی نہیں بلکہ جماعت کی
جماعت کا عمل درست ہونا چاہیے یا کم از کم اُن میں سے اکثر کا عمل درست ہو۔

اگر ایسا نہ ہوا بلکہ اکثر کامل مرتضیٰ حق کے خلاف تھا تو نصرت کو کامیابی لازم نہیں۔
لیکن اس محرت میں اگر ناکامی ہوئی تو جماعت ہی کی ناکام کامیابی کا ہر شخص کو ناگام

کی اختیار فرمایا اور تاریخ شاہد ہے کہ قتل امام حسینؑ کے بعد بڑے عداوت و جماعت بڑھیں۔
سب کے سب عامۃً اہل اسلام کی نظروں میں ایسے ذلیل و خوار ٹھوٹے کہ ان کو کسی
سے آنکھ ملانے کی جرات نہ ہوتی تھی۔ ہر طرف سے ان پر نفرت و نفرت کے گھلے
برستے تھے۔ حرم کے بارے کسی جگر مرزخشا کے لئے قابل نہ رہے۔

شمادت امام نے اہل باطل کا باطل پر ہونا اچھی طرح دنیا پر روشن کر دیا اور
فقہاء نے تصریح کی ہے کہ اسر بالمعروف و نہی منکر میں اگر جان کا خطرہ ہو تو
حاجب حق کو تنہا اپنی جان پر کھیل جانے کی اجازت ہے اس کو لقاء نفس فی غتک
نہ کہا جائے گا کیونکہ اس سے گویا ہر بین اہل حق کو نفع نہ ہو مگر ہاں مسلمانوں کو
اصلاح عقیدہ کا فائدہ حاصل ہو گا کہ منکر کا منکر ہونا اور بدعت کا بدعت اور
بیعت ہونا سب مسلمانوں پر رواج ہو جائے گا۔ کفار کے مقابلے میں اس طرح جان پر
کھیلنا جائز نہیں کیونکہ اس سے نہ مسلمانوں کو کچھ نفع ہے نہ اصلاح عقیدہ کفار کی
توخت اور اگر کسی وقت کوئی نفع مشعور ہو۔ مثلاً یہ کہ اس سے کفار کے دلوں میں
بہت دُور عجب قائم ہوتا ہو یا ان کی افافت ہو کہ مسلمانوں کی جان باری سے
ان کے دل میں تو وہاں بھی اس کی اجازت ہے۔ تفصیل کتب فقہ سے معلوم کی جائے۔
اسی ہے کہ اب اس مقام پر کوئی شکل باقی نہ رہا ہو گا۔ نیز یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ
استعمال احکام سے نفرت کا وعدہ کفار کے مقابلہ میں ہے مسلمانوں کے مقابلہ میں
نہیں۔ اگر مسلمان باہم خیال کریں تو صلہ و کافیر لازم نہیں۔ و فیہ حافیہ
واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

(۱۱۳) فحوی کلام بھی بمنزلہ نص کے ہے جو کہ فحوی کلام پر بھی ایسی

طرح عمل واجب ہے جیسا نص پر عمل کرنا واجب ہے۔ فحوی کلام وہ ہے جو کلام کی قوت
(اللہ تبارک و تعالیٰ عز و جل) سے سمجھا جائے۔ چنانچہ اس واقعہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے جب صحابہ سے یہ فرمایا کہ جو قرآن کی طرٹ دوا نہ ہو جائیں تو وہ مجھ کے مقصود

سب سے بڑے ٹھوٹے تھے اور ان کے ہوا ہی بھی سب ملنا تھے۔ جواب یہ ہے کہ
اگرچہ نفرت اور کالیابی کے لئے اشتغال حکم بہت بڑا سبب ہے مگر تنہا یہ کافی
نہیں بلکہ دوسرے اسباب کا مجتمع ہونا ہی ضروری ہے۔ بخود ان کے ایک یہ ہے
کہ اہل حق کی جماعت سے اہل باطل کی جماعت دو گنی سے زیادہ نہ ہو۔ اہل حق کے
پاس سامان رسد وغیرہ کی کمی نہ ہو۔ اگر اہل باطل کی جماعت دو گنی سے زیادہ
ہو یا اہل حق کے پاس کھائے پیئے کا سامان نہ ہو۔ نہ کہیں سے سامان رسد کے
آنے کی امید ہو تو اس وقت اہل حق کو میدان سے بھاگ جانے یا دشمن سے ذب
کر شل کر لینے کی اجازت ہے اور میں وہاں اس کا نا واجب ہے جبکہ مقابلے سے
مسلمانوں سے نفع پہنچنے کی امید نہ ہو اور ظاہر ہے کہ حضرت امام کی جماعت اہل
باطل کی جماعت کے مقابلے میں بہت کم تھی۔ پیچھے شے سب طاہر راستی آوی تھے
اور شکریہ زید چار ہزار سے بھی زیادہ تھا۔ پھر حضرت امام کی جماعت کا پانی بند کر
دیا گیا تھا۔ سب کے سب پلے سے تھے۔ اس حالت میں مقابلے کے بڑا اسباب
مجمع نہ تھے۔ اس لیے حضرت امام کو شرعاً وہاں سے بھاگ جانے یا شل کر لینے کی
اجازت تھی۔ بھاگنے کا اور سستہ بند تھا کیونکہ دشمن سے ہر طرف سے محاصرہ کر لیا
تھا۔ صلح کے لیے حضرت امام نے پیام بھیجا تو انھوں نے اس کو بھی ٹھکرایا۔

اب حضرت امام کے سامنے دو ہی راستے تھے یا زید کی بیعت قبولی فرمائیے
اور اس حالت میں شرعاً اس کی اجازت تھی۔ چنانچہ بہت سے صحابہ نے اسی وجہ سے
اس کی بیعت قبول کر لی تھی کہ اپنے اندر مقابلہ کی طاقت نہ پاتے تھے یا باطل کو کچھ
دکھانے کے لیے اپنی جان پر کھیل جاتے شرعاً اس کی بھی ان کو اجازت تھی۔ کیونکہ اس
موضع میں اگرچہ بظاہر اہل حق کو کچھ فائدہ نہ تھا۔ مگر ہاں اہل حق اور اہل باطل سب
کو یہ نفع پہنچنے کی توقع تھی کہ اہل حق کو باطل کے سامنے سرخوں ہونے سے ہمیشہ کے
لیے نفرت ہو جائے گی۔ ان کی ہمیں اظہار حق کے لیے ہند ہو جائیں گی اور جماعت
زید کو اپنا سربراہ بن جائے اور فوج ہو جائے گا۔ چنانچہ آپ نے اسی دوسری صورت

قتال کے لیے نکلے ہے اس لیے آپ نے مقصد کو براہِ راست بیان نہیں فرمایا۔ کیونکہ قرب کلام سے صحابہ آپ کا مطلب سمجھ گئے۔

جہادِ نفس اور جہادِ شیطان میں کامیابی کا طریقہ التماس ہے

یہ جہادِ داخلہ کے متعلق حکمِ حق میں دشمن سے (یعنی کافروں سے) مقابلہ ہوتا ہے۔ یہی حکم جہادِ اکبر کا ہے جس میں نفس کے ساتھ جہاد ہوتا ہے۔ کہ اس میں بھی اعدائے نفسی اور کامیابی کا بڑا سبب اعتدال ہے (اس کی طرف اللہ تعالیٰ لے اپنے اس ارشاد میں اشارہ فرمایا ہے:

و اما یزید بن مضر من الشیطان فزعم فاستعذ بالله -

”اور اگر آپ کو شیطان کی طرف سے کوئی دوسرا پریشان کرے تو اللہ کی پناہ طلب کیجئے۔“

اس میں جہادِ نفس اور جہادِ شیطان کے لیے اللہ کی طرف التماس کو کامیابی کا سبب بتلایا گیا ہے کیونکہ حالت جس قدر سنگین ہوتی ہے اسی کے مناسب کامیابی کا فوریہ بھی بڑا ہوتا ہے۔ چونکہ شیطان اور نفس کا معاملہ زیادہ سنگین ہے تو اس کے مقابلے میں کامیابی کا فوریہ ضمن التماس قرار دیا گیا کہ اللہ کی پناہ طلب کرو، اللہ کی طرف ہم تن متوجہ ہو جاؤ، جیسا نفس کے مقابلے میں کامیابی کا طریقہ یہ ہے کہ شریعت کے موافق جہاد کیا جائے۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

والذین باعدوا فینا لنھدھنھم صلینا -

”اور جو لوگ ہمارے سامنے اپنے نفس سے (جہاد کرتے ہیں ہم ان کو اپنے رفقا و قرب) کے سامنے نکھاد دیتے ہیں۔“

انسان مجاہد میں اعدائے نفسی (کافریہ یہ بتلایا کہ اللہ تعالیٰ سے حقے دل سے مدد مانگو (تو اس کا مال بھی استفادہ و التماس کی طرف توجہ) چنانچہ ارشاد ہے:

ایا انھم الذین یستعینون اے اللہ! ہم آپ ہی عبادت کرتے ہیں یہ تو

مجاہد نفس (جہاد) اور آپ ہی سے مدد مانگتے ہیں (یہ التماس ہوئی جو مجاہد میں کامیابی کا وسیلہ ہے) اسی لیے بعض اہل توفیق نے فرمایا ہے کہ جب مجاہد برکونی مصیبت نازل ہوتی ہے خدا کی قسم کی ہو (ظاہری یا باطنی) تو میں اس میں مشغول ہو جاتا ہوں۔ پھر اس کی پروا میں کرتا اور اس جگہ کے منظر دیکھتا ہوں اب یہ کہ ذکر اللہ اور عبادت میں ہمہ تن مشغول ہو جائے اور مسائل کو اللہ کے سپرد کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر ارشاد فرمایا ہے:

من مشغلہ و ذکر من مشغلہ عن غایت فعل ما اعلی السالین

”خوشی میری یاد میں رہا میں مشغول ہو جائے کہ مجھے مانگے (اور ذکر کرنے کی بھی

اسے نعمت ہے) میں اس کو مانگے والوں سے زیادہ دیتا ہوں۔“

اس سے معلوم ہوگا کہ ذکر اللہ اور عبادت میں ہمہ تن مشغول ہو جانا بھی التماس کی ایک قسم ہے (ایک صورت یہ ہے کہ حدیث (خبر) کرے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے استعینوا علی حوائجکم بالصدقۃ اپنی حاجات میں کامیابی کا طریقہ یہ ہے کہ حدیث سے مدد لو۔ ایک طریقہ یہ ہے کہ دعا میں مشغول ہو جائے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے من الھم الدعاء فقد فتح علیہ ایوان الجنین جس کو دعا کی توفیق ہوگئی اس پر خیر کے دروازے کھول دیئے گئے۔ اور اگر مان (میں) کے ہو کر اختیار کر لیا جائے پھر تو کیا تو چننا؟ کیونکہ اہل توفیق کا شاہدہ ہے کہ خیر حاصل ہونے کا جو سبب بھی ہے وہ میں خیر ہے قولہ الوجہ الخافض نیہ دلیل علی ان خفی الکلام الی قولہ ہو عن الجنین۔

یہ معنوں آپ زور سے کہنے کے قابل ہے جو لوگ اللہ سے سلوک میں کسی شے میں مبتلا ہو جائیں یا اور کسی قسم کی پریشانی پیش آئے ان کو اسباب سے

کام لینا چاہئے۔ اے اللہ! اللہ بہت جلد کامیابی نصیب ہوگی۔ جلدنا اللہ معن جلدہ منتظرنا بالمدد منصورنا وجعلنا کر بابتنا کھلیا ہوا منصورنا۔

باب پنجم و ہفتم

حدیث

السنة يوم عيد الفطر

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (عید گاہ کو) عید الفطر کے دن اُس وقت تک نہ جاسے جب تک چند چھوڑے نہ کھا لیتے۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ اُن کو حد طاق کی رعایت سے تناول فرماتے مثلاً تین یا پانچ یا سات

تشریح ظاہر حدیث یہ ہے کہ عید الفطر میں سنت یہ ہے کہ کوئی شخص عید گاہ کو بدوں کچھ کھائے نہ جاسے اور مستحب یہ ہے کہ چار برس کھائے جائیں اور اُن میں حد طاق کی رعایت کی جائے۔ اس پر چند وجوہ سے کلام ہے۔

(۱۱۴) چھارہ (اور گھور) بدین والوں کے لیے سب چیزوں سے زیادہ آسان (اور سہل الفصول) ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی چیز کو پسند فرماتے تھے جو آسان (اور سہل الفصول) ہو اور اس لیے آپ عید کے دن چند چھوڑے نوش فرما کر فارغ ہو جاتے

کھانے پینے میں تکلف خلاف سنت ہے اس سے یہ منہ معلوم ہوا کہ اس دن ناشتہ

کے لیے تکلف کرنا خلاف سنت ہے۔ کیونکہ دل امی میں مشغول رہے گا اور سیرۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضراتِ مہاجر و انجری فکر و غمت کی حق یہاں تک کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مشغول ہے کہ آپ اپنے گھروالوں سے فرمایا کرتے تھے کھانا دینا تو جو چاہا سکے۔ ایسا نہ ہوا تو مجھے کھانے (اور چاہنے) کی ضرورت ہو کیونکہ کھانے اور پینے (کی صحت) میں اتنی آہنی آہتوں کا فرق ہے (یعنی کھانے میں زیادہ دیر لگتی ہے جس سے تلاوتِ قرآن کا حرج ہو تا ہے پینے میں نہایت دیر نہیں لگتی) پس یہ حضرات دنیا کو بھڑھڑاتے ہی لیتے تھے۔

قوله فی - الوجه الثاني منها انها اليسر المشايخ ابو هند صفار في قوله

فما كانوا اخرمان الله عليهم ياخذوا من الدنيا الا الذرة العذوة -

اس سنت پر سب سے زیادہ عمل حضراتِ مؤرخین کا ہے جو دہی دنیا بھر ضرورت ہی لیتے ہیں ماس میں تکلف نہیں کرتے جو آسانی سے بلا مشقت و طلب میسر ہوا کسی پر محنت کرتے ہیں۔

(۱۱۵) غیر حقیقی امثال امر ہے یہاں سے معلوم ہوا کہ (دہر حال میں) امثال امر

ہی حقیقی خبر ہے خواہ نفس کے موافق ہو یا خلاف ہو۔ اگر امثال امر میں خواہش نفس کی موافقت بھی ہو جیسا یہاں ہے (کہ عید کے دن کویر سے یہ کچھ کھا لینا سنت ہے اور یہ سنت خواہش نفس کے موافق ہے) اس کے سوا اور جو موافق اُس کے مثلاً یہ ہوں تو یہ بھی نیکو نصیحتوں کے دایک

جری صحت ہے کیونکہ اس وقت نفس اپنی خواہش کو بھی پورا کرتا ہے اور قلوب بھی ملتا ہے۔ ہمارے اس قول کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الاضحیٰ میں عید گاہ جانے سے پہلے کچھ نہ کھاتے تھے یہاں تک کہ (فراڈ کے بعد) اپنی ہری یا قرانی کو ذرا فرماتے دھو اُس میں سے کھاتے (اور قرانی میں سے بھی سب سے پہلے غوثیہ بھر تناول فرماتے کیونکہ یوم النحر میں جملہ طاعات

عہ پڑھ کر قرآن زیادہ اکبر و حق تعالیٰ میں تامل و فکر عید منہ طہیر و الجاہلہ سخیہ و ما

کو ہم ہادی کس طرح کہیں بڑا پنے نبی کی سنت کو چھوڑتے اور اپنی بری عادات کو سنت پر ترجیح دیتے ہیں۔

قوله اوجہ الاماثل فیہ من المنہ ان حقیقۃ الخیر من نفس الامثال
الزلہ وینشرون عاداتہ فوسحہ الذمیرۃ -

ف یہ ہے نفرت حقیقی کہ ادنیٰ ادنیٰ عمل میں بھی اتباع سنت کا اہتمام کیا جائے۔
صوفی معتقین کے نزدیک وہ لوگ آدمی نہیں جو سنت جو یہ کو چھوڑ کر ہم درواج کو اس پر ترجیح دیں۔ واللہ اعلم -

یہاں سے اُن لوگوں کی غلطی بھی واضح ہو گئی جو ثواب کا مدار مخالفت نفس ہی پر سمجھتے ہیں۔ حالانکہ حاضریات امتثال امر ہے خواہ نفس کے موافق ہو یا نفرت ہو خوب سمجھ لو۔

سے افضل اراۃ الدہم (دہم قرانی کرنا) ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ چاہتے تھے کہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتے ہیں اسی کو پہلے تناول کیا جائے داس سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ بعض دہم اُن افعال میں بھی ثواب ملتا ہے جو خواہش نفس کے موافق ہیں۔ جیسے کھانا پینا وغیرہ۔ یہ ضرور میں کہ ثواب اُسی کام میں ملے گا کہ نفس کے خلاف ہو۔

یہاں ایک سوال ہو سکتا ہے وہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے گوشت و جگر کیوں کھاتے تھے؟ قرۃ العظمیٰ اس کی وجہ یہ بتی کہ اہل سنت کے ساتھ تشبیہ ہو جائے کیونکہ ایک روایت میں ہے کہ پہلا کھانا جو خلق کی مٹھیں گئے اُس پہلی کا گوشت و جگر ہو گا جس پر تمام زمین کا مدار ہے (اور یہ بھی احتمال ہے کہ پہلی پہلی تیار ہو جاتی ہے گوشت کے کچنے میں دیر ہو جاتی ہے اس لیے آپ پہلے بھی تناول فرمائیے تاکہ زیادہ دیر تک جھوکا رہنے سے تکلیف نہ ہو۔

مذمت مخالفت سنت و ترجیح عادت یہاں سے معلوم ہوا کہ آج کل کے اہل تم و نہاد ماروں کا یہ طریقہ یہ کہ عید الاضحیٰ کی رات میں پہلے سے گوشت تیار کر دیتے اور آخر قسم کے کھاتے پکاتے اور قرانی کا جانور ذبح کرتے سے پہلے ہی کھاتے ہیں سنت کے خلاف ہے۔ یہ تو اُن کا حال ہے جو قرانی کرتے ہیں اور بہت سے جو قرانی چھوڑ کر سنت کی مخالفت کرتے ہیں کہ (باوجود صاحب نصاب ہونے کے قرانی میں کرتے) غرض بعض دہم شریعت کے اچھے کام بھی اُن بدعتوں اور مخالفتوں سے روک دیتے جیسے جاتے ہیں جن کو لوگوں نے اپنا دستور العمل بنالیا ہے (چنانچہ قرانی کرنا سنت ہے مگر اس کو سنت کے موافق ادا نہیں کیا جاتا کیونکہ رواج کے موافق ادا کیا جاتا ہے کوثرانی سے پہلے ہی انواع و اقسام کے کھانے تیار کر کے کھاتے جاتے ہیں حالانکہ سنت یہ ہے کہ سب سے پہلے قرانی کا گوشت کھایا جائے) اور یہ لوگ بطور حجت کے یہ کہہ دیتے ہیں کہ لوگوں کی عادت (اور قوم کا رواج) یوں ہی ہے مگر ایسے لوگوں



حدیث

العمل في أيام التشريق

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی زمانے میں عمل کرنا ان دنوں کے عمل سے افضل نہیں اور روایم تشریح ہیں اسکا صحابہ نے کہا یا رسول اللہ! اور جواب بھی نہیں فرمایا! جواب بھی نہیں مگر یہ کہ کوئی شخص اپنے جان و مال کو خطرے میں ڈال دے پھر کچھ نیکہ کاریں نہ ہو۔

تشریح ظاہر حدیث بتلا وہا ہے کہ کسی زمانے میں عمل کرنا ایام تشریق کے عمل کے برابر نہیں اور وہ یوم النحر کے بعد تین دن ہیں یہ اس پر چند جزو سے کلام ہے۔

۱۰ آدمی کوئی عمل اللہ کے عذاب سے زیادہ بھگات دینے والا ذکر اللہ سے بڑھ کر نہیں کرتا ۛ

اور قربانی میں مال کا خرچ کرنا بھی مشروع کیا گیا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: **تَنَافَضُوا فِي سَبْأِ الْخَلْقِ مِثْلَ الْخَلْقِ إِلَى الْجَنَّةِ**۔ قربانی کی قیمتوں میں دل کوئی فرق نہ کرنا کیونکہ وہ جنت کے (پہنچانے کے لیے) تمہاری سواریاں ہیں۔ اور قربانی میں حد سے بھی مشروع کیا گیا اور حد سے جساہرہ نہ لینا ہے **تَعْلُوهُ قَسْبُ اَرْبِ اللّٰهِ فَذَكُوْكُمْ كَمَا تَهَبُ**۔ پس ان دونوں میں جیسا پہاڑ نفس سے منع کیا گیا ہے وہ مرتد روزہ ہے اور کچھ نہیں۔ **بِأَنِّ عِبَادَاتِ سَبِّ مَطْلُوْبٍ** ہیں خواہ وہ جبر یا استیجاب کیونکہ فرض (واجب) تو بشرط قدرت کسی وقت بھی ساقط نہیں ہو سکتا نہ عید میں نہ اور دونوں میں اور یہ حدیث ہے (جو اس باب میں مذکور ہے) تمام مستحبات کی ترغیب دینی ہے اور ان ایام میں اُن کے ادا

ایام عید عبادت کے لیے ہیں اور ولعب کے لیے نہیں ہیں

(۱۱۶) اس سے معلوم ہوا کہ یہ ایام گھر پر عید کے دن ہیں مگر عبادت کے لیے ہیں لمو (ولعبہ) کے لیے نہیں۔ تو انج کل چوبیس روگیں ان دونوں میں کی جاتی ہیں وہ اس حدیث سے منوع ہیں ۔

اب اگر کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے استنباط کرے
 لکن انا عید و ذی الحجۃ ہے تا ہر اُس کی ایک عید (ہجرت) ہے اور یہ دن

گئے۔ کچھ دیر کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ وہاں آئے تو لوگوں کو دھمکا یا اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں یہ شیطان کا باغ ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر صدیق کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ اے اللہ (اپنے حال پر) رہتے دو کیونکہ یہ جگہ کا دن ہے (ان کو بھی اپنا ہی خوش کرنے دو) اگر یہ حدیث صحیح ہو تب بھی اس میں (تجاوز و مودت کے لیے) کچھ جھٹ نہیں کیونکہ دنیا بھر پر واقعہ ابتداء سے اسلام کا ہے۔ اسی وقت تو شراب بھی حلال تھی، سود بھی حلال تھا، جو ابھی جائز تھا اور بہت سے فرائض اس وقت تک فرض نہ ہوئے تھے۔ پھر حکم اس کے خلاف جاری ہوا اور شراب و ربا و قمار حرام کر دیئے گئے اور بہت سے فرائض لازم کئے گئے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ کس کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

انما حبست بکس الدف والمزمار انما توہیروں اور باہوں کو توڑنے کو مہوش ہوا ہوں ؟

یہ سن کر صحابہ رضی اللہ عنہم (محسوس) نکلے اور بچوں کے ہاتھوں سے دف اور بابتہ چھین کر توڑنے لگے تو جن چیزوں کی اباحت ابتداء سے اسلام میں اصل حدیث سے معلوم ہوتی ہے پھر بعد میں ان کی حرمت ثابت ہو گئی۔ ان احادیث سے یہ حجت قائم نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ منسوخ ہو چکی ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی تصریح فرمادی ہے :

لہو المؤمن لا یکن الا فی ثلاث فی رمیہ من قمعہ و

تدریہ لدرہ و ملاعبۃ لاولادہ ۔

”کہ مومن کا لہو (روعب) تین چیزوں کے سوا نہیں ہوتا (۱) کان کے ساتھ تھوڑا سی کرنا (۲) اپنے گھوڑے کو شائستہ بنانا (۳) اپنی بیوی سے بدل لگ کر تاداس کے ساتھ بکھلنا۔ پھر ان تین پر جو بھی چیز اضافہ کیے ہو سکتا ہے ۱

== احزابہ کہ پیشہ گاہ فقہ اعربہ فی تفسیرہ و فقہرا ۳۳

کرنے کو دوسرے ایام سے افضل بناد ہی ہے جس سے تاکہ مقصود ہے کہ ان ایام میں دوسرے دنوں سے زیادہ سجدات کا اہتمام کرنا چاہیے کیونکہ ان ایام کا بر عمل جماد سے بھی افضل ہے ۔

اوقات غفلت میں عبادت کرنا افضل ہے یہاں ایک ایام میں اعمال کی فضیلت کسی علت کی بناء پر ہے یا تبدل میں ہے (جس کی کوئی علت نہیں ہو) (جواب میں) ہم کہتے ہیں کہ ایک علت کی وجہ سے ہے وہ یہ کہ قیام شرعیہ سے یہ بات ثابت ہے کہ اوقات غفلت میں عبادت کرنا افضل ہے جیسا مغرب و عشاء کے درمیان نماز پڑھنے کی فضیلت واد ہے کیونکہ یہ لوگوں کی غفلت کا وقت ہے اسی طرح قیام طویل (اور تہجد) کی غفلت کہ وہ بھی غفلت کا وقت ہے لوگ اس وقت غفلت اور نیند میں ہوتے ہیں۔ اسی طرح نماز چاشت کی غفلت کیونکہ اس وقت بھی لوگ اپنے اسباب (معاش) میں غافل ہوتے ہیں۔ غرض ایسی بہت نظر آتی ہیں (جس سے اوقات غفلت میں عبادت کی غفلت ثابت ہے) تو چونکہ یہ قیام عید بھی کہلنے پینے اور نفس کی راحت کے دن ہیں اس لیے ان دنوں میں لوگوں پر نیند اور غفلت کا زیادہ غلبہ ہوتا ہے (تو جس شخص ان دنوں میں عبادت اور ذکر میں لگا رہے گا اس کو بہت بڑی غفلت حاصل ہوگی)۔

عیدین یا نکاح میں دف بجانا جائز ہے یا نہیں ؟

باقی آج کل تو نیک کاموں سے دفعت ہی منہ گھٹی۔ اب تو ان دنوں کو روایات اور حرام کاموں کے لیے غامض کر لیا گیا ہے اور حجت کے طور پر یہ حدیث پیش کی جاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم در عید کے دن حضرت عائشہ کے گھر میں داخل ہوئے تو ان کے پاس قبیلہ بنو النجدہ کی چور کا بیلا لگا رہی اور (دن بجا رہی تھیں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کی طرف پشت کر کے اپنے بستر پر لیٹ

ہا جو جزو سے بکھایا جائے جیسے تھے۔ نفیری اور بین وغیرہ۔ دن کو محاذات میں
علم حور سے شمار نہیں کیا جانا وہ الگ چیز ہے۔ یہ فقہاء حنفیہ و شافعیہ کا مسلک ہے
اور اصول وہ ہے جو شارحان نے بیان کیا ہے کہ سب ہی سے احتراز کیا جائے۔ واضح
اعلم بالصواب۔

ف یہاں سے اُن لوگوں کی غلطی معلوم ہوگئی جو ایام تشریق میں عبادت کا اہتمام
نہیں کرتے۔ اُن کو کچھ لینا چاہئے کہ اسلامی قیام دوسری قوموں کی عید سے
جدا ہے۔ اسلامی عید کا حاصل یہ ہے کہ سال بھر خوش کو ہمادہ اور شہادت کے ساتھ
عبادت میں مشغول کیا جاتا چند دنوں سے خوش کر کے عی عبادت میں لگایا جائے تاکہ
ہمادہ سے جو بھروسہ دہر ایک قسم کی افسردگی پیدا ہو جائے ہے اُس کی کافی ہو جائے۔
ایام عید میں جب نفس کو دلچسپی کھائوں داپے پڑوں اور دلخوں کی ٹکاتوں سے خوش
کیا جائے گا تو اب وہ اشتراک اور خوشی کے ساتھ عبادت میں لگے گا۔ پس ایام عید
میں بھی نفس کو آزاد نہ چھوڑا جائے بلکہ اُسے خوش کر کے کام میں لگایا جائے۔ اگر
عید کے دنوں میں آزاد کر گئی تو وہ چند دن اور بھی آزاد رہتا چاہے گا اور اُس طرح
آزادی کا راستہ کھولنے سے سال بھر عبادت میں غفل رہے گا۔

ف یہاں سے صحیح کل کے اہل سماع کو بھی سبق لینا چاہئے کہ وہ سماع میں اُن آیت
موسے بھی پڑھیں نہیں کہنے جن کی عزت پر سب علماء کا اتفاق ہے۔ دیگر
آداب سماع کی تو کیا رعایت کریں گے کہ سماع میں سب اہل ہوں۔ نا پس کوئی نہ ہو۔
سنائے والا بھی اہل ہو۔ صاحب دل ہو یعنی خود بے ہودہ نہ ہو بلکہ حودت
یا کلام معرفت پر اور سماع بھی بحالت اضطراب نہ ہو بلکہ اُس کے قبض کسی طرح
مرتفع نہ ہو نہ ہو۔ وغیرہ مثل من اشتراط الحق و کمال الفهم المزین۔ یستحق
القول فیہ یقہون احسن۔

(۱۱۶) ایام تشریق ابتداء امتحان کے ایام ہیں بھی ہے کہ یہ ایام حضرت
ایام تشریق کو ایک اندھنیت

اور اس مضمون میں بہت حدیثیں (وارد) ہیں ذکر ان تین کے سوا (مور و لعب ہال
ہے) اور حق تعالیٰ فرماتے ہیں :

ومن الناس من یشرک لہو واللعب فی لیل من سبیل اللہ
۱۱۔ بعض لوگ مور و لعب کی باتیں اختیار کرتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ کے راستہ
سے گمراہ کریں۔

پس لہو و لعب کا معنی ہے عیدین ہو یا غیر عیدین سوا اُس کے جو ہم نے اہلی
بیان کیا (اور وہ بھی محض صراطِ موبہ کے حقیقہ لہو میں۔ کیونکہ تیرن بازی اور گھوڑے
کی سہری بھلائی کا راند ہے اور بوی کے ساتھ دلچسپی نہی کرنے میں اُس کی
دلچسپی ہے جس سے محبت میں ترقی ہوتی ہے اور دوسریں میں باہم تعلق محبت
ہو تا مصلحت نکاح کی بنیاد ہے)

الوجہ الاول لمہذا ان فیہ دلای علی ان حۃ الایام وان کانت الایام عید
الی قولہ ولا تلعبوا منہ فہذا لانا مذکور کا لفظ انشا۔

ف مزامیر کی عزت پر کو فقہاء کا اتفاق ہے اور دن کے متعلق جمہور فقہاء
کا قول یہ ہے کہ عیدین میں اور نکاح اور خوشی کے موقع میں جائز ہے
بشرطیکہ ویسے ہی جے کا ہرہ بنایا جائے۔ تو اہل کربستی کے طریقہ پر نظر رکھنے
ساتھ نہ ہو کیونکہ آثار و محاب سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کے بعد بھی مواقعِ سرور میں بالغ خصوص نکاح میں دن کی اجازت دی ہے۔
جس سے معلوم ہوتا کہ حدیث عائشہ منسوخ نہیں اور حضرت عائشہ کے گھر میں جو
لوگ دن وقت بیکار رہتے تھے وہ باقاعدہ گھسے والیاں نہیں تھیں۔

حدیث میں تصریح ہے جہادستان لغنیان ولیستہا من غنیتہن کہ دو لڑکیاں
گاہر ہی تھیں اور وہ گھاسنے والیاں نہ تھیں۔ اور فریق کہ کہ حدیث میں غنیان و
کائنات میں ہے بلکہ محاذات کا لفظ ہے اور محاذات وہ جاہ ہے جو ہاتھ
سے بکھایا جاتا ہے جیسے سار، دھوک، سارنگی، باد بونیم وغیرہ اور مزامیر وہ

جس نے عشاء کی نماز جماعت سے پڑھی گویا اُس نے رات بھر نماز پڑھی۔ اور عشاء کے متعلق فرمایا ہے: من شهد عشاء جمعة فکان مقامه لمعة ليلة۔ جس نے عشاء جماعت سے پڑھی اُس نے گویا اسی رات نماز پڑھی۔ تو رکوبہ یہی جماعت ادا کی گئی ہے اور وہ بھی مگر دونوں کے ثواب میں اوصوں کو کافر ہے۔ اس کی وجہ بجز اُس کے کچھ نہیں کہ شیخ کی نماز میں عشاء کی نماز سے زیادہ مشقت ہے۔ کیونکہ صبح کے وقت بہت لوگ جناہت کی حالت میں اور غفلت کی نیند میں ہوتے ہیں۔ عشاء کے وقت یہ بات نہیں ہوتی۔

اسی طرح ایام تشریق کے اندر لوگ کھانے پینے اور راحت کرنے، بیویوں سے مشغول ہونے کے سبب زیادہ غفلت میں ہوتے ہیں۔ اس علت پر نظر کر کے یہ ایام اور دنوں سے افضل ہو گئے اور ان میں عمل کرنا مطلقاً جہاد کے مشابہ ہو گیا کیونکہ جہاد کی بھی دو قسمیں ہیں۔ فرخ اور فقل، اور ان ایام میں بھی ہر طرح کے اعمال ادا ہوتے ہیں۔ فرائض بھی سنن و مستحبات بھی۔

اور یہی احتمال ہے کہ لام حد کے لیے جو ہم سے اُن اعمال پر اشارہ ہوگا جو احادیث میں اُس پر بیان ہوئے ہیں کہ یہ دن کھانے پینے اور ذکر اللہ کرنے کے ہیں اور بہتر یہی ہے کہ لفظ کو عزم پر رکھا جائے کہ اس میں زیادہ فائدہ ہے۔ اس صورت میں ان حدوں کا جو خاص اعمال پر دلالت کر رہی ہیں۔ مطلب یہ ہوگا کہ ان دنوں میں فرائض کے بعد ان اعمال کا اہتمام کرنا چاہیے اُن میں سے مقصد وہ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جان فرمائے ہیں۔ یعنی قربانی کرنا، ذکر اللہ کرنا، صدقہ کرنا۔ یہ مطلب نہیں کہ ان کے سوا اور اعمال نہ کئے جائیں۔ جلدی اس بات، کہ امائد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوتی ہے حاصل ہوگی افضل دیکھی اُدی نے ان ایام میں کوئی عمل قربانی سے افضل نہیں کیا تو آپ نے ان مخصوص اعمال کی فضیلت کے

غیر اللہ علیہ وسلم کے ابتداء و امتناع کے ایام ہیں۔ پس ان میں اس ابتداء کو یاد کر کے لودعب سے بچنا چاہیے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اُن پر حکم فرمایا کہ محنت و ازمائش کو نعمت سے اور کسبی شریعت سے بدل دیا کہ نعمت سے ایک دُور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے قدر میں آیا اور حضرت ابراہیم کو بانی سنت الخیر بنا دیا گیا کہ اب نیاست ملک کی نام قربانیوں کا ثواب اُن کو بھی ملے گا ہے۔

ان دو مصلحتوں کی وجہ سے یہ ایام ہم ایام سے افضل ہو گئے اور اللہ سبحانہ جب اپنے بندوں میں سے کسی پر کوئی احسان فرماتے ہیں اس کو زائل نہیں کرتے ہیں اُن کے لیے ہر فضیلت کو بانی رکھا اور اس میں یہ زیادتی فرمائی کہ نعمت کو بھی باقی رکھا یعنی (ہمیشہ ہمیشہ کو) اُن کے لیے قربانی اور اُس کے تعلقات مشروعا کر دیئے گئے کہ نماز بھی پڑھیں۔ بیکریا بھی عید کی نماز میں زیادہ کیوں اور ہر نماز کے بعد بلند آواز سے بکیرا تشریق کی باندی کریں) اور محنت (و مشقت) کو بھی اُن سے مرتفع کر دیا۔ یعنی بچوں کے ذریعہ کرنے (دکے حکم) کو (قبل ازل ہی مشورہ کر دیا گیا۔ اب ان کی مگر جانوروں کی قربانی واجب کر دی گئی۔)

کیا ایام تشریق میں ہر عمل دوسرے ایام کے اعمال سے افضل ہے؟ یا خاص اعمال ہی افضل ہیں؟

یہاں ایک سوال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد و احادیث میں امت و لام جنس کا ہے کہ اس فضیلت میں فرائض و مستحبات علی اختلاف الدرجات سب مساوی ہیں یا لام حد ہے جس سے مخصوص اعمال مراد ہیں؟ تو لفظ کا صیغہ (اور اس کی صورت) دونوں کو ممکن ہے۔ پس ان ایام میں جو فرائض ادا کئے جائیں گے وہ بھی دوسرے ایام کے فرائض سے افضل ہوں گے۔ جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز کے متعلق فرمایا ہے من شهد صافی

طور پر بیان فرمایا ہے اور جن اعمال کو انفضلیت کے طریقہ پر بیان کیا جائے۔
 اُن کے ساتھ دوسرے اعمال بھی جمع ہو سکتے ہیں اور اگر کوئی ان اعمال (مخصوص) پر
 تادرنہ ہو مطلقاً یا ان کی وسعت میں محدود کر رکھا ہے تو فاضل سے زیادہ
 کچھ نیک کام کر لینے سے اپنے کو عوام پر رکھے (مثلاً ذکر اللہ اور تلاوت قرآن
 اور فاضل کی کثرت کرے)۔

قولہ فی الوجہ الاول و فضلت این من قوم انوار علیہ
 المقربین اذی قولہ نہ یعنی خدائے تعالیٰ انہما علیہ انوار علیہ -

(۱۱۸) فضیلت جہاد و مجاہدہ
 حدیث میں فضیلت جہاد پر بھی دلالت
 راہم بنشرنا کے عمل کی فضیلت سن کر) عن علیؑ کیا دیکھا جہاد (یا رسول اللہ !
 اور کیا جہاد ہی اس سے افضل نہیں) اگر کوئی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف
 سے فضیلت جہاد ثابت نہ ہو چکی ہوتی تو صحابہ اس طرح سوال نہ کرتے و معلوم
 نہ کہ جہاد کی فضیلت اُن کو پہلے سے معلوم تھی اور اگر کے متعلق رسول اللہ اللہ
 علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی وارد ہوئے :

اعمال الدیر فی الجہاد کبیرۃ فی البی -

" نیک اعمال جہاد کے مقابلہ میں ایسے ہیں جیسے سمندر کے پہلے ایک ٹکڑی پانی "

یہ ایک سوال ہے و نہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کی
 چند قسمیں قرار دی ہیں اور جہاد کی اعلیٰ قسم میں اس صورت کو بیان فرمایا
 جو دوسرے نوع میں شریعتاً ممنوع ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں (الابن) خرج بخلف
 بنفسه و عائلہ - مگر وہ شخص جو جہاد میں نکلا اور اپنی جان و مال کو خطرے
 میں ڈال دیا، حالانکہ دوسرے مواقع میں جان و مال کو خطرے میں ہی نہ ممنوع
 ہے۔ پھر اس پر بس نہیں بلکہ اس صورت کی انفضلیت کو اس پر موقوف کیا گیا
 کہ ان کو خطرے میں ڈال دینے کے بعد ہلاکت محقق بھی ہو جائے چنانچہ

ارشاد ہے خلم بر حج بشی لکھو ان میں سے کچھ نہ کرنا (حالا کہ اللہ نے
 فرماتے ہیں : و لا تقوا بلید یکم الی التھلکۃ اپنے ہاتھوں خود کو ہلاکت میں نہ ڈالو
 جس سے معلوم ہوا کہ جان و مال کو قصداً ہلاکت میں نہ لانا ممنوع ہے

ماور بہ میں اُسی کی نوع سے زیادتی کرنا محمود ہے بنفس ماور بہ میں
 اُسی کی نوع سے کچھ زیادتی کرنا ہے وہ زیادہ ترین حد تک کا مستحق ہوتا ہے جیسا
 توکل احمد ہے کہ شرط ایان ہے۔ اس میں شری زیادتی ہوگی اتنی ہی حد ہوگی۔
 چنانچہ ارشاد ہے :

من قولہ علیؑ اللہ حق قتلاہ - جو اللہ پر توکل کرے پورا توکل "

اسی طرح قتلے کے بارے میں ارشاد ہے "انقذ اللہ حق قتلاہ" اللہ
 سے دو جیسا اس سے مدد کرنے کا حق ہے (اسی طرح اُسی شخص کی جان سے ہے۔
 اُس میں بھی اُسی دقت مدد ہوگی جو زیادہ ارشاد کیا جائے۔ چنانچہ قتلاہ سے فرماتے
 ہیں : و یفرح حق انتقامہ ولو کان بمحض خاصۃ - اور دوسروں کو
 اپنے کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ خود جو کہ (ہیں) اور اس کا نتیجہ کیا جائے تو بہت
 تغیر کی جلیں گی۔ اب جو کہ جہاد کا شروع ہوا چنانچہ ہلاکت نفس کی طرف : بمعنی ہے۔
 تو جو شخص جہاد کے وقت پر اپنے آپ کو خطرے میں ڈالے گا اس کو دوسروں پر
 فضیلت حاصل ہوگی کیونکہ یہ ماور بہ میں اُسی کی نوع سے زیادتی ہے (اور
 ماور بہ میں زیادتی کرنا اخصاً اور مدتی کی دلیل ہے اور اخصاً و مدتی تمام احوال
 سے بلند رہیں۔ نیز فرماتے خداوندی ماور بہ کو پوری طرح بھالانے سے حاصل
 ہوتی ہے تو اس میں زیادتی کرنا طلب رہنا ہی نفعی کرنا ہے۔ جیسا کہ کوئی نے
 (حق قتلاہ سے) عن علیؑ کی متابعت علیہ السلام فرمائی (اے اللہ ! اور
 میں آپ کے پاس مدد کی کہ اُجھٹا کر آپ کو لایں ہوں۔ اس سے بھی معلوم ہوا
 کہ ماور بہ میں زیارت موجب زیادتی رہنا ہے اور اسی پر زیادہ مدد ہوتی ہے)

ہیشہ کرد اور انھوں نے ہنسنے کے وقت وہ ال محبوب کا یقین رکھو۔ قول ما لوجہ
 (الف) وجہ دلیل علی فضیلت الجہاد الی قولہ عند فیض الا دھم الغزاد۔

ن جانہ کو خطہ میں لڑا انا جہاد کے براؤد سے توفیق میں۔ انہوں میں۔ جہاد کے
 موصوفہ پر جائز ہے کہ اگر جہاد کا موضوع جہاد ہے کہ قتال کے ذریعے اللہ کا
 لہلہ لہلہ اور ذہان بدن جان کا باڑی کے نہیں اور مکمل طور پر غصہ سے میں
 اپنے کو ڈال دینا جائز کہ محدود ہے۔ چنانچہ بعض صحابہ سے اہل بیت سے کہ انہوں نے
 جہاد کے مفہوم پر متناظر اور بدھ لکھی۔ جو شخص کی صفوں میں گھس گئے اور یہ توں کو اور
 کہ نکل آئے۔ یہ تمام عہد ہمت بھی نہیں ہے کہ ماحول میں اسی کی قوت سے زیادتی
 کہ انھوں ہے۔ دوسری قوت سے زیادتی کہ انھوں میں۔ مگر انہوں میں جہاد کی خصوصیت
 حضور ہوگا محمود ہوگا۔ مگر اوقات میں زیادتی کرنا کہ جن اوقات میں شریعت
 نے نفی منع کیا ہے اُن میں بھی غار پڑھنے لگے مذموم ہے کہ یہ دوسری قوت کی
 زیادتی ہے اسی طرح فرائض کی رکعات میں زیادتی کرنا مذموم ہے کہ محدود
 سے جہاد ہے۔ وعنی ہذا القیاس۔

ک

اسی لیے جب شاہ سوار کی تعریف کی جاتی ہے تو کہتے ہیں خاصہ احمی پڑا احمی
 سوار ہے اور اس کی اعلیٰ درجہ کی مدعا ہے کیونکہ احمی کا کہنا ہے تو خطہ میں لڑا احمی
 ہے اور اس کے اس کی شہسوار کی ظاہر ہوتی ہے۔

احوال فیفسہ بدوں مجاہدات کے حاصل نہیں ہو سکتے۔ اس میں سو فی
 ہے کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ تم احوال فیفسہ تک بدوں نفس نفیس کے ہلاک کرنے
 اور مجاہدات سے اس کو خطرے میں ڈالنے کے عیس پہنچ سکتے۔ اسی سے تم
 آشکارا پہنچ سکتے ہو۔ جب (اس فرار) کہینہ ڈالنا کہ طالب یوں کہتا ہے جی
 احوال ملک اور احوال ملک ما میں ملک نے کے ہٹوں کا آئی
 کی طلب میں مرزاؤں کا۔ کہ مقرر شمار کیا جاؤں۔ حالہ کہ دینا کی مصلحت
 حالہ میں ہو جائے تو اس مقام پر ہونے والی ہے (اس کو جہاد میں) اور کثرت
 میں (مکومت) کا غالب انجام یہ ہے کہ اس سے پیشہ کی گفت ہی تعیب
 ہوگی انواب۔ مگر اسے نزدیک اس شخص کی طلب کا کیا۔ ال ہو چاہئے جو
 دربارہ تری میں پیش کر مشہور ہونے سے درست۔ ذات بارشہ کے نزدیک مرزاؤں
 بوزار مصلحت اور کمال اب۔ وہ تو یوں کہتے ہیں کہ

دعویٰ یا عدلیٰ فی جہاد خلعت شہادی و جہاد کراہتوں فتقوا شہادی
 فقلوا ما علی احوال حیثہ للجوار وبالنفس جہاد و انا تلثمہ منکم ولا تلثمہ
 وایقنوا یوصل الخیب عند فیض الا دھم الغزاد

(نوجہ) اسے لامت گرد دنا صحابہ مجھے جہاد میں نے اس کی ہمت
 میں دیکھو جسے فاق رکھ دیا ہے اسی کے ذکر سے میرا دل بہلاؤ کہ اس کا تقویٰ
 ہی میرا شہاد ہے اور احوال کی تہذیب میں کہ لو جو قرب (ما میں) کرنے کے لیے
 نیز کے ساتھ چلنے والی ہو، اور اپنی باتوں کو بدوں کہ رکاوٹ اور احوال کے

باب پنجم و ۵۱

میں کیوں باقی رکھا گیا۔ علاحدہ اُس کی صورت (ان مفسدوں کی وجہ سے) بدل جاتی ہے جو کہ معلوم ہے مگر کسی حالت میں بھی جب تک عقل باقی رہے نماز پھوٹنے کی اجازت نہیں دی گئی تو (جو اس میں) ہم کہتے ہیں واللہ اعلم اس میں دو ملکیتیں ہیں ایک یہ کہ نماز کفر و ایمان میں تفاوت (اور تمیز) ہے اور ایمان کی علامت ہر حال میں مطلوب ہونا چاہیے جیسا ایمان ہر حال میں مطلوب ہے مگر یہ کہ عقل ہی نازل ہو جائے تو اس وقت انسان مکلف نہیں رہتا اسی طرح نماز بھی بجز زوال عقل کے کسی حال میں ساقط نہیں ہوتی۔

حدیث

جواز التنفل علی الدابة فی السفر

دوسری وجہ یہ ہے کہ نماز بندہ اور حق تعالیٰ کے درمیان وصل ہے یعنی اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے کا وسیع ہے اور چیز اللہ تعالیٰ کے بندہ اور درمیان وصل ہو اُس کا (ہر حال میں) بندہ متعلق ہے اسی لیے نماز ہر حالت میں باقی رکھی گئی اور عذر کے موافق طرح طرح سے اُس میں تخفیف کر دی گئی۔ جیسا سب کو معلوم ہے ذکر سفر میں چار فرض کے دو ذہ جاتے ہیں۔ جماعت اور سنن مؤکدہ کا اگر ساقط ہو جاوے۔ بیماری میں قیام کی نعمت نہ ہو تو پیش کر دینے کی طاقت نہ ہو لوٹ کر نماز پڑھ سکتا ہے۔

اسی حقیقت کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں واستعینوا بالصدقة والوضوء وحش من المذیبة۔ مرد عامل کرو وضو کے وقت اور شام کے وقت اور رات کی تاہیک میں کچھ عبادت کر کے (اس سے بھی ہی مراد ہے کہ ان اوقات میں نماز کا کچھ معمول ہو نا چاہیے)۔ کیونکہ پندرہ ضعیف کے لیے بڑی استغاثت اسی چیز سے ہو سکتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اُس کے تعلق کو بڑھانے والی ہو۔ اسی سے اُس کو اپنی اُمید کے موافق بہترین نائزہ حاصل ہو گا۔

اور جو کچھ ہم نے نماز کے بارے عبادت کسی بھی وقت ساقط نہیں میں کہلے اسی کے شاہ عبادت

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں اپنی سواری پر رات کی نماز (یعنی تہجد) پڑھا کرتے تھے۔ جو عربی اُس کا نذر ہوتا اور اسے اٹھا دے کرتے تھے۔ مگر زلفیض (سواری پر) نہیں پڑھتے۔ ورنہ اُس پر پڑھ دیا کرتے تھے۔

ظاہر حدیث سے معلوم ہوا کہ سواری پر نفلیں پڑھنا سفر میں جائز ہے خواہ وہ رات کا نذر تہجد کی طرت ہو یا نہ ہو۔ اس پر پندرہ وجہ سے کلام ہے۔

حدیث سے نفل نماز پڑھنے کی فضیلت ثابت ہو رہی ہے (۱۹) نماز نفل کی فضیلت کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں بھی نماز نفل کو ترک نہیں کیا۔ علاحدہ سفر میں بوجہ مشقت کے فرائض کے اندر تخفیف ہو جاتی اور اُن کی ہیئت بدل جاتی ہے۔ پھر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز نفل کو بدستور سابق مستحب قرار دیا اور اُس کے لیے نماز کا نام باقی رکھا جس کا بحال نامالوب ہے۔

نماز کو کسی وقت کیوں ساقط نہیں کیا گیا یہاں ایک سوال ہے وہ یہ کہ نماز کو مرنے اور عورت اور غیر

پاکر بھیجا جائے جبرائیل کی شان کے مناسب ہے تو یقیناً اس سے ایمان میں ترقی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم کو بھی یہ دولت عطا فرمائیں۔
(اس قید کے بعد) پھر اسی معنوں کی طرف خود کرتے ہیں جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا تھا کہ ہم کو جس کام کے لیے پیدا کیا گیا اور جو ہم سے مطلوب ہے وہ وہ عبادت ہے۔ مگر باک تو صرف انسان ضعیف البینان ہے پھر اس کو بشری ضرورتوں کی بھی احتیاج ہے۔ جیسے کھانا، پہنا (سونا) وغیرہ جس کو ہم اپنے اندر باعوض محسوس کرتے ہیں تو (ادب نگاروں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب باتوں کو کسی لطیف حکمت کے ساتھ سمجھ فرمایا ہے جس پر بدون تفتیش وانی اور الہام درحالی کے کسی کو اطلاع نہیں ہو سکتی تھی۔

ذکر اللہ تمام عبادات میں اعلیٰ ہے
وہ یہ کہ قواعد شریعت سے معلوم اعلیٰ اور خدا رب الہی سے زیادہ نہایت دینے والی چیز ذکر اللہ ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اعلیٰ عبادت یعنی ذکر اللہ کو ہماری تمام حرکات و سکنات میں مقرر فرما دیا جن میں سے بعض (مصلحات) ہیں تو ذکر اللہ واجب ہے۔ بعض میں مستحب ہے اور مستحب میں بھی بعض کا استحباب مؤکد ہے بعض کا غیر مؤکد۔ چنانچہ آپ نے ہمارے لیے یہ قاعدہ مقرر کر دیا کہ کھانے، پینے، سنانے، سونے، پکڑنے، پھینکے، اٹھانے، بہتر چریتے، غریبوں داخل ہونے، تعماد حاجت کو مانگنے، وہاں سے نکلنے اور شکار کرنے اور حلال جانور کو لہا کر کے اور کسی جگہ سفر کر کے جانے اور منہم ہاتھن حلال میں لکھ کر کے سے پہلے اللہ تعالیٰ کا ذکر کر لیا کریں اور ہر موقع کے مناسب ذکر کر کے کا طریقہ بھی آپ نے بتلادیا۔ ان میں سے بعض مقامات ایسے ہیں کہ اگر وہاں اللہ کا نام نہ لیا جائے تو وہ شے ہم پر حرام ہو جاتی ہے۔ اس کا کیا نام جائز نہیں ہوتا۔ جیسے حیران کو ذبح کر کے کھانے یا شکار پر کھانا یا تیر چھوڑتے ہوئے بسم اللہ کہ ضروری ہے،

کی شان بھی ہے کہ وہ بھی کسی وقت ساقط نہیں بلکہ بندہ کو ہر وقت عبادت میں رہنا چاہیئے) کیونکہ حکمت، بانیہ اس کو مستغنی ہے کہ ہم سے عبادت اور اس کا وادام مطلوب ہو۔ اسی کے واسطے ہم پیدا کئے گئے ہیں۔ چنانچہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے خدا تعالیٰ نے انسان و انسانہ الا بعددین۔ ہم نے جن انسان کو میں اسی لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔ حالانکہ حق تعالیٰ ہم سے بھی مستغنی ہیں اور ہماری عبادت سے بھی۔ لیکن کسی وجہ سے جس کو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں حکمت اس کو مستغنی ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

الذبح یعلم السر فی السموات والارض

وہ یعنی وہی جانتا ہے آسمان و زمین کے پیدا کرنے کی حکمت کو یا

اسی طرح ہمارے پیدا کرنے اور تمام مخلوقات کے پیدا کرنے کی حکمت کو بھی وہی جانتے ہیں اور ہمارے اس کو مستغنی کیوں ہوئی۔ اس کے متعلق لوگوں نے جو مختلف باتیں بیان کی ہیں ان میں ہر ایک کے لیے دلیل عقلی کی ضرورت ہے اور دلیل قطعی نبوت ہی کے وسیعہ حاصل ہو سکتی ہے اور نبوت کے وسیعہ اس باب میں کچھ وارد نہیں ہوا۔ ہم ہمارے ذہن اس بات پر ایمان لائے واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات سے مستغنی ہیں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات میں سے ایک ذرہ کو بھی بدون کسی حکمت کے نہیں پیدا کیا۔ اب اگر کسی طرح سے یا احتمال کے ذریعہ کوئی حکمت (کسی کی) عقل میں آجائے اور اصول شریعت کے دینی بھی نہ ہو تو اس سے ایمان میں قوت ہوگی۔ چنانچہ اگر اس قاعدہ کے موافق ایمان لایا جائے جو ہم نے ابھی بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز سے مستغنی ہیں اور تمام چیزیں کسی حکمت کی وجہ سے پیدا کی گئی ہیں جس کو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو ضرورت و حاجت اور غرض سے منزه اور
عہ اور وارد ہے وہ محمد عینا کے نزدیک ہے اس لیے کہ کثرت احتیاج مختلف
الخلق لکھوت اگرچہ محققین کے نزدیک اس کا اصول صحیح ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۱۴

کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

وَلَا تَكُلُوا مِمَّا عَمِلَ يَدُكَ بِذِكْرِ اسْمِ اللَّهِ عَلَيْهِ

”اور میں نے پھر پھر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اُسے مست کھاؤ“

اسی لیے اہل کتاب کا بیچہ ہمارے واسطے حلال کر دیا گیا ہے اگرچہ وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں رکھتے مگر اللہ تعالیٰ کو مانستے اور نبی کے وقت اللہ کا نام لیتے ہیں اُن کو بھی خوراک کے وقت اللہ کا نام لینے کا حکم دیا ہی ہے جیسا ہم کو ہے اور محسوس اللہ کو نہیں مانستے (کیونکہ وہ مشرک ہیں اور مشرک کے ساتھ کھانا کھانا نہ مانستے کے حکم میں ہے) تو اُن کا بیچہ ہمارے واسطے ہرگز حلال نہیں کیونکہ نسبت میں بعد ہو گیا ہے۔ اور بعض احوال میں اللہ تعالیٰ کا نام لینا مستحب ہے جیسے بیت اللہ میں جانتے ہوئے، گھر میں داخل ہونے کے وقت، بستر پر لیٹتے ہوئے وغیرہ وغیرہ۔

بعض احوال میں اللہ کا نام لینا مستحب ہے جیسے کسی کا کام بناتے ہوئے خداداد مینا کا کام ہو یا دین کا۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ جب اُن کے پاس کوئی کام کرنے والا آتا جیسے پہلا دینے والا یا در کوئی باڈر کرنے والا اور آپ اُن سے کوئی کام کر دیتیں تو درمیان میں دریافت کرتیں کہ تو نے کام کرتے ہوئے اللہ کا نام بھی لیا ہے یا نہیں؟ اگر وہ کہتا کہ ہاں بسم اللہ کہہ کے ہیں نے کام شروع کیا ہے تو اُس کو کام پورا کرنے دیتیں اور اگر یہ کہتا کہ نہیں ہے بسم اللہ کہہ کے کام شروع نہیں کیا تو کام پورا کرنے سے پہلے ہی اُس کو اٹھا دیتیں کہ اللہ کا نام پہلے کہیں نہیں لیا تو ان مواقع میں اور جو اُن کے مشابہ ہوں اللہ تعالیٰ کا نام لینا مستحب ہے اسی طرح نیند سے بیدار ہونے کے وقت وغیرہ وغیرہ۔

تم اس عجیب حقیقت اور رحمت و لطیف طریقہ میں غور کرو کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے ضعف کی رعایت کر کے کتنا آسان راستہ عبادت کا مقرر کر دیا کہ

بندہ ہر وقت عبادت میں لگا ہوا ہو سکتا ہے اور اپنی ضروریات زندگی کو بھی پورا کر سکتا ہے (اللہ صمد من خلق وهو اللطیف الخفیہ)۔ کیا میں نے پیدا کیا وہ بھی (تعمیر و حالت کو) نہ جانے گا حالانکہ وہ تو بڑا باریک بین اور خبردار ہے۔ مگر یہ مقام اسی کو حاصل ہوتا، بلکہ اُس کی کو بھی وہی پاتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنا سستہ جوہر کی توفیق عطا فرمائی ہو۔ پھر جس حقیقت کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کی تاکید کو اپنے اس ارشاد سے اور بڑھا دیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی فرمایا ہے۔

من ذكرني في نفسه وذكرته في نفسي ومن ذكرني في صلاه

ذكرته في ملائكتي عنده ومن تقرب الي بشئ تقربت منه

خدا یا! من تقرب الی خدا تعالیٰ تقربت الیہ بلا واسطہ، امانی یعنی اتینتہ حر و لہ۔ جو مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے میں اُس کو اپنے دل میں یاد کرتا ہوں اور جو مجھے جماعت میں یاد کرتا ہے میں اُس سے بہتر جماعت میں اُس کا ذکر کرتا ہوں اور جو میری طرف ایک بات آتا ہے میں اُس کی طرف ایک بات بڑھتا ہوں۔ جو میری طرف ایک بات بڑھتا ہے میں اُس کی طرف دو بات سے زیادہ بڑھتا ہوں جو میری طرف چل کر آتا ہے میں اُس کی طرف دوڑ کر جاتا ہوں۔

(مطلب یہ ہے کہ بندہ جب میری طرف متوجہ ہوتا ہے میں اُس سے زیادہ اُس کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ اس معنوی کو کھلانے کے لیے اس عنوان خاص سے بیان کر دیا گیا میں کا ظاہر مولو نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ دل سے مسافت سے اور حرکت و سرعت سے منزہ ہیں) نیز قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :-

الذین یذکرون الله قیاما وقعودا وظلی جنوبہم (وہ اہل عقل کون ہیں؟ وہ ہیں) جو اللہ کو یاد کرتے ہیں کھڑے ہوتے، لیٹتے ہوئے بھی، لیٹتے ہوئے بھی، اس اشارہ میں غور کرو کہ ذکر پر ایسا دوام ہونا

حضور (دورب) حاصل ہوتا ہے جس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان فرمایا ہے انا مجلس من ذکوفی میں اس کا ہر نشین ہوا ہوں جو مجھے یاد کرتا ہے۔ پس اگر کوئی کو کچھ قتل ہے تو مجھے کہ تجھے کیا قصہ کیا گیا ہے اور اسے کیوں قتل کیا ہے اور کون ہے (تو اللہ کا محب ہے یا نہیں) اور مجھ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کی دلیل بھی تیرے پاس ہے یا نہیں؟
 قوله الوجه السادس فيه دليل على افضلية الشغل الى قوله ومن انت يا مكين -

شارح نے اس مقام پر **فت سہولت ذکر اور دوام ذکر کا طریقہ** علم عظیم اور حکمت باہرہ کی طرف اشارہ کیا ہے اس کو واضح کرنے کی ضرورت ہے اس لیے اس کو مکمل کر بیان کرنا چاہتا ہوں کہ تم ذرا اپنے ذہن کو تودیکھو کہ کیا یہ ایک لحظہ خیالات، تفرقات، خواہش اور دوس سے خالی بھی رہتا ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ ایک اور ایک لڑا چلا آ رہا ہے۔ ایک لڑتا ہی مہل دسے نکل رہا ہے۔ اس کی حقیقت میں غور کرو تو معلوم ہو گا کہ یا تو اپنے خیالات ذہن میں آتے ہیں یا بڑبڑاتے؟ اس کی کوئی طرف سے روک نہیں جاسکتی۔ کون سی طرف اس کو روک سکتی ہے؟ کسی خیال کو ممکن ارادہ کی قوت سے پیدا نہ ہونے دینا انسان طاقت ہے! ہر ہے۔

خیالات آیات معلوم ستر ستر سے تصور کرتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انسان ذہن کے پیدا کرنے پر قادر ہے، ذہن کے قیام کرنے پر۔ لیکن انسان کو اتنی طاقت ضروری لگتی ہے کہ اپنی توجہ بڑے خیالات کی طرف سے ہٹا کر اچھے خیالات کی طرف مبذول کر دے یا علم نفسیات کی اصطلاح میں یوں کہیں گی خیالات کو ایسا ہی خیالات میں بدل دے یہی مجاہدہ کی حقیقت ہے۔ ذہن میں ایسی ہی خیالات اضطراب کی طور پر پیدا ہوتے ہیں۔ اب یہ آپ

چاہتے، کہ چندہ کی کوئی حالت بھی ایسی نہ ہو جس میں وہ مستقل جلوت میں مشغول نہ ہو۔ اگر عبادت کا یہ طریقہ (یعنی ذکر) مشروط نہ ہوتا تو دنیا سے بالکلیہ علیحدگی کے بغیر دوام جلوت کا مقصود ہی نہ ہو سکتا اور یہ صورت ہماری فطری احتیاج کے منافی تھی تو اللہ تعالیٰ نے اس عجیب طریقے سے ہماری احتیاج کے ساتھ عبادت کو صحیح فرمادیا کہ ذکر کو بھی عبادت کی جگہ قائم بنادیا اور اس طرح ہم کو تمام جہانوں کی طرف اپنے فضل و رحمت سے آسان اور نزدیک راستہ سے پہنچا دیا اور ہر جہان سے بیان کیا ہے کہ کھانے کے وقت اللہ کا نام پڑھائیے وغیرہ وغیرہ۔

اس باب کی حدیثیں ہم نے یہاں بیان نہیں کیں۔ کیونکہ یہاں ہمارا مقصود اس خبر کی طرف مابنائی کرنا اور (مخاطب کے) دل میں اس (راہ میں مشغول) کو ذرات تھا تا کہ اس کی قدر کی جائے ورنہ معنی حالتوں کے متعلق ہم نے ذکر کی تاکید ہے ان سب کے بارے میں متعدد حدیثیں وارد ہیں۔ ایک (دو) نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے (ہماری) عمر و زکی اور توفیق الہی نے مدد کی تو انشاء اللہ ان سب احادیث کو مستقل کا محب بنیں گے تاکہ واقفیت حاصل کرنے والوں کو آسانی ہو۔
 بگوئے و فضله ان شاء الله تعالى اور اسی حقیقت کی وجہ سے موفیق کو دوسروں پر فضیلت حاصل ہوئی۔ کیونکہ وہ ہمیشہ ذکر میں مشغول اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہتے ہیں۔ اس خاص حالت ہی کی وجہ سے ان کو خواص کہا جاتا ہے۔
 اس لیے موفیق نے (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) کہا ہے کہ اگر تم ہماری محبت میرے ساتھ ہو تو حاضر تو جہاں بھی جانا ہے ہو مجھ کو کہہ کے ساتھ جانا ہے (یہی تم کو بھی ہر حال میں ہمارا ذکر کرنا چاہیے) کیونکہ دوام ذکر سے اللہ تعالیٰ کی ہم نشینی اور عہ معلوم نہیں وہ کتاب حضرت شاذلی رحمہ اللہ سے ہے یا نہیں؟ اور کبھی ہے تو کبھی ہوتی ہے یا نہیں؟
 لیکن اس باب میں جس حدیث میں کل کتاب ہے وہ حضرت عیسیٰ مسیح سے تشریف لے کر آئے اللہ عز و جل سے
 الروی میں اس کا لفظ اچھا اصلاح فرمادیا ہے = (یعنی صحابہ قبل تین ناشر =)

کیسی ہی طریقت اور دل کش کیوں نہ ہوں نور کو چھوڑ کر غفلت میں گرفتار نہ ہونا ہے۔ اور غفلت سے ضیق، غم و وزن اور خوف کے سوا اور کیا حاصل ہوتا ہے غفلت میں کوئی چیز بھی اپنی جگہ خود غافل میں نظر نہیں آسکتی۔ پس ظاہر نظر میں اشیاء کی یہ اور ظہری نفس کا دھوکہ ہے۔ التباس سے قربت واپس آجی اور غم کا ہوا ہے۔ بخوری ہی دیر بعد غم کا سایہ قلب پر چھا جاتا ہے۔ ابھی انکسار و تقاضا دیر بعد خوف ظاہری ہو جاتا ہے۔ طبیعت میں استقلال و استحکام نہیں ہوتا۔ کوئی پناہ کاہ نظر نہیں آتی۔ اگرچہ ہم بعیرت مکمل ہائے اور غفلت کی جگہ نور دل میں جلوہ گر ہو جائے تو تمام اشیاء اپنی اصلی حالت پر نظر کرنے لگیں گی۔ حیاتیہ فیترہ نصیب ہوگی۔ طریقت و برہر قلب حاصل ہوگی خوف و وزن داخل ہو جائے گا۔ استقلال و استحکام چھوٹا ہوگا۔

الایذکر اللہ قطعاً القلب من عمل صالحا من ذکر و انقیاد

هو مؤمن - فنیعت نہ جوع طیبہ ط

پس ہم کو نور قلب حاصل کرنا چاہیے جس کا ذریعہ ذکر و اشرف بہتر نہیں ہو سکتا۔ بہر حق تعالیٰ کی یاد کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ اس کا ذکر زبان پر جاری رہے۔ فاذا ذکر اللہ ذکر اکثرا۔ ولا يزال لسانك رطبا من ذکر الله۔ ذکر اللہ پر نور حاصل ہو۔ اٹھنے بیٹھنے میں مشغول ہو اور مقصود اس سے رضاء و قرب الہی سے سوا کچھ نہ ہو۔ جب دل کی قریب ذکر الہی کی وجہ سے غفلات و دنیا سے ہٹ کر ایک مرکز ہو کر ہوگی تو خود بخود فاسد اور پریشان کن خیالات و وساوس کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ خیالات کی پرانگی موقوف ہوتے ہی ایک دو عالمی کیفیت اور طہانیت سے قلب محمود ہو جائے گا۔

اس دوسرے معاملہ ہوجانے کے بعد تمام چیزوں سے استغناء ہوجانے کا نہ کسی چیز کے معاملے لذت ہوگی کسی چیز کے فحاش ہونے سے رنج۔ کسی کی چیز سے لذت ہوگی تو اللہ کی نعمت سمجھ کر ہوگی۔ اگر نہ ہوگا تو اللہ کی ناراضی کے خیال سے ہوگا۔

کے اختیار میں ہے کہ ان خیالات کو کھلے لگائیں اور ستر زمان کی طرح حیرت و دقت سے دل میں جگر دے دیں یا یہ کہ ان کے ذہن میں آئے ہی ایمانی خیال کو ان کی سرکوبی کے لیے انہیں اور نور کی قوت کو غفلت کی طاقت کے مقابل کر دیں ان الذین انعمنا واصحاب طائف من اشیائک تذکرنا فانما ذلک بصیرہ۔ ظاہر ہے کہ نور و غفلت کے مقابل میں نور ہی کامیاب ہوگا۔ کیونکہ غفلت نور ہی کی کیفیت کا نام ہے۔ نور کے نہ ہونے ہی سے غفلت پیدا ہوتی ہے جہاں نور ہو وہاں غفلت کیسے آسکتی ہے؟

شاید علیہ السلام نے یہی طریقہ ہم کو بتایا ہے کہ تم اس پر تو قادر ہیں ہو کر بھی خیالات کو ذہن میں نہ لے دو مگر اس پر قادر ہو کر ایمانی خیال کو ان کے مقابل کر دو۔ ایمانی خیالات میں سب سے زیادہ ایمانی خیال حق تعالیٰ کے خیال ہے جو تمام محاورہ محاسن کے جامع اور تمام خوبیوں اور کمالات کا سرچشمہ اور طریقت و سرور اور علو و قوت و عزت و سطوت کے مبداء ہیں۔ اگر تم اپنے قلب کو تمام یہی خیالات سے غالی کر کے حق تعالیٰ کے خیال کو اس میں جمائے گی کہ کوشش کرو گے تو چند روز میں حق تعالیٰ کے صفات کا اپنے اندر تصور دیکھو گے۔ فطرت انسان کا یہ خاصہ ہے کہ وہ جس کے خیال اور ذہن میں رہتا ہے وہی ذرا ذرا ہی کی خواہش میں پیدا ہونے لگتی ہے۔ اس قانون کو ماننے کے بعد تم ہرگز سبھی خیالات پر توجہ کو زیادہ مرکوز نہ کرو گے بلکہ ایمانی خیالات ہی کو دل میں جمائے گی کہ کوشش کرو گے۔ اب تم بھی بتاؤ کہ حق تعالیٰ سے بہتر کوئی اور چیز ہو سکتی ہے جس سے تم ایک لحظہ کے لیے بھی جتنی سنے میں غرض نہ کرتے ہو سہ

کیست ذو بہتر بگو اسے بہت کس

تا بدان دل شاد باشی یک نفس

اگرچہ ہم بعیرت مکمل ہوتی ہے تو پھر کیا حق تعالیٰ کے ذہن سے بہتر اور کسی کی ذہن ہو سکتی ہے؟ ہرگز نہیں؛ حق تعالیٰ کو چھوڑ کر خلق میں محویت گو وہ بظاہر

جو اللہ تعالیٰ کی طرف دعا کرنے سے حاصل ہوتے ہیں اور بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ سداوت و مسرت کا سرچشمہ خود ہمارا دل ہے۔ حق تعالیٰ کا جلد و گاد خود ہمارا قلب ہے۔ کسی ایسی دل نے کہا ہے ۷

شوقِ جنان بھی آنکھ اٹھاتا ہے بار دل
گر کھل جائے دیکھ رہا ہوں ہمارے دل

دوسرا کہتا ہے ۷

بیابا و تماشائے خوش نگارہ کن !

چرخِ شگفتہ بک ازلیم کوئے حبيب

عارف شیرازی کہتے ہیں ۷

خلوتِ مزیدہ را تماشای حاجت

چوں کوئے دوست بہت ہجرِ حاجت

آفاق میں حق تعالیٰ کا ظہار ہیں ہر شے کے ساتھ جنت حق جو ہم سے مگر علمِ محج کے استعمال سے وہم و التباس کو دور کرنے اور نظر کی اصلاح کرنے کی ضرورت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف حالات و اوقات کے لیے جو خاص خاص افکار و اور تعلیم فرمائی ہیں ان کا مقصد یہ تھا کہ ان کی پابندی سے نفل کی اصلاح ہوتی فقط نظر دلا تو معلوم ہوا کہ نفس و آفاق میں حق تعالیٰ کے نشان و عیاں ہیں۔ ان سے ہی تعلق قائم کرنا ان ہی کی یاد کا دل میں جانا تمام مقصودوں اور عبادتوں کا حاصل کرنا ہے۔ اللہ سے خلعت و ذہول اور خلق میں استقرار و اہتمام تمام باتوں اور آفتوں میں گرفتار ہونا ہے ۷

عشقِ بصرہ نہا شد پائندار عشقِ را باجی و ہاتیم دار
گرگزینی برامید راستے ہم ازنا بجا پشت آید آستے
نہیں کبے بے دودے دام نیست جو خلعت گاہ حق آرام نیست
مگر سے باہر قدم نکالو تو اللہ کو یاد کرو۔ بازار میں جاؤ تو اس کو یاد کرو۔

مگر اللہ تعالیٰ کی دعا و عہد و دعا کا طریقہ تسبیح و تہلیل میں تمہارے سامنے ہے اپنے اعمال کو ان سے جا بچ لینے کے بعد پھر دُنیا کی کسی چیز کے قوت ہونے سے رنج نہ ہو گا ۷

اذا نصبت لى كرام عشقى فخذال عجبنا عطف لى
ایک طریقہ کا ذکر یہ ہے کہ مختلف حالات مختلف اوقات کے متعلق جو دعائیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی ہیں ان کی پابندی کی جائے اس طرح کسی وقت بھی اللہ تعالیٰ سے غفلت دل میں راہ نہ پائے گی۔ کیونکہ ان کی پابندی اُسی وقت ہو سکتی ہے جبکہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی یاد دل میں جمی رہے۔ پہلے پہل اس پابندی میں کسی قدر دشواری اسی لیے ہوتی ہے کہ قلب میں اللہ تعالیٰ کی یاد پوری طرح نہیں جمی۔ پھر ہر موقع پر دل میں خود بخود اس دعا کا تقاضا پیدا ہونے لگتا ہے جو حضور نے اس موقع کے لیے ارشاد فرمائی ہے۔ ان دعاؤں کا خاص فائدہ یہ ہے کہ اپنی ہر حالت ہر کیفیت اور دُنیا کی ہر شے کے متعلق یہ عقیدہ دل میں ساخ ہو جاتا ہے کہ تو کچھ بوتا ہے اور یہود ہے اللہ کی شہادت سے یہود ہے۔ دُنیا میں جو چیز بھی ہے اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور محکوم ہے۔ وہی رب اور حاکم ہیں۔ ان کے ہوا کوئی رب ہے نہ مؤخر نہ نفع دینے والا ہے نہ ضرر دینے والا۔ چونکہ ہمارا سابقہ ذات دن ان ہی اشیاء سے رہتا ہے۔ یہی ہمارے سامنے ہیں۔ یہی ہمارے دل و دماغ میں بسی ہوئی ہیں۔ ان ہی کی محبت سے ہمارے قلوب بہرے جوتے ہیں۔ مگر سب قابل اور ذوال پذیر ہیں ان کا ذوال و فنا ہمارے تحزن و غم کا باعث ہوتا ہے تو ہم کو چاہیے کہ مخلوق کو دیکھ کر خالق کی طرف ذہن کو منتقل کریں تاکہ ہر وقت حق تعالیٰ ہی کا جلوہ نظر آئے۔ ہر شے کی سببی جنت سے توجہ کو ہٹا کر یہاں جنت یعنی جنت حق کی طرف انتقال کریں۔ اس طرح باوجود دل میں قائم ہونے لگے گی۔ اب ہمارے ذہن میں شے نہ ہو گی حق ہو گا اور ان تمام امور سے قلب معذور ہوئے گی گا

باب ثمت

حدیث

اشراط الساعة

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم
لا تقوم الساعة حتی یبقی العلم وتکثر الزلازل ویقلب الزمان و
تکثر الفتن ویکثر الحرج وھذا الفتن حق یکثر فیکمال فیفین.

== ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا
تائم ہوگی۔ یہاں تک کہ علم (دُنیا سے) اٹھایا جائے اور اللہ کے کثرت سے آئیں اور
زمانہ قریب قریب ہو جائے (یعنی کھٹے گئے) اور کتنے ظاہر ہوں اور کثرت و خون
لایہ ہوئے گئے۔ یہاں تک کہ تمہارے اندر مال کی اتنی کثرت ہو جائے کہ بیٹے گئے۔

شرح ظاہر مراد یہ ہے کہ یہ پانچ چیزیں جو یہاں مذکور ہیں قریب قیامت کی
علامت ہیں اس سے ہیں۔ اس کے متعلق چند باتیں بیان کرتی ہیں۔

یہ علم جو دنیا سے اٹھایا جائے گا علم منقول ہے یا غیر منقول؟ تو اللہ تعالیٰ
(۱۲۰) کی توفیق سے ہم کہتے ہیں کہ اس سے اس نور کی طرف اشارہ ہے

علم حقیقی وہ نور ہے جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فیضانِ فہم ہوتا ہے
ہم کے فہم اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے

وکان کھولو تو اللہ کو یاد کرو۔ جس میں قدم رکھو تو اللہ سے ڈھا کرو۔ باہر آؤ تو اسی
سے فضل کی درخواست کرو۔ بری چیزوں کو دیکھو تو اُس کی نعمت کا شکر کرو۔ کھانا
کھاؤ تو اللہ کے نام سے شروع کرو۔ کھانا کھا چکو تو اُس کی نعمت کا شکر یہ لو کرو۔
سوسے کا ارادہ کرو تو موت کو یاد کرو کہ اللہ کی حفاظت کا دامن پکڑو۔ جاگو تو
نئی زندگی عطا ہونے پر اللہ کی حمد کرو۔ اسی طرح ہر حالت ہر وقت اور ہر
کیفیت میں اللہ تعالیٰ کی حکمت و قدرت اور حکومت و ولایت کا مشاہدہ کرو خود اپنی
فات کو اپنی ہستی کو بھی اللہ کی مخلوق و محکوم سمجھ کر دیکھو۔ اللہ سے غافل ہو کر
اپنی آہنی پر نغز نہ کرو۔ یہ مراقبہ ماسخ اور کامل ہونے کے ساتھ ہی فانی ہوتا ہوا فہم
ہو جاتا ہے اور غفلت اقرب الیہ من اجل الودید کے معنی کی ابتداء کی فہم حاصل ہونے
لگے گی اور تڑپاں حال سے پورے کئے گئے۔

حسن نوکیش از روئے خواباں آشکارا کردہ
ہیں بچشم عاشقان خود دانا شاکر کردہ

جعلنا اللہ وایاکم من راقب اللہ فوجدکم مجاہد امین !



اسی قابل تھے کہ کہ ان میں لداہمت بڑھ گیا تھا۔ دوسرے ان لوگوں کے دونوں
میں خوف پیدا کرنے کے لیے جو اللہ سے ڈرنے والے ہیں۔ کہ کہ زلزلہ بھی قدرت
کی نشانیوں میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ومانوسل بالآیات
الانحویہ اور ہم ان نشانیوں کو ڈرانے ہی کے واسطے بھیجتے ہیں اور یقیناً قرب
قیامت میں فدا ہو جائے گا تو اس وقت زلزلے بطور عذاب کے بھی آئیں گے
اور اس لیے بھی کہ جن کی تقدیر میں سعادت ہے وہ اس سے عبرت حاصل کریں۔

دوسری حکمت یہ ہے کہ قیامت بہت بڑے زلزلے کے ساتھ آئے گی۔ جیسا
حق تعالیٰ نے فرمایا ہے فَذُكِّرُوا كَذَلِكَ وَلَمَّا دَخَلُوا مِنْ حَتَّىٰ يَذَرُوهُم
وَلَمَّا اخْتِذَا نَاصِحًا بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكْبَرُوا لَوَجْهِهِ وَمَاتُوا صَعُونَ
حَتَّىٰ اِذَا فُتِحَتْ عَلَيْهِمْ بَابُ اِذْ عَذَابٍ شَدِيدٍ اِذَا هُمْ
فِيهِ مَبْسُورُونَ۔

اور ہم نے ان کو حجاب سے پکڑا اور وہ اپنے رب کے سامنے دیکھ رہے تھے
ناری کرنے لگے۔ یہاں تک کہ جب ہم نے سخت عذاب کا دروازہ ان پر
کھولا تو اب وہ سٹ پٹانے رہ گئے۔

مطلب یہ ہے کہ اول ان کو معمولی جہاز سے پکڑا گیا تاکہ محبت تمام ہو جائے
اور (اپنی حرکتوں سے) باز آجائیں۔ جب اس پر بھی باز نہ آئے تو عذاب مسلک
نے ان کو آویا۔ پس (یعنی) حکیم کی مشیت ہی ہے کہ پہلے عفو و رازا عذاب پہنچتے
ہیں پھر جس میں تیر کی اہلیت ہو وہ اللہ کی طرف رجوع کرے۔ اور جو عذاب ہی
کے لائق ہیں ان پر عذاب نازل ہو۔

اسی قاعدہ کے موافق قیامت سے پہلے بہت زلزلے آئیں گے۔ کہ کہ حکمت
کا تقاضہ یہی ہے کہ بندوں کو اتنی ڈرانا دیا جائے۔ اگرچہ اس سے ان لوگوں کو نفع
نہ ہو گا کہ ان کے لیے عذاب نازل ہو رہے وہ برابر اپنی ہی میں ترقی کرتے رہیں گے
تو ان کو سخت دلا کا سامنا ہو گا حکمت بالذات فماتوا صاعون النذر عمن قیامت

(فیضان) قسم ہوتا ہے۔ کہ کہ کہ ان میں تو ہمیشہ رہیں گی بلکہ زیادہ ہوتی رہیں گی۔ لیکن
قسم دہن میں نہیں ہوتا ہے کہ یہاں تک کہ کسی وقت) ہاں ہی آئے جائے گا
اس پر پہلے بھی ہم ایک حد تک کی شرح میں غفلت کر چکے ہیں۔ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ علم کو اس طرح دے گا کہ انہیں گمے کہ لوگوں کے
دونوں سے اس کو نکال دیں (بلکہ اس طرح اٹھائیں گے کہ علماء کو دینے سے اٹھا
لیا جائے گا) وَلَمَّا دَخَلُوا مِنْ حَتَّىٰ يَذَرُوهُم وَلَمَّا اخْتِذَا نَاصِحًا بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكْبَرُوا لَوَجْهِهِ وَمَاتُوا صَعُونَ
یَنْتَهِرُهُمْ مِنَ الْعَذَابِ۔

ف معلوم ہوا کہ علم حقیقت میں نور ہے جو دل میں حمل اور تقویٰ کی برکت
سے پیدا ہوتا ہے۔

(۱۲۱) آیات الیس سے عبرت حاصل کرنا چاہیے رسول اللہ
کا یہ ارشاد کہ زلزلے کثرت سے آئیں گے۔ اس پر سوال یہ ہے کہ اس میں دینی
قیامت کے قریب کثرت زلزلے آئے ہیں (کوئی ایسی حکمت ہے جس کو ہم سمجھ سکیں یا
ہم کو وہاں تک رسائی نہیں ہو سکتی۔) جب یہ ہے کہ حکمت تو یہ ہے اور اللہ تعالیٰ
کی عادت جاریہ کے متفقین پر نظر کر کے وہ حکمت ظاہر ہو گئی ہے مگر یقین کے ساتھ
کوئی نہیں کہ سکتا کہ اس میں ایسی حکمت ہے اس کے سوا کچھ نہیں۔ لیکن یہ ہے کہ جو ہم
نے سمجھا ہے وہ نہ ہو کچھ اور حکمت ہو (ہر حال شریعت کے تابع (اور اس میں تفرق)
کھنسنے سے ہیں زلزلہ کی دو حکمتیں معلوم ہوتی ہیں۔

ایک یہ کہ عادات انہوں جاری ہے کہ زلزلہ وہ جسے آتا ہے ایک انتقام
کے لیے جب وہ کسی سے انتقام لینا چاہے۔ چنانچہ ہر گز شاید ہے کہ زلزلے سے بہت
لوگ ہلاک اور برباد ہوئے ہیں تھا کہ ہم سے زمانے تک بھی ایسا ہو رہا ہے چنانچہ
جس وقت میں افریقہ میں تھا تو تو اس کے ساتھ یہ خبر پہنچی کہ افریقہ کی ایک بستی
میں زلزلہ آیا جس سے وہاں کی پوری آبادی زمین میں دھنسن گئی اور وہ لوگ

کی حالت سے درد ہوتی ہے بطور نعمت کے نہیں (آئی) اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں جس دن میرے علم کے اندر کچھ ترنہ نہ ہو اور نہ میں کسی پر کوئی انسان کروں تو اُس دن آفتاب کا طعوب ہونا میرے واسطے نامبارک ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مومن کی عیہ ہر کی کوئی ثمرت نہیں ہوتی (دیکھ کر) وہ اُس میں اپنی بجزئی کو بنائیتا ہے اور بجزئی کو بنائے کا طریقہ بجز توبہ اور عمل صالح کے کیا ہے کہ اس کے ذریعے وہ اپنے نقصان کی تلافی کر سکتا ہے اور توبہ عمل کا نام ہے اس کے سوا کچھ نہیں کہ توبہ پر دنیا کی محنت غائب ہو اور کسی میں دانِ شغول ہو۔ دنیا کو آخرت کے کاموں پر ترجیح دینی چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں اس حقیقت پر مشتبہ فرمایا ہے:

بقوله انتم في ظلمة وذكروا من صفات اهل الانوار
قبل احوالهم وسياق زمان وذكروا من صفات اهل الانوار
بعد احوالهم قبل احوالهم۔

”تم دیکھ لیتے ہیں میں میں میں خواہش نفس پر عمل کو مقدم کیا جائے پھر ایک زمانہ آنے کا جس میں خواہش نفس کو عمل (صالح) سے مقدم کیا جائے گا“
وقال عليه السلام من ابتداء بخلق من دنيا فانه حظه من الآخرة ولله
يل من دنيا الاما كئيب له ومن ابتداء بخلق من الآخرة نال من
آخرة ما يحب ولله يفتنه من دنيا واما كئيب له۔

”نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص دنیا کے حق کو مقدم کرے گا اُس سے آخرت کا حشر ہوتا ہے اور اگر دنیا میں سے اُن کی جائے گا جس کا حق کے لیے مقدم ہے اور جو آخرت کے حق کو مقدم کرے گا اُس کو آخرت میں اس کی خواہش کے موافق ملے گا اور دنیا میں جتنی مقدم ہے ثواب ہوگی“

وقال عليه السلام من غلبت الساعة وذكريه ويقن العمل۔

نیز فرماتے صفات قیامت میں جو بھی میدان فرمایا ہے کہ اُس وقت عمل کم ہو جائے گا“

کا زلزلہ بہت سخت ہوگا جس سے تمام زمین ایک دم شکستہ ہوکر دیرہ دیرہ ریزہ ہو جائے گی تو اس سے پہلے بہت سے زلزلے آئیں گے تاکہ لوگ کی کثرت سے لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اسی قسم کا ایک بڑا زلزلہ ہی آنے والا ہے۔ قوله ویکثر الکلال
فهل هذا فيه معنى من الحكمة الى قوله يوحى الاول الى الثاني من هذا۔

آیات اللہ سے عبرت حاصل کرنا مومن کا خاص مذاق ہے وہ ادنیٰ ادنیٰ غائب بھی دیکھ کر اندر کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

(۱۳) ایسا عمل صالح وقت میں بھی برکت ہوتی ہے اور عمر و مال میں بھی

زمانہ کے قریب قریب ہونے (اور گنتے) کا کیا مطلب ہے آیا انسان حتی ملوہ ہے یا نقصان باطنی؟ دونوں احتمال میں اور ظاہر یہ ہے کہ دونوں ہی ملوہ ہیں کیونکہ آثار میں دونوں بھلا بگ الگ اشارہ وارد ہے۔ نقصان باطنی تو واقع ہو چکا ہے اب ہم کو نقصان مادی اور نقصان باطنی (کی حقیقت) کے بیان کرنے کی ضرورت ہے اور آثار میں ہر اشارہ دونوں کے متعلق وارد ہے اُس کو بھی بتلانا ہے تو (بھوکو) نقصان باطنی کا مطلب یہ ہے کہ عمل میں نقصان واقع ہوگا۔ کیونکہ انسان کی عمر ہی اُس کا رأس المال (اور حقیقی سرمایہ) ہے اور اس کا نفع یہ ہے کہ عمل اچھا ہو اگر بارگاہ کاموں میں کمی ہوئے گئے تو زمانہ ناقص ہوگا کیونکہ اُس سے فائدہ کم ہوگا۔ سچے درست اور عمل کی حالت ہے کہ اگر سبیل میں کمی ہو تو کما جائے کہ یہ درست نقص ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ولنبؤکم منی من الخوف والجوع ونقص من الاموال والافسوس والافرات

”ہم تم کو محض وہ باتیں گے کسی قدر خوف سے اور فاقہ سے اور مال و جان اور

فترات کے نقصان سے“

(معلوم ہو کہ ان چیزوں کا نقصان بڑی مصیبت ہے جو بطور ابتلا کے اللہ تعالیٰ

عہ اس بات کا ربط مقصد اشارہ سے ظاہر نہیں ہو۔ ۱۳

دکھو نہ چہ مژدہ کر چلو اور اسے اللہ کے بندوں میں سے بھائی ہو جاؤ۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ لوگوں! اپنے بھائی مومن کے لیے وہی چاہتا ہے جو اپنے لیے چاہتا ہے۔ نیز آپ کا ارشاد ہے: اللہ فی ہون العباد ما کان العبد فی ہون اخیه (میرا خدا ہے (اپنے) بندہ کی مدد کرتے دہشتہ ہیں جب تک وہ اپنے بھائی (مسلمان) کی مدد کرنا چاہتا ہے) حضرت سلف کا یہی طریقہ تھا۔

ہمدردی اور خیر خواہی خلق سے مال میں برکت ہے، خواجہ عیوب واقفہ

چنانچہ یہی سنیے ایک تاریخ میں دیکھا ہے کہ ایک بادشاہ نے کسی ملک پر قبضہ کیا تو خزانہ میں گیسوں کے دانے بھی دیکھے جو اس گیسوں سے بہت بڑے تھے جو عام طور پر لوگوں کی نظروں میں نہ آتا ہے۔ بادشاہ نے اس کے متعلق تحقیق کی کہ یہ گیسوں کسی نے فرمائے ہیں رکھے اور کسی لیے رکھے (تو ایک ٹوڑے سے جس کی عمر بڑی ہو گئی تھی بتلایا کہ اس کی حقیقت سے واقف ہوں۔

بات یہ ہے کہ ایک جوان اور بڑے سے شرکت میں کھیتی کی تھی جب کھیتی کٹ گئی اور خرچہ کیا نہ ہو گیا تو دونوں نے (اس کے دو حصے کر لیے پھر ایک سے دوسرے سے کہا کہ اس فز کو بادی بادی اٹھانا چاہیے۔ ایک دوسرے اپنے حصہ میں سے کچھ اٹھا کر گھر پہنچاؤں میں اپنے اور تمہارے حصہ کا پھر دوں گا۔ پھر میں اپنے حصہ میں سے کچھ اٹھا کر گھر پہنچاؤں گا۔ تم میرے اور اپنے حصہ کا پھر دینا۔ چنانچہ اس قرارداد کے مطابق اول بڑے سے اپنے حصہ میں سے کچھ اٹھا یا اور جوان پھر پر دیا۔ بڑے کے ہال بچے بہت تھے تو جوان دل نہ دیں کہنے لگایا بھلا آدمی ہے اس کے ہال بچے بھی ہیں تجھے اس کی مدد کرنا چاہیئے تو وہ اپنے ڈھیر میں سے کچھ گیسوں نکال کر اس کے ڈھیر میں ڈال دیتا۔ پھر جب جوان کے اٹھانے کی باری آئی اور بھلا پھر پر دیا جو اس نے اپنے دل میں کیا یہ جوان آدمی ہے لوگ اس کے پاس رہنے لانے کو زیادہ آتے ہیں۔ تجھے اس کی مدد کرنا چاہیئے۔ اس نے بھی اپنے ڈھیر میں سے گیسوں

اور اس معنوں میں بہت مددیں وارد ہیں۔ تو (اس تقریر سے) وہ بات واضح ہو گئی جو نقصان (بائی کے متعلق ہم نے عرض کی تھی اور یہ توفیق اور نفع کے طریقہ پر (حکام) تھا۔ دہے حضرت اہل معاملہ (صوفیہ کرام) تو اس کے طریقہ پر (نفع دینا) کا بیان یہ ہے کہ وہ فرماتے ہیں وقت ایک تھکا ہے اگر تو کس کو نہ دلائے گا وہ تجھے کات دے گا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تم اس کو مل (صال) میں نہ دگراؤ گے تو وہ تم کو اس مثال میں ہی ختم کر دے گا۔

آج کل دنیا کے کاموں اور دنیاوی معاملات میں بھی بے برکتی ہو رہی ہے

یہ تو حال آخرت کا بیان تھا اور اب تو حال دنیاوی میں بھی نقصان ظاہر ہو گیا اور تمام معاملات میں اسی طرح واضح ہو گیا ہے۔ چنانچہ اہل صنعت جس سے کوئی بھی اپنی صنعت میں اس درجہ پر نہیں پہنچ سکتا جو پہلے آدمیوں کے متعلق بتایا ہے اسی طرح تاجر اور کاشت کار حتیٰ کہ بادشاہ بھی اس درجہ پر نہیں پہنچ سکے۔ اس کے علاوہ تمام دنیاوی اسباب و ذرائع میں بہت ہی نقص واقع ہو گیا ہے جس کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ لوگ اللہ تعالیٰ کے حقوق و احکام کے بھلائیوں کو کھاتے ہیں اور مستحق کرنے لگے اچھا ہم ایک دوسرے سے مکر و فریب کرنے لگے ہیں اس لیے ان کے بدن اور مال اور عقل (ہر چیز) سے برکت اٹھ گئی اور سب پریش طرح وہاں لگیا کہ لوگوں کو پتہ بھی نہیں کہ ہم کیا سے کیا ہو گئے ہیں) چنانچہ لوگ توبہ کرتے ہیں کہ یہ بے برکتی کہاں سے آگئی؟ حالانکہ ہم نے غلبہ (اور محنت) میں کوشش کا کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا۔ نہ بایں حال ان (و کے سوال) کا جواب دیتی ہے قل ھوں ھذا انفکھ۔ کہہ دو کہ یہ سب کچھ تمہاری ہی ذات سے ہے۔ کیونکہ یہ صفات (اور یہ حالات جو تمہارے اللہ ہیں) تمہارے ایمان کے خلاف ہیں۔ ایمان تو جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے یہ (چاہتا) ہے کہ تم خدا و ملاقات خواہ و ملاقات خواہ اور دو کو اعباد اللہ (خدا) نہ باہم حد کو نہ ایک دوسرے سے نفی

ہائے گا اور سینہ ہفتہ کے برابر اور ہفتہ دن کے برابر اور دن ایک گھنٹہ کے برابر ہوگا (الیٰ خزائنہ) اس عبادت کا تصور ابھی باقی ہے۔ وقولہ ویکثر الزلازل فہل هذا فیہ حسنی من الحکمۃ الی قولہ فہذا معما لبقی خروجه
احمال مالہ اور کھڑے سے وقت میں برکت ہونا صوفیہ کے نزدیک پرہیزگار ہے۔

مستبرقین سے کیا ہے کہ حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب شہید دہلوی عفر کی غار کے بعد قرآن شریف پڑھنا شروع کرتے اور مغرب تک غم کر لیتے تھے بعض ہزرگان سلف نے مختصری عمر میں اس قدر کام کیا ہے کہ ان کی تصانیف کے ادراکی کو ان کی عمر کے ایام پر تقسیم کیا گیا تو ہر دن ہزار گنے ہوئے۔ ان کا تواتر صفحت کا مسودہ سے نقل کرنا بھی دشوار ہے۔ ان حضرات نے ان کو لکھا بھی تھا اور تصنیف کے طور پر لکھا تھا جن میں عبادت اُفرتی اور تدبیر و تامل اور تلاش و تحقیق کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ پھر ان ایام میں سے کچھ اور طلب علم اور سفر و مرجع کے ایام بھی نکال بیٹھے جائیں جن کا مستثنیٰ کرنا ضروری ہے تو یہ اوسط ایک ہزار صفحہ روزانہ سے بھی بہت زیادہ ہو جائے گا۔

(۱۱۳۳) علم شریعت اور دین داری قبل از بقا ہے اور علم تفسیر دین لیا کی جوتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ قتل کی شرت ہوگی۔ اس سے قتل ناحق مراد ہے کیونکہ حدود اللہ کی وجہ سے قتل ہونا تو بستیوں کے لیے بھی رحمت ہے اور غلو کی وجہ سے بھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کسی زمین میں اللہ کی حدود میں سے ایک حصہ کا قلم کیا جائے اس سے بہتر ہے کہ اس پر مہذب بھر باؤش ہوتی رہے۔ (ایک روایت میں (مہذب بھر کی جگہ) جائیں دلا فارو ہے اور قبل تاقی کی کثرت علم اور دین کی کمی جی سے ہوتی ہے اور قیامت کے قریب یہ دونوں کم ہو جائیں گے اور قتل ناحق کی کثرت ہوئے گئے گی) اس کی تائید رسول اللہ

نکاح کر جان کے دھیر میں ڈال دیئے۔ غرض دونوں ہی کہتے ہیں کہ جو ان اپنے پہرہ کے وقت بٹسے کے دھیر میں اپنے گیسوں ملاتا رہا اور بڑھا اس کے گھڑ میں اپنے حصہ سے ڈالتا رہا نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں باری باری گیسوں اُٹھاتے رہے اور غلہ میں برکت ہونے لگی کہ پہلے سے) بڑھنے لگا حتیٰ کہ گیسوں کا دان بھی بڑا ہونے لگا۔ یہاں تک کہ ہر گت ہوئی) دونوں ڈھونٹ ڈھونٹے تھک گئے غلہ کے اُٹھانے سے عاجز ہو گئے اور یہ بھی دیکھا کہ غلہ کا دان بہت بڑھ گیا ہے۔ عام طور پر جتنا بڑا ہوتا ہے اُس کی حد سے بھی نکل گیا ہے تو ہر ایک نے دوسرے سے قسم دے کر پوچھا کہ تو میرے پیچھے کیا کرتا رہتا ہے (تو غلہ میں اپنی برکت جو گئی) تو ایک نے دوسرے کو بتلایا کہ میں تو تیرے پیچھے ایسا کرتا ہوں۔ اُس نے کہا کہ میں بھی کرتا رہتا ہوں۔ یہ دفعہ بستی میں مشہور ہو گیا۔ یہاں تک کہ بادشاہ کو بھی خبر پہنچی تو اُس نے کسی کو بھیجا تاکہ اُس گیسوں میں سے خوشا سا بادشاہ کے سامنے پیش کرے۔ جب بادشاہ نے یہ گیسوں دیکھا تو کہا اس میں سے کچھ زردی کے طور پر! شاہی خزانہ میں رکھ دیا جائے تاکہ بعد والوں کو اس سے عبرت اور نصیحت حاصل ہو تو دیکھو جب ان دونوں نے ادب کے ساتھ حقیقت ایمان کا حق ادا کیا تو ان پر ایمان کی برکتیں نازل ہو گئیں۔ حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں :-

وَلَا تُؤْمِنُ أَهْلُ الْمَقْرِعِ ۚ وَأُولَٰئِكَ أَهْلُ الْغُلَاظِ ۚ وَكَانَ مِنَ السَّادَاتِ ۚ

وہ اور اگر ان بستیوں کے باشندے ایمان دے اور کھڑی اختیار کرتے تو ہم ان پر ایمان دلائیں سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے ۱۱

واب نہ دیا ایمان ہے نہ دیا اتقویٰ تو وہ پہلی سے برکتیں بھی نہیں دے رہی (وہ اپنی نقصان تو وہ ابھی تک ظاہر نہیں ہوا کیونکہ وراثت اور دن کے گھنٹے پر دستور اپنے حال پر ہیں) اگرچہ یہ فرق ضرور ہو گیا ہے کہ ان گھنٹوں میں جتنا کام پہلے لوگ کر لیتے تھے اب اتنا کام نہیں ہو سکتا (اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حتیٰ نقصان کی بھی اطلاع دی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ سال مہذب کے برابر ہو

مولانا فرماتے ہیں کہ

ابرناہد البس من زکوۃ وروزنا افتد بلا اندر جہات

(۱۲۴) طلبہ حرم کے ساتھ کثرت مال بڑا فتنہ ہے مولانا رحمہ اللہ

کا یہ ارشاد کہ تمہارے اندر مال کی اتنی کثرت ہو جائے گی کہ سننے لگے۔ یہاں مال سے چلتی سونا ملو ہے اور کچھ نہیں۔ اگرچہ عرب کے محاورہ میں اُونٹ پر بھی مال کا اطلاق ہو سکتا ہے اور دوسرے لوگ اپنے حرم میں دوسری چیزوں کو بھی مال کہتے ہیں اور اس تفسیق کی ایک دلیل تو اس حدیث میں موجود ہے اور ایک دوسری حدیث میں ہے۔ اس حدیث میں تو حضور کا یہ ارشاد ہے کہ مال پہننے لگے گا اور یہ صفت حقیقت اُن ہی چیزوں میں استعمال کی جاتی ہے جن میں سے نکلتی ہیں۔ مال ہو یا پانی (دوغرو) کبھی مہماز اور چیزوں کے لیے بھی استعمال کی جاتی ہے مگر حقیقت چھوڑ کر فقط کھانا پر غلطی محمول نہیں کیا جاتا۔ بلکہ ہم یہ ہے کہ نفقہ کو ظاہر پر محمول کیا جائے جب تک کوئی مصلحت شرعی موجود نہ ہو اور یہاں کوئی بھی مصلحت نہیں ہے۔

دوسری حدیثوں میں جو دلیل ہے وہ یہ ہے کہ بعض احادیث میں آیا ہے کہ نذرناہت (کا پانی ایک جگہ) سے جتنے گا وہاں ہاں) سونے کا پانی یا ہر جو کچھ لوگ اس پر بار بھائی کر رہے گے۔ یہاں تک کہ ہر شخص سے نہ نوے قتل ہو جائیں گے صرف ایک بچے کا۔ نیز یہ بھی آیا ہے کہ زمین اپنے خزانوں کو اگل دے گی مگر اس وقت ہو گا جبکہ لوگوں میں حرم بڑھ جائے گی اور حرم کی وجہ سے مال کم ہو جائے گا۔ پھر حدیث نے زمین کو کم دینے کے لیے خزانے نکال دے اس وقت مال بہہ نچے گا یا یہاں تک کہ کوئی اپنا صدقہ (اور زکوۃ) لے کر نکلے گا تو اس کا قبول کرنے والا کوئی نہ ہو گا جن کو نہ اپنا چاہے گا وہ کہہ دے گا کہ اگر تم یہ صدقہ لکھتے تو ہم لے لیتے آج تو ہمیں اس کی حاجت نہیں۔ ان حدیثوں سے مال کے

مصلحت علیہ دیکھ کر اس ارشاد سے ہوتی ہے کہ قائل کو خبر نہ ہوگی کہ اس نے کیوں قتل کیا اور مقتول کو پتہ نہ ہو گا کہ اس کو کس وجہ سے مارا گیا۔ قولہ علیہ السلام ویکثر الھرۃ وھذا مقتل انی قولہ ولا المقتول فیماذا مقتل۔

ف آج کل قتل ناجی کی جس قدر کثرت ہے بیان سے باہر ہے۔ کافر مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ باہمی جنگ میں صرف فوج ہی پر حملہ نہیں کرتے بلکہ کئی بیٹوں پر سیدہ دریلیم برساتے ہیں، جس سے شقی ہے کہ وہ ریت، پتھر تیار ہو جاتی ہے۔ جس میں عورت و مرد، بڈھے، جوان، بچے اور بڑے سب ہی ہلاک ہوتے ہیں۔ یہ تو کافروں کا حال ہے۔ سب مسلمانوں کا نہیں۔ انہوں نے بھی کاشفروں کی دیکھا دیکھی یہی طریق عمل اختیار کر لیا ہے۔ جب کوئی جماعت کسی بات پر حکومت برسرِ بیچارہ ہوتی ہے تو وہ دلوں کی چڑیاں اٹھا کر چھینک دیتی ہے جس سے دین کا ڈی گر پڑتی ہے حالانکہ اس میں ناکارہ و مخدع مسافر سوار ہوتے ہیں۔ کوئی ان سے پوچھے کہ مسافروں نے تمہارا کیا بگاڑا تھا تو ان کے ہلاک کرنے اور ٹوٹنے کو تم نے جائز سمجھ لیا

یہاں سے معلوم ہوا کہ علم دین اور سچی دین داری ہی سے دنیا میں امن و امان قائم ہو سکتا ہے۔ علوم دنیویہ سے دنیا میں فساد ہی بڑھتا ہے۔ آج کل علوم دنیا کی اشاعت ہر جگہ بہت زیادہ ہو رہی ہے۔ جاہلی اسکول، کالج اور یونیورسٹیاں قائم ہیں مگر کسی طرح فساد میں کمی نہیں آتی، بلکہ دن بدن ترقی ہے اگر اس کی جگہ علم دین اور دینداری کو ترقی دی جاتی تو یقیناً دنیا فساد سے پاک ہو جاتی۔ ظہر الفساد فی البھر والبر ما کسبت ایدین الناس لیذہبھم بعض الذی علیہم العلم ویرجعون۔ اس حقیقت پر سب سے زیادہ یقین و اعتقاد حضرات موفیہ کو ہے اُن کے نزدیک اعمالی سیر اور قلب دین سے آفات و بلیات کا نزع اور اعمالی عالم و تقویٰ و استغفار و قرب سے ان کا مدافع ہو تا ہے بدیہیات سے ہے۔ پہلے نہ ماننے میں عامر مسلمان کو بھی اس کا پختہ اعتقاد تھا۔ مگر اب اس میں ضعف پیدا ہو گیا ہے

مٹے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے موافق کوئی اپنی نجات کی تیاری کرنے والا ہے ؟
 یہاں ایک نمونہ دیکھو جو ہے وہ یہ کہ جب ان حضرات کو معلوم ہو گیا کہ ان
 بڑے بڑے فتنوں سے بھی نجات ایمان اور اعمال صالحہ کے ذریعہ ہوتی ہے تو انھوں
 نے یقین کر لیا کہ جیسے چھوٹے فتنوں سے تو اعمال صالحہ اور ایمان کے ذریعہ بدہم اہل
 نجات حاصل ہوتی تو انھوں نے ایمان اور عمل صالح کے سوا کسی کام میں اپنے کو
 مشغول نہ کیا بلکہ ہمیشہ کے لیے اُن ہی میں لگ گئے۔ جب انھوں نے دیکھ لیا کہ
 اس دنیا کا فائدہ لانا ہی ہے تو انھوں نے اولیٰ کو آخر کر دیا اور آخر کو اولیٰ کر
 دیا دینی دنیا کو مؤخر اور آخرت کو مقدم کیا، اس لیے فرمایا ہے کہ جب یہ دنیا کا
 گھر باقی نہ رہے گا تو اس کا سامان بھی فنا ہو گا۔ پس ایسے گھر کے لیے کام کرنا
 جس کو فنا نہیں اور جس کا سامان بھی باقی رہنے والا ہے اور اپنے اوقات
 کو نفع سے آباد رکھو۔ ان کو (عمل سے) خالی (چھوڑ کر برباد) نہ کرو۔
 وقوله عليه السلام حق يكثرتكم المال فيقضي المال هنا
 المراد به الفضة والذهب الى قوله ولا تدعه حاليا۔
ف حضرت خولہ کا حرم و بچہ اسے منزه ہونا اور کثرت مال کا طالب نہ ہونا
 مشاہد ہے۔ یہ حدیث اُن کے مٹان کی تائید کرتی ہے۔



قادر ہونے اور رہنے کی کیفیت بھی معلوم ہو گئی کہ زمین اپنے خزانے اگل دے گی
 اور سونے کا پاشا (نفرات) سے اگلے گا اور اس کی جوتھ بٹائی جاتی ہے یہی حرم کے
 ساتھ مال کی قلت وہ قویہ زمانہ میں موجود ہے (تو اس فتنہ کے طور کا ہر وقت اندیشہ
 ہے) کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اُن تک بھی طعن نہیں ہو تا مگر اُس
 کے دونوں طرف دو فتنے ہوتے ہیں اُن میں سے ایک تو کہتے ہیں اللہ عظیم
 ملحق خلقاً اسے اللہ مال خرچ کرنے والے کو (اُس کے مال کا) عوض دیکھئے۔
 دوسرا کہتے ہیں اللہ عظیم ملحق خلقاً اسے اللہ مال جمع کرنے والے کو
 بربادی دیکھئے۔ یہ سوال نہ کیا جائے کہ جب قلت مال کا سبب حرم ہے تو قویہ (غلبہ
 حرم کے وقت) مال (زمین سے) کیوں نکلے گا دیکھو اس علت کا مقصد قویہ ہے
 کہ جب تک لوگوں میں حرم کا غلبہ باقی ہو مال کی کثرت نہ ہو بلکہ قلت ہی رہے
 جواب یہ ہے کہ مال کے ظاہر ہونے اور زیادہ ہونے میں لغت زیادہ ہے بالقویہ
 بلکہ اُس علت کو بھی اُس کے ساتھ طے لایا جائے جو اوپر مذکور ہوئی کہ حدیث قبول کرنے
 والا بھی کوئی نہ ملے گا۔ اس سے بڑھ کر فتنہ کیا ہو گا لہذا مال کے پاک ہونے کی کوئی صورت
 ہی نہ ہوگی محض وبال جان ہی ہوگا) اور خود مال کا زیادہ ہونا اور رہنے لگنا بھی بہت
 بڑا فتنہ ہے (کذا ان الانسان ليطغى ان راعى استغنى ثم يمسك شئ من شئ
 ہو جاتا ہے جب وہ اپنے کو مستغنی سمجھتا ہے تو جب تک ظہر حرم کے ساتھ مال کی
 قلت ہو فتنہ کم ہے۔ اگر مال زیادہ ہو فتنہ زیادہ ہوگا) اس حدیث کا فائدہ یہ ہے
 کہ اس میں (قیامت کی) جو علامات بیان کی گئی ہیں اُن کی تعداد لی کی جائے اور ان امور
 پر اللہ تعالیٰ کی قدرت کا یقین کر کے ایمان کو قوی کیا جائے اور ان فتنوں سے بچنے کے
 لیے وہ عمل کیا جائے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا ہے۔ آپ نے ایک دفعہ فتنوں
 کا ذکر فرمایا تو عرض کیا گیا آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں اگر ہمارے سامنے یہ فتنے آجائیں
 تو آپ نے فرمایا ارجعوا الى الله فان الله هو المصلي ثم ايمان ليس محال بل
 کی پناہ و صورتوں۔ چنانچہ ان میں سے اکثر علامات اب ظاہر ہو چکی ہیں تو کی صحت و صوفی

باب شصت ویم

حدیث

ان لفظ علیٰ حق و لا ملک علیٰ حق

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کیا تجھے یہ نہیں بتایا گیا کہ تم ذات ہر زمانہ میں اہم کرتے اور ہر دن روزہ رکھتے ہو۔ میں نے عرض کیا یہ شک میں ایسا کرتا ہوں۔ فرمایا: اگر تم (میرے) ایسا کرو گے تو تمہاری آنکھیں (خاند کو) گڑھ میں کی اور تمہارا بدن لاغر ہو جائے گا۔ (جیسا سے شکایت ہوگی) اور تمہاری جان کا بھی تم پر حق ہے۔ تمہارے گم والوں کا بھی تم پر حق ہے پس روزہ رکھو، انطاہجی کرو (دات کو ناز میں) قیم بھی کیا کرو اور سوا بھی کرو۔

شرح ظاہر حدیث ہمیشہ ذات ہر ناز پر رہنے اور ہر دن روزہ رکھنے سے خاصیت پر دلالت کر رہا ہے۔ کیونکہ بشر اس سے عاجز ہے۔ اس پر چند وجوہ سے کام ہے۔

(۱۲۵) ہر دن تحقیق کامل کے کسی پر کوئی حکم نہ لگانا چاہیئے

کسی شخص پر کوئی حکم پوری تحقیق اور تفتیش کے بعد لگانا چاہیئے کیونکہ داوی نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ عبداللہ بن عمر ذات ہر ناز پر رہتے اور ہر

دن روزہ رکھتے ہیں۔ تو حضور نے عبداللہ بن عمر پر اس روایت سے کوئی حکم نہیں لگایا بلکہ پہلے ان سے دریافت کیا۔ اگرچہ حضور جانتے تھے کہ جیسے آپ کو خبر دی ہے وہ بھی سمجھتا ہے کیونکہ حدیث صحابہ رب کے سب مقام صدق اور دیانت پر ناز تھے مگر تحقیق کا ایک پہلو باتی تھا کہ خراس شخص سے بھی دریافت کیا جائے تو حضور نے اس پہلو کو نہیں چھوڑا بلکہ ان سے دریافت کرنے کے بعد جب ان کی زبان سے خود شکیانہ تبیین کیا۔ یہ آپ کے اس دریافت کرنے میں چند مسائل شرعی پر نکلتے ہیں ایک تو وہی جس پر ابھی اشارہ کیا گیا۔ دوسرے یہ کہ تحقیق روایت کے متعلق قاعدہ شریعہ مقرر کر دیا جائے کہ مادی لفظ اور مادی بھی ہو جب دوسرے پر کوئی علم اس وقت تک نہ لگایا جائے جب تک خود اس سے معاملہ کی تحقیق نہ کر لی جائے (اور دوسرے) یہ کہ یہ معلوم کیا جائے کہ اس وقت اس عمل کے متعلق اس کی کوئی غامضیت تھی جس کو زبان سے ظاہر نہیں کیا اور اسی لیے وہ فعل میں نہیں آئی یا کوئی خاص نیت دینی۔ نیز یہ بھی معلوم ہو جائے کہ یہ عمل کسی شرط پر متعلق تھا یا نہیں؟ اور اس شرط کا علم داوی کو تھا یا نہیں یا مروتی حسیں یہ بات دینے ہی کہ وہی تھی اس پر عمل کرنے کا پختہ اولاد نہ تھا یا اس لیے آپ نے دریافت کیا تاکہ یقین کے ساتھ معلوم ہو جائے کہ آئندہ کے لیے کیا اولاد ہے۔ اس کے سوا اور بھی بہت احتمالات ہیں جو رفع کرنے کے لیے سوال کیا گیا واللہ اعلم۔ اسی لحاظ سے فرمایا ہے کہ سنت کی چند قسمیں ہیں۔ ان میں سے ایک سنت تو وہ ہے جس پر عمل کرنا واجب ہے کوئی کے جہت کا یقین نہ ہو۔ مثلاً دواؤں کی شہادت پر یقین کرنا کیونکہ ان کے متعلق غلطی کا بھی احتمال ہے اور شہاد ہو نا بھی ممکن ہے مگر ہم کو ان کی شہادت پر حکم نافذ کرنے کا امر ہے جبکہ ان کا حامل ہونا مستحکم ہو۔ پس ہر شخص کی حکم کو اس حال میں نافذ کر دے کہ شریعت کے موافق اس کے سبب کا پورا ثبوت نہیں ہو تو اس کا فعلی سراسر گمراہی ہے اگرچہ نفس اللہ میں اس کا فیصلہ یقین کے موافق بھی کیوں نہ ہو کیونکہ ہم کو یقین پر حکم لگانے کا امر نہیں کیا گیا۔ بجز اللہ عز وجل پر ایمان لانے کے کہ یہاں غیب پر حکم لگانے کا امر کیا گیا ہے۔

قوله الوجه الاول منها ان الحكم لا يكون الا على اكل وجوه التحقيق والتبیت الموقلة
الاف الاصابع به عز وجل حيث امرنا به

ف حضرت موفیہ میں جو علم ظاہر و باطن کے جاننے میں وہ روایات پر عمل کرے
میں بہت احتیاط سے کام لیتے ہیں۔ بدرون تحقیق کامل کے کسی پر کوئی حکم نہیں
لا سکتے۔ بعض موفیہ جو علم ظاہر کے جاننے میں نہیں ہیں جس علم کی بناء پر روایات میں
تساؤل کر جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی ہوں میں صفات اور احادیث موقوفہ
سے پائی جاتی ہیں مگر تحقیق صرف کی یہ شان نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۱۲۶) ہر ذمہ دار کو اپنے ماتحتوں کے جزئیات احوال سے باخبر رہنا چاہیئے

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس شخص کی نگرانی میں کچھ رعیت ہو خواہ چھوٹی رحیت
ہو یا بڑی اُسے اپنی رعیت کے جزئیات احوال کو معلوم کرنا چاہیئے اور رعیت میں سے
جس کو بھی کسی کے احوال کی کچھ خبر ہو اُس پر واجب ہے کہ سردار کو ان احوال سے مطلع
کر دے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس حدیث میں) عبد اللہ بن عمرو سے
فرمایا ہے کیا مجھ کو یہ نہیں بتلایا گیا کہ ہات بھر ناز پڑھتے ہو۔ اگر ان کو آپ نے خود
اس کو دریافت نہ کیا ہوگا اور صحابہ کے نزدیک یہ بات سنے شرم نہ ہوتی کہ ان کو
اپنے اور دوسروں کے ان احوال کا علم ہو اُس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو
مطلع کر سکتے رہیں تاکہ اس کے متعلق حکم الہی معلوم ہو جائے تو حدیث کو کوئی بھی یہ خبر
نہ پہنچا کیونکہ آپ کی ہیبت صحابہ کے دلوں میں بہت تھی یہاں تک کہ وہ اس گفتا
میں نہ آ کر سکتے تھے کہ کوئی دیہات اگر آج کچھ بکھڑیا ہو تو حضرت جو کچھ جواب میں
فرمائیں اُس کو نہیں اور اس سے فائدہ حاصل کریں۔ (تو بدن آپ کے صفات
کے کسی کی مجال نہ تھی کہ ایک دوسرے کی بات حضرت: پہنچانا) قوله الوجه الثالث فیہ
دلیل علی ان کل من كان متصرفا في امر غيره في قولہ فیستفیدون۔

ف اس دلیل و استدلال میں منظر ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیبت کے

متعلق حضرت علی کا یہ ارشاد موجود ہے میں نے لا ہادۃ عابہ ومن خادطہ
بشائفا اجمہ۔ جس سے واضح ہو گیا کہ ہر وقت کے پاس رہنے والوں پر زیادہ ہیبت
غالب نہ ہوتی تھی بلکہ محبت غالب ہوتی تھی۔ احادیث و میر کے مطالعے سے یہ امر
واضح ہے کہ حضرت صحابہ بلا تکلف آپ کے سامنے ہر قسم کی باتیں کر دیا کرتے تھے حتیٰ کہ
غلام اور باندیاں اور مسلمانوں کے بچے بھی آپ سے بے تکلف تھے اور یہ جو ایک
حدیث میں آیا ہے کہ صحابہ اس قنباں میں رہتے تھے کہ کوئی دیہاتی اگر آپ سے کچھ
سوال کرے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ صحابہ ہیبت کی وجہ سے آپ کے سامنے
بات نہ کر سکتے تھے صرف یہ معلوم ہوا کہ سوالات میں کر سکتے تھے جس کی وجہ یہ تھی کہ صحابہ کے
بعض بے تکلف سوالات سے ایک دفعہ آپ کو یاد آ رہی تھی کیونکہ وہ سوالات بے
حرورت تھے۔ اس پر یہ نصبت نازل ہوئی یا ایہا الذین امنوا لا تقنطروا عن
اشیاء ان تبدلوا بکلماتہا کہ جس میں اس قسم کے سوالات سے ممانعت کر دی
گئی۔ اس کے بعد صحابہ سوالات میں احتیاط کرنے لگے اور کسی مائل و بیانی کے
آنے اور سوال کرنے کی تمنا کرنے لگے تھے۔ کیونکہ وہ بیابانوں کے سوالات سے حضور پر
نگرانی نہ ہوتی تھی۔ دیار کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کے اس واقعہ کی اطلاع
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کس طرح پہنچی ہوئی اس سے متعلق کثر الاموال میں تاریخ حاکم کے
حوالہ سے مذکور ہے کہ ان کے والد حضرت عمرو بن العاص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
سے شکایت کی تھی کہ عبداللہ رات بھر ناز پڑھتے ہیں اور رات کو روزہ رکھتے ہیں
تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے عبداللہ رات کو نماز بھی پڑھا کر دے
اور سو ابھی کرو (اور دن میں) روزہ بھی رکھو اور افطار بھی کیا کرو اور اپنے باپ
عمرو بن العاص کی اطاعت کرو۔ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ بن عمرو
کی والدہ نے بھی ان کی شکایت کی تھی کہ عبداللہ نے تو دنیا کو ترک ہی کر دیا ہے
اُس سے کچھ واسطہ نہیں۔ یہ یوں کو چھوڑ دیا ہے اُن سے کچھ مطلب ہی نہیں نہ وہ
خدا کو پکارتے دیکھتا ہے کہ اس پر آپ کی ہیبت غالب ہو گا نہ رسول کو مل کرنا جاتا اُس پر ہیبت غالب ہو جاتی

گوشت کھاتے ہیں۔ ص ۶۶۔

اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ بن عمرو کے جزایات احوال کو خود دریافت نہیں کیا بلکہ ان کے والدین سے شکایت کی تھی اور ان کے والدین کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرب اور قرابت کا ایسا شوق تھا کہ حضور کی ہیبت اس قسم کی باتوں سے ان کو مانع نہ تھی۔ یہ تو اس دلیل و استدلال پر کلام تھا باقی حضرت شاریح کا مذہب اس دلیل پر موقوف نہ نہیں۔ دوسرے دلائل سے یہ مدعا ثابت ہے کہ ہر مذہب دار کو اپنے ماتحتوں کے احوال و اقوال کی خبر گیری کرنا چاہیے البتہ جس جس سے پرہیز کرنا چاہیے کہ قرآن و حدیث میں جس سے نفی وارد ہے۔ ماتحتوں کے احوال و اعمال کی خبر گیری کا مطلب یہ ہے کہ کوئی کام ان کے سپرد کر کے بنے مگر نہ ہو جائے بلکہ متحقق نہ نہ ہو کہ اس کام کو کس طرح انجام دیتے ہیں اور اگر ان کے دوسرے اعمال کے متعلق کوئی شکایت پہنچے تو اس کی پوری تحقیق کر کے ان کو تنبیہ کی جائے۔ واللہ اعلم۔

(۱۷۷) عبادت میں فساد انفع کو مقدم کرنا چاہیے ہوا کہ عبادت میں فرائض (مستحبات و لواظیل پر) مقدم کرنا مناسب ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قہار کی جان کا نام پر حق ہے۔ تمہارے محروموں کا نام پر حق ہے (تو آپ نے حقوق نفس اور حقوق اہل کو شب بیداری اور صوم و ہر پر مقدم کرنے کا امر فرمایا ہے)

اس جگہ یہ سوال ہو سکتا ہے کہ نفس کے حق سے کیا مراد ہے؟ اسی طرح اہل کے حقوق کیا ہیں؟ اور اہل سے کہاں کون مراد ہے؟ سو حق نفس کے بارے میں حضرت فقہار اور اہل مصلحت (یعنی حنفیہ کرام) میں اختلاف ہوا ہے۔ فقہاء تو یہ فرماتے ہیں کہ حق نفس یہ ہے کہ جن مخلوق کی بوجہ جبریت کے نفس کو مباح ہے کہ ان کو پورا کیا جائے (جیسے کھانا پینا، سونا، بیوی کے پاس جانا اور کسی وقت نفس

کو راحت بھی دی جائے۔ جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (دوسری حدیث) میں فرمایا ہے وقول القلوب مباحہ۔ دلوں کو کچھ دیر کے بعد مباح بھی دیا کرو۔ نیز آپ کا ارشاد ہے ان الحبب لا یفترقون قطعا نظرہا ابھی۔ تیرے دوڑنے والے نے تو مباحات ہی کو لئے کیا دوسری کو مباحات دیکھا (کیونکہ ہر اہل تہذیب و تمدن کا نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ جفا دہنے سے روکنا ہے) مگر ان حضرات کے نزدیک بھی اس خطہ کے پورا کرنے کی شرط یہ ہے کہ سنت کے موافق پورا کیا جائے اور اہل مصلحت (حنفیہ کرام) فرماتے ہیں کہ نفس کا نام پر حق یہ ہے کہ اس کو مٹی کے برتنے الگ کر دو (اس صورت میں یہ حدیث ایسی ہوگی) جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے انما نال غلاما او غلاما (اپنے بھائی کی مدد کرو غلام وہ غلام ہو یا مملوک) اور غلام کی مدد یہ ہے کہ اس کو کلام سے دھوکہ دے (غلام کا کلام سے دھوکہ اس کو ناکور ہو گا مگر اس کا حق نعمت اسی طرح ادا ہو گا اس کی ناکواری کی پرواہ نہ کی جائے گی۔ اسی طرح نفس کو اللہ تعالیٰ کے حواس سے منقطع کر دینا اگرچہ اس کو ناکور ہو گا مگر اس کی خبر گیری کا حق اسی طرح ادا ہو گا خوب شبہ نہ ہو) اور دونوں قولوں کو جمع کرنا بھی ممکن ہے۔ اس صورت میں تقریر یہ ہوگی کہ تمہارے قلب میں جو حق نفس یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حواس سے اس کو منقطع کر دو اور اسباب (ظاہر و باطن) میں حق نفس یہ ہے کہ خلاف شرع اسباب سے اس کو مدد کرو۔ جس کا طریقہ یہ ہے کہ قلوب کو تمام احوال میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے لگاؤ نہ ہے (ہر طرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف متوجہ رہے) اور اسباب ظاہر و باطن میں جو نعمت بھی جو نعمت کے مطابق جو حق کی رحمت شان پر سب کا اتفاق ہے۔ اس طریقہ کی شاہد آثار نبویہ میں حضرت سجاد کی حدیث ہے جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کے ساتھ میں بیجا تاک کر لوگوں کو دین کی تعلیم دی۔ چنانچہ یہ دونوں وہاں پہنچے اور لوگوں کی تعلیم کے لیے ایک ایک سمت کو دوا دہو گئے جیسا کہ ان کو امر کیا گیا تھا۔ پھر کسی موقع پر دونوں کا اجتماع ہوا تو ایک نے دوسرے سے پوچھا تم قرآن کس طرح پڑھتے ہو؟ حضرت

میں غل و داج ہو گا۔ مگر عام معنی پر حدیث کا محمول کرنا زیادہ مناسب ہے۔ کیونکہ اس میں زیادہ فائدہ ہے اور اس حدیث میں اصل کو زچہ پر محمول کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اولاد اور ماں باپ وغیرہ کا حق بندہ کے ذریعہ نہیں بلکہ یہ کہا جائے گا کہ چونکہ صحابہ کے والدین نے خاص طور پر شکایت کی تھی کہ عبد اللہ کو تو نہ دنیا سے واسطہ نہ بیوی سے مطلب۔ اس لیے حضور ﷺ نے یہی خصوصیت کے ساتھ نبوی کے حق کی تاکید فرمائی یعنی حقوق میں کوتاہی کی کسی نے شکایت نہ کی تھی تو یہاں اُن کے ذکر کی حاجت نہ تھی۔ دوسرے مواقع پر بہت احادیث میں حضور کے جملہ اہل حقوق کے حقوق پر تنبیہ فرمادی ہے (قول الوجه السادہ فی دلیل علی ان اللہ ولی فی العبادۃ تعدیہ انفرادی فی قوله وجعل علی اللہ عبادہ ولیا لکبر فی الطائفة)۔

ف ہے اصل اور حقیقی تعقوت کہ فرانس کو نواضل و مستحیات پر مقدم کیا جائے لیکن آج کل کے جاہلوں کا تعقوت یہ ہے کہ نماز قضا ہو جاوے اور روزہ قضا ہو جاوے مگر بغیر کا بتلایا ہوا وغیرہ قضا نہیں ہو سکتا۔ بعضے جاہل مولیٰ اس بات پر فخر کرتے ہیں کہ ہم نے تیس برس سے نبوی پتھوں کی محنت نہیں دیکھی۔ بیٹھے اس پر فخر کرتے ہیں کہ ہم نے کسی بزرگ کا کوئی غرض قوس نہیں ہوتا برابر غرض میں شریک ہوتے ہیں۔ حالانکہ اس کی وجہ سے اُن کی صدا غنازیں دلیل کے سفر میں قضا ہو جاتی ہیں یا بے ذوق بننے سے پریمی جاتی ہیں۔ مگر اس جاہلوں کے نزدیک نماز روزہ میں وہ قواب کہاں جو غرض اور قوال میں ہے استفادہ اللہ و کاحول و لا قوۃ الا باللہ۔ ان لوگوں نے کس شریعت اسلام کو مٹا دیا اور کس بُری طرح تعقوت کو بدنام کیا ہے۔ یاد رکھو یہ لوگ مٹتی ہیں نہ ان کو تعقوت کی بوالہلی تعقوت قواس کا نام ہے کہ وہ خود کو بے فکر ہو جاوے۔ اللہ تعالیٰ سے غافل نہ رہے اور اعمال میں شریعت کی پوری پوری موافقت ہو۔ جس کو یہ دولت حاصل ہے وہ موتی ہے ورنہ مٹی اور جاہل ہے۔

ف یہاں سے علوم ہونا کہ مدارِ قرب و اقوال پر نہیں بلکہ اعمال پر ہے۔ یہ بات اب نہ

ابو موسیٰ نے فرمایا۔ میں اُس کو نماز میں اُٹھا ہوا کر بھی پڑھتا ہوں۔ پیکر بھی پڑھتا ہوں لیٹ کر بھی پڑھتا ہوں۔ وقفہ وقفہ سے پڑھتا رہتا ہوں۔ دلت ہر شبیں موتا حضرت معاذ نے فرمایا کہ میں تو رات کو نماز میں اُٹھا ہوا کر پڑھتا ہوں اور سو تا جی ہوں اور جیسا قیام سے خواب کی امید کرتا ہوں اسی طرح سوئے میں بھی خواب بھٹا ہوں پھر وہ فوٹن اس اعتقاد کا خود فیصلہ کر سکے اور کسی نے دوسرے کی بات کو نہیں نہ مانا۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے حکم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے اس اعتقاد کا ذکر کیا تو حضور نے فرمایا ہے ابو موسیٰ! اس ذات سے زیادہ بھلا یہی جو قیام (دیل) بھی کرتے ہیں اور صحت سے بھی ہیں (اسی کے مناسب) بعض بزرگانِ طریق کی حکایت ہے کہ ایک دھواں کو نماز جات اور فضی (خداوندی) کی خاص حالت میں مٹتی ہوئی تو دعا کی کہ یہ حالت میرے لیے بہتر ہے یا کرے تو اُن سے (بطریق الہام کے) کہ گیا یہ کہ تم بشر نہیں ہو اور بشریت کے پتے پتے یہ حالت ہمیشہ نہیں رہ سکتی ہے درہم برہم ایک دو دفعہ درگشت و برہم یعنی طبع دار و ممال و دواہم را (دعا ماع) پس جب تم ہمارے حکم اور وحی کی طرف رجوع کرتے ہو ہمارے حکم کی کالڈ اور جب فعل سے نکل گیا ہے اُس سے باز نہ ہو) تم ہمیشہ ہمارے پاس رہو گے یعنی قرب کا مدار اقوال پر نہیں بلکہ اعمال پر ہے۔ تم اپنے اعمال کو شریعت کے موافق رکھو ہر حال میں مقرب رہو گے۔ اقوال ہوں یا نہ ہوں اگرچہ عادیۃ اللہ یہ ہے کہ استقامت اعمال سے استقامت اقوال بھی عطا ہو جاتی ہے مگر اقوال کے لیے دوام لازم نہیں) رہا یہ کہ یہاں اصل سے کون مراد ہے تو یہ بھی احتمال ہے کہ نبوی بیت وغیرہ میں کا نظرم رکھ دے دوسرے سب ہی مراد ہوں کیونکہ اگر فسان ہر وقت عبادت میں مشغول رہے گا۔ ان کے حقوق کا ادا کرنا دشوار ہو جائے گا۔ حالانکہ ان حقوق کے شقوق اس سے سوال کیا جائے گا اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہاں اصل سے صرف نبوی مراد ہو کیونکہ شوہر و عیال کا حق یہ بھی ہے کہ اس سے مفاد بہت کرے اور روزہ اور شب بیداری کی کثرت اس میں کمی کا باعث ہو گی جس سے ایک حق واجب

اپنے ٹیکے کے نیچے دکھاتے تھے۔ ایک دن وہ کسی ضرورت کے باہر گئے تو کسی درویش نے وہ دونی ٹیکے نیچے سے نکال لی۔ جب بزرگ واپس آئے اور ٹیکے کے نیچے دونی کو نہ پایا تو بوجھا یہاں سے دونی نکال لی؟ درویش نے کہا حضور! آپ جیسے شخص کو اس دونی کی ضرورت ہی کی ہے (وہ تو کئی دن سے ویسے ہی دکھی ہوئی تھی) مہلے اس کو الگ کر دیا کہ وہ جگہ لکھاتے نہیں تو غصہ رکھنے کے بغیر؟ (فرمایا ادب کی رعایت کرو) کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ اس وقت میری جو حالت تم دیکھ رہے ہو یہ میری طبیعت (اور نظری) حالت ہے اور مجھ میں بلکہ بعض فعلی (یعنی اور عقلی) دبائی (اس کا سبب) ہے تو اگر کسی وقت مجھے حالت بشری کی طرف لوٹنا چاہا تو وہ (اور یہ ضمنی) درود رکھ دیا جائے) اس وقت اگر میرے پاس یہ دونی ہوگی تو میں اس سے دشمن کو دھوکہ سکوں گا (یعنی جو کہ جو کبھی ہلاکت کی طرف مضمضی ہو جاتی ہے اسی لیے اس کو دشمن کہہ دیا گیا یا شیطان کو دینے کر سکوں گا جو فریب و دغا مافی کے بند ہونے کے وقت سالک کو بہکائے آئے ہے کہ تو تہا دری محنت و ریاضت کی دہان پر قدر کی گئی کہ وہ بند کر دی تھی اب تم ہلاک ہو جاؤ گے۔ تو اس وقت دونی ٹیکے کے نیچے سے نکال کر اس کے دوسرے کو دینے کر دیا جائے گا کہ میرے مالک نے ایک درود بند کر دی تو دوسری ادھر تو اس کی طرف سے موجود ہے کہ اس نے مجھے دونی کھانا کو دی ہے جس سے بھوک کو دینے کر کے قوت حاصل کر سکتے ہوں)

اسی حقیقت کی بناء پر احکام کو اصلی اور انشری حالت پر مبنی کیا گیا ہے۔ مثلاً تین وقت کے فاذ کے بعد ہر بار کو حلال کر دیا گیا کیونکہ طبیعت انسان کی اصلی و بنیادی کمزوری کی وجہ سے اس مقدار سے زیادہ فاذ کا قائل نہیں کر سکتی۔ اگر اس سے زیادہ کا قائل کیا جائے گا تو انسان کی حالت میں عمل واقع ہو گا جس سے بعض دفعہ موت کی نوبت آجائے گی اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :-

ما یفعل اللہ بعدا بکرم ان شکرتہ و امنتہ -

اللہ تعالیٰ کو تمہیں تکلیف دینے کی کیا ضرورت ہے اگر تم شکر کرنے کے دہو

اور ایمان لے آؤ

لکھنے کے لیے حضرت حکیم الامتہ دام بحیرہ نے اپنے مواظف و طوفانات میں بار بار اس پر متنبہ فرمایا ہے کہ سالک کو اپنے اعمال کی اصلاح اور نیکی میں کسی کرنا چاہیے کہ قرب الہی سے غافل ہو جائے۔ ایک دفعہ بکمال الشدول سے غلو کے ساتھ کہنے سے تو قرب ہو گا مگر کھنڈ بھر کے استغراق اور دن بھر کے خوش و غرض شس سے کچھ بھی قرب نہ ہو گا۔ کیونکہ اعمال کو قرب میں داخل نہیں وہ تو صرف مصلحت اعمال کے لیے غفلت ہو کر رہے ہیں تاکہ سالک کی ہمت عمل کے لیے بلند رہے خود غفلت نہیں۔ ان کی ایسی مثال ہے جیسے دوسرے خزان پر مشتمل کہ وہ غنا کے لیے زمین پر ہوتی ہے غلو متصور نہیں ہوتی۔ انسان کو چاہیے کہ غوریہ غنا سے پیٹ بھرنا چاہیے۔ اگر کوئی چٹنی کی لذت پا کر کسی سے پیٹ بھرے لگے تو یقیناً نقصان آجائے گا اور سب اس کو اچھی بتائیں گے۔

(۱۷۸) حدیث میں (انسان کی) بشری کمزوریوں پر بھی دلالت ہو رہی ہے کہ تکلف کے ساتھ قدر عمل مبنی سے زیادہ عمل کرنا اکثر غرر اور نقصان کا سبب بن جاتا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ سے ان پر متنبہ فرمایا ہے (فانذار ان فعلت ذلک) حجت مینما و نفعت نفسک (اگر تم ایسا کر دے تو تمہاری آنکھیں زائد کر) کھڑ جائیں گی اور تمہارا جسم کمزور ہو جائے گا اس کا حکم کا پرشکوہ عنوان بتا رہا ہے کہ طبیعت انسانی اپنے منفعہ کی وجہ سے اس عمل کا قائل نہیں کر سکتی جس کا ان صحابی نے ارادہ کیا تھا۔ اس کی ایک فقیر یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات صحابہ کو وصال مرحوم سے منع فرمایا تھا (وعلام صوم ہے کہ گناہ اور زہر سے لکھا چلا جائے۔ و دیان میں رات کو بھی کچھ نہ کھائے) صحابہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ تو ایسا کرتے ہیں۔ فرمایا میں تمہاری طرح نہیں ہوں۔ مجھے رات کو اللہ تعالیٰ کھانے پلاتے دہتے ہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ کسی طور پر آپ (نبی) کھانا کھاتے تھے کیونکہ اس صورت میں آپ کا وصال باقی نہ رہتا۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے ایسی قوت عطا فرماتے ہیں جیسی کھانے پینے والے کو (غذا سے) حاصل ہوتی ہے۔ اسی بنا پر ایک بزرگ جب وصال کا ارادہ کرے ایک دونی

لطفت (کا صاف) ہو جائے کہ بزرگوں کے ساتھ اُس کو شبنم ہے۔ اُن کی حالت کی تصدیق (اُس کے دل میں) ہے تو اور بات ہے لیکن غالب یہی ہے کہ اس شخص کو (ابتداء میں) دشواری پیش آئے گی۔ پھر بزرگوں کی حرمت کی وجہ سے دشواری اُٹھادی جائے گی۔

قوله في الوجه السابع فيه دليل على ضعف البرية
الى قوله ثم يعمل عنه لخرقة -

(۱۲۹) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دین میں جس عمل کو مستحب کہا گیا ہے وہ بھی ہر حال میں مطلوب ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ صمد و انظر و قد و قد روزہ بھی رکھو افکار بھی کرو۔ رات کو اٹھو صبحی اور سوؤ بھی۔ اس کے اشارہ سے مستحب کا مطلوب ہونا معلوم ہوا ہے اور اشارہ کلام اور غوی کلام کا وہی حکم ہے جو نص کا حکم ہے۔ مجھے اس میں کسی کا اختلاف معلوم نہیں چوتھا تو کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کلام کے ضمن میں یہ فرما رہے ہیں کہ ادا و حقوق (زور وغیرہ) میں ایسے مشغول نہ ہو کہ مستحبات کو بالکل ہی نظر انداز کر دو بلکہ فرض اور مستحب دونوں کو بجالاتے رہو۔ اگر تم قواہ شریعت میں غور کرو گے تو سب کو اسی انداز پر پاؤ گے (کہ فرائض اور مستحبات دونوں ہی کے اہتمام کا حکم کیا ہے)

پس جس کے ساتھ خیر کا ارادہ کیا گیا ہے وہ اپنے حیرت پر نظر رکھتا ہے (کہ فرائض میں کوتاہی ہو رہی ہے یا مستحبات میں) جس کے کاسیانی کا راستہ اس کو نظر آ جاتا ہے۔ اس لیے (ایک بزرگ نے) فرمایا ہے کہ تمہارا اپنے نفس پر نظر کرنا بڑا سہل ہے مجاہد ہو جانا ہے (یعنی ایسا شخص دوسروں کی خبر گیری اور ضرمت نہیں کرتا نہ اُن کے حقوق ادا کرتا ہے) اور اپنے نفس کے سوا دوسری چیزوں میں مشغول ہو جانا اپنے نفس سے مجاہد ہو جانا ہے (کہ ایسا شخص اپنے نفس کی اصلاح و تکمیل کی طرف متوجہ نہیں ہوتا دوسروں ہی کی فکر میں رہتا ہے۔ پس دہرت

(کو کسی حالت میں انسان کو ہلاکت میں پڑنے کی ضرورت نہیں بلکہ جب خدا نے اجازت دے دی ہے ہے تکلف نہ روا رکھا کر اپنی جان بچائے اور وقت حاصل کر کے ایمان اور عمل صالح میں ترقی کرے۔ جدیت اور بندگی اسی کا نام ہے۔ اس وقت طبعی نفرت پر عمل کر کے خدا سے اجترار کرنا اور جان کو ہلاکت میں ڈالنا کی بندگی نہیں بلکہ اپنی طبیعت کی بندگی ہے۔ عاشق کی شان یہ ہونا چاہیے۔

چوں طبع خواہد ز من سلطان دین
غاک بر فرق قاضی بعد ازین

عشق و محبت کی شان یہ ہے کہ اگر ایک وقت محبوب سر پر تاج شاہی رکھے تو جیسا اُس وقت خوش ہو کر محبوب کا شکر یہ ادا کرے تا جب اسی طرح اگر دوسرے وقت تاج شاہی سر سے اُتار کر ایک بھنگی کے سلسے میں چڑھ دیا تو کلام حکم سے تو اس حکم کو بھی خوشی سے بلا چرن و چرا بجالائے۔

عاشقی چیست بگو بندہ جانان بودن
دل بدست و گرسے دادن و حیران بودن

پھر اگر انسان کو کسی وقت اس سے زیادہ قوت عطا ہو جائے (کہ تین وقت سے زیادہ فاقہ کرسے سے بھی اُس کو ضعف اور کمزوری نہ ہو) تو یہ محض فضل و احسان ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو ایسے دوسرا دروازہ کھول دیا ہے۔ کیونکہ جیسا اللہ تعالیٰ نے دوسروں کے لیے کھانے پینے سے قوت عطا کرنے کا قانون مقرر کیا ہے اسی طرح اپنے خاص بندوں کے لیے بدوں کھانے پینے سے قوت اور بہت عطا کرنے کا قاعدہ جاری کر دیا ہے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے جہاں کسی کی طرف انتہات نہ کریں۔ تو جو شخص اس شان کو (یعنی وصال موم کو) اختیار کرے ان لوگوں کی عرض کرنے لگے ملا کر بھی اس کو یہ فیض حاصل نہیں ہوا تو اُس کی حالت میں غرور و غفل واقع ہو گا اور یہ شخص اس آیت کا منطبق ہو گا ولا تقوا ما یبدی بکم الی التہنئة اپنے ہاتھوں اپنی جانوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو مگر یہ کہ کسی کے ساتھ اس وجہ سے

باب شصت و دوم

حدیث

الاستغارة فی الامور

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو تمام کاموں میں استغاثہ کی تعلیم (اس تاکید سے) فرماتے تھے جیسا قرآن کی سورت (الہتہام کے ساتھ) سکھایا کرتے تھے۔ فرماتے کہ جب کسی کو کسی کام کا فکر (درد) ہو تو دو رکعتیں نفل پڑھے اُن کے بعد یوں کہے :-
 اللَّهُمَّ اِنِّي اَسْتَغِيْرُكَ بِعِلْمِكَ وَاسْتَعِيْذُكَ بِقُدْرَتِكَ وَاسْتَسْقِئُكَ مِنْ قُوَّتِكَ الْعَلِيْمُ لَا يَنْفُتُ قُدْرَتُكَ اَقْدَرُ وَلَعَلَّكَ لَا اَعْلَمُ وَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ - اللَّهُمَّ اِنَّا كُنْتُ لَعَلَّمْتُ اَنَّ هَذَا اَلَا مَوْعِدِيْ لِيْ فِيْ دِيْنِيْ وَمَعَاشِيْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِيْ اَوْ قَالَ مَا جِئْتُ اَمْرِيْ وَ اَجَلِهِ فَاَقْعُدْ لِيْ وَ تَبَيِّرْ لِيْ ثُمَّ يَدْعُوْا بِكَ لِيْ فِيْهِ وَ اِنَّا كُنْتُ لَعَلَّمْتُ اَنَّ هَذَا اَلَا مَوْعِدِيْ لِيْ فِيْ دِيْنِيْ وَمَعَاشِيْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِيْ وَ اَجَلِهِ فَاَصْرِفْهُ عَنِّيْ وَ اَصْرِفْنِيْ عَنْهُ وَ اَقْدِرْ لِيْ الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ ثُمَّ اَدْعُنِيْ
 پہلے قال و تيسرى حاجته -

ترجمہ :- اے اللہ! میں آپ سے تجریر طلب کرتا ہوں آپ کے علم کے وسیلے سے اور قدرت طلب کرتا ہوں آپ کی قدرت کے فضل اور اعلیٰ ہوں آپ سے آپ کے لئے فضل کا بہتر کچھ آپ قادر ہیں میں قادر نہیں آپ جانتے ہیں اور میں نہیں جانتا۔ آپ کو تمام الشیوہ

دوسروں میں مشغول ہوں نہ ہمتیں اپنے نفس میں مشغول ہو، بلکہ دوسروں کا حق بھی ادا کرے اور اپنی اصلاح کا بھی اہتمام کرے) پھر اگر تم کو اپنے نفس (کی اصلاح) فکر سے مجھ ہونے لگا (اپنے کمالات پر نظر کر کے اپنے کو کچھ سمجھنے لگا) تو دوسروں سے کچھ فائدہ نہ پہنچے گا اور اگر (اصلاح نفس میں اس طرح لگے رہے کہ) اپنے نفس (کے کمالات) اسے اندھے بن گئے تو اپنی ذات سے بھی تم کو خیر حاصل ہوگی اور دوسروں سے بھی فائدہ پہنچے گا۔

قوله الوجه الناصر فيه دليل على ان الله وب في الدين مطرب على كل حال الى قوله ثلث تدبرها وتغيرها سواها -

ف اپنے نفس سے اسی کو تفتیش فرماتا ہے جو اس کی فکر اصلاح سے محنت نہ کرے اور ہمیشہ اس کو تفتیش کرے اور دوسروں سے شفع اس کو پہنچاتا ہے جو اپنے کو سب سے کمتر سمجھے۔ پانی شیب کی طرف جاتا ہے، بلندی کی طرف نہیں چمکتا اور اگر کبھی اتفاق سے بلندی پر جاتا بھی ہے تو شیب کو بھج کر جاتا ہے یہی حال فیض باطن کا ہے۔

ہر کاپستی سے آب انوار دو
 ہر کاشکل جواب آب انوار دو



اُس کی تجویز سے ماضی نہ ہونا دلگیر ہونا میری تو نفاق ہے)۔ ایک حدیث میں یہ معقول وارد ہوا ہے کہ کن حلالے فرماتے ہیں میں کسی پر اُس شخص سے زیادہ غضب ناک نہیں ہوتا جس نے مجھ سے کسی معاملہ میں استخارہ کیا۔ میں اُس کے متعلق ایک فیصلہ کروں پھر وہ میرے فیصلے سے ناگواری ظاہر کرے۔ ادا کا قال
 قوله بدمر شرح النفا الخ حدیث وقد ذکر اهل العرفه انه من
 استخلفه فی شئ الی قوله فغنا فکرمه ادا کا قال ۔

(۱۱۹) ہر لمحہ فقر و احتیاج و رجوع الی اللہ کو لازم کر لین چاہیئے
 اس میں صوفیہ کے بے بہت بڑی دلیل ہے جو ہمیشہ کے لیے فقر و احتیاج
 اور ہر سانس میں اللہ تعالیٰ کی طرف یکسوئی کو اختیار رکھتے ہوئے ہیں کیونکہ جب
 خلائی دیر کی احتیاج سے (جو استخارہ میں ظاہر کی جاتی ہے) اتنا بڑا فائدہ
 حاصل ہوتا ہے کہ بندہ کی مدد و کرمت نازل اور اُس کے بعد اللہ تعالیٰ کے دربار
 میں شیعین بن جاتی ہے) تو اگر یہ حالت دائمی ہو جائے تو پھر کیا ہو گا؟ (خود
 ہی سمجھ لو) ۵

اُن دعائے تجویز خود دیگر است اُن دعا زینت گفت وادست
 اُن دعا حق کی نگہ چل اوفاست اُن دعا ہا با اجابت از خداست
 چوں خدا از دو سوال و گد کند پس فضل و شرف چوں رد کند ۷۷
 صوفیہ میں سے ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ جب کسی درویش کو کوئی حاجت
 پیش آتی وہ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ سے اپنا کھم کرتے تو وہ اللہ تعالیٰ کے
 فضل سے (بہت جلد) پوری ہو جاتی ۱۰ اس پر کوئی درویش عرض کرنا کہ حضرت
 اللہ تعالیٰ کی طرف اپنا کھم کرنا کتنی بڑی دولت ہے تو اُن کا جواب یہ ہوتا تھا
 کہ تم اس سے ہٹے ہوئے کب ہو، جو اُس کی طرف رجوع کئے کہ عزت ہو
 (البتہ اتوہ لے جا دے جو اللہ تعالیٰ سے غافل و محجوب ہو اور تم تو ہر وقت

ہیں۔ یا اللہ! اگر آپ کے ہم میں یہ کلمہ میرے لیے غیر ہو (میں مقصود کا نام لے یا مقصود کرے)
 میرے دین میں بھی دنیا میں بھی اور انجام کار میں بھی تو اُس کو میرے لیے تجویز کر، بیکلاد میرے
 لیے انسان بھی کر دیکھئے۔ پھر اُس میں میرے لیے برکت (درویشی) بھی دیکھئے اور اگر آپ کے ہم
 میں یہ کلمہ میرے لیے ضرور دنیا میں مقصود کا نام لے یا مقصود کرے (میرے دین میں اور
 دنیا میں اور انجام کار میں تو اُس کو مجھے بتا دیکھئے اور مجھے (دینی) اُس (کے خیال) سے ہٹا
 دیکھئے اور جہاں کہیں بھی غیر جو اُس کو میرے لیے مقدم کر دے دیکھئے۔ پھر مجھے اُس سے
 ماضی رکھئے ۱۱

فرمایا اور (درویش میں) اپنی حاجت کا نام بھی لے (ترجمہ میں تو اُس کا موقع بتلا
 دیا گیا اور اصل دعائیں اُس کا موقع لفظ خدا ادا کرے)
 ظاہر حدیث بتلا رہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دے نے استخارہ پر
 شرح ترغیب دیا کرتے تھے۔ اس پر چند وجوہ سے کلام ہے :-
 صوفیہ نے فرمایا ہے کہ جس شخص نے کسی کلمہ کے لیے استخارہ کیا اور اُس میں
 اللہ تعالیٰ نے (کسی جانب) کوئی فیصلہ کر دیا (مثلاً وہ مقصود پر اگر دیا یا اُس سے دل
 کو ہٹا دیا یا ایسے اسباب پیدا کر دیئے جس سے وہ معاملہ خود ہی ہٹ گیا) اور بندہ
 اُس فیصلے سے ماضی نہ ہوا تو یہ اُن کے نزدیک کٹ نہیں سے ہے (یعنی بڑا گناہ ہے)
 جس سے تو بہ کرنا اور باز آنا واجب ہے۔ کیونکہ یہ سودا جب ہے صوفیہ کا یہ ارشاد ہے
 ظاہر ہے کیونکہ جب بندہ میکین نے اپنے ایسے بڑے آنا سے جیل کی طرف رجوع کیا۔
 اور اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ اُس کے لیے جو صورت مناسب ہو تجویز کر دی جائے
 پھر اللہ کی تجویز سے کیوں ماضی نہیں ہوتا؟ یہ حالت تو نفاق کے مشابہ ہے بلکہ
 یہی تو مین نفاق ہے کیونکہ اس نے اپنا فقر اپنی احتیاج ظاہر کی (اور زبان سے)
 معاملہ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا اور دل میں اُس کے خلاف متناہس حالت کو
 اُس کے اس قول سے کیا متعلق اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخْرِکَ بِجِلْبَتِکَ یا اللہ! میں
 آپ سے تجویز طلب کرتا ہوں آپ کے کلمہ کے وسیلے، افسوس تجویز کی درخواست کرتا پھر

مست مشورہ ہے کہ استخارہ میں جس جانب دل مائل ہو اسی طرف غیر ہوئی ہے۔ اسی کو اختیار کرنا چاہئے۔ مگر حدیث میں اُس کا کچھ ذکر نہیں اس لیے استخارہ کے بعد سب بقیں کو بھی اختیار کرے گا اسی میں غیر ہوگی خواہ وہی جانب ہو جس کی طرف دل زیادہ مائل تھا یا دوسری جانب ہو۔ غرض استخارہ کے بعد جس جانب غرض کی توفیق ہوگی اسی میں غیر ہوگی۔ صحت اس میں شک نہیں کہ اگر استخارہ کے بعد کسی جانب دل زیادہ مائل ہوگا کہ استخارہ سے پہلے اُس طرف زیادہ میلان نہ تھا تو نظر ہر علامت اس کی ہے کہ اسی جانب کو اختیار کرنا بہتر ہے مگر وجوب اور لزوم کی علامت نہیں اس لیے اُس کے خلاف کو بھی اختیار کرنا جائز ہے۔ کچھ کچھ یا ضرر کا اندیشہ نہیں۔ بعض لوگوں کا جو یہ خیال ہے کہ استخارہ کے بعد جس جانب دل زیادہ مائل ہو اُس کے خلاف کرنا جائز نہیں یا اُس میں ضرر ہوگا غلط ہے اسی طرح جب تک کہ کسی ایک طرف مائل نہ ہو استخارہ کو بیکار سمجھتے ہیں یہ بھی صحیح نہیں۔

مست استخارہ کا مطلب یہ ہے کہ جب دو جائز یا دو مستحب کاموں میں تردد ہو کہ ان میں سے کسی کو اختیار کروں تو استخارہ کر کے جس شئی کو دل چاہے اختیار کر لے اُس میں تردد نہ ہوگا۔ پھر جس شئی کو اختیار کر لیا اُس کو حق تعالیٰ کی توفیق سمجھ کر اُس سے راضی رہنا چاہئے اور یقین رکھنا چاہئے کہ اس میں غیر ضرر ہوگی جو اکثر تو شاہدہ میں آجائے گی اور اگر کبھی اُس کے مشاہدہ میں نہ آئے تو سمجھے کہ اللہ تعالیٰ ملامت الغیب ہیں اُن کے علم میں میرے لیے غیر دو سب کو میری سمجھ میں نہ آئی ہو۔ استخارہ کے بعد جس شئی کو اختیار کر لیا اُس سے ناکارگی اور نا راضی اور یہ خیال کہ مجھے دوسری شئی اختیار کرنا چاہئے تھی اسی میں غیر ہوئی بہت بُری بات ہے جس پر حدیث میں وعید وارد ہوئی ہے۔

اُس کی طرف متوجہ ہو) ان بزرگوں کے الفاظ میں خود کر دیکس طرح اصول شریعت کے موافق حد اعتدال پر کئے ہوئے ہوتے ہیں۔ اگرچہ ان میں سے بعض کو یہ بھی معلوم نہیں ہوگا کہ اس موافق کے لیے کیا قاعدہ ہے دیکھا جواب مناسب ہے مگر اندر قائلے وقت پر ان کی امداد ضرورت ہے۔ اُن کے زبان سے فری نکلتا ہے جو موافق کے مناسب ہوتا ہے۔ دیکھو! اندر اشارہ ظاہر و ظہر فرمایا ہے جس کو کسی دروازہ سے درخ دیاجائے اسی کو لگا رہے اور جب ساری غیر اندر قائلے کی طرف رجوع ہوئے میں بے قواس دروازہ سے کسی وقت نہ ہٹنا چاہئے کہ رجوع کی ضرورت ہو۔ جیسا ان بزرگوں نے فرمایا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حق تعالیٰ کی طرف سے ارشاد فرمایا ہے من شغلہ ذکرک من سائلنی اعطیہ افضل ما اعطی السائلین میں کو میری یاد مجھ سے سوال کرنے اور دھا کرنے)۔ سے روک دے۔ میں اُس کو مانگنے والوں سے بھی زیادہ دیتا ہوں۔ پس اپنی بعیرت کی آنکھ سے دیکھو کہ تم کس کے دروازے پر کھڑے ہو؟ اور کس (عظیم الشان) جنت کی طرف متوجہ ہو رہے ہو؟ اُس کا ادب ملحوظ رکھ کر دعا کرو اور جو مانگتا ہو مانگو پھر ارشاد اللہ عز و جل نہ لو گئے قولہ فیہذا التوحید دلیل کا اھل الصلوٰۃ الی قولہ بیاب من تعف ذاتی جعۃ تقعد۔

ف دھلے استخارہ کے الفاظ کو سمجھنا اور کرنا اور جس طرح حدیث میں وارد ہیں اُسی طرح یاد کرنا چاہئے۔ معنی بھی یاد ہوں تو بہت اچھا ہے تاکہ عدول سے اضطراب کے ساتھ نہ ہو۔

مست استخارہ واجبات یا محرمات و مکروہات میں نہیں ہو سکتا کیونکہ واجب کا بھالنا ضروری اور محرم نہ کر دینا لازم۔ پھر ان میں استخارہ کا کیا مطلب؟ استخارہ صرف مباحات میں ہوگا کہ تاہم اور مستحبات میں بھی ہو سکتا ہے جبکہ دو مستحب میں سے ایک کو کرنا چاہتا ہو اور یہ معلوم نہیں کہ ان میں سے کونسا بہتر واسطے زیادہ بہتر ہوگا۔

باب شصت و سوم

حدیث

ما بین بیتہ و منبر علیہ السلام

”اگر یہ روایت اللہ عزوجل نے نہ فرمائی ہوتی تو اس روایت سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اور میرا منبر میری خوشبو پھونکا گا“

شرح: ظاہر حدیث یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر اور منبر کے درمیان جنت کا ایک باغ ہے اور منبر حقیقی پر ہے اس کے متعلق چند وجوہ سے کلام ہے۔ ایک یہ کہ اس کا کیا مطلب ہے۔ کہ یہ قطعاً جنت کا روضہ ہے؟ کیا نہی کا پرستار بیتہ دنیائے جنت میں منتقل کر دیا جائے گا یا یہ مطلب ہے کہ اس میں (یکساں) کر کے سے جنت میں ایک روضہ کا استحقاق ہو جائے۔ علماء اس باب میں مختلف ہیں کسی سے پہلے قول کو کیا کسی سے دوسرے کو اور وائے السلام۔

مترجم: ہے کہ دونوں کو مل کر لیا جائے کیونکہ ان میں سے ہر شے پر دلیل قائم ہے اور نظر دنیا سے بھی ہر ایک کی تائید ہو رہی ہے (تو اسے ترک کی کوئی وجہ نہیں) اور میرا احتمال یہ بھی ہے کہ یہ قطعاً خود جنت ہی کا گلزار ہو جیسا کہ خود جنت کا پتھر ہے۔ نیل و فرات جنت کی سرحد ہیں اور ہندوستان کے بعضے حصے اس خطہ کے قریب ہیں تو اس کے اس لیے کہ وہاں ایک مریضہ تھیں ہے اور چنگاں ہیں

کوئی تہمتوں کا نہیں ہے اس لیے نہیں دیا گا

(خوشبودار) چلی (اور بھول) اُنہوں سے پیدا ہوئے ہیں جو آدم علیہ السلام کے ساتھ (اُن کے بدن پر پہنے ہوئے) جنت سے اُن سے ملنے غرض حکمت اس کو غرضی ہوں ہے کہ اس دنیا میں بھی جنت کے پانی اُن کی آغوش میں سے پھریں اُن کے بیویوں میں سے کچھ (معلوم نہ کر کے) ہو یہ علم جلیل (اللہ جل شانہ) کی حکمت ہے ہیں یہ قطعاً اس وقت بھی جنت کے باغوں میں سے ایک روضہ ہے اور آخرت میں بھی جنت کا روضہ ہو جائے گا۔ جیسا پہلے تھا اور اس میں مل کر کے والے کو جنت کے روضہ کا شرف بھی ہو گا۔ یہی زیادہ ظاہر ہے۔ دوسرے ایک نورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روضت شان کی وجہ سے دوسرے اُس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے آدھ بیان کی ہے اس صورت میں نورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے دادا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے شرف ہو گا کہ جیسے اُن کو اللہ تعالیٰ نے جنت کا پتھر عطا فرمایا اسی طرح اپنے چچا جنت کا روضہ عطا فرمایا۔

(۱۲۰) جمادات کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت شرف اور بزرگی حاصل ہوئی ہے

اس میں ایک لطیف اشارہ ہے وہ یہ کہ جب یہ جان چڑوں کو مبرا اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے شرف حاصل ہوتا ہے تو اس کے شرف کا کیا پوچھنا جو اقوال و احوال میں اپنے کاتب کا نتیجہ ہونا قطعاً نقص ماحصلیہ نہ من ترادھیں کسی کو خبر نہیں کہ اُن کے پہلے کیا کچھ اُن کے شرف کی جگہ ملتی ہے اسی وجہ سے حضرت خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم جب کسی انبیائی کو مسجد میں دیکھتے ہیں تو پہلے سے نہ پوچھتے تھے اُن سے پوچھتے کہ میرے پاس قرآن کتنا ہے؟ پھر اُن کی حالت کے مطابق رعایت کرتے اور اُن کے مطابق مزید عطا فرماتے صحابہ کے نزدیک قرآن کے برابر بزرگی کا معیار کچھ نہ تھا۔ کیونکہ اُن کے نزدیک روضت اور بزرگی کا معیار قرآن کے ساتھ تھا اسی لیے ہر راج

میرا منبر (جس میں گھراؤ دہر کو حضور نے اپنی طرف منسوب فرمایا ہے اور آپ کی طرف دنیا منسوب نہیں ہو سکتی تو معلوم ہوا کہ گھراؤ دہر و دنیا میں داخل نہیں ہو سکتا بلکہ گھراؤ دہر کی حرارت کی چیز ہے وہ آدمیوں سے اس کو چھپا کر ہے اور بعض اوقات لوگوں کی نگاہوں سے مخفی ہونے کی ضرورت ہوتی ہے جیسے بڑی کے پاس جانا اور قضاء حاجت کرنا وغیرہ وغیرہ اور بادشاہ اور دھوپ کی تکلیف سے پہنا ہے اور اس میں خلوت کے ساتھ اپنے رب کی عبادت ہو سکتی ہے۔

اسی طرح دنیا کے جس سامان کی بھی انسان کو ضرورت ہو جس سے آخرت کے کاموں میں مدد ملتی ہو وہ سب ثواب ہی ثواب ہے بشریک ضرورت کے موافق ہو (زیادہ نہ ہو) مدد خواہش نفس کے لیے ہوگا اور نفسیات میں شامل نہ ہو کر قسم میں داخل ہو جائے گا۔ اس لیے جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ازواج مطہرات کے گھروں کو مسجد نبوی میں شامل کیا، بعض صحابہ نے فرمایا کاش! ان سکانات کو ان کے حال ہی پر چھوڑ دیا جاتا تو مسجد میں شامل نہ کیا جاتا، تاکہ اس آفت کے پھیلنے کو گھمبے اپنے نبی کے گھروں کو دیکھ لینے کو وہ شتان کے تھے۔ وچیر ان کی ساواگی اور بے تکلفی اور قدر و حرمت کے موافق ہونے سے سبق حاصل کرتے، ان کی بندہ ہی تہ آدم سے صرف ایک باؤ کی بانی کے برابر یاد رہی۔ اس طرح آپ نے فرمایا ہے میرا منبر سو منبر میں سے اگرچہ کچھ ترن ہے مگر حضرت منبر عرفہ دن کی حرورت کے لیے بنوا تھا تاکہ تمام حاضرین اللہ تعالیٰ کے احکام کو سن سکیں اس لیے وہ ثواب ہی ثواب تھا۔

قرن انسان کو جس چیز کی اپنے دین کے لیے احتیاج ہو اور اس میں دین کی مصلحت ہو وہ دنیا نہیں ہے اگرچہ ظاہر میں سامان دنیا کے مشابہ ہو، اسی علت کی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انگوٹھی اسی وقت ہوائی جب آپ سے عرض کیا گیا کہ سلاطین و روم کسی کے منہ کو بدون مہر کے نہیں پڑھتے اور دعوت اسلام کے لیے سلاطین عالم کے نام خطوط بھیجنے کی ضرورت تھی، تو آپ نے اس (دینی) خرمن کے لیے انگوٹھی ہوائی۔ اس لیے علمائے انگوٹھی پہننے میں اشکان کیا

اسبب فضیلت کے لئے اس میں توبہ برابر یا قرب قرب ہے اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب دفتر (دست الای) میں صحابہ کے نام کے توبہ سے متعلق ان کو کیا جو توبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ قرب ہے پھر ان کو جو جنت میں قسم سے پھر ان کو جو جنت میں مقدم تھے۔ پھر باقی لوگوں کو قرآن کے انشاء سے مقدم و کثر کیا کہ جس کے پاس قرآن کا جتنا حصہ ہو اسی کی روانی اس کو درپوشا جانا، بیان کیا کہ روایت دینا یا اسے کہ ان کے بیٹے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ آپ نے جلالہ بن ابی بکر کو گھر پر نشیبت کیوں دی؟ فرمایا اے کہ اس کے باپ ٹیٹھ سے باپ سے پہلے اسلام لائے تھے۔ ان سب نے بعد اللہ و رسول کے ساتھ محبت کا دہر ہے کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ اگر ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیارت کو دریافت کیا تو کہ قیامت کب آئے گی، تو آپ نے فرمایا کہ تو نے اس کے لیے کہ اگر اللہ تبارک و تعالیٰ ہے، تو اس نے کہا میں نے قیامت کے لیے کوئی بڑا عمل کرنا نہیں کیا مگر میں اللہ سے اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں۔ حضرت نے فرمایا جب تک تو ان کی کے ساتھ ہوگا جس سے توجہ ملے گا ہے۔

(تنبیہ) گھر کیو یا نہ ہو کہ تیار توجہ ملے اور دوسرے ہی کی محبت ہو۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں چیزیں جس میں ہوں وہ دنیا کی حلاوت پا لے گا۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ و رسول اس کو ہر چیز سے زیادہ محبوب ہوں اس حدیث پر شروع کتاب میں کلام گزر چکا ہے۔ خرمن بندی مرتبہ کامیا مایان اور (ا) ہے پھر جس کا دل چاہے اپنے کو ذیل کرے یا معزز بنائے۔

(۱۳۱) دنیا کی جو چیزیں ضروریات انسانی میں داخل ہیں وہ دنیا نہیں، بلکہ ثواب ہی ثواب ہیں جب کہ بقدر ضرورت ہوں۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ جو چیزیں ضروریات بشریہ سے ہیں وہ دنیا میں اصلاً داخل ہیں بلکہ ثواب ہی ثواب ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میرا گھراؤ

باب شہت و چہانم

حدیث

کراہۃ الرسول ان یدیت عندہ ذہب اولیسی

عقبہ بنت الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عسکر کی ناز پر ہی جب آپ نے سلام پھیرا تو میری سے کھڑے ہو گئے اور اپنی اندھا دھن میں سے کسی کے پاس تشریف لے گئے پھر باہر تشریف لائے اور لوگوں کے چہرے سے آپ نے محسوس کیا کہ ان کو آپ کے ہمراہی جاننے سے تعجب ہوا ہے تو فرمایا کہ مجھے ناز میں یاد آیا کہ ہمارے پاس کچھ سونا ہے تو مجھے پسند نہ آتا کہ شام کو طاعات کو وہ ہمارے پاس دے گا اس لیے میں نے اس کے تقسیم کر دینے کا حکم دیا۔

شرح حدیث سے معلوم ہوا کہ ناز کے اندر جو بات یاد آئے اس پر عمل کرنا جائز ہے جب کہ وہ بات ایسی ہو جس سے ناز میں نقصان نہ آتا ہو بلکہ صلاح و کمال حاصل ہوتا ہو اور ناز کو فاسد کرنے والی بھی نہ ہو اس پر چند وجوہ سے کلام ہے۔

(۱۱۳۲) ایک طاعت میں مشغولی کے وقت دوسری طاعت کو سوچنا جائز ہے

حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک طاعت میں مشغول ہوتے ہوئے دوسری طاعت کا اٹھ کر کرنا (یا اس کو سوچنا جائز ہے مگر اس میں تفصیل کی ضرورت ہے کہ کس چیز

ہے کہ یہ شخص کے لیے مطلقاً سنت ہے یا معروف ان ہی لوگوں کے لیے سنت ہے جو صاحب حکومت ہوں جس نے اس حالت پر نفل کی جس کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انگوٹھی بنوائی تھی اس نے تو یہ کہا کہ انگوٹھی پہننا اس کے لیے سنت ہے جس کو اس کی ضرورت ہو اور ضرورت کا ذکر آؤ پر آپ کا ہے اور جس نے معرفت آپ کے نفل پر نفل کی حالت پر نفل نہیں کی اس نے کہا کہ جو کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے وہ مطلقاً سنت ہے اسی لیے کسی نے کہا ہے۔

الدین بالسننہ معیاہ فلا تقصد فی فعلک سواہ

واحد نہ عوائد سواہ قد اختلفت و اختلفت معیاہ

(ترجمہ) دین کی حیات تمتع ہے۔ پس اپنے اعمال میں سنت کے سوا

نہ چیز کا قصد نہ کرو۔ بڑی عادتوں سے بچو جو دین کی حیات کو تباہ و

برباد کر دیتی ہیں۔

قولہ وثیہ دلیل علی ان ما مومن ضررہ لا البشر لیس من الدینا

انی قولہ و اختلفت معیاہ۔



کایا ذکر نماز کو فاسد کرتا ہے اور کس کا یاد کرنا فاسد نہیں کرتا جس کے لیے ان
خواطر کا اتنا لحاظ کرنا ضروری ہے جو نماز کے اندر انسان کے دل پر وارد ہوتے ہیں
اور وہ چار قسم کے ہیں۔ نفسانی شیطان
خواطر و وساوس کے اقسام مکتبہ ادرہ ربانی۔

خواطر ربانی تو نماز کے قبول ہونے کی علامت ہیں اور نماز پڑھنے والوں کا
یہ اعلیٰ درجہ ہے۔ ذکر نماز میں ان کے قلب پر اثر نہ ملنے کی طرف سے کوئی بات
وارد ہو کر دنیا (کی زندگی) کے اعتبار سے بڑی کمزوری کی حقیقت ہے (اور آخرت
کے اعتبار سے مناجات کی حقیقت اس سے بھی اعلیٰ ہے) اور اس درجہ کے کایا
ہونے والے کچھ لوگ ہیں جو اس کو پہنچتے ہیں۔ چنانچہ ایک بزرگ جو اسی شان
کے تھے ان سے جب کوئی عریضہ لکھا کہ میں نے نماز میں یا نماز کے پہنچنے پر غصے کے
لیے دعا کی تھی تو وہ اس سے دریافت کرتے کہ تو نے وہ دعا کے قبول ہونے کے
متعلق کوئی جواب اور ضرورتاً ب کی حالت میں اثر نہ ملنے کی طرف سے کوئی خطاب
بھی دیا؟ اگر وہ انکار کیا تو وہ اس سے مناجات سے کچھ جاننے کے اس کو وسوسیت والوں کے
درجات میں سے کوئی درجہ حاصل ہے اور اگر کتا کہ میں نے تو کچھ نہیں سنا تھا اس
کو دوا میں شمار کرتے اور فرماتے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک شخص (مخصوص) ساتھ
ظہر سے باقی کے دعا کو لے اور اپنی درخواست کا جواب نہ دے تو یہ محال ہے۔ ان کے
نزدیک یہ عزت و امانت کی نہیں۔ سے حتیٰ کہ وہ کہ مال میں خدا کو ان کو حضور قریب
کی حالت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے خطاب اور جواب سمجھ کر ہوتا تھا اور اس عزت
میں نماز سے قلب کو جس قدر راحت ملے گی ظاہر ہے) اسی حقیقت کی بناء پر وہ ب
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جدت قرۃ عینی فی العلقۃ۔ میری آنکھ کی
شہیدانہ آنکھ میں رکھی جی ہے۔ نیز فرماتے ہیں اوجنا بھا یا بلال اسے بلال! ہم کو
نماز سے راحت پہنچاؤ۔ کیونکہ ماہرہ کی پیاس شربِ مہمانت کی شہیدانہ سے
کچھ باقی ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گوی (شوق و محبت) کو

کون ہوتا تھا۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اقرب ما یكون العبد من ربه وهو ساجد فاکثر وافیه الدعاء
فتمن ان یستجب لکم۔

وہ کہہ کر اپنے رب کا زیادہ قریب کبھی میں حاصل ہوتا ہے تو سجدہ میں دعا کرتے
کیا کر دیر دعا اس قابل ہے کہ قبول کی جائے؟

کیونکہ اس میں قرب و اتصال کی شان ہے اس کو اہل قرب ہی سمجھتے ہیں اور
ان ہی کے ساتھ یہ حال مخصوص ہے۔ اسے اللہ! ہم آپ سے درخواست کرتے
ہیں کہ ہم کو بھی اس درجہ کا اہل بنادے ورنہ (کم از کم) ہم کو اس کی تعذیب سے
تو محروم نہ فرمائے۔

اور خاطر مکتبہ وہ ہے جو کسی غیر کی طرف انسان کو نفرت دلاتے جیسے وہ بات
جس حدیث میں مذکور ہے۔ پھر یہ خاطر بھی تو ایسا ہوتا ہے جس پر ہم کو عمل کرنا چاہیے
کبھی ایسا ہوتا ہے کہ شرع کا سبب بن جاتا ہے اور یہ بھی نماز کا اعلیٰ درجہ ہے یا اس
سے نماز کے اندر دوسرے شغل ہو جاتے ہیں اور اس حالت میں نماز کا حسن ہی پایا
ہوگا۔ جب تک کہ اس میں اس شخص کو نہ ہو کہ اس سے نماز (کے نکلنے و واپس
میں خلل واقع ہو جائے کہ اس ضرورت میں ناکارہ اعادہ کیا جائے گا۔ جیسا حضرت
حمزہ رضی اللہ عنہ نے کیا کہ ایک بار آپ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مغرب کی نماز
پڑھائی اور اس میں قرائت نہ کی۔ بعد میں آپ سے اس کے متعلق عرض کیا گیا کہ
آپ نے نماز میں قرائت نہیں کی؟ فرمایا کہ اور اس وجہ سے کیا تھا کیا گیا اچھا تھا۔ فرمایا
تو پھر کچھ نہیں۔ یہ شام کی طرف ایک لشکر کے تیار کرنے (کے خیال) میں رہا
لوگوں کو ان کے مقامات پر تین کیا اور بعض روایات میں ہے کہ آپ نے نماز کا
اعادہ فرمایا۔ اس لیے علماء میں اختلاف ہوا ہے کہ اگر دعوت و مسجد پر یہی طریقہ ادا
ہو گیا ہو اور قرائت نہ کی گئی ہو تو نماز کا اعادہ واجب من یا نہیں و ضعیف و شافعیہ
کے نزدیک اعادہ واجب ہے کیونکہ قرائت بھی رکن معلق ہے جس کے ترک سے نماز

باطل ہو جاتا ہے) اور اگر کوئی دوسرے میں کچھ نقصان نہ گیا ہو تو اعادہ (بالاعتاق) ضروری ہے۔

دعوت اللہ علیہ وسلم نے (ایک اطرائی سے جس نے نماز میں دو رکعت و سجود پوری طرح نہ کیا تھا، جلدی نماز پڑھی تھی) فرمایا اجمع فصل فانك لا تحصل لوقوعہ نماز پر طرح ہو کیونکہ تم نے نماز میں پڑھی۔ کیونکہ اس صورت میں اگر کان کے اندر نقص نہ گیا ہے اور اگر غلط نفسانی ہو تو اگر وہ ایسا خیال ہے جو نماز کے منافی ہے جیسے کسی جائز خواہش کو سوچنا (خواہ کھانے پینے کی قسم سے ہو یا بیوی بچوں کا خیال ہو وغیرہ وغیرہ) تو نماز کا اعادہ مستحب ہے۔ کیونکہ نماز سے اصل مقصود (اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ اور) حضور قلب اور لذات نفس سے الگ ہونا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ان الله لا يقبل عمل موحش حتی يكون عبدا م م جوارحه۔ اللہ تعالیٰ کسی شخص کا عمل قبول نہیں فرماتے جب تک اس کا دل اعتقاد کے ساتھ ہو کہ جس طرح اس کے اعتقاد قیام و رکوع و سجود وغیرہ میں لگے تھے ہیں۔ اسی طرح اس کا دل بھی قیام و رکوع و سجود میں مشغول ہو کہ دل بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے بحالت قیام عروج و مدح کرتا ہو۔ اللہ کے سامنے مجرمانہ خیالات کے ساتھ دو رکعت و سجود کرتا ہو (اب اگر قلب ان مشغولین میں مشغول ہوا تو وہ کہاں اور نماز کہاں؟ ہاں اگر یہ نفسانی خطرہ ایسا ہو کہ دل میں آیا ہر ایک کر دیا گیا اور اس کی طرف التفات نہ ہوا تو ان شاء اللہ معزز ہو گا۔ بشرطیکہ بکسر تحریرہ اخلاص کے ساتھ (حضور قلب سے) کسی گنہی ہو۔ کیونکہ ہمیں برسے خیالات کے دل کرنے کا حکم ہے۔ نماز میں بھی اللہ تعالیٰ سے باہر بھی۔ مگر نماز میں ان کے دفع کرنے کی زیادہ تاکید ہے۔ اسی علت کی وجہ سے جو آدمی بدکردار ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے احدث مع الذنب توبة (اگر بالسر واللذات بالاعتاق)۔ گناہ کے ساتھ جلدی سے توبہ کرو مگر غنمی گناہ سے معنی طور سے توبہ کرو اور علامتیں علیہ کر دو (پس جب کوئی برائ خیال دل میں آئے

جس سے فوراً توجہ کو مٹا لو پس اس کی توبہ ہے۔ اور اگر وہ خیال ناجائز مشغول (حرام خواہش) کا خیال ہوا تو نماز بالکل نہ ہوگی۔ کیونکہ طاہت اور مصیبت جمع نہیں ہو سکتیں۔ جب ہم سے حضور کے فوت ہونے پر کچھ کہا گیا ہے جس کا اثر بزرگوار کا اللہ تعالیٰ ایسی نماز کو قبول نہیں فرماتے (تو اس بری حالت کا ترک یا پوچھنا؟ اور اگر شیطان خطہ ہوا تو اس کی دو حالتیں ہیں) اگر اس کی حرکت دل میں ہوگئی یا اس میں لگ گیا اس کی حرکت متوجہ ہوگی تو نماز ناسد ہے کیونکہ یہ بھی نفسانی خطرہ کی قسم ہے جو حرام خواہش کے ساتھ پیدا ہوتا ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ جو خیالی مشغول ہو وہ نفسانی ہو گا اور جو مصیبت کی قسم سے ہو وہ شیطانی ہو گا۔ اور اگر اس کی طرف التفات نہ ہو اس سے استغفار نہ لیا اور توجہ کو مٹایا تو شاید ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ ناسد ہوگی (دوسری قسم ہے)۔

خوطب کی ایک قسم وہ ہے جو سلطان اور جواز کے درمیان ہے یہ وہ خوطب ہیں جو کمزورت کے ساتھ دل میں آتے ہیں اور ان کے دل سے غفلت کی جاتی ہے اور ان میں (نقص) بدل کو مشغول بھی نہیں کیا جاتا۔ ان کے متعلق اس پر کوئی دلیل ہے کہ ان سے نماز ناسد رہ جاتی ہے نہ اس کے قائل کو کوئی دلیل ہے۔

قرہ متعاجزا (مزمع) صل طاعة وهو في آخری الخ قوله فله من الاعمال الصاد ولا على هذا۔

خوطب نفسانی کی ایک قسم سے اور غلط شیطان سے مطلقاً نماز کا ناسد ہو جاتا ہو لیکن کا مذہب ہے۔ فقہاء کے نزدیک ان سے نماز ناسد نہیں ہوتی ناقص ہوتا ہے یعنی کامل درجہ میں قبول نہیں ہوتی اگرچہ درجہ صحت میں قبول ہو جاتی ہے کہ اس شخص کو ہرگز مغلطہ شمار نہیں کیا جاتا نماز ناسد مانا جاتا ہے۔ فقہاء کے نزدیک اگر کان کے ترک سے نماز ناسد ہوتی ہے اور واجب کے ترک سے واجب الاعادہ اور ترک بشرط سے مستحب الاعادہ ہوتی ہے۔

خ شریعہ کا کوئی درجہ یہ ہے کہ نماز میں نقصان کوئی نہ ہو خیال نہ لایا جائے

اُس کو دعا دینے دیتے ہیں۔ نیز فرمایا ہے کہ ایک ناز کے بعد دوسری ناز کا انتظار کرنا
رباط ہے (یعنی سرحدِ اسلام کی حفاظت کے مثل ہے) چونکہ حضورؐ نے اس بات کی ترمیم
دی ہے تو آپ کی حالت پر ہی اسی کاغذ تھا۔ ملاحظہ ہے جب اس کے خلاف دیکھا تو
اُن کو توبہ پڑا۔ قرآن و حدیث میں اس کاغذ کاغذ تھا۔ ان کیون میں یہ حال بھی عیسیٰ بنی
علیہ السلام علیہ السلام نے فرمایا تھا اور اوروں نے اس کو توبہ دیا تھا۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ کچھ باتوں کی دوسروں کو توبہ دینی جائے اُس پر غور
فرمائیے، ان باتوں کی توبہ کرنا چاہیے۔

۱۷۳۱) حق محبت یہ ہے کہ اپنی محبت کی توثیق کو زائل کیا جائے

حدیث سے معلوم ہوا کہ محبت کے خلاف کرنے سے دوسروں کو توثیق ہوتی ہے۔
جیسا کہ اس کا سبب معلوم ہو۔ چنانچہ صحابہ نے اسی وجہ سے توبہ کیا۔ نیز یہ بھی
معلوم ہوا کہ محبت کا حق یہ ہے کہ اپنی محبت کی کوئی توثیق نہیں کرنی چاہیے۔
کرنے کی کوشش کی جائے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (اس واقعہ میں غرض)
چاہیں تشریف لائے اور صحابہ کو بتا دیا کہ اس وقت (خلافتِ عاتق) جلدی گھروا لیا
کے پاس کیوں تشریف لائے گئے تھے۔

قرآن و حدیث میں اس کاغذ کاغذ تھا اور اوروں نے اس کو توبہ دیا تھا۔

ان کے قول و اخبار سے سبب سرحدِ اسلام کے خلاف۔

اس کا انجام حضراتِ مہاجرین کو سب سے زیادہ ہے اور یہاں سے معلوم ہوا کہ
حق محبت اس بات کی توبہ کرنا چاہیے۔

۱۷۳۲) ظاہری حالت کے موافق برتاؤ کرنا درست ہے

یہاں سے معلوم ہوا کہ انسان کی ظاہری حالت کے موافق برتاؤ کرنا درست ہے
گو اُس نے عینِ حقیقت میں اپنی حالت ظاہری کی جو اور سوال بھی نہ کیا ہو کیونکہ سیدنا

بلکہ اپنی طرف سے ناز ہی کی طرف توجہ رکھی جائے۔ اگر باقاعدہ دوسرے کو توبہ کرے
یہ معزیتیں اور اخلاقی درجہ یہ ہے ان کے بعد اللہ کا ناز تھا اس طرح جہالت کو بھی
توبہ کرنا دیکھ دیتے ہیں اور ان کے خلاف کے دریاں بہت سے مدد دیتے ہیں۔

۱۷۳۳) ناز کے بعد کچھ دیر صبر پر بیٹھنا چاہیے
حدیث سے معلوم ہوا کہ
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت یہ تھی کہ ناز کے بعد کچھ دیر مسجد میں ٹھہرتے تھے (فرمایا)
سے کھڑے نہ ہو جاتے تھے۔ یہ اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے جلدی گھریں تشریف لے جانے سے توبہ کیا۔ اگر یہ بات حضورؐ کی عادت (نہ ہوتی)
تو ناز نہ ہوتی تو صحابہ اس پر توبہ نہ فرماتے۔

قرآن و حدیث میں اس کاغذ کاغذ تھا اور اوروں نے اس کو توبہ دیا تھا۔

الاقامة بعد الصلوة انی قوله لیرتجب منه۔

۱۷۳۴) جو کسی بات کی طرف دعوت دیتا ہے وہی اُس پر غالب ہوتی ہے
حدیث سے معلوم ہوا کہ جو کسی غیر کی طرف بلائیں گے اکثر اوقات وہی غیر اُس پر
غالب ہوتی ہے تاکہ اُن کی طرف سے موافق ہو۔ چنانچہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے دوسری حدیثوں میں ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص اپنی ناز کی جگہ بیٹھا دے ملا کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب لوگوں کے چہروں میں تعجب کے آثار ملاحظہ فرمائے تو ان کو اپنے من کا سبب بتلادیا۔

کیفیت قلب کا اثر چہرے پر ظاہر ہو جاتا ہے

نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ قلب میں جو کچھ ہوتا ہے اُس کا اثر چہرہ پر ظاہر ہو جاتا ہے اور یہ بات اُسی پر مبنی رہی ہے جس سے دل میں نور نہ ہو اور نور سے مراد وہ خاص نور ہے جو ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ایمان کے موافق کچھ نہ کچھ دراصل ہوتا ہے (مردود حالات قلبیہ کے احکام کے تحت) کائنات میں ہوتا اس کے لیے خاص نور کا ضرورت ہے جو کمال ایمان سے حاصل ہوتا ہے) یہ اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے چہروں پر نظر فرما کر ان کے دلوں کی حالت پر اس قدر استدلال فرمایا۔ اس کی تائید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے **الْمُحْسِنُ يَنْفَخُ مِنْهُ رُوحٌ مِنَ رُوحِ اللَّهِ** (مومن اللہ کے نور سے دیکھتا ہے) جب وہ اللہ کے نور سے دیکھے گا تو چہرے کی علامات سے اُس پر دل کی حالت بخشنے پر ہے گی۔ اب اگر اُس کا ایمان قوی ہو، تو وہ اصحاب کثیف سے ہو گا تو (دوسروں کے) دلوں کو اپنی بصیرت کی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ جیسا چہروں کو مومن کی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔

قرآنہ و فیہ دلیل علی اصلہ و بظہر صریح اشخاص دون انصار و سائل
الی قولہ کما یصورون الوجہ یا مینا و دوسمہ۔

اب کو فرما دے گا کہ ایمان ہے جو احوالی و فیہ جس سے ہے مگر نہ احد میں سے نہیں اس لیے جس کو ملاحظہ ہو جائے نصیب الہی کا شکر ادا کرے اور اُس کے فوٹ سے عقلمند نہ ہونا چاہیے کیونکہ حالات اور کیفیات اختیار سے باہر ہیں اور اور غیر اختیار کردہ کے رہنے پر بنا پریشانی کا سبب ہے۔ شہداء کے کلمے سے شہد ہوتا ہے کہ قوت ایمان کے لیے کثیف لازم ہے مگر یہ قاعدہ کلیہ نہیں کیونکہ اہل طریقت

کا ارتقا ہے کہ وہ ایسے کے لیے کثیف لازم نہیں۔ خوب سمجھ لو۔

(۱۶۷) کسی ضرورت کے اپنے نیک عمل کا بیان کرنا یا نہ نہیں ہے

حدیث سے معلوم ہوا کہ (اپنے کسی) نیک کام کا ذکر کرنا ضرورت کے وقت جائز ہے اور اس سے حالت اختیار نہیں بدلتی چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سہارنپور کی حالت (خوشی) ملاحظہ فرمائی تو ارشاد فرمایا کہ ضرورت ہے (اپنا وہ نیک کام ظاہر فرمادیا جو آپ نے گھر جا کر کیا تھا تاکہ ان کے قلب مطمئن ہو جائیں کیونکہ بزرگوں نے کہا ہے کہ جو شخص کسی نیک کام کو چھپا کر کہے پھر (ضرورت) اس کو (لوگوں کے سامنے) بیان کر دے تو وہ عمل و خیر کی طرف منتقل کر دیا جاتا ہے) کہ اب وہ خواب نہ لے گا جو اعتدال سے ملتا ہے بلکہ غلبہ کام کرنے کا خواب ملے گا (اور اُس کو دوبارہ بیان کر دیا تو وہ دفتر دیا کہ طرف منتقل کر دیا جاتا ہے) اب خواب باطل ہو کر گناہ کھاتا جاتا ہے) اور اگر کسی ضرورت سے ظاہر کیا جائے جیسا یہاں موجود معنی یا اُس کے مشابہہ اور کوئی ضرورت جو اور اعتدال سے اپنی تحریر اور شہاد کی نیت نہ ہو تو امید ہے کہ اپنی حالت پر نہ پڑے گی (خواب اعتدال باطل نہ ہو گا)

اب تو فریق سے تصریح کی ہے کہ شیطان کی چالوں میں شیطان کا ایک بڑا کید ہے ایک چال یہ بھی ہے کہ جب بندہ چھپا کر کوئی کام کرنا ہے تو اُس سے کہتا ہے کہ اس کو لوگوں کے سامنے بیان کر دے تاکہ تیری افتادہ کی جگہ اور دوسروں کے عمل کا بھی ٹھیکے تو اب سے چنانچہ وہ ایمان و ذکر کرنا ہے اور اس طرح دیکھا رہتا ہو جاتا ہے کہ اُس کو خبر بھی نہیں ہوتی بلکہ وہ اس خیال میں رہتا ہے کہ مجھے خواب ملے گا جو کہ محل مرکب ہے۔

قرآنہ و فیہ دلیل علی حوالہ فی قولہ لعلوا الی لیکون جہلا حوکبا۔

انتہاء کے لیے اپنے اعمال کا ظاہر کرنا ہر شخص کا کام نہیں۔ یہ اس کا کام ہے جس کی نظر غلطی سے اٹھ جائے اور مدغم و ذم اس کے نزدیک برابر ہو جائے۔

رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے اس موقع پر حضرت کعبہ کا اظہار فرمایا ہے اور کہنے کے اور کتاب میں گناہ نہیں ہوتا جس سے مال بچنے کرنے کا جزا بھی مقصود ہو رہا ہے۔ بشرطیکہ وہ شرعی مطلق نہ کرنا کہ وہ اس سے یہ بھی معلوم ہو کہ زہد یا باتوں سے نہیں ہوتا، صرف حال سے ہوتا ہے اور مستحق ہونا مطلق، زہد معنوی کو یہ ہے کہ دل کو مال سے شغف نہ ہو اور مستحق ہو کہ مال کو غنہ کر دے جیسا کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے اس موقع پر کیا۔

قوله فيه دليل على ان البقا والمال على منافع صاحبه طول يومه الى قوله ولما احسى فهو الخ وانه كاضل سيدنا صلی علیہ وسلم حنا۔

(۱۳۷) ان مخوف کی دلیل جو رات کو اپنے پاس کچھ نہیں رکھتے غریب کی

دلیل ہے جو کسی معلوم شے پر رات نہیں گزارتے (یعنی رات کو وہ اپنے علم میں اپنے پاس کچھ نہیں رکھتے) کیونکہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مجھے یہ بتاؤ کہ کونسا کو رات کو چھلے سے پاس رکھتا ہے۔ میں نے اس طرح کے ایک بزرگ کو کہا کہ کونسا کونسا کہ اس کے پاس جو کچھ نعمت آجیں رات کو ان میں سے کچھ نہ رکھتی تھی بلکہ دن ان کی زیادت کو کر رہی تھی، اگلی اور اس دن تو رات میں بہت خوشی و غم نے اپنے دل میں کی کہ اگر میں تمام نعمت کو شے بظاہر کر دوں گا تو اس جماعت نے لیے کچھ بھی نہ لے گا وہ سب کو اپنے پاس سے الگ کر دیں گے اور یہ بہت بڑا نعمت ہے، میں کونان کے لئے کچھ نہ رکھتا، وہ لوگ اپنے دل کے واسطے ایک ہی مقدار شے کو اطلاق کے بغیر یہاں لیا جائے جو دل کو نہیں کفایت کر سکے، چنانچہ اس نے یہاں کیا (اگر کچھ نعمت بجا نہیں) اور اب ان کو سامنے کر دیا۔ لوگ نے کیا یا اور جو نعمت سے بچنا چاہتے، وہت کے واسطے غلام و بکین میں اس کے قسیم کرنے کا حکم دیا، جب شیخ بکری ان کے پاس کچھ نعمت نہ آجیں اب وہ خدیم کھڑا ہوا اور دتر خوں بکرا اس نے بہت سا کھانا کھانوں کے سامنے رکھ دیا۔ شیخ نے یہ بجا نہ کیا، سے آیا؟ اس نے سدا و اقد بیان کر کے عرض کیا کہ حضرت اگر میں یہاں نہ کرنا اور نہ

(۱۳۸) اپنے مال کو گھر والوں کی تحویل میں رکھنا جائز ہے حدیث ہے

کہ اپنے مال کو بیوی کے پاس رکھنا جائز ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ چھلے سے پاس رکھنا چھلے سے مال کو وہ آپ کی بیوی کے پاس تھا اس لیے بعض اوقات کے پاس نشرینہ سے لگے اور اس کا کسی حدیث سے) پر نہیں ملتا کہ سیدنا رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے پاس کوئی چیز ایسی بھی تھی جس کی آپ نے خود ساعت کی ہوا اور آپ کے برادر والوں میں سے کسی کو اس کا بجز نہ ہو۔ اکثر یہی معلوم ہوا کہ نیک کام میں دوسروں کو نایاب کر دینا جائز ہے۔ چنانچہ حضرت عیسا کا اور شاگرد جو وہ کہیں سے اس کے قسیم کرنے کا حکم دے دیا (وہ خود اس کے برائیت طاعت مال کے ساتھ مخصوص ہے)۔

قوله وفيه دليل على ان كل مال عند اهله الى قوله صل عليه دون اهله " وقوله فاحصرت بقسمه -

فمن حضرت مخوف کا اسی پر عمل ہے کہ وہ یہ یہ اپنے پاس نہیں رکھتے گھر والوں کی تحویل میں رکھتے ہیں۔ اگر ان کے گھر والے دیندار و پابند ہوں تو اس کا نادرست ہے۔ جیسا حدیث سے معلوم ہوا اور نہ خود غفلت کو تا چاہیے جیسا وہ قورق السعد اہل انکس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو قورقوں کو اپنے اہل زادہ میں کی تفسیر جو قورق اور بچہ سے کی گئی ہے جس کو حفاظت مال کا سلیقہ نہ ہو۔

(۱۳۹) دن بھر مال کو اپنی ملک میں رکھنا خلافت زہد نہیں ہے

حدیث سے معلوم ہوا کہ مال کو دن بھر اپنی ملک میں رکھنا جائز ہے اس سے متناہی ہوا بل نہ ہو گا کیونکہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مجھے یہ پسند نہ ہوا کہ شام کو یا رات کو سوتا چھلے سے پاس رکھے اور ایک دن رہنے سے آپ کے اہل بیت کا ہر شے زراعت اور اس سے زہد کا مستحب ہونا بھی معلوم ہوا کہ

باب ثلث دہم

حدیث

قضاء النافلة في وقت الكراهة

کریم (مولیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے (ام المؤمنین حضرت) ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے عصر کے بعد دو رکعتیں (نفل) پڑھنے کے متعلق سوال کیا (کہ یہ جائز ہے یا نہیں) حضرت ام سلمہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُن تھا کہ آپ اس سے منع فرماتے تھے۔ پھر میں نے (ایک دن) دیکھا کہ آپ نے جب عصر کی نماز پڑھ لی اور میرے حجر میں شرفیت لائے تو دو رکعتیں پڑھنے لگی اس وقت میرے پاس انصار کے قبیلہ بنو عامر کے کچھ عورتیں بھی تھیں جن میں غزوہ بدر سے لڑنے والی تھیں اور آپ کے پاس دو جاسی بکریاں تھیں ایک لڑکی کو آپ کے پاس بھیجا اور اس کو سمجھادیا کہ حضور کے پہلو میں (آپ کے پاس) جا کر کھڑی ہو جانا۔ پھر عرض کرنا کہ ام سلمہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ انہیں نے تو آپ سے یہ سُنا تھا کہ آپ ان دو رکعتوں سے منع فرماتے تھے اور (آپ) نہیں دیکھتی ہوں کہ آپ (عصر کے بعد) یہ دو رکعتیں پڑھ رہے ہیں؟ اس پر اگر آپ ہاتھ سے اشارہ فرمایا تو مجھے ہٹ کر کھڑی ہونے کی حیا ہو گیا کیا؟ حضرت نے اپنے ہاتھ سے اشارہ فرمایا تو وہ بھیجے ہٹ کر کھڑی ہو گئی جب آپ نماز سے فارغ ہو گئے تو فرمایا اے ابیہامہ! کئی مجلس (حضرت ام سلمہ اور آپ) ہم نے عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھنے کے متعلق دریافت کیا ہے تو بات یہ ہے کہ میرے پاس قبیلہ بنو عامر کے کچھ لڑکیاں آگئے تھے انھوں نے مجھے ان دو رکعتوں سے مشغول کر دیا جو غرض کے بعد

معمول کے موافق سارا پہچاننا غیر بات کر دینا) تو آج اس جماعت کے کھانے کو کچھ بھی نہ پڑتا۔ چنانچہ فرمایا (سبحان اللہ! کسی ایسی مجلس ہے یا تعدادی اس حرکت سے یہی تو ہم کو آج کی فتوحات سے محروم کر دیا اگر تم سب پہچاننا غیر بات کر دیتے اور اللہ کے ساتھ جو معاملہ چلا کر یا تھا اس کو بد بولنے تو اللہ تعالیٰ بھی اپنا معاملہ نہ بدلتے جس نے کل اتنی بڑی جماعت کے کھانے کا اپنے غرض سے قطع کیا تھا آج اس سے عاجز و محتاج ہو گئے۔ خلافت معمول کہنا یہاں کہ آج کی فتوحات کا دوازدہ بند کر دیا) عرض جو کہ خوش کرتا ہے وہ (مفسر کو) پتا چلتا ہے اور جو غرض سے کام کرتا ہے اس سے انھیں اس کے موافق معاملہ کیا جاتا ہے پس (انھیں کامل اختیار کر دو گئے) ہر گئے والا بڑی بگڑی نظر والا ہے اور معاملہ ایسے کریم کے ساتھ ہے جو وعدہ کا پورا ادا نہ کرے اور مرہاں ہے۔ اس لیے کہ اس نے کہا ہے کہ جس داس سے جاوے ہو بخیر۔ اللہ تعالیٰ کو حقیقت کا پورا علم ہے (وہ دونوں کے اندر در اور خیرتوں سے خبردار ہیں۔ مجلس اور غیر مجلس عین اور خیرتوں وہاں نہیں چھپ سکتا) قولہ وہیہ دلیل لاهل العرفۃ الذین لایبیتون مل معلوم الی قولہ فقد بان للیق بالحقیقۃ علم۔

فتوحات نہ ہوں تو ایک دن کے فائدہ سے موت تو دے جاوے گا۔ اتنی بات کے لیے نیچے کے معمول کو بدلنا اور اضافہ و محال سے اس کو مکمل کرنا ہرگز مناسب نہیں۔

(پڑھی جاتی) ہیں سو یہ دو دیکھیں وہی (ظہروالی) ہیں (حصر کے بعد والی میں ہیں جن سے منع کیا گیا ہے)

ظاہر حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حصر کے بعد نفل نماز جائز ہے جبکہ ظہر شریف کے بعد کی سنتیں فوت ہوگئی ہوں۔ امام شافعی کا مذہب تو یہ ہے کہ حصر کے بعد مطلقاً نفل نماز جائز ہے خواہ ظہر کے بعد کی سنتیں فوت ہوئی یا نہ ہوئی ہوں۔ مگر حدیث میں اس قول کے لیے کچھ حجت نہیں۔ دوسرے ایک یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نفل نماز دوسروں کی نفل جیسی نہیں۔ کیونکہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ آپ جب کوئی عمل کرتے تھے اس پر دوام کرتے تھے تو آپ کی نفل نماز دوسروں کی نفل نماز کے مثل (واجبہ ہوتی تھی)۔ دوسری حدیث کے معنی یہ الفاظ یہ ہیں کہ آپ نے فرمایا لوگوں نے مجھے ظہر کی دو رکعتوں سے مشغول کر دیا تھا تو میں نے اُن کی قضاء کی ہے اور قوت کلام کا وہی اہل زبان کے نزدیک نفل ہی کے برابر ہے اور اس کلام کی قوت اور شوکت بظاہر ہی ہے کہ آپ کا یہ نفل اس نئی کا ناقص یا ناتمام نہیں ہے۔ جو حصر کے بعد نفل نماز پڑھنے کے متعلق پہلے سے موجود مکی جگہ آپ کا یہ نفل خاص علت کی وجہ سے تھا جو حدیث میں مذکور ہے اور نئی اپنے حال پر باقی ہے اس کا حکم بھی وہی ہے اور یہ ایسی بات ہے جس کا کوئی نقص عہ نسائی بخاری کی روایت میں یہ بھی ہے قلت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انما تھاذا دھوت ام سترکتی ہیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہم بھی ظہر کی دو رکعتوں کی (حصر کے بعد) قضاء کریں جو کہی ہم سے فوت ہو جاویں۔ حضور نے فرمایا نہیں۔ کذا فی اعلام السنن ۵۷ عہ اس حدیث کی شرح میں ہے بشارت و ذکر اذ علیک صحت طویل کلام کی ہے۔ میں نے اس کا خلاصہ یہاں اپنے لیے بیان کر دیا تاکہ وہ بیان نہ ہو کہ وہ کلام جو اس کے کلام اور جہت کے ہے ہیں مگر حدیث کا ذکر کرنے سے اجتناب کا وہ بھی نہیں ہو سکتا۔ اس ذکر میں یہ کہ کوئی کسی حدیث کے خلاف دیکھ کر اُن پر طعن کرنا مری جائز ہے کیونکہ وہ ظاہر میں ہی خلاف ہوتا ہے نہایت ہی علوفہ میں ہوگا ہے۔

ظہر نہیں کر سکتا۔ اس لیے اہم ناک (اور ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ) کا مذہب یہ ہے کہ یہ علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ آپ نے نوافل کو اپنے وقت قائم کر لیا تھا۔ دوسرے ایسا نہیں کر سکتے اُن کو بھی پھر مل کرنا چاہیے جس کا حکم باقی اور مستقر ہے البتہ لفظ حدیث پر بحث کر کے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدار کے خلاف کو اپنے وقت قائم کرے۔ پھر کسی قدر کی وجہ سے ظہر کی رکعتیں وہ جائیں اور قدر اتنا ممتد ہو جائے کہ ظہر کا وقت اٹل جائے تو اس کو حصر کے بعد اُن کی قضاء جائز ہے۔ جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے کیونکہ وہ نفل نماز فرماتے ہیں: لقد کان لکھف رسول اللہ صلوٰۃ حسنة۔ تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں بھی اقتدار ہے لیکن اس شخصیت میں بھی ایک سوال پھر باقی رہے گا وہ یہ کہ حصر کے بعد نوافل ظہر کی قضاء کرنا ظہر میں جائز ہے خواہ کیسا ہی عذر ہو؟ یا اسی عذر کے ساتھ خاص ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش آیا تھا کہ آپ اُن لوگوں کو مسلمان کرنے میں مشغول تھے اُن کے دل میں اصول شریعت کو جا رہے تھے جس کے لیے آپ مجبور ہوئے تھے۔ اگر ہم عوام کے قائل ہوں تو ہر فرد میں اس فعل کو جائز کرنا جائے گا اور اگر اسی عذر کے ساتھ حکم کو خاص کر ہی تو جب تک کسی کو ایسا ہی عذر واقع نہ ہو اس فعل سے منع کیا جائے گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کو ایسا عذر پیش آنا شاذ و نادر ہی ہے خصوصاً اس زمانہ میں تو شاید ہی کسی کو ایسا عذر پیش آنا ہوگا اور اگر کسی بھی آئے تو اس کی جگہ عہ مگر وہ یہ مسئلہ قائم ہے کہ نوافل کو بطور تندر کے اپنے لئے لازم کر لینا مناسب ہے یا نہیں؟ صحابہ یہ ہے کہ کیا کرنا نہیں کیونکہ اگر یہ صورت داخل ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت خود حصر کے بعد نوافل سے منع فرمایا تھا اسی وقت یہ بھی بتا دیتے کہ اگر کوئی ان لوگوں میں نقص پڑتا ہے تو وہ تندر کے طور پر اپنے ذمے کچھ رکھیں لازم کر لیا کہ سے پھر اُن کو ان وقت میں پڑھ سکتا ہے۔ صحابہ بھی اس کا ثبوت نہیں کر سکتے تو اُن کو بطور تندر کے اپنے لئے یا بطور تندر ہی لازم تھا۔

متعدد تھی کہ اگر یہ نماز کوئی اور نماز ہے تو پھر کوئی اشکال نہیں اور مشافہ سوال کی تحقیق اس لیے ضرور ہے کہ (خلیدو ہاں کوئی ایسی بات موجود ہو جو قاضی بن کر نہ خیرے مطلق ہو جس کے معلوم ہو جائے کہ بعد سوال وارد ہی نہ ہو) جیسا یہاں (واحدہ حدیث میں آیا ہے کہ حضرت ام سلمہ نے حضور کی نماز کو عصر کے بعد کی دیکھ کر پر محمول کیا تھا۔ جس سے مانع نہ ہو سکی تھی۔ تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ یہ قضاء نماز تھی عصر کے بعد نفل نہ تھی۔

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سوال میں سوال میں تاخیر مناسبت نہیں تاخیر مناسب نہیں بلکہ جلدی کرنا ہی بہتر ہے و خصوصاً جب کسی فعل پر سوال ہو تو ابتداء فعل کے ساتھ ہی سوال کرنا چاہیئے۔ تاکہ اگر وہ فعل نسیان یا خطا کی وجہ سے ہو رہا ہے تو اس کی تکلفی ہو سکے۔ کام کر لینے کے بعد پھر استغفار کے تکلف نہ ہو سکے گی، چنانچہ حضرت ام سلمہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غلات علات ایک عمل کرتے ہوئے دیکھا تو انہوں نے سوال میں تاخیر نہیں کی اس کا انتظار کیا کہ آپ نماز سے فارغ ہو جائیں تو سوال کروں تاکہ اس وقت سوال میں جلدی میں حالانکہ وہ خود بھی مشغول تھیں تاکہ ممانوں کی اطلاع داری کی وجہ سے خود دریافت کے لیے نہیں جا سکیں باندی کو بھیجا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نماز میں مشغول تھے (مگر سوال اس نماز ہی کے متعلق تھا اس لیے مؤخر نہیں کیا گیا۔ اگر کسی اور عمل کے متعلق ہوتا تو نماز سے فراغت تک مؤخر کرنا لازم تھا) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے (کہ اس فعل پر اگر انکار نہیں منسب دایا تھا تو ثابت ہوا کہ جس مسئلہ میں اشکال طاق ہو اس پر ابتداء عمل ہی میں سوال کرنا درست ہے)۔

قرہ فیہ دلیل علی الاستعظام لایکت الی بعد التفتی الی قولہ ولینکرھو علیہ السلام علیہا بعد۔

دوسرے اس حدیث کو انجام دینے والے بہت مل جائیں گے۔ ہاں اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ کسی کو دوسرا اس خدمت کا انجام دینے والا نہ ملے تو عجز کی گنجائش ہو سکتی ہے مگر یہ بہت ہی نادر ہے اور (مطلق طور پر) انکار کا ماحول یہاں کے لیے کوئی حکم نہیں مقرر ہو سکتا۔ اسی بناء پر والدہ معظمہ (ام ہانک) و ابو حنیفہ نے اس حکم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص قرار دیا ہے (اور نسائی کی حدیث میں جو زیادت ہے وہ اس شخص کی امر کا مؤثر ہے)

(۱۳۱) چھوٹے بڑوں کے فعل پر سوال وارد کر سکے ہیں حدیث سے کہ مغضول فاضل پر (یعنی خود اپنے بزرگ پر) سوال (وارد) کر سکتا ہے جب اس سے کوئی ایسی بات دیکھ کر اس کی عادت دائرہ (اور ہمیشہ کے رسول) کے خلاف ہے چنانچہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (اسی بنا پر) استفسار کیا تھا اور (ظاہر ہے کہ) حضور کے زمانے میں اور بعد میں بھی سب لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے چھوٹے ہی ہیں۔

قرہ فیہ دلیل علی جواز استعظام المغضول علی الفاضل الی قولہ بالنسبۃ الیہ علیہ السلام مغضولون۔

مگر چھوٹوں کو بزرگوں کے کسی فعل پر سوال رعایت ادب سے کرنا چاہیئے جیسا حضرت (ام سلمہ) نے کیا۔ حوالہ میں بعض حضرات قرآن بالعرفت مشور میں وہ اپنے بزرگوں پر بھی گزرت کرتے تھے۔ یہ حدیث اُن کی دلیل ہے مگر یہ درجہ اسی کے لیے ہے جس کو طرف ادب کی رعایت معلوم ہو۔

(۱۳۲) سوال سے پہلے مشافہ سوال کی تحقیق لازم ہے یہ بھی معلوم ہوگا کہ سوال سے پہلے مشافہ سوال کی تحقیق کر لینا چاہیئے۔ چنانچہ حضرت ام سلمہ نے عرض کیا کہ میں آپ کو عصر کے بعد دیکھ کر چڑھا ہوا دیکھ رہی ہوں اس قول سے تحقیق حال ہی

(۱۲۳) نمازی سے اس کی نماز کے متعلق بات کر سکے ہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز کی حالت میں نازی ستائشی بات کی نسبت سوال کیا جاسکتا ہے جس کا مرتبہ نماز کے بعد ہوا ہے۔ چنانچہ حضرت امام غزالی نے نماز ہی میں آپست سوال کیا۔ کیونکہ اگر نماز سے فراغت تک سوال کو ٹھکرا لیا جاتا تو سوال بے فائدہ ہو جاتا۔ کیونکہ مشغور سوال سے یہ تھا کہ اگر آپ مجھ سے یہ نماز پڑھو رہے ہیں تو اس کو ترک کر دیں اور نماز پڑھ کر یہ مشغور نماز نہ بند حاصل نہ ہو سکتی تھی۔

نماز میں اشارہ سے بات کا جواب دینا درست ہے کہ نمازی سوال یہ بھی معلوم ہوا کہ کتاب اشارہ سے دیا جاسکتا ہے۔ اس سے نماز نامہ نہیں ہوتی (اور ناتقن بھی نہیں ہوتی) بشرطیکہ خود اس اشارہ ہو (جس میں عمل بشرک کی نوبت نہ دے) کیونکہ سوال اللہ کو لا یشک وکلم سے جب باندھی گئی (نماز کے اثناء) گفتگو کی تو آپ نے دست مبارک سے اس کو اشارہ کیا کہ مجھے کھڑی ہو جائے۔

احکام شریعہ دریافت کرنے کے لیے جاہل کو مقصد بنا سکے ہیں۔

بشرطیکہ اُسے آداب بتا دیئے جائیں یہ بھی معلوم ہوا کہ احکام شریعہ نافذ واقع (ان پڑھ) کو قاسم بہرہ سکتے ہیں بشرطیکہ اُس کو ان آداب کی تعلیم کر دی جائے جو اس حکم کے (دریافت کرنے کے) مستحق (شرعاً) ضروری ہیں۔ چنانچہ حضرت امام سہروردی نے جب اس باندھی کو مجاہد تو اس کو سب کچھ بتا دیا کہ تجھ کو کیا کہنا چاہیے اور کس طرح کرنا چاہیے۔

قولہ وخیہ دلیل علی جواز السؤال لمن عرف فی الصلوۃ الی قولہ ما تقول وما تفعل۔

احادیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مہمان کی (شرعی) حرمت ہے (اُس کا احترام کرنا چاہئے) دیکھو حضرت ام سلمہ کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانے (اور بلا واسطہ سوال کرنے) سے اسی بات سے قولہ کہ وہ ان حرمتوں کی خاطر (دری) میں مشغول تھیں جو ان کی زیارت (اور عداوت) کو آتی تھیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حرمتوں کا ایک دوسرے کے ملاقات کو جانا جائز ہے بشرطیکہ اس میں کسی محرم یا مکروہ کا ارتکاب نہ ہو کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان باتوں کو دیکھ لیتے تو آپ کے بعد عمر توں نے ایسا نہ کیا کیونکہ توں کو مسجدوں میں آنے سے روک دیتے تھے (ان حرمتوں کی وجہ سے) ان کو مسجدوں سے روک دیا گیا تو ادر مقامات سے بدرجہ اولیٰ روکا جاسکتا۔

گھر والوں کے سامنے نفلیں پڑھنے میں زیادہ کا اندیشہ نہیں

حدیث سے معلوم ہوا کہ گھر والوں کے سامنے نفلی نماز پڑھنا جائز ہے (یعنی اس میں زیادہ کا اندیشہ نہیں) نہ عورت کے ساتھ ہی نہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمہ کے سامنے نماز پڑھی تو ان کو آپ کی نماز کا علم ہی نہ ہوتا آپ سے جو کہا گیا ہے کہ لواطف مسجد میں نہ پڑے جائیں بلکہ گھر میں پڑھے جائیں اس کا یہ مطلب نہیں کہ گھر میں گھر والوں سے چپ کر پڑھے جائیں اور طرز اس میں یہ ہے کہ زیادہ کا خطروہاں ہوتا ہے جہاں عمل کے دیکھے والے ایسے لوگ ہوں جن کا اپنے سے افضل سمجھنا گوارا نہیں ہوتا بلکہ ان پر اپنی فوقیت اور فضیلت کی فہمرا خراش ہوتی ہے اور اپنے گھر والوں پر فوقیت و فضیلت کی فہمرا ہش میں ہوتی بلکہ ان کا فحاش و دیوبہ یا دنیہ میں پڑھ جانا انسان کو فہمرا گوارا ہے۔ کسی کی بوری یا بچے اُس سے بھی زیادہ صاحب ولایت و فضیلت بن جائیں تو اُس سے اُس کی بوری یا بچے ہوتی ہے ناگوار ی نہیں ہوتی اس لیے اُن کے سامنے نفلیں پڑھنے میں زیادہ نہیں ہوتی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تو مسجد اور گھر ہر جگہ برابر ہی آپ کو کسی جگہ بھی زیادہ کا خطروہاں کہ آپ کا عمل اس طریقہ پر ہوا کرتا تھا جس کے اعتبار میں اُمت کے لیے

جی کہ شرط نہ ہو غریب کہو

قوله فيه دليل على ان الصيغ حرة الى قوله ما عادت به۔

ف حودقوں کا یا ہم ایک دوسرے کی طاعت کے لیے جانا عام حالت میں تو کچھ زیادہ بڑائیوں بشرطیکہ نسبت و شکایت کی باتیں نہ کریں۔ تا کہ وقت سے مؤخر نہ کریں لیکن فقر و عیلت میں ان کا جمع ہونا محاسن سے خالی نہیں۔ اگر غریب پر دیکھی ہوئی ہے اور نمازیں بھی برباد ہوتی ہیں۔

(۱۳۵) بلا ضرورت نمازی کے پاس کھڑا ہونا مکروہ ہے حدیث سے بلا ضرورت نمازی کے پاس (کھڑا ہونا) بیٹھنا مکروہ ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باغی کو اشارہ کیا کہ آپ کے پیچھے کھڑی ہو جائے اور معلوم ہے کہ اس سے کچھ نہ کوشش (ضرر) ہوتی ہے۔

قوله فيه دليل على كراهة القرب من الصلوات الى قوله كوشش ما۔

ف آج کل لوگوں میں عام عرف ہے کہ کسی سے ملنا ہوتا ہے اور وہ نماز میں منتقل ہے تو اس کے پاس جا کر بیٹھ جاتے یا کھڑے ہو جاتے ہیں۔ حضرت حکیم الامت دام مجید کو یہ حرکت بہت ناگوار ہوتی ہے۔ یہ حدیث اُن کی حجت ہے۔

(۱۳۶) اگر نمازی سے کوئی ضروری بات نماز ہی کے اندر کہنا ہو تو اس کے پہلو میں کھڑا ہو کر کہے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر نمازی کی حالت میں نمازی سے کچھ کہنا ہو تو اس کا عہدہ یہ ہے کہ نمازی کے پہلو میں قریب جا کر بات کرے کیونکہ حضرت ام سلمہؓ نے باندی سے فرمایا کہ حضورؐ کے پہلو میں کھڑے ہو کر عرض کرنا۔ تجاس کھجی اسی کو متفق ہے کیونکہ اگر یہ شخص پہلو میں کھڑا ہو کر بات کرے گا تو نمازی کو سخت عیب سے دیکھ کر بے چارے لے گا

اور لائق اشارہ سے جواب دے دیکھا۔ اگر سامنے کھڑا ہو گا تو وہ اس کو اپنے آگے سے پیشے گا کیونکہ وہ سامنے گزرنے والا ہو گا اور اس کے لیے دفع کا حکم ہے اور اگر پیچھے یا کچھ دور کھڑا ہو گا تو بعض دفعہ بے چارہ دشوار ہو گا اور بچان بھی لیا تو دور ہونے کی وجہ سے اس کی بات پر توجہ نہ ہو سکے گی جس سے نمازی کو تشویش (اور پریشانی لاحق) ہوگی اور ایسی حالت میں اشارہ سے جواب دینا بھی بعض دفعہ آسان نہ ہو گا۔

قوله فيه دليل على ان ادب من ساقى الى قوله لا تمكن الاشارة الى الاشارة سلطان الله اي آداب میں جس کی شریعت نے تشریف اور پریشانی سے بچانے کے لیے تعلیم کی ہے ان آداب کو دیکھ کر بے ساختہ ہر شخص شریعت اسلامیہ کی نسبت یہ کہنے پر مجبور ہوتا ہے۔

زفری تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم
گر شعر دامن دل کی کشہ کہ جانی بچم

شریعت نے تو مسلمانوں کو ادنیٰ توئی کوشش سے بچانے کا اس قدر اہتمام کیا ہے کہ گریب عوام اور خواص سب ہی اس سے بے پرواہ ہیں اُن کی حرکات سے کسی پر پریشانی کا پتہ بھی ٹوٹ پڑے تو پرواہ نہیں کرتے اسی کا نتیجہ ہے کہ باہم وہ الفت و محبت باقی نہیں جو کبھی مسلمانوں کے ساتھ مخصوص تھی فاما الله الشک

(۱۳۷) حودقوں سے علم حاصل کرنا جائز ہے جبکہ اس کی اہل ہوں

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حودقوں سے (شریعت یا طریقت کا) علم حاصل کرنا جائز ہے۔ کیونکہ راوی نے حضرت ام سلمہؓ سے یہ مسئلہ (مذکورہ) دریافت کیا اور ان پر اکتفا کیا لیکن حودقوں سے علم حاصل کرنے میں یہ شرط ہے کہ اُن میں اس کی اہلیت ہو چنانچہ حضرت ام سلمہؓ میں یہ اہلیت (بدو جہال) موجود تھی (اور یہ شرط دونوں سے علم حاصل کرنے میں بھی ہے مگر ان میں بکثرت قابل ہوتے ہیں

جانی و کسایت کرتے ہیں کہ آج کل رازی اور غزالی کیوں نہیں پیدا ہوتے۔ جہلان
نحالوں اور بے وقوفوں کو کوئی رازی اور غزالی کیونکر بنا سکتا ہے۔ جو علم دین کے اسلے
چھانٹ چھانٹ کر بیچے جاتے ہیں۔ قوم کو کچھ حق نصرت کرنا چاہیے اور اپنی اس غفلت
اور بے حسی پر کچھ توفیر ماننا چاہیے کہ دین کے ساتھ اس کا کیا برتاؤ ہو رہا ہے؟
اس سب پر راہی کا نتیجہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے ساتھ اچھا کام ہے تو اس غلطی کا اعادہ
نہ کرنا چاہیے۔

✽

اس لیے تعجب کی ضرورت نہیں۔ محدثوں میں قابل کم ہوتی ہیں اس لیے شرما کی
تعمیر کر دی گئی اور اس سے حضرات سلف (صحابہ و ائمہ) رضی اللہ عنہم کا اہتمام پائین
مجی ظاہر ہے کہ ان کو دین کا کس قدر اہتمام تھا کہ راوی کو جس بات کا علم نہ تھا اس
کو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا (بے فکر کے ساتھ اس کو کٹاوا میں)
بلکہ حکم شرعی معلوم کرنے کی فکر میں رہے اور یہ حضرت امی ایسے ہی تھے خدا ان
سے راضی ہو گا ایک ایک حدیث کے لیے کئی کئی دن کا (بلکہ مہینوں کا) سفر کرتے تھے
اسی لیے کسی نے کہا ہے اذا كان الف بالدين الف من العلم فالف قدره وان
افترقوا فافترقوا في الوجود به خطر۔ جب تک تم کو دین کا اہتمام ہے تو جہز و تکفلت
میں تمہارے لیے عزت ہے اور اگر دین کو بر باد کر دیا تو پھر جو حالت بھی تم کو پیش
آئے اس میں ضرور (بہی خطرو) ہے۔ قوله وفيه دليل على جوازنا العلم من الناس
ان قوله قد انظر الى في الوجود۔ یہ خطر۔

اس سے ان صوفیہ کی محنت ظاہر ہو گئی جنہوں نے بعض بزرگ محدثوں سے
استفادہ کیا ہے پہلے زمانے میں جب مشائخوں کے دن پہلے تھے محدثین معلوم
ظاہر و باطن دونوں میں مردوں کی طرح کمال حاصل کرتی تھیں۔ آج کل سلطان عورتوں
نے علم کی طرف سے ایسی غفلت برتی ہے کہ گویا کبھی ان کو علم سے کسی ہی نہ تھا
اگر کچھ عورتوں کو علم کا شوق ہوتا بھی ہے تو اسکولوں میں انگریزی پڑھنے کا شوق
ہوتا ہے جو روز بروز بڑھتی جا رہا ہے مگر اس کو علم کتنا ہی علم کی تعریف ہے آج
کل جمل کا نام لوگوں نے علم دیکھ دیا ہے۔

علیکم وہ بحق تنایہ جمالت

مردوں کو بھی آج کل علم دین کا اہتمام نہیں البتہ اگر کسی کے دس یا پانچ لڑکوں میں
کوئی کو دین سے واقف ہو جائے جس سے استفادات پاس کرنے کی امید نہیں ہوتی
اور اس لیے اس کی تعلیم پر دوپیر خرچ کرنا بھی گوارا نہیں ہوتا تو میری بکری خدا فضل
کے نام اس کو عربی پڑھنے اور علم دین حاصل کرنے کے لیے بھیج دیتے ہیں پھر ہمارے

حدیث

سبعة اوامر و سبعة نواہی

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو سات باتوں کا حکم فرمایا اور سات سے منع فرمایا۔ جنازہ کے ساتھ چلنے کا ہم کو حکم دیا اور بیمار کی عیادت کا اور دعوت کرنے والی کی دعوت منظور کرنے کا اور دوسرے کی دعوت سے اور علقم کی مدد کرنے کا اور قسم پورا کر کے کا اور سلام کا جواب دینے کا اور چھینکے والے کو دعاء دینے کا (بشرطیکہ وہ بھی اول اللہ تبارک کے بعد کرے یعنی الحمد للہ کے دو تھینے والوں کو یہ حدیث اللہ کتنا چاہیئے اگر وہ حمد نہ کرے یا اہستہ کرے تو دعاء دنیا لازم نہیں۔ اور ہم کو چاندنی کے برہنہ (استعمال کرنے) سے منع فرمایا اور سوئے کی لمبائی (چھیننے) سے اور حریر و دیباچہ اور پاد چھوٹی و استبرق اور سرخ (روشنی) رد والوں سے بھی۔

حدیث کا لفظ ہر مطلب واضح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سات باتوں کا حکم دیا ہے اور سات سے منع فرمایا ہے (مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ امر و نہی کا ان ہی میں انحصار ہو گیا۔ مراد یہ ہے کہ صحابی کو جس وقت ان امور کے متعلق حکم شریعی ظاہر کرنے کی ضرورت تھی وجہ سے زیادہ معلوم ہوئی تو ان کے شمار کے ساتھ بیان فرمادیا کہ شریعت میں سے ممنوع کیا دیکرنا اسلام ہو جاتا ہے)

اب سوال یہ ہے کہ جن امور کا اس حدیث میں حکم ہوا ہے کیا سب کا ایک ہی درجہ ہے؟ اور وہ درجہ کیا ہے؟ وجوب ہے یا استحباب؟ اسی طرح جن امور سے منع فرمایا ہوئی ہے وہ سب حرام ہیں یا مکروہ؟ جواب یہ ہے کہ جن چیزوں کا بیان ہوا ہے سب واجب نہیں بلکہ بعض واجب ہیں۔ بعض مستحب۔ چنانچہ جنازہ کے ساتھ چلنا مستحب ہے کی کو اس کو واجب کہنا معلوم نہیں ہوا۔ البتہ اگر جنازہ کا اٹھانے والا اور نماز پڑھ کر دفن کرنے والا کوئی نہ ہو تو جو لوگ اس حالت سے واقف ہیں ان پر فرض نہیں ہو جائے گا۔ اسی طرح بیمار کی عیادت مستحب ہے اور اگر کوئی بیمار داری کرنے والا نہ ہو تو فرض کفایہ ہے (اور جن کو حکم ہو جائے کہ کوئی بیمار کو نہیں پوچھتا اُن پر فرض نہیں ہے) دعوت کا قبول کرنا مطلقاً واجب نہیں صرف دعوت ویر کا قبول کرنا واجب ہے بشرطیکہ وہ کوئی ایسا امور واجب نہ ہو جو شرعاً حرام ہے۔ مگر ایسی ضرورت ہو تو دعوت قبول کرنا جائز نہیں اور جس شخص میں واجب بھی ہے اُس میں بھی کھانا واجب نہیں۔ صرف شرکت واجب ہے کھانے میں اختیار ہے خواہ کھانا نہ کھاؤ اور دعاء کر کے مبارکباد دے کر واپس آ جاؤ کھانے سے حذر کرو۔

اس کے علاوہ اور دعوتوں میں تفصیل ہے بعض کا قبول کرنا مستحب ہے بعض کا مباح بعض کا حرام تفصیل ملحد سے معلوم کی جائے یا کتب فقہ کی مراجعت کی جائے) مظالم کی مذکورنا واجب ہے اسی طرح قسم کا پورا کرنا واجب ہے (اگر لفظ ہی قسم ہے تو اُس کے واجب ہونے میں اختلاف نہیں۔ اگر دوسرے نے قسم دی ہے تو اس میں اختلاف ہے کہ اس کا پورا کرنا واجب ہے یا نہیں اور حتیٰ یہ ہے کہ اگر اُس نے کسی امر واجب کی قسم دی ہے تو پورا کرنا واجب ہے مثلاً یوں کہ کہ تجھے خدا کی قسم نذر حور پر نہ رکھا اور اگر کسی شخص کا قسم دی ہے تو قسم کا پورا کرنا مستحب ہے اور مکروہ یا حرام کلام کی قسم دی ہے تو اُس کا پورا کرنا مکروہ یا حرام ہے۔ اسلام کا جواب دینا واجب ہے اس میں کسی کا اختلاف معلوم نہیں ہوا (البتہ اگر کسی نے

اور اُدھر جو یہ قید لگائی گئی ہے کہ منیٰ حرام ہے بشرطیکہ منیٰ بطریق لزوم کے ہو، یہ شرط اس لیے ہے کہ بعض دفعہ منیٰ کے ساتھ کوئی قرینہ ایسا ہوتا ہے جس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ منیٰ کراہت کی وجہ سے یا شفقت کی وجہ سے ہے جیسا (ایک دفعہ) رسول اللہ ﷺ وسلم نے (معاہدہ) وصال سے منہ فرمایا تھا (وصال یہ ہے کہ درود پر درود دیکھا جائے۔ دنیائے میں رات کو کچھ دیکھا یا جائے یا کسی طرح اور جو منیٰ اس کے مشابہ ہو کہ فرقے اس کا شفقت کے لیے ہوتا معلوم ہو جائے تو اس سے حرمت ثابت نہ ہوگی مگر منیٰ میں ایسا قرینہ شاذ و نادر ہی ہوتا ہے اکثر منیٰ لزوم ہی کے لیے ہوتی ہے اور امر میں ایسا بکثرت ہوتا ہے کہ استحباب یا اور شلہ کے طور پر حکم ہوتا ہے۔ اس لیے بعض علما نے کہا ہے کہ امر سے وجوب پر استدلال کرنے کے لیے قرینہ نہ کی ضرورت ہے اور منیٰ سے استدلال کرنے کے لیے قرینہ کی ضرورت نہیں بلکہ منیٰ حرمت قرینہ کی محتاج ہے۔

اس میں غور کی بھی دلیل ہے کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ اُن کے امر کا مستغنی (۱۳۸) یہ ہے کہ اُن کی تعمیل کی جائے کسی صورت سے بھی ہو (غواہ واجب کہ کر تعمیل کرو یا مستحب سمجھ کر) کیونکہ غلام کے ذمے تو کوئی سے حکم کا بھلا سنا ہے اس کے ساتھ نہیں (غلام کو اس بحث کی ضرورت نہیں کہ امر وجوب کے لیے ہے یا استحباب کے لیے) پھر وہ اس سے کہے ایک قدم اور بڑھاتے ہیں کہ منیٰ سے حکم کو غلاموں کے حق میں احسان اور رعایت سمجھتے ہیں کہ ان کا اتنا درجہ ہے تو بھوکہ کہ اُن سے سوال اور خطاب بھوکا۔

جیسا حدیث میں ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ وسلم نے حضرت ابی سے فرمایا کہ تجھے حکم ہو یا حکم کو تم کو (فلاں سورۃ) پڑھ کر سنائوں۔ حضرت ابی نے عرض کیا اور میرا اوّل ذکر بُرا تھا (یعنی اللہ تعالیٰ نے میرا نام لے کر حکم دیا ہے) فرمایا یاں تکرار نام بھی لیا اور تمہارے باپ کا بھی۔ یہ سن کر حضرت ابی علی اس خوشی میں کہ میرا اتنا درجہ ہو گیا ہے (کہ اللہ تعالیٰ نے میرا نام لینے) دوئے لگے

منح کو سلام کیا ہے تو ہر ایک پر جواب واجب نہیں سب پر فرض لگایا ہے ایک کا جواب سب کی طرف سے جواب ہوتا جائے گا اور سب ہی جواب دے دیں تو بہتر ہے اور چھیننے والے کو ڈھارنا مستحکم ہے جو شرط مطلوب ہے (اور منیٰ کے نزدیک واجب ہے اسی تفصیل سے جو سلام کے جواب میں فرض اور منیٰ شرط سے جو پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اُن سے منہ بھی کی ہو)

اور چونہ چیزوں سے حدیث میں منع کیا گیا ہے وہ سب حرام ہیں۔ تحریر و بیاق اور قسی و استبرق۔ یہ سب منیٰ کی بیاد کی اقسام ہیں جو مرد کے لیے حرام ہیں اور عورتوں کے لیے جائز ہیں۔ اسی طرح سونے کا ٹھنڈی ٹھنڈی کو بائز مردوں کے لیے حرام ہے اور عورتوں سے معلوم ہوا کہ منیٰ حرام ہے اور ہوتا ہے (یعنی منیٰ تا رسول اللہ ﷺ وسلم کا کسی چیز سے منع کرنا کسی کلام کا حکم کرنے سے زیادہ سخت ہے) کیونکہ منیٰ وہ تو سب حرام ہوتے ہیں بشرطیکہ منیٰ بطریق لزوم کے ہو اور ماوراء سب واجب میں ہوتے بعض واجب ہوتے ہیں یعنی مستحب تو وہ (افعال اور افعال) ہے اس لیے رسول اللہ ﷺ وسلم نے فرمایا ہے اذا لم تکن باسرها فاقوامنه ما استطعت وما نیت تکم عنہ فلا تقر بها۔ جب میں تم کو کسی کلام کا حکم کروں تو مبرا بجا لاسکو بجا دو اور جس سے منع کروں اُس کے پاس نہ جاؤ۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ جن باتوں کا امر کیا گیا ہے وہ سب واجب میں بلکہ بعض مستحب بھی ہیں۔ اور واجبات سب تمہاری طاقت و استطاعت کے موافق ہیں (طاقت سے زیادہ کو واجب نہیں کیا گیا) اس کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ہوتی ہے اولکث اللہ انشاء و معہا اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ کا مکلف نہیں فرماتے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ واجبات میں سے جس کو تمہارا قیاس ہے اور اگر وہ میں کو مادی چاہے چھوڑ دو۔ یہ کوئی مفسد نہیں جسے دو کا ایک سے زیادہ ہوتا معلوم ہے، نہیں سمجھ سکتا۔ مگر یہ کہ کسی کے دل پر ہمارے نفس ہی غالب ہو گئی ہو (تو وہ جو چاہے سمجھ لے)۔

کے آپ پر آجا ہے اور دوسری جنت اس لیے کہ واقعی آپ جنت کے قابل ہیں۔
 سو پہلی جنت کا اثر تو یہ ہے کہ آپ کی یاد میں مستغرق ہو کر نہ اس نے سب کو
 (دل سے) بھلا دیا ہے اور دوسری جنت کا مقصد بھی یہ ہے کہ آپ میرے آگے
 سے پرہیز اختیار کریں کہ آپ کو (جی بھر کے دیکھ لوں) یا یہ مطلب ہے کہ
 دوسری جنت اس لیے ہے کہ آپ نے میرے سامنے سے پرہیز اختیار دینے ہیں
 میں تک کہ میں آپ کو نگاہِ بغیرت سے دیکھ رہا ہوں اور مشاہدہ قلبی نے بتلا
 دیا کہ واقعی آپ ہی جنت کے قابل ہیں تو ہر کوئی اس قابل نہیں مگر یہ کہ وہ آپ ہی
 تک پہنچنے والا ہو مانع نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم
 قولہ وفيہ دلیل لاهل الصوفۃ الخ قولہ حق ادا کا

✽

ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے اور کبھی خوشی کے مجلس سے بھی انگوٹھیں
 میں اٹھو آجاتے ہیں۔

گفتش در معین دمل این نالہ و فریاد چیست
 گفت ما را محلو چہ مشوق در این کار داشت

اور اسی لیے ذکر کرنا کو محفل حق قرار دے سے خطاب اور سوال و جواب کی تہا ہے
 اور حاجتِ عالم کی تہا نہیں)

حضرتِ امامِ ہمدانی نے (ایک بار) جبکہ بعض لوگوں نے اشتیاقِ موت پر اعتراض کیا
 کہ موت کا اشتیاق تو اس کو ہونا چاہیے جسے مقین ہو کہ موت ہی جنت میں پہنچ جائیگا
 گا۔ میں کو یہ یقین نہ ہو وہ کیونکر موت کا مشتاق ہو سکتا ہے (فرمایا تو کیا وہ مجھے
 دھمکانیں دے بھی میں تو جی نہیں نہ کہیں گے کہ یا امة السوء قطعتہ کذا و کذا۔
 اسے بڑی ہندی اٹھائے ایسا ایسا کیا تھا لوگوں نے کہا ہاں (اگر مانتا تو یہ تو
 ہو گا ہی) فرمایا تو میرا مقصود یہی ہے (میں اس سے زیادہ کی کتاب نہیں میں وہ
 مجھ سے خطاب کر رہی ہوں چاہے گالیوں ہی دے میں۔

ہم گفتی و غرضم حنا کہ اندر نکو گفتی
 جواب تجھ کی زبردست سہل شکر غارا

۔

احبک حبیب حبیب الہوی
 وحب لائلہ اهل لذا کا
 فاما الذکر وحب الہوی
 فشفقتی بذکرک حبیب سوا کا
 واما الذکر انت اهل لہ
 فکشفک لہ الحب حق ادا کا

یہاں آپ سے دو طرح کی محبت رکھتا ہوں۔ ایک (مشتاقانہ) جس کا نشاءِ دل

لباب شہادت و ہجرت

حدیث

وفاة الرسول وفضل ابی بکرؓ

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے (وفات نبویہ کے قطع میں) روایت ہے کہ حضرت ابو بکر (صدیق رضی اللہ عنہ) حجرہ نبویہ سے باہر آئے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو چکی تھی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کے سامنے تقریر کر رہے تھے (جس کا ذکر آگے آئے گا) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا میں بیٹھ جاؤں انہوں نے (نیچے سے) اٹھ کر کیا (اور برابر تقریر کرتے رہے) تو ابو بکر صدیقؓ نے شکبہ دیا جس میں توحید و رسالت کی شہادت تھی تو سب لوگ ان کی طرف توجہ ہو گئے اور حضرت عمرؓ کو چھوڑ دیا انہی انکی طرف توجہ دے (شہادت توحید و رسالت کے بعد حضرت صدیقؓ نے فرمایا۔

اما بعد۔ تم میں سے جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا ہو (وہ شن لے کے) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی توہنات ہو چکی اور جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہو تو (وہ جان لے کے) اللہ زندہ ہے وہ بھی نہ مرے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل انی انزلت فیہ الاموال وامن رسول ہی قرآن (خدا تو میں ہیں) ان سے پہلے اور بھی بہت رسول گذر چکے ہیں تو کیا اگر وہ مر جائیں یا قتل ہو جائیں تم اپنی ایڑیوں کے بل (دین سے) لوٹ جاؤ گے اور جو (دین سے) پھرے گا وہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ نقصان

دیکھ کرے گا اور (جو اس حالت میں ہجو و شکر کرے گا تو) اللہ تعالیٰ شاکرین کو جزا دے گا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ (اس آیت کو سن کر) بنو النگوں کی یہ حالت ہوئی کہ گویا وہ جانتے ہی نہ تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو بھی نازل کیا ہے۔ یہاں تک کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس کو بڑھا دیا اب ان کو یہ آیت یاد آئی (پھر قریظوں نے اس آیت کو سن کر یاد کر لیا۔ اس کے بعد ہر شخص اسی آیت کو پڑھتا ہوا پھر نکلتا۔

خبر حدیث یہ ہے کہ صحابہؓ نے حضرت ابو بکرؓ کو حضرت عمرؓ پر ترجیح دی۔ شہرچ اس آیت کے متعلق چند باتیں بیان کرنے کی ہیں۔

(۱۳۹) عارف اپنے مقام خاص کے مقتضایہ پر کلام کرتا ہے یہاں یہ سوال ہوتا ہے کہ اس تاریک موقع پر ان دونوں حضرات میں اختلاف کیوں ہوا۔ حالانکہ دونوں میں درجہ پر پہلے ظاہر ہے۔ پھر اس کی کیا وجہ کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آیت کو تلاوت کیا تو صحابہؓ کو یہ معلوم ہوا کہ گویا اس آیت کو اس وقت سے پہلے کبھی سنائی نہ تھا۔

پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں حضرات کے اختلاف کا سبب اس وقت تک معلوم نہیں ہو سکتا جب تک یہ نہ معلوم ہو کہ دونوں کی حالت اس وقت کیا تھی اور دونوں کا خاص مقام کی تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے۔ یہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی گفتگو اور حالت تو اس وقت ہے جب ان کو مستند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا خبر دی گئی اور صحابہ رضی اللہ عنہم اس اندہ ہنگامہ خبر سے گھبرا گئے تو حضرت عمرؓ نے تلوار خیام سے نکال لی اور فرمایا اگر کسی کی زبان سے یہ بات نکلے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی ہے تو اس تلوار سے اس کا غلو کر دوں گا (مستور کی وفات میں ہوئی بلکہ) اللہ تعالیٰ نے آپ کو (بلند معراج کے) اٹھا لیا ہے آپ ابھی واپس آئیں گے اور بعض لوگوں کو قتل

دل میں ڈالی گئی ہے اور وہ چیز کیا ہے؟ قربت یعنی ہی تو ہے اور جس کا تقرب قری ہو گا اس کو حوادث کی قوت و شدت سے حرکت و اضطراب نہیں ہو سکتا۔ (وہ بحالت میں کوہ و قنار بنا رہتا ہے) وہ اپنے ہر کام کو تقرب پر مبنی کرتا اور امام عادت کی پوری تحقیق کرتا ہے اور جس کا مقام تقرب وہی ہو گا جس کا (درجہ) نام شجاعت ہے وہ اپنے ہر کام میں پوری احتیاط اور قوت کو ملحوظ رکھے گا (تمام حالات کی پوری تحقیق کے درپے نہیں ہوتا بلکہ عمل میں ہر مسئلہ پہلو کی رعایت کا اہتمام کرتا ہے) چونکہ حضرت عمر شجاعت اور قرب دونوں کے مقام پر تھے جب ان سے کہا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی ہے اور لوگوں کی حالت اضطراب کا مشاہدہ کیا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہیں گئے بلکہ ہر مسئلہ پر نظر کیا اُن کو یہ بھی احتمال ہوا کہ حقیقت آپ کی وفات ہو گئی ہو اور یہ بھی احتمال ہوا کہ بطور مصلحت کے وفات ہو اور آپ آجائیں گے اور وقتی حالت کا مقتضایہ تھا کہ اس واقعہ کو کسی پہلو پر نہ لیا جائے جس میں پوری احتیاط جو یعنی مصلحت کی حالت پر، تاکہ لوگوں میں جو اضطراب اور زلزلہ سا پیل ہو گیا ہے وہ زلزلہ نہ لگے اور اس احتمال پر نظر کر کے) اُن میں کسی قدر سکون پیدا ہو جائے پھر (بعد تحقیق کے) اگر یہی پہلو صریح نکلا جس پر واقعہ کو محمول کیا گیا تھا تو سبحان اللہ اور اگر وہ پہلو نکلا کہ حقیقت آپ کی وفات ہو چکی ہے تو یہ حقیقت سکون کی حالت میں اُن کے سامنے آنے کی کیونکہ صدر کی بات پر جب کچھ مدت گزر جاتی ہے نفس کو سکون ہو جاتا اور دل مضبوط ہو جاتا اور (کسی قدر) مطمئن ہو جاتا ہے اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے المصبر عند الصدقة المداوم (مہربان وہ ہے جو صدر کی ابتدائی حالت میں ہو اسی وقت متعلق مزاج اور غیر متعلق کا فرق ظاہر ہوتا ہے اور جب صدر پر سخت گزند جاتی ہے تو اسی وقت تو صوب کو بے اختیار اوجڑا جاتا ہے۔ یہ بات سب کو معلوم ہے جس میں کچھ شبہ نہیں۔ اسی بات نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جلتے سے دو کاٹکھانوں نے لوگوں کے سامنے

کر دیں گے۔ یعنی کے ہاتھ کاٹ دیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ وفات کی خبر سُننے کے بعد) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے دُآپ کو کھانچا (بلکہ جھٹکے ہی تلوار نکال کر لوگوں کو اس قسم کی گفتگو سے منع کر دئے گئے) اور مدینہ کی کثرتِ شجرہ اس وقت (ایک حیرت سے) مدینہ کے باہر گئے ہوئے تھے جب اُن کو وہ خبر پہنچی تشریف لائے یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے۔ آپ کے چہرہ مبارک کو کھول کر دیکھا۔ چھوڑ کر انہوں نے درمیانِ بوسہ دیا اور فرمایا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ آپ زندہ گی میں بھی پاکیزہ تھے مرنے کے بعد بھی پاکیزہ ہیں اس کے بعد باہر آئے اور حضرت عمرؓ بار بار اپنی اُسی بات کو دُوباراً بے غصے حضرت صدیقؓ سے اُن کو بیٹھ جانے کا حکم دیا (مردہ دُمانے) پھر حضرت مدینہ نے وہ خطبہ فرمودنا شروع کیا جس کا متن حدیث میں مذکور ہے (یہ تو اُن حضرات کی اس وفات کی حالت تھی) اور اُن دن اُنک ایک خاص حالت وہ تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد میں بتلائی ہے انا مدينة النساء و اہل بکر باہما و انا مدينة الشجاعت و اہل باہا و انا مدينة الحياء و عثمان باہا و انا مدينة العلم و علی باہا۔ (میں شجاعت کا شہر ہوں ابوبکر اس کا دروازہ ہیں، میں شجاعت کا شہر ہوں عمر اس کا دروازہ ہیں، میں حیا کا شہر ہوں عثمان اس کا دروازہ ہیں، میں علم کا شہر ہوں علی اس کا دروازہ ہیں۔)

اس حدیث کی صحت میں محدثین کو شک ہے اور (ظاہر ہے کہ) شجاعت سے مراد وہ ہیں میں شجاعت (اور پختگی) ہے اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو فاروقی کا خطاب دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے اسلام لانے کے دن ہی حق اور باطل میں فیصلہ کر دیا تھا کہ اُسی دن سے) اللہ تعالیٰ کی عہدیت اظہار ہوئے گی اور (یہ بھی ظاہر ہے کہ) سخاوت کی زیادتی یقیناً قوت ہی سے ہو سکتی ہے اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ابوبکر زیادہ غمزدار اور دروس کی وجہ سے تم پر فوقیت نہیں لے گئے بلکہ ایک چیز کی وجہ سے برتر گئے جو ان کے

میں آئی جس میں اس حالت کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد حکم موجود تھا جو قرآن میں تلاوت کیا جاتا ہے۔ پس وہ حکم کے سامنے ٹھک گئے اور دل سے منقاد ہو گئے۔ پھر باہر کر لوگوں کو بھی اللہ کے حکم کے سامنے ٹھک جانے کی ترغیب دی۔ غرض دونوں جہانوں نے اپنے مقام انبیاء کے مقتضی پر عمل کیا (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں حضرات کی باتوں میں حکمت اور مصلحت رکھی تھی حضرت عمر کی بات سے تو منافقین دم بخود ہو گئے ان کو یہ موقع نہ ملا کہ فوراً دشمنانِ دین کو اطلاع کر کے بھاگ دیتے اور حضرت صدیق کے لبر و دست بلغ خبیثے شلمان کے دل میں مضبوط ہو گئے۔ اضطراب جاتا رہا اور مراد وار اس صدمہ کو برداشت کر کے حکمِ الہی کی تعمیل میں مگرم ہو گئے۔ اس لیے حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب میں نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے یہ آیت پڑھتے سنا تو میرے سر پر بجے دو آٹھ گئے (فورا کر پڑا)

کمالِ تعین کی علامت یہ ہے کہ نازک موقع پر بھی سنت نبویہ کو ہاتھ سے نہ جانے دے

اس واقعہ سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دین کی قوت اور تعین کی عظمت معلوم ہوتی ہے کہ وہ ایسے نازک موقع پر بھی مستقل رہے اور اتنے مستقل رہے کہ اپنے غلام کو اسی قاعدہ سے شرمناک جو ٹھنڈا نبویہ کا مقتضا تھا کہ لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت سے بھی کہ ہم باطن ان اہل میں کلام کو اللہ سبحانہ کے ذکر و ثناء سے شرمناک کر دیتے تھے۔

فیدہ دیسل علی قرة ابی بکر حفصہ اللہ تعالیٰ قولہ بذكر الله سبحانه وعلاتہ وجلیہ

اس سے حضرت باہم ایک دوسرے کا ادب کرنا بھی دین کا جز ہے صحابہ کا باہم ایک دوسرے کا ادب غرضاً رکنا بھی مسموم نبویہ۔ یہ بھی دین کا جز ہے چنانچہ حضرت صدیقؓ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ تم بیٹھ جاؤ (تا کہ میں کچھ بولوں) اس سے زیادہ کچھ نہیں

تقریر شروع کر دی تاکہ ان کا اضطراب اور زلزلہ کم ہو جائے) اگر وہ پہلے حضورؐ کے پاس پہنچ جاتے اور حقیقی وفات کا مشاہدہ کر لیتے جیسا حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے مشاہدہ کیا تو ان کو اس بات کے کہنے کا موقع نہ رہتا (جس سے لوگوں کو اضطراب کی حالت میں ہنسنا لیا گیا) کیونکہ اب یہ بات جھوٹ ہوئی اور حضرت عمرؓ اس سے بہت دور تھے۔ (کہ جھوٹ بات منہ سے نکالیں اور حقیقت سے پہلے جو کچھ انہوں نے کہا اس کا مطلب یہ تھا کہ ابھی حضورؐ کی وفات متحقق نہیں ہوئی احتمال ہے کہ یہ بھی معراجی حالت ہو اور ممکن ہے کہ اس احتمال کے برادر احتمال ان کے خدشہ کن ہی میں داخل ہو کیونکہ ان کا خیال یہ تھا کہ حق تعالیٰ نے ہوا الذی ارسل رسولہ بالحدود ووجہ الحق لیلک علی اللہ بن کلمہ میں جس غلبہ کی غمزدگی ہے، وہ حضرت کے سامنے ہی ہو گیا جیسا انیس سے تیار دیکھی ہے اور وہ غلبہ بھی ٹھیک ظاہر نہیں ہوا تو ابھی حضورؐ کی وفات نہیں ہو سکتی۔)

حضرت عباسؓ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے قریب حضورؐ کی زیارت کر کے وہ باہر گئے تو فرمایا کہ موت کے وقت جو اہم کام آدھوں میں سے (جس میں تم کی گزرا یا کرتی ہے مجھے معمولی اللہ علیہ وسلم میں سے وہی اس وقت آدھ ہے تو یہ حضرات تو وفات سے پہلے ہی موت کی گڑ سے علامت کو پہچان لینے تھے تو کی حقیقی وفات کے بعد آپ کو دیکھ کر انہیں کچھ شہر ہو سکتا تھا؟ یہ نامکن ہے پس حضرت عمرؓ راہی یہ غیر وفات سن کر حضورؐ کے پاس نہیں گئے بلکہ آپؐ نے احتیاطاً کا پہلو اختیار کیا بغیر ان کی اپنی اہل حالت کا مقتضا تھا۔ جب صاحبِ یقین بزرگ تشریف لائے تو وہ اس حادثہ عظیم سے مضطرب نہیں ہوئے۔

انہوں نے حقیقت حال معلوم کرنے سے پہلے کوئی بات نہیں کر لی چاہی (سیدھے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے آپؐ کا چہرہ صدمہ کھل کر دیکھا جب ان کو محقق ہو گیا کہ واقعی پہنچ آتے ہیں وفات ہو گئی ہے تو فوراً دیکھا کہ اس کے وقت کے متعلق اللہ تعالیٰ کا حکم ان کو اللہ سب ظاہروں کو کیا ہے؟ تو فوراً قرآن کی آیت دل

بعض لوگ ادب کے معنی یہ سمجھتے ہیں کہ اپنے بزرگ کے خلاف کوئی بات نہ کرنا
 سے نہ نکالنے۔ یہ صحیح ہے مگر خلافت کا مطلب یہ ہے کہ ایسی بات نہ کہے جس
 سے ظاہر ہو کہ کئے والا اپنے بزرگوں کا مخالفت ہے ان کو بزرگ نہیں سمجھتا یہ مطلب
 نہیں کہ شریعی مسائل میں ان کی رائے سے اختلاف کیا کرے۔ اگر مسائل شرعیہ
 میں اختلاف کو قبول ہے اور ان میں داخل کیا جائے گا تو ان کو انور و اشراق محمد بن حسن
 اور امام ابو حنیفہ سے ادب سمجھتے جنہوں نے اپنے شیخ امام ابو حنیفہ سے بہت سے
 مسائل میں اختلاف کیا ہے حاشا دیکھا یہ سب کتبہ ادب میں داخل نہیں اسی طرح
 یہاں تک کہ حضرت عمر کے نزدیک اس بات کی ضرورت تھی جو وہ کہہ رہے تھے اس
 لیے حضرت صدیق کے خاموشی کرنے سے خاموش نہ ہوئے اور حضرت صدیق
 کے نزدیک حضرت عمر کی بات کی ضرورت اس وقت تک تھی جب تک حقیقت
 واضح نہ ہوتی تھی۔ حقیقت واضح ہو جانے کے بعد صحابہ کو منع کرنے اور اطمینان کے
 ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضل اور کفایت و فن میں متخول ہونے کی ضرورت
 تھی اس لیے آپ نے حضرت عمر کو خاموش رہنے کے لیے فرمایا کہ اب تم باریک باریک
 دقت میں رہنا میں حقیقت پر مطلع ہو کر آیا ہوں۔ اب اس کے متعلق پر عمل کرنا لازم
 ہے۔ یہاں ہر کہنے والی ضرورت کو ادب پر مقدم کیا۔
 اہل سنت کے ائمہ کا بھی یہی حضرت محمد کی اس سنت پر تھا کہ وہ ضرورت دینیہ کو
 ادب پر مقدم کیا کرتے تھے اور مسائل شرعیہ میں اپنے بزرگوں سے بعض امور میں
 اختلاف کرتے تھے مگر تمذیب کے عنوان سے ہمارے اختلاف رائے سے مخالفین کی
 حد تک پہنچ جائے۔ افسوس! آج کل اس طرز پر لوگ نہیں سمجھتے۔ اختلاف رائے
 کو مخالفت و مخالفت کا بہانہ بنا لیتے ہیں اور تقریر و تحریر میں دوسرے
 کے ایمان و سنت پر بھی ہمارے کھڑے نہیں پڑ سکتے۔ یہ لوگ دائرہ علم و تقویٰ سے
 سے خارج ہیں غافل عنہ المشی تنکی۔

لکھا کہ تم غلام کہہ رہے ہو۔ حضرت کی وفات بعد از نبی نہیں بلکہ حقیقی وفات ہے تم نے
 دیکھا نہیں ہے میں حضور کو دیکھ کر آیا ہوں وغیرہ وغیرہ اور بیٹے جانے کو اس لیے
 لکھا کہ ان کی تقریر کے ساتھ اپنی تقریر شروع کر دینا ادب کے خلاف تھا۔ مطلب یہ
 تھا کہ میں تم کو جو کتنا خدا کہہ چکے اب میں کچھ کہنا چاہتا ہوں آپ بیٹھ جائیں!

قرنہ و فہمہ دلیر علی۔ تاب الصلوات فی قرنہ و فہمہ دلیر علی۔
 ضرورت دین کے لیے ترک ادب بھی ادب ہی ہے یہی معلوم ہوا
 کہ ادب کی رعایت اسی وقت تک ہے جب تک دین کی ضرورت (وقت) نہ ہو اور
 اگر (ادب سے) دین کی ضرورت (وقت ہوئی) ہو تو اب ادب کی رعایت نہ ہوگی
 بلکہ اس وقت ترک ادب ہی ادب ہو گا دیکھو جب حضرت عمر نے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی
 بات دہانی (اور خاموشی نہ ہونے) اور حالت نازک تھی تو انہوں نے سیدے سب پر
 جاکر اپنا غلبہ شروع کر دیا اور دیکھا کہ (ضرورت کی وجہ) سے ان کا ادب چھڑ گیا۔
 دیکھو گفتگو کا ادب یہ ہے کہ جب تک ایک شخص بول رہا ہے دوسرا اپنی تقریر شروع
 نہ کرے مگر ضرورت حال کی نواکت اور دینی ضرورت نے حضرت صدیق کو مجبور کر دیا کہ
 حضرت عمر کی گفتگو کے ساتھ ہی اپنی تقریر شروع کر دیا پھر میری اتنا ادب ٹوٹا رہا کہ
 حضرت عمر مسجد کے سامنے گفتگو کر رہے تھے حضرت صدیق نے وہاں تقریر شروع نہیں
 کی بلکہ مسجد کے اندر نہر ہوئی پر تقریر فرمائی (اور اسی دینی ضرورت نے حضرت عمر
 کو حضرت صدیق کا ادب ٹوٹا رکھنے سے روکا تھا کہ جب انہوں نے ان سے خاموش
 ہونے کو فرمایا خاموش نہیں ہوئے (مبارک ہوئے) کیونکہ وہ اپنے نزدیک اپنی
 گفتگو کو دینی ضرورت پر پہنچی تھو رہے تھے کہ اس وقت منافقین کو بوائے کے لیے
 یہی کہنے کی ضرورت ہے کہ حضور کا احوال نہیں ہو گا اب سب کی زبانیں بند ہو جائیں
 گی اس کے بعد تحقیق کی جائے گی کہ حضور کی واقعی وفات ہو گئی یا بیماری سے غشی ہو گئی ہے

قرنہ و فہمہ دلیر علی۔ تاب الصلوات فی قرنہ و فہمہ دلیر علی۔
 دیکھتے ہیں اللہ علیہ بالکوت۔

(۱۳۳) پریشانی کے وقت کلام مختصر اور دلیل مستحکم بیان کرنا چاہیے

حدیث سے معلوم ہوا کہ فصاحت و بلاغت اور دین کی پختگی کا مقتضایہ ہے کہ مشکلات کے وقت کلام موجز (مختصر) کیا جائے اور جہت (دلیل) مؤثر و مستحکم بیان کیا جائے۔ دیکھو حضرت صدیق کا یہ خطبہ من کان منکم بعد محمد اذ ان جہد اقدمت الخس قدہ یلج اور غایت و درجہ پہنچے مگر مختصر بھی ہے (طریقہ نہیں اور ناغہ ہے کہ جس پر حقیقت تکلف ہو جاتی ہے وہ نہ یادہ بھی چڑی پاتیں نہیں کیا کرتا چند جملوں ہی میں حقیقت کو واضح کر دیتا ہے) اور یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دین و احکام کے لیے سب سے بڑی تفسیر جہت کتب بت ہے اگر یہ بات نہ ہوتی اور اس کی پر حق کا طرہ نہ ہوتا تو ہمارے سب کے سب سرخم نہ کر دیتے اور ان ہی آیتوں کو بار بار نہ پڑھتے۔

قوله وخیه ویسئل علی ان صحت النضاۃ والبلاغۃ الی

قوله یکرہون الایح -

(۱۳۴) حق واضح کرنے کے لیے کلام کو حق و باطل میں تقسیم کرنا بھی جائز ہے

نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ کلام کو حق و باطل پر تقسیم کرنا بھی جائز ہے تاکہ حق ابھی طرح واضح ہو جائے دیکھو حضرت صدیق نے ایسا ہی کیا ہے فرمایا کہ تم میں جو کوئی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا ہو تو میں نے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم مجھے بھی ہے اور جو اللہ وحدہ کی عبادت کرتا ہو تو یقیناً اللہ تعالیٰ ہی و قیوم ہیں وہ نہیں مریں گے۔ حالانکہ حضرت صدیق کو قطعاً معلوم تھا کہ صحابہ میں سے کوئی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرنے والا نہ تھا مگر آپ نے ایسی بات کو جو یقیناً محال تھی ایسی بات سے مل کر بیان کیا جو سب کے نزدیک محقق اور یقینی تھی تاکہ اسی طرح حق ملے اور اہل حق ثابت قدم ہو جائیں۔ قوله خیه ویسئل علی جہاز تقسیم الاحکام بین

الحق والباطل الی قوله تاکید الحق وتنبیہ الاصلہ۔

یہ بھی حضرات عموماً کی دو باتوں میں سے ایک دولت ہے کہ اللہ تعالیٰ بوجہ قربت دین اللہ کے نعمات و بلاغت کلام بھی عطا فرماتے ہیں۔ چنانچہ مولانا درویش مولانا جاناکی۔ شیخ مسعودی۔ حافظ شریزی وغیرہم کی فصاحت و بلاغت معلوم ہے۔ ہمارے زمانہ میں حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ کی فصاحت و بلاغت کا دیکھنا مشاہدہ کیا ہے کہ حضرت کے برابر نوثر بیان کسی کا نہ ہوتا تھا بلاغت اسی کا نام ہے، رنگینی الفاظ کا نام نہیں وقت لفظ انضہر قولاً بلیغاً حضرت کی شکر میں یہ شعر بالکل بجا ہے۔

ومن لیان فی القلوب مؤثر

”اب ایسا بیان کون کرے کہ جہولوں میں اثر کرنا چلا جائے۔ آپ کے بعد تو بولنے والا کسی کی باتیں بقول ہی کی ہیں۔“

اس مقام پر حضرت صدیق کو حاکم کا قطعاً معلوم تھا کہ صحابہ سب اللہ ہی کی عبادت کرنے والے ہیں کہ حضور کی خبر و بات سن کر جو ان کے ہوش اڑ گئے اور ایک حالت اضطراب پیدا ہو گئی اس پر اس عنوان سے تنبیہ فرمائی کہ یہ حالت تو اس کی ہونی چاہیے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا ہو اور جو اللہ کی عبادت کرتا ہے اس کو اس قدر پریشان و مضطرب نہ جتنا چاہیے۔ اہل جہالت سمجھ گئے ہیں کہ اس عنوان کے لیے اس سے بہتر عنوان حقیقت کو واضح کرنے والا اور گروں کو سمجھانے والا نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لئے اپنے قیدہ و نمبہ وسیلۃ الظفر“ میں اسی واقعہ کو اس عنوان سے بیان کیا ہے۔

لاوت قول لہا ذوات مخنوب

مات الحبوب وکات حین تکبیر

الولد القیوم حیر نصیر

هذا الوفا وکان یسر وقور

حاکم انبہ لکل مہمۃ

من کان یبید احمد افر دیکم

من کان یبید وہ فہو لالہ

هذا انبہ لکل مہمۃ

حضرت صدیقؓ ہر شکل موقع پر جہاں پہنچا ہی رہے کہ ہو جائیں بڑے ہی ثابت قدم تھے اُن کے اس بیٹا فخر پر عقوبت کر دو جو انہوں نے زوالِ مملکت میں علم کی ولایت کے موقع پر دیا تھا جبکہ بڑے بڑے صاحبِ نظر اُن تھے فرمایا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا ہو وہ سننے کے بموجب قوم کیجئے اب اس سے اختلاف کی گنجائش نہیں اور جرب محمد کی عبادت کرتا ہو وہ سننے کے کہ اللہ زادِ حق و قوم زندہ ہے اور بڑا اچھا دلا گارے۔ یہ ہے ثابت قدم تم نے کہیں اس کی نظیر کسی ہے یہ ہے وفادار استقلال اور واقعی حضرت صدیقؓ بڑے صاحبِ استقلال تھے حضرت صدیقؓ میں یہ استقلال ان کے مقامِ عقیدت کا ثمرہ تھا اور اسی لیے ان کو سب سے پہلا علیہ منتخب کیا گیا کہ اس وقت ایسے ہی صاحبِ استقلال کی مسلمانوں کو ضرورت تھی کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے قبل عرب میں ایک اچھل پھلا ہو گئی اور بیسے مرتبہ جو گئے تھے تو دشمن وقت کو بند کرنے کے لیے بڑے صاحبِ استقلال و غلبہ کی ضرورت تھی چنانچہ حضرت صدیقؓ نے سب سے پہلے اسی فتنہ کا سر کچلا اور اللہ نے ان کی مدد کی۔ آپ نے مرتدین کو ذرا مسلت نہیں دی حالانکہ وقت نازک تھا۔ فارس اور روم کی طرف سے دین پر لو کا خطرہ تھا۔ چنانچہ اسی نازک حال کو دیکھ کر حضرت عمرؓ نے مشورہ دیا تھا کہ مرتدین عرب کو اس وقت چھوڑ دیا جائے ان کو بعد میں دیکھ لیا جائے گا پہلے بیرونی دشمنوں کا انتظام کیا جائے تاکہ لوگوں کی ہجرت کو گھون بھرا جائے وہ اس سے پریشان ہیں کہ اپنے ملک میں بھی جنگ کریں اور باہر والوں سے بھی مقابلہ کریں۔ حضرت صدیقؓ نے اس مشورہ کو سختی کے ساتھ دیکھا کہ انہیں کے سامنے فتنے رہتا رہتا نہ سب نہیں ان کی گردن سب سے پہلے ضروری ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ لوگ اس میں آپ کا ساتھ دینگے۔ حضرت صدیقؓ نے فرمایا بخدا میں مرتدین سے ضرورتِ آمل کروں گا پاسے مرمت بھرا ہوا میرے ساتھ ہوا اور کوئی نہ ہو۔ یہ بات پوری بھی نہ ہوئی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ہوائی اُن کی مدد کے لیے بھیج دیا کہ دشتِ تمام مسجد بنو اسے بھر لی اور جو لوگ حضرت

صدقہ کی رائے کے خلاف تھے اُن کے جہروں پر غاص طوطے سے ہوائے نلگیاں بڑھیں جس سے گھبرا کر وہ سب مسجد سے باہر نکل گئے حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس قتال میں حضرت صدیقؓ کا شرف صدر کو دیا تو میں سمجھ گیا کہ یہی حق ہے پھر اللہ تعالیٰ نے میرا بھی شرف صدر کر دیا۔ چنانچہ ایک سال میں میری کافرتہ ہو گیا۔ پھر حضرت صدیقؓ نے ایک ہاتھ تھام کر کی طرف بڑھایا ایک۔ ہاتھ دم کی طرف اور دونوں طاقتوں سے مقابلہ شروع ہو گیا۔ نقشہ جنگ حضرت صدیقؓ ہی نے بتادیا تھا۔ اس کی تکمیل بعد میں ہوئی حضرت عمرؓ کا مقام شجاعت اور شرفِ لی الذین تھا تو حضرت صدیقؓ کے بعد مسلمانوں کو اُن کی حاجت تھی تاکہ حضرت صدیقؓ کے بعد نہ ہوئے فتنہ پر برأت کی ساتھ بڑھنے پلے جائیں۔ چنانچہ آپ کے زمانے میں بڑی بڑی فتوحات ہوئیں۔ اسلام تمام اطراف میں پھیلی گیا اور بلند ہو گیا۔ پھر قاعدہ ہے کہ ہر چیز کو اُن کے بعد زوال ہوتا ہے تو حضرت عثمانؓ کی خلافت کی طرف مسلمان تھکا ہوئے کیونکہ ان کی خلافت میں چھ سال کے اندر بہت زیادہ فتوحات ہوئیں اور مملکتِ اسلام کمال درجہ پر پہنچ گئی پھر عمری و سال بنی زوال کا شمار پیدا ہونے لگے اور زوالِ شروع ہونے کے وقت مقامِ صبر و تسلیم و حیا کی ضرورت ہے اور یہ حضرت عثمانؓ کا خاص مقام ہے۔ انہوں نے رعایا کی آزادی اور غلبہِ طاقت اور بے باکی اور غلبہِ احترامِ غلبہ پر کوئی زوال کا مرتبہ ہے۔ قیامتِ علم سے کام لیا جو کمالِ حیا کا امتضا ہے پھر انہوں کی بے ادب پر صبر و تسلیم سے کام لیا خود اپنی جان دے دی۔ مگر مسلمانوں کے مقابلہ میں ہتھیار میں اٹھائے اور میں نے ایک کتا چاہا اس کو دوک دیا اس میں آست کو سبق تھا کہ جب رعایا میں بے باکی و آزادی پیدا ہونے لگے اس وقت غلبہ کو علم سے کام لینا چاہیے۔ اور رعایا اپنی ہوجائے تو اپنی اسلامی برادری سے جنگ نہ کرتا چاہیے۔ پھر حضرت علیؓ کی خلافت سے مسلمان تھکا ہوئے کیونکہ ان کا مقام علم تھا قیامت کو ضرورت تھی کہ انہوں کے خلاف مصلحتِ احکام کا علم ہو۔ ان سرِ اسی طرف تلوں ہوتا رہا تو لٹا اور ہم پر ہونے لگا۔

(۱۴۴) معاصی میں بڑی تسی قرآن کی تلاوت و مکرار سے ہوتی ہے

حریص سے معلوم ہوا کہ معاصی میں تسی کا سب سے بڑا طریقہ بار بار قرآن کی آیت (کو دہرانا اور بکثرت پڑھنا) ہے یہی حق ہے اور کئی ہوئی بات ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں: وَمَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ فَاهْوُ شَفَاءٌ وَدَوَاجَةٌ لِلْمُغْصِبِينَ۔ ہم قرآن میں وہ چیزیں نازل کرتے ہیں جو غصہ و غیظ کے لیے شفاء اور درگت ہیں اس کی ایک شان و وقایہ بھی ہے کہ قرآن اور پڑھائی کے وقت اس سے تسلی حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ اس کے لیے صحابہ نے ارشاد فرمایا: آیت کو دہرانا شرف کر دیا (یعنی حضرت صدیق نے اپنے غلظ میں پڑھی تھی کہ ایک شخص بھی ایسا اور با جس کی زبان سے وہ آیت نازل ہوئی تھی کہ اس آیت کو سن کر مہینہ اللہ کا حکم تو معلوم ہو گیا تھا چہرہ بار دہرانے اور مکرار کرنے میں اس کے سرا کی فائدہ تھا کہ وہ اس سے اپنے رکاوٹ میں تسلی حاصل کرنا چاہتے تھے۔

قوله في رواية عن ابن أبي التمر في الصحاح قوله تكرر في القرآن

قوله لا تسلي لها على ما حذره من الحزن والبرحان -

وکر اللہ نے تسلی حاصل ہونا صرف کا شہ ہے وہ الابد کر اللہ قطب القلوب کاملی انھوں مشاہدہ کرتے ہیں اور ذکر اللہ کی افلی فروزا اور تلاوت قرآن ہے اور صحبت کے وقت خصوصیت کے ساتھ آیت اللہ وانا الیہ راجعون کا کلمہ اور معنی اور مطلب جو کہ بار بار پڑھتے رہنا بڑی تسلی کا ذریعہ اور دل کو تسکین دینے والا ہے۔

(۱۴۵) مخاطب کو اس کی صحت کی بات بتلانا چاہیے اگرچہ وہ جانتا ہی ہو

یہاں سے معلوم ہوا کہ میں بات میں مخاطب کی صحت ہو اسے بتلانی چاہیے اگرچہ ہم کو معلوم ہو کہ وہ اس بات کو پہنچے سے جانتا ہے کیونکہ تلاوت ہمیشہ آئے

لوگ بھادوت کیا کریں گے اور غلبہ کو قتل کر دیا کریں گے تو غلبہ اور خلافت کا رعب جاتا رہے گا اور بہت جلد حکومت اسلام کا خاتمہ ہو جائے گا اس وقت حضرت علی نے اپنی تاویل سے قتال کیا اور مسلمانوں کو تفصیل کے ساتھ اپنی تاویل اور مامورین و غارین کے احکام کے مطلع کر کے قوف و حلقہ و کو داغ فرمادیا تھا کہ آئندہ کے لیے احتمال و احتمال باقی نہ رہے۔ غرض غرض کا ایک مقام معلوم ہے اور مسلمانوں کو رب ہی کی ضرورت تھی۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کی برکت سے ہم پر بھی فضل فرمائیں اور ایسے اعمال کی ترویج دیں جن سے ہم ان کے قریب پہنچ جائیں اور قیامت میں ان ہی کے ساتھ ہمارا حشر ہو اور یقین کی جماعت میں بلا محنت و مشقت کے عافیت کے ساتھ اپنے فضل سے داخل فرمادیں آمین (اس تقریر کا اکثر حضرت شارح کے کلام سے ماخوذ ہے چچ کہ اس میں کوئی مسئلہ فقہی کا مدعا مگر معنوں عجیب تھا اس لیے قلمندہ کے ضمن میں بیان کر دیا گیا۔ بحمان اللہ حضرت شارح نے بڑی خوبی سے مقامات غلطہ اور بار پر روشنی ڈالی ہے۔ مگر کلام میں کئی غلطیوں کا بیان کر دیا کہ وہ بھی غلطیوں کا بیان اور ان ہی کی خلافت پر پیش سال خدمت خلافت علی منہاج السنۃ تمام ہوئی ہے تو کتنا چاہیے کہ حضرت علی کے بعد مسلمانوں کو امام حسن کی خلافت کی طرف احتیاج ہوئی جن کا خاص مقام سیادت تھا جس کا مستغنیہ ہے کہ جب قوی نزاعات کا خلافت سے خاتمہ نہ ہو تو سردار اپنے سے معافا درویش سے اس کا خاتمہ کر دے۔ چنانچہ امام حسن نے مسلمانوں کی رو بڑی جماعتوں کو اپنی شان سیادت سے منع و اتفاق و اتحاد کی طرف واپس کر دیا۔ اپنے کو خلافت سے مبرا کر کے حضرت علی کے خلافت سونپ دی۔ اسی لیے اس سال کو عام الجماعت کہا جاتا ہے کہ اس سال مسلمان پھر سے متفق و متحد اور متحد ہو گئے جس کی برکت سے صدیوں تک خلافت اسلامی باقی رہی اور ترقی کرتی رہی و اللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کے وقت انسان کا دل حلاوت سے ایسا پریشان ہو جاتا ہے کہ جانی پہچانی بات سے بھی غافل ہو جاتا ہے۔ دیکھو یہ کہ کوئی کو یا کرا کو یہ آیت معلوم تھی اس نے نزول کا دن اور شان نزول بھی معلوم تھا مگر حادثہ (وفات نبویؐ) کے دفعہ پیش آ جانے سے قلوب ایسے پریشان ہو گئے کہ اسی آیت سے ذہول ہو گیا جو پہلے سے جانی ہوئی تھی۔ پھر اس شخص کا نوکی حال ہو گا جیسے پہلے سے کہ غیر خود تھی اور ایسی مصیبت کا سامنا ہو گیا جو تھیں سے باہر ہے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: من عزی مصابا فله اجر مصاب۔ جس نے مصیبت زدہ کو تسلی دی اسے بھی اس مصیبت زدہ کے برابر ثواب ملتا ہے۔ کیونکہ یہ اس کو وہ باتیں یاد دلانا ہے جو اس وقت یاد کرنی چاہئیں جس سے اس کا غم ہلکا ہو جاتا ہے تو اس کی تسلی سے جتنا اس کا غم ہلکا ہو گا اسی قدر اس کو ثواب ملے گا۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: من عزی مصابا فله اجر مصاب۔ آئی اور اس پر میرے کتا (جو جتا ثواب اس وقت ملتا وہی مصیبت زدہ کو تسلی اور دلہ سادی سے ملے گا کہ اس نے اس کو مایوس بنا دیا ہے اور کسی کو مایوس بنا دینے کا بھی وحشی ملک ہے جو خود میرے گناہ ہے: لقولہ علیہ السلام الدال علی الخیر کما حلہ اسی کے مناسب بعض حکماء کا یہ قول ہے جو حکمت پر مشتمل ہے کہ نبی کریم ﷺ کے ہیں ایک قزوہ جو عالم ستار اس کو اپنا عالم ہونا بھی معلوم ہے (یہ مطلب نہیں کہ علم کا مدعی ہے بلکہ اس کو احکام شرعیہ مستحق نہیں اور ان پر نافر ہے اور جانتا ہے کہ اس وقت کے متعلق شریعت کا یہ حکم ہے) اس سے علم حاصل کر دے اور مراد وہ جو جانی ہے اور اسے اپنا جانی ہونا معلوم ہے اس کو تدارک اور تعلیم و ترمیم اور جو جانی ہے مگر اسے اپنے جہل کی خبر نہیں (بلکہ اپنے کو عالم سمجھتا ہے) اس سے دور ہو گا کہ اس کی غلامی کی آبرمیں یوں کسی کو خلافتِ عدالت قرار نصیب ہو جائے تو اور بات ہے۔ جو قتلا جو عالم ہے مگر اسے اپنا عالم ہونا معلوم نہیں (یعنی پریشانی یا اور کسی وجہ سے احکام خیرہ اس کے ذہن میں حاضر نہیں رہے اس لیے وہ حالاتِ حاضرہ کے متعلق اپنے

کو جانی سمجھتا ہے) تو اس کو یاد دلاؤ اس سے تم کو بھی نصیب ہو گا (اور اس کو بھی)۔ قوله وغیرہ من اللغۃ ان یدکر الشخص بالشیء الذی لہ علیہ مصلحتہ فی قوله مذکور وہ متفقہ ہے۔

حضرت مولانا کا اس پر پورا مل ہے وہ برابر موت اور قیامت و جنت و نار کی یاد دہانی کرتے رہتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ مسلمانوں کو صرف مساکین کو ان چیزوں کا علم ہے مگر غلبہ اشغال و زیورہ کی وجہ سے ان کے ذہول ہو جاتا ہے۔

(۱۴۷) امتحان کے وقت دل کی حالت کھل جاتی ہے

یہاں سے معلوم ہوا کہ امتحان کے وقت انسان کے دل کی حالت کھل جاتی ہے۔ دیکھو رسول اللہ ﷺ نے پہلے وحی کی وفات جو مسلمانوں کے لیے بڑی مصیبت تھی اس نے سب لوگوں کے دلوں کی حالت کو واضح کر دیا کہ لوگ (جو برائے نام مسلمان ہوئے تھے) مرتد ہو گئے اور بہت لوگ (جو سچے مسلمان تھے) ثابت قدم رہے۔ جس لوگ کسی قدر فطرتی جبلت ہوئے پھر وہیں آگئے تو آزمائش سے ربانی وعظمت کی حقیقت کھل جاتی اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی تصدیق ہو جاتی ہے آتھہ احب ان صا یقرکوا ان یقولوا امتنا حلالہ فلیفتخروا ولقد فتا الذین من قبلہم فلیعلمن اللہ الذین صدقوا لیعلمن انکذ بوجہ اللہ۔ کیا لوگوں نے یہ سچہ لیا ہے کہ ان کو اتنا کہہ دینے پر کہ ہم ایمان لے آئے پھر دیا جائے گا اور ان کی آزمائش مذکی جائے گی۔ (جو مراد آزمائش ہو گی) اور ہم نے ان سے پہلے لوگوں کی بھی آزمائش کی ہے پھر تعین اللہ تعالیٰ چن کر جو لوگوں سے الگ کر کے رہیں گے۔

اس میں شکی کی جگہ ہے جنہوں نے اپنے طریق کو امتحان اور مبراہی پر قائم کیا ہے کہ انسان راحت اور تکلیف پر حالت میں ثابت قدم رہے اسی لیے قرآن نے یہی جہل میں کو یہ خوشی حاصل کرتا ہو کہ اس کو کوئی کسی ناگوار کاری کا سامنا نہ ہو تو کسی ایسی

حضرت شدر نے یہاں بیان فرمائی ہے اور اس کا مطلب اُوپر لکھ دیا گیا کہ اصلی
توق اللہ تعالیٰ سے رکھنا چاہئے۔ باقی سب سے اسی قدر تعلق اور توق رکھی جائے جو
واسطہ کے مناسب ہے۔ کیونکہ یہ حضرات اصل مقصود نہیں بلکہ مقصود تک پہنچانے والے
ہیں پس فرق مراتب کا ہی لازم ضروری ہے ؕ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لا اِلهَ اِلاَّ اللّٰہُ لا دُوْبَ لَہٗ ؕ

ف امتحان کی وقت ولی کی اصلی حالت کا کھل جانا مشاہدہ ہے یعنی لوگ اسی وقت
میں اللہ اور رسول کے عاشق ہیں جب تک راحت و آرام ہیں اور اگر
کبھی کوئی مصیبت پیش آجاتی تو ایسے کلمات زبان سے نکالتے ہیں کہ ایمان ہی وضعت
ہو جاتا ہے۔ آج کل مسلمان ایسی آزمائش کے دوسرے گزر رہے ہیں۔ بعض جگہ پر
مسلمانوں پر سخت مظالم و مصائب کا نزول ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے
اور سب مسلمانوں کے ایمان کو سلامت و محفوظ رکھے۔

بَعْدُ اِنَّا نَسْتَغْفِرُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ -



چیز سے دل کو وابستہ نہ رکھے جس پر خدا کا تعلق ہو (مطلب یہ ہے کہ اللہ کے سوا
کسی سے دل کو اور اپنی توقعات کو وابستہ نہ کرے) کیونکہ اللہ کے سوا ہر چیز فنا ہونے
والی ہے (مروغیر اللہ ہے اور غیر اللہ وہ ہے جو مخلوق اللہ سے مانع ہو پس رسول اللہ
ﷺ علیہ السلام سے دل کو وابستہ کرنا مانع نہیں کہ آپ سے وابستہ تو اللہ تعالیٰ سے
وابستگی ہے مگر حضرت سے اللہ تعالیٰ کے برابر وابستگی نہ ہوگی کیونکہ آپ بھی تو واسطہ ہی
ہیں اصل مقصود توق اللہ تعالیٰ ہیں۔ پس اصل اور واسطہ میں فرق ہونا چاہئے اسی طرح
مشائخ طریق کا تعلق اللہ تعالیٰ سے مانع نہیں بلکہ مصل ہے مگر وہ بھی صرف رسول
کا واسطہ ہیں تو یہاں بھی اصل اور واسطہ کا فرق ہونا چاہئے۔ خوب سمجھ لو

قوله وفيه من القلّة انما لا امتحان يعرفون المرأما احتقوا عليه
جنازة الی۔ قوله لان ما سواہ مردجیل مفقود۔

ف صوفیہ کے طریق کا امتحان پرستنی ہونا ہے کہ مشائخ طریق طالبین کے
امتحان کرتے ہیں کبھی طلب دیکھنے کے لیے سختی کرتے ہیں کبھی یقیناً دو واضح
کا امتحان کرنے کے لیے سختی کرتے ہیں۔ ایسے مواقع پر طالب ملاق ہی شہرہ ہے
تجربہ دانا نہیں شہرت۔ دوسرے یہ کہ صوفیہ خود اپنا امتحان بھی کرتے ہیں۔ بعض دفعہ کسی
غریب آدمی کی خدمت کر کے دیکھتے ہیں کہ نفس میں جاگوا رہی پیدا ہوتی یا اپنے حال
پر رہا۔ بعض دفعہ عمدہ لباس پہن کر گزر کرتے ہیں کہ نفس میں شہر پیدا ہوا یا اپنے
حال پر رہا وغیرہ وغیرہ۔ مگر شریعت کے خلاف کام کر کے نفس کو اکٹھا جانتے ہیں۔
شاذ حقوق کو جو جس نے لے کر دیکھوں نفس میں شہوت پیدا ہوتی یا نہیں وظیفہ خدا
الغیا۔ شریعت نے جس کام سے منع کر دیا ہے اس کا اور تکلم امتحان کیا سنے
بھی حرام ہے اور جن درگوں سے ایسا دخول ہے یا روایت قطع ہے یا غلط حال میں
کی تقلید جائز نہیں۔

ف ایک بدر حضرت مولانا گلبرگ نے فرمایا کہ اگر راحت چاہتے ہو تو اللہ کے سوا
کسی سے توق نہ رکھو۔ پھر فرمایا کہ مجھ سے بھی توق نہ رکھو۔ یہ وہی بات ہے

حدیث

جواز بکام الرحمة علی المیت

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو ایک عاجز بڑی نے آپ کے پاس پیام بھیجا کہ میرا ایک بچہ مر رہا ہے آپ مجھ سے پاس تشریف لائیے۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ اس سے میرا سلام کہو اور میری موت سے کہہ دو کہ رسول اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ ہی کا ہے جو وہ لے لیں اور اللہ ہی کا ہے جو جو دے دیں اور اللہ کے پاس ہر چیز کی مدت مقرر ہے۔ پس تم میرے والد اللہ سے ثواب کی امید رکھو۔ عاجز بڑی نے پھر پیام بھیجا کہ میں آپ کو قسم دیتی ہوں آپ ضرور تشریف لائیں۔ تو رسول اللہ ﷺ وسلم کھڑے ہو گئے اور حضرت سعد بن عبادہ اور ساقی بن جیل اور ابی بن کعب اور زید بن ثابت اور بہت لوگ آپ کے ہمراہ چلے (جب گھر پہنچے) تو بچہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا اور اس کا سانس اکھڑ رہا تھا۔ دای کا گمان ہے کہ صحابی نے یہ بھی فرمایا کہ اُس کا سانس ہلکی مشک کی طرح (دول دہا) تھا تو یہ حال دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی (ہباہک) آنکھیں (آنسوؤں سے) بہنے لگیں تو حضرت سعد نے کہا یا رسول اللہ! یہ کیا؟ فرمایا یہ رحمت ہے، میں کو اللہ نے اپنے بندوں کے دلوں میں رحمت کی بات اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے ہم دلوں ہی پر قہر فرماتے ہیں ۛ

شرح ظاہر حدیث اس پر مال ہے کہ رحمت کی وجہ سے روٹنا جائز ہے اس حدیث پر چند وجوہ سے گفتگو ہے۔

(۱۳۸) کسی کی موت کے وقت بزرگوں کو بلانا چاہیئے کے وقت بزرگوں کو بلانا چاہیئے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی نے حضور کو بلایا کہ اُن کے بیٹے کی موت کے حادثہ میں تشریف لائیں اور (ظاہر ہے کہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وقت میں اور ہر زمانے میں تمام لوگوں سے افضل ہیں۔ قولہ منہا استحقاق دعوہ الفضل منہما صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قولہ افضل العباد۔

(۱۳۹) معصیت زدہ کی تسلی کی جائے معصیت زدہ کو مبرا کی تلقین کی جائے اور اس کو تسلی دی جائے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صاحبزادی سے فرمایا قلتصبر ولتعتب پس مبرا کرو اور ثواب کی طلب کرو۔

قولہ دلیل علی مراحۃ صاحب المعصیۃ بالتعبد والی قولہ ولتعتب۔ یہ اس امر صریح کے اخلاق میں داخل ہیں اُن کی معصیت ہے کہ میت کے پاس نزع کے وقت کسی حائل و مانع کا ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ ہمارے مابلیٰ میت کے ایک مرنے والا انتقال ہونے لگا تو وہ نزع کی حالت میں اپنے بھتیجے کا روبرو کے متعلق باتیں کرنے لگے۔ لوگ لڑکی تلقین کرتے تھے مگر وہ اپنی زبان اور تہمت کی باتوں میں مشغول تھے۔ اُن کے بھائی بہت ہوشیار گھر والے تھے۔ انہوں نے مکان پر نر و لڑکا کر کہا حاجی صاحب! کیا باتیں کر رہے ہو؟ حاجی صاحب تم کو دیکھنے کے لیے تشریف لائے ہیں۔ میں حاجی صاحب کا نام سن کر فورا زہن دوسری طرف متعلق ہو گیا کہ حاجی صاحب کے لیے قالین بھی و تقسیم سے بٹلا دو پھر جو ذکر و شغل حاجی صاحب نے بٹلا دیکھا تھا اس میں مشغول ہو گئے اور ذکر اللہ کرتے کرتے غم ہو گئے۔ پس بزرگوں کو کسی کی موت کے وقت بلائے میں بڑی مصلحت ہے اُن کی میت

کو بھی قوت حاصل ہوتی ہے اور اہل بیت کو بھی تقویت ہوتی ہے۔

(۱۵۰) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب کسی کو بلایا جائے تو اس کو یہ بھی بتا دیا جائے کہ کیوں بلایا جا رہا ہے (کیا کام ہے) چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اس طرح بیان کیا کہ میرا پیغمبر ہونا ہے آپ تشریف لائے تو انہوں نے تشریف آوری کی درخواست بعد میں کی پہلے تو یہی حالت سے اطلاع دی۔

قوله وفيه دليل على ان الله استأجره بالذبح يستدعي الى قوله الا بعد ما استجوبته بوقت بنبها۔

فمن معاشرت اور ادب کلام بھی اسلام کا بڑا جزو ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ دوسرے کو اصلاح پر بلانی اور گفت و گو المسلمون من مسلم المسلمون من لسانہ و بعد لایں ادب کلام بھی داخل ہے کہ بات صاف ہونی چاہیے، ہر معاملہ صاف ہونا چاہیے، اس جزو کی طرف عوام کو عام ہرست سے غرض کو بھی توجہ نہیں جھڑا اقدس حکیم ہمارے قدس سرے نے اپنے ترجمہ کی کاروائی میں جہاں اور بہت ہی شریف انسان عہ آہانجا ہم حکیم اور دست راست کے تحت کے ترجمہ قدس سرے اور تفسیر قدس سرے میں لکھا ہے کہ انہوں اس وقت دل پر کیا گزری ہے۔

تفضل علیہ از دانتش راجعا و کانت لہا شہ النہال عزول
کے دم شکار نہ ہوں گے کہ وہ شکار نہ کر سکیں وہ کہ پڑا ہوا دل بھی بچا گئے
وہ حکیم کے معاملے وہ مجدد طریقی ہستی وہ جو دانش سے دور نہ دل وہ کان پہنچا ہوا
وہ رب مستحق ہے اُسے والی بات کو شکر کی طرف کے ہمارے کہ وقت آنکھ نہ دیکھتے
خواب ہو گیا دیوانہ لک و صفت زہر زہنی بھی ہو گیا واللہ و انما الیہ راجعون۔ اب کہ نہ جنت و
شفقت کے جسے لڑی نظر کر کے بکھڑے کہ کوئی دست شفقت نہ رہا ہے کہ کوئی غلطی
کرتا کیوں پر تیرے کہ کہ کوئی غلط نہ ہو اور احوال بالکل کی نہیں کو کھلائے کہ کوئی نہ پاہر کر
کس اور قیمتی مخلوق کے ہر ایک دلوں کا مرکز کہ کہ ہائے ہے واللہ و انما الیہ راجعون۔
قد تفرست۔ لوان میری لکان لنا بقل غصیل۔ اب کجرا کے کہ
واقعیہ ناخوشی کے مزاج۔

اسی حدیثیں احکام دی ہیں انہیں میں سے ایک کلام یہ ہے کہ باب حسن معاشرت
کو ذرا فرمایا۔ اس کے لئے کتاب معاشرت کے نام سے مستقل کتاب تالیف فرمائی۔
”مبشی زبیر“ اور تقسیم الدین میں مفید کی قانون اور کتاب کے لئے باب قائم فرمائے۔
اپنے قیمتی عظمت میں شب و روز اس پر تنبیہ فرمائی۔ انتہا یہ کہ وہاں سے چند گھنٹے
پہلے قریب مغرب کے دریا فربایا گیا وقت ہے؟ کہ کوئی کھوت کو محسوس ہو گیا خاک
مغرب کے بعد وہاں محبوب کی گھڑیاں آنے والی ہیں، اسی کے جواب دیا۔ دس منٹ
باقی ہیں۔ فرمایا مغرب کے آئے ہیں یا جا رہے ہیں؟ عالم نزع میں بھی ادب کلام کی
تعلیم دینا میں ترجمان سے جاری رہی کہ آنکھ کا کافی ہیں کہ دس منٹ باقی ہیں، بلکہ
یہ کہ کتا چاہئے خاک مغرب کے آنے میں دس منٹ باقی ہیں۔ اللہ اللہ اصلاح و تعلیم
اور پابندی اصول خیر کئے حیات تک بھی ہاتھ سے نہیں چھوٹی۔ واقعی آپ کے لیے
بجا طور پر اللہ تعالیٰ نے قلوب رجالی میں لقب حکیم الامت محمد و الملت العارف فرمایا
تھا۔ ایک حکیم امت اور مجدد کی شان بیان ہو رہا چاہئے بھی کہ جس کام کے لیے دنیا میں
تشریف لائے تھے؟ آخری وقت تک اس کو انجام دیتے رہیں، حقوق العباد اور
امانات کا میں قضا حکم قضا کیان کی طاقت سلب ہونے سے پہلے اس پر بھی تنبیہ فرمائی۔
مفضل حالت و واقعات کے لیے احقر کار مارا حلیات اثر و ملاحظہ ہو جو نشانہ اللہ
خبر کی مثالیں شائع ہو جائے گا۔

ہر حال حدیث میں کلام کے اس ادب پر تنبیہ ہے کہ جب کسی کو بلایا جائے تو اس
کو جہم بھی بتا دی جاوے کہ کیوں بلایا جا رہا ہے؟ بعض آنکھ کا کافی ہیں کہ آپ کو بلایا ہے
اس سے سننے والے کو پریشانی ہوگی کہ نہ معلوم کیوں بلایا ہے اور میں کام کو بٹا رہا ہے وہ
یہ کام بھی چاہئیں جو بدوں جانے نہ ہو سکتا ہوا کسی طرح جس کوئی حکیم الامت
(حلیہ) ہے، عزت کے تذکرے سے دل ہوا میں اور عزت کے لئے رائے درجعات اور ترقی مقام
کے شکر اور عزت کی تائید و توثیق کو شکر یا تائید نہ کی کہ کیا صورت ہے۔ بلکہ مایوسی و ناخوشی
ملاحظہ و تنقید کے ذریعہ عزت اور جہم سے بھائی نہ ہو جسے اپنی مسکوکوں سب کا احترام کیا اور
کے لئے حق کا نام نہ لیا جاتا ہے۔ جہم ۷۷

قدس سرخسے معرفت اتنا عرض کرتے کہ توبہ دے دو ایک توبہ کی ضرورت ہے تو صاف فرمادیتے کہ میں تمہاری بات سمجھا نہیں۔ جب وہ اپنی لطیف پرہیزگاروں کو کرتا کہ فلاں کام کے لیے توبہ کی ضرورت ہے تو فرماتے کہ تم نے پہلے اس ظن پر کیا نہیں کیا تھا؟ جاؤ اور غصہ کے بعد پوری بات کہہ کر توبہ مانگنا۔ آپ نے دیکھا کہ اس آداب کی تعلیم حدیث میں موجود ہے۔ مگر حدیث فرماتے ہیں ان احکام کو اس سے نہیں سمجھتے ہیں۔ میں نے یہ دیکھا اور قرأت کا ذکر وغیرہ اختلافی مسائل ہی پر زیادہ زور دیتے ہیں۔ ان اتفاقاً فی مسائل پر توبہ ملیں گے۔

(۱۵۱) چھوٹا بڑے کو قسم دے سکتا ہے۔ حدیث سے معلوم ہوا کہ چھوٹا اپنے چنانچہ حضورؐ کی عاجزادی نے دوسری مرتبہ پیغام بھیجا اس میں قسم دے کر عرض کیا کہ آپ کو قسم ہے ضرور تشریف لائے۔ اس کو باب صفت اور ایمان میں شمار نہ کیا جائے بلکہ طلب اور رغبت میں داخل کیا جائے گا۔ یہاں ایک سوال تو یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے پیام کے بعد محض قسم دینے کی وجہ سے تشریف لے گئے یا درگاہ تھی یا دوسری وجہ کے ساتھ یہی ایک جہ تھی۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ پہلی بار کے بلانے پر آپ کیوں تشریف نہیں لے گئے حالانکہ آپ تو غیر غلے کے ساتھ ہی رات اور شبنم خلق کا معاملہ فرماتے تھے اپنی بیٹی کے ساتھ تواد زیادہ اس کا ظہور ہونا چاہیے تھا۔

دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلی بار بلانے پر نہ جانا اس لیے تھا کہ آپ کو یہ مسئلہ بتلانا تھا کہ ایسے موقع پر بلا یا جائے تو جانا واجب نہیں اس کو دعوت نکاح اور دعوت و میر پر قیاس نہ کیا جائے (کہ وہاں دعوت کے بعد جانا ضروری ہے) دوسرے آپ کو یہ بھی خیال ہوا ہو گا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو آپ کا اجداد درج ہے میں اس کی وجہ سے عاجزادی کو یہ گمان نہ ہوا کہ آپ کے آنے سے بچنے کی موت مل جائے گی یا کہ دونوں کے لیے خوف

ہو جائے گی۔ اس لیے انہی آپ نے ان کو بتلادیا کہ اس معاملہ میں کسی کا کچھ دخل نہیں چنانچہ کہہ دیا میں اللہ ما اخذ ولہ ما اعطی وکل عندہ بابل مسمی اللہ تعالیٰ جو کچھ لے لیں وہ بھی ان ہی کا ہے جو کچھ دیں وہ بھی ان ہی کا ہے اور پھر میں ایک حدیث اُن کے یہاں مرقوم ہے۔ میرا کہ اس موقع و حالت کے احکام بھی بتلادیتے کہ تم کو میرا اور ثواب حاصل کرنے میں کو شش کرنا چاہیے۔

اسلام مالک نے نقل میں (اسی کے مناسبت) ایک روایت بیان فرمائی ہے کہ ایک عالم کو اپنی بیوی سے بہت محبت تھی، اُس کا انتقال ہو گیا تو اُن کو صفت صدمہ ہوا حتیٰ کہ لوگوں سے ملنا جتنا چھوڑ دیا (افادہ علی کا دروازہ بند کر دیا) حالانکہ (کمال) علم و فضل کی وجہ سے لوگ اُن کے (بیت) محتاج تھے۔ اب یہ حال ہو گیا کہ ان کے پاس سوالات آتے تو خادم سوالات کو لے کر گھر میں جاتا اور ان پر جواب لکھوا کر لاتا اور لوگوں کے حوالہ کر دیتا۔ جب کچھ مدت تک یہی حال رہا تو ایک عابدہ نیک بلی کو یہی اطلاع چلی وہ اُن کے دروازہ پر پہنچی اور خادم سے کہا کہ مجھے ایک ضروری بات پوچھنی ہے مگر بالکل انا پوچھوں گی براہ راست نہیں کہہ سکتی۔ غلام نے کہا کہ میں تم کو اندر نہیں لے سکتا۔ چنانچہ سب لوگ تو (اپنا اپنا جراب لے کر) چلے گئے۔ یہ بلی دروازہ پر ہی بیٹھ رہی۔ غلام نے فرمایا کہ ان کو بھی جانے کے لیے کہہ دو وہاں سے وہ نہیں اُتر سکتے۔ حضرت سے ملنا ضروری ہے جب دیر تک بیٹھی رہیں تب خادم نے (مجبور ہو کر) شیخ کو اس کی اطلاع دی انھوں نے گھبراہٹ سے کہا جرات دی تو عرض کیا حضرت میرے کچھ فریاد ہیں مجھ سے یہاں کسی شادی میں جاملے کے لیے چند زیورات عاریت سے تھے انھیں لے لیجئے وہ زیورات عاریت دیدیتے۔ چوں کہ شادی کے بعد بھی ایک مدت تک میرے ہی پاس وہ زیورات چھڑوئے گئے کہ ان کو استعمال کئے جانے اور اپنا بیٹا سگوار کر لی اور وہ مجھ سے اپنے زیورات طلب کرتے ہیں مگر مراد مال واپس کرنے کو میں ہانسا (کیونکہ مدت تک پاس رکھنے سے میری محبت سی ہو چکی ہے) دیکھنے سے فرمایا کہ اب تم کو ان کا اپنے پاس رکھنا

جو عذاب کے قابل ہیں (مگر دلداری کے لیے یہ حدود بھی ہیں جن پر حدیث میں تشبیہ
کی گئی ہے کہ اول مفسد محمد کا اندر دیکر دیا جائے پھر دلداری کی جائے۔)
قولہ وفيہ دلیل علی جواز القسم علی اقل الی قولہ بقولون سبحان القلوب۔

(۱۵۲) اہل فضل کے کرم سے قطعی طور پر نا امید نہ ہونا چاہیے

حدیث میں اس پر اشارہ ہے کہ اہل فضل کے فضل (دکرم) سے قطعی طور پر
نا امید نہ ہونا چاہیے۔ اگرچہ وہ (ایک دوبارہ) جواب بھی دے چکے ہوں۔ چنانچہ حضور
کی صاحبزادی نے کاہن کو دوبارہ بھیجا۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلی بار انکار
فرما چکے تھے (مگر وہ اس انکار سے قطعی مایوس نہ ہوئیں۔ دوبارہ پھر دیکھو اس کی)
یہ تو مخلوق کے فضل و کرم کی مثل تھی تو اس ذات کے فضل و کرم کی مثل کیسی ہونی چاہیے
جس کا فضل ہی کوئی نہیں؟ اسی لیے حدیث قدسی میں آیا ہے کہ گناہ بندہ (ایک دفعہ)
اللہ جل جلالہ سے دعا کرتا ہے وہ اعراض فرماتے ہیں۔ وہ دوبارہ پھر دعا کرتا ہے
اللہ تعالیٰ اب بھی اعراض فرماتے ہیں وہ پھر دعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔
مے فرشتہ آیا تم میرے اس بندہ کو نہیں دیکھتے؟ (کیسا بار بار دیکھ چکا ہو اور وہ
گمراہ ہے؟) وہ جانتا ہے کہ میرے سوا کوئی نہیں جس کو کیا ہے (اور جس سے کچھ نکلے)
میں تم کو گناہ کرتا ہوں میں نے اس کو بخش دیا اور اس کی دعا قبول کی۔

ف ہم نے اللہ والوں کے فضل و کرم کا کھلی آنکھوں مشاہدہ کیا ہے جو ان کو گناہ پشیمان
ہے وہ محروم نہیں رہتا۔

تامر آخر دے آخر یوں کہنا تھا ہاتھ صاحب مرید
بسم اللہ دم آخر میں بھی امید واروں کو بشارت عالیہ و مبارک باد سے کامیاب
فرمادیتے ہیں والاعادۃ تکفیه الاشارة الیہا۔ اہل حق ہر مع العبادۃ
جب اللہ والوں کے فضل و کرم کا یہ حال ہے تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا کیسا
پوچھنا؟ ان سے تو کسی حال بھی مایوسی جائز نہیں برابر عرض و معروض میں انکار ہوتا

جائز نہیں کیونکہ وہ تو عاریت تھے (قدری ملک دستے) اور عاریت کو بھرنے والا کرنا
لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے۔ کیا حضرت!
میں نے تو ایک دن کے لیے مانگے تھے (خوشی نے بریں میرے پاس رکھ چھوڑے) اب
کیونکر ہوں اب تو مجھے اُن سے محبت ہو گئی ہے (فرمایا اب تو واپسی میں اور جلدی کرنا
چاہیے کیونکہ انہوں نے احسان پر احسان کیا) (ایک دن کی جگہ برسوں میں استعمال کرنے
کی اجازت دی) ان بی بی نے تو کوشش کی کہ وہ کچھ تو گنجائش نکال دی مگر وہ سختی پر
سختی کرتے چلے گئے (کہ اب انکار کی اصطلاح پیش نہیں) تو ان بی بی نے عرض کی حضرت!
پھر آپ کی بڑی بھی تو اللہ تعالیٰ کی عاریت تھی مگر چند روز کے لیے اللہ تعالیٰ
نے آپ کو دی تھی۔ پھر اپنی چیز لے لی۔ تو آپ کا یہ رنج و غم اور لوگوں سے الگ ہو کر
بیٹھ جانا کس لیے؟ (آپ نے اللہ کی اجازت کو خوشی کے ساتھ کیوں واپس نہیں کیا؟
رنج و غم کو کسے کیوں بیٹھ گئے؟) اس پر ان بزرگ نے اپنی حالت میں غور کیا اور
بجھ گئے کہ میں نے قطعی کی اور بی بی کا شکریہ ادا کیا اور اسی وقت سے گھر کے باہر
گئے (اور اوقات معنی کا دروازہ کھول دیا۔ سبحان اللہ حضرت سلف کی
عورتیں بھی کسی بھلاہر تھیں کہ بڑے بڑے علماء کو سب دیتی تھیں اور اس زمانہ کے
عالم بھی کیسے تھے کہ ایک محبت کے سبب کرنے سے اپنی قطعی کا اقرار کر لیتے تھے۔
اب تو ہم اپنے شیخ کے کہنے سے بھی اپنی قطعی کا احترام نہیں کرتے غالی اللہ
المشتکی ص ۱۰۸ (شہاد القلوب)۔

غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پہل بار بٹانے پر د جانا اس لیے تھا کہ اپنے
اور پرانے سب کو یکساں طور پر حکم شرعی سے مطلع فرادی (کہ اسی وقت پر جانا
لازم نہیں) اور دوبارہ بٹانے پر تشریف لے کر اپنی بی بی کی قسم چھڑا کرنے کے
لیے بھی تھا اور اسی شدت و درجت کے مقتضی پر عمل کرنے کے لیے بھی جو آپ
کی فطرت میں دو بیت تھی اور صاحبزادی کے لیے بھی جبکہ اس بات سے اطمینان
ہو گیا جس کا پہلے احتمال ہوا تھا اس میں اہل طریق کی بھی دلیل ہے جو (دلدار اور)

نہ تھا (بلکہ محسوس تھا) ایسا ہر اس پر موت کی شدت ہو رہی تھی اس میں جو کچھ حکمت ہے اس کو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے علم نے موت فجادہ (چاہنگ کی موت) کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ دو گھنوں میں سے ایک میں جلدی پہنچا دیتی ہے (تو اس کو بری علامت نہ سمجھنا چاہئے اور بعض امادیش میں جو ایسی موت سے بچا مانگی گئی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں انسان کو وحیت وغیرہ کا موقع نہیں ملتا۔ نیز ایسی موت سے لحدوں کے دنوں پر سخت عذاب قہقہے آن کے دل دہل جاتے ہیں) نیز رسول اللہ ﷺ نے علم نے فرمایا ہے کہ مومن کا کوئی درجہ باق رہ جاتا ہے جس پر وہ اپنے عمل سے نہیں پہنچا تھا تو اس پر موت میں بھی کی جاتی ہے تاکہ اس درجہ پر پہنچ جائے۔

ف اس سے معلوم ہوا کہ مہادہ افضل درجہ سے بھی ترقی ہوتی ہے فیہ جزا لمن قال بہ۔
 دین میں ادب (۱۵۵) ادب یہ ہے کہ بڑا آدمی گفتگو کی ابتداء کرے یہ ہے کہ بڑا آدمی بے گفتگو کرے۔ چنانچہ اس موقع پر حضرت سعد بن عبادہ نے اول گفتگو کی۔
 علامہ کو جو کہ انہوں نے دیکھا تھا حسب ہوا دیکھ رہے تھے مگر ایک نے دوسرے کا ادب کی۔ کیونکہ ان کی عادت سے یہ بات معلوم ہے کہ گفتگو ضرورت وہی کہ تھا جو سب مقدم (و معلوم ہو) پس حرت سعد بن عبادہ نے گفتگو کا اقتضائ کیا کہ وہ اپنے قبیلہ کے سردار تھے، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ سوال میں ادب (و تہذیب) کی رعایت ضروری ہے اور یہ کہ سوال سے پہلے بزرگوں کا نام بھی (ادب سے) لیا جائے۔ چنانچہ حضرت سعد بن عبادہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ما هذا؟ یا رسول اللہ! یہ کیا ہے؟ تو پہلے حضرت کا نام ادا کر کے پھر ادب سے سوال کیا اور سوال میں بھی اعتدال ملحوظ رکھا اس نکتہ پر کچھ روایتیں ہیں۔

۱۵۸۔ انفسو نے کی عام وجہ میں بلکہ اس کی حقیقت رحمت و رزق سے ہے حدیث سے معلوم

چاہئے۔ انشاء اللہ عزم نہ رہے گا۔ انفسو ہے کہ آج کل ہم لوگوں نے دُعا کی طرف سے بہت غفلت کر رکھی ہے حالانکہ حدیث شریف میں بڑی تاکید ہے انشاء ہوا ہے لمن یصلح مع اللہ ما احد۔ دعا کے ساتھ ہرگز کوئی ہلاک نہیں ہو سکتا۔ دُعا کا التزام نہ کرنا اور یہ جان کر دعا کرو کہ اللہ کے سوا کوئی نہیں جس کو پکارا جائے۔ کوئی نہیں جس سے کہہ مانگا جائے۔ کوئی نہیں جس کو حاجت دعا سمجھا جاوے۔ کوئی نہیں جس سے مدد طلب کی جائے۔ انشاء اللہ عزم نہ رہے گا۔

(۱۵۳) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حتیٰ کہ گھر میں بدوین بلائے جانا جائز ہے بخلاف ولید (وغیرہ غوثی کے مواقع رکھے) دروہاں بدوین چلے جانا چاہئے) یہ اس سے معلوم ہوا کہ سعد بن عبادہ و سعد بن جبل و ابی بنی کعب اور زید بن ثابت اور جزیرہ رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ و علم کے ساتھ چل کر گھر سے ہونے والا کہ حضور نے ان سے کچھ فائدہ پایا نہ صاحبزادی نے اُن کو بُلا یا نہ ان حضرات نے اجازت طلب کی۔

انفسو ہے آج کل رنگ و خم کے گھر جانے کے لیے بھی مومن لوگ بلائے کے منتظر رہتے ہیں۔ حالانکہ گھر والا اس وقت خود اپنی پریشانی اور غم میں مبتلا ہوتا ہے اُس کو کسی کے بلائے کی فرصت کہاں ہوتی ہے؟ اُستلماں آج کل ترقی کے تو طالب ہیں مگر اس کی بنیاد کو جو کہ اتفاق و استماد ہے خود اپنے ہاتھوں ہی سے کاٹتے جاتے ہیں۔

مچھرت مسلم کو کر رہی ہے تباہ آہ! لوہے کو کھارہا ہے زنگ
 آکرے وہ اُستلماں پر پہنچے ہم ایک ایک گناہ ہے ہیں پتنگ

(۱۵۴) موت کی شدت یا سخت شقاوت یا سعادوت کی علامت نہیں

حدیث سے معلوم ہوا کہ موت کی شدت اور سختی کو شقاوت یا سعادوت کی علامت نہ سمجھنا چاہئے کیونکہ یہ بڑ (جس کی موت کامل حدیث میں ہے) کھل

کی نفی نہیں کی گئی، اور کبھی ایسے کلام سے (جس میں لفظ انا لایا گیا ہو) صرف استحقاق کا بتلانا مقصود ہوتا ہے، صحر کا قصد نہیں ہوتا نہ حقیقت نہ اضافہ جیسے حق تسلط کا یہ ارشاد ہے ان الذین آمنوا وجاهدوا وجاهدوا فی سبیل اللہ اولئک یجزيهم عن ذلک اللہ۔ بے شک جو لوگ ایمان لائے آئے اور جہاد کر گئے اور جنہوں نے اللہ کے راستہ میں جہاد کیا، انہیں لوگ اللہ کی رحمت کی امید دے سکتے ہیں۔ (ماں بھی کلام میں صحر ہے کیونکہ خبر کے معرفہ ہونے سے صحر پیدا ہو جاتا ہے جس طرح مطلب یہ ہے کہ ان کو وعدہ الٰہی کی امید کا حق ہے اور دوسرے جو رحمت کے امید وار ہیں وہ بلا وجہ امید وار ہیں تو یمن بھی دونوں معنی کا احتمال ہے) ایک یہ کہ صحر مقصود ہو مگر صحر حقیقی بلکہ اضافی نہ کہ یہی لوگ اپنی امید میں حق بجانب ہیں۔ دوسرے کو امید وار ہیں مگر ان کی امید بلا سبب دوسرے یہ کہ (مقصود صحر نہیں بلکہ) ان لوگوں کے لیے ضرورت کے ساتھ استحقاق رحمت کا حکم بیان کر دیا گیا۔ دوسروں سے نفی مقصود نہیں اور یہ زیادہ ظاہر ہے کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے کچھ جو نیکو رفتہ فوت ہو جاتے ہیں جس کو اللہ چاہتے ہیں (ان کی ہوا) پتہ نہ دیتے ہیں (اس کے لیے ہمارے جہاد و جہاد جو تا شمرنا نہیں بلکہ ایمان ہی شرط میں) بعض دفعہ کار کو بھی رحمت کا جو نیکو لگ جاتا ہے تو اس کو ایمان کی توفیق ہو جاتی ہے خواہ اس میں رحمت (کا لادہ) ہو یا نہ ہو۔

نیز حدیث میں آیا ہے کہ (قیامت کے دن) انبیاء و رسل اور ملائکہ اور علماء و صالحین شفاعت کریں گے پھر حق تعالیٰ فرمائیں گے انبیاء شاعت کہ کہہ دو انکے شفاعت کر کے نیک بندے شفاعت کر چکے۔ اب اہل ایمان کی شفاعت باقی ہے پھر اللہ تعالیٰ ایک مٹھی بھر کر (اور بعض روایات میں ہے کہ زمین و فہر دونوں ہاتھ بھر کر) بعض ایسے آدمیوں کو جنہ سے نکلیں گے جن کو انبیاء، رسل کے خیال میں قرآن نے بہتر میں بکس کر دیا تھا۔ یعنی یہ وہ لوگ ہوں گے جن کو سب کا نیکو کہ جہنم میں چھوڑ دی گئے۔ اسی لیے کوئی ان کی شفاعت نہ کرے گا مگر وہ واقع میں کافر

کی حقیقت اور ان کے سبب کے متعلق جو باتیں انہوں نے بیان کی ہیں سب انہوں لوگوں نے اس کے متعلق پانچ چھ باتیں یا اس کے قریب بیان کی ہیں جن میں سے ایک بات کو (عام طور سے) اچھا سمجھا گیا ہے کہ گنہ گروں کی شرمندگی سے دل کو پسینہ آتا ہے (وہ انسانوں کی شکل میں انھوں سے نکلتا ہے) اسی سے اور باتوں کو بھی بتایا گیا ہے مگر غیر صادق و مسلم علیہ وسلم نے یہاں بتلادیا ہے کہ یہ بھی اللہ کی پیدا کی ہوئی ایک چیز ہے جس کو رحمت بندوں کے دل میں ولایت کر دیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد خالص و جہد اللہ من عبادہ الرحماء (کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے وہ لوگوں ہی پر رحم فرماتا ہے) اس بات کو بتلادیا ہے کہ یہ انسان رحمت کی وجہ سے نکلے ہیں جو رحمتی مومنوں کے دلوں میں لگے ہوئے ہے تو جیسا کہ علوم میں کچھ (کی طاقت) اس نور سے پیدا ہوتی ہے جو علماء کے قلوب میں ہوتا ہے اسی طرح یہ انسان رحمت کی آنکھ سے بنتے ہیں جن کے دلوں میں رحمت ہے یہ بھی حکیم کی ایک حکمت ہے۔

فانما رحمہ اللہ رحمت جہادہ الرحماء سے ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسی پر رحمت فرماتے ہیں جن کے دلوں میں رحمت (کا لادہ) ہے یعنی رحم والوں کے سوا کسی پر رحمت نہیں فرماتے۔ اب یا تو اس کو ظاہر ہی پر رکھ جائے اور کلام کے صحر پر نظر کر کے دوسروں سے رحمت کی نفی کر دی جائے اور یہ بھی احتمال ہے کہ صحر مقصود ہو بلکہ اہل رحمت کے لیے حکم رحمت کو ثابت کرنا مراد ہو۔ دوسروں سے نفی مراد نہیں۔ جیسے کہ آیت میں انما انبئکم فیہم جن جن تو یوسف علیہ السلام ہیں۔ جس سے ان کے لیے من و مال ثابت نہ مقصود ہوتا ہے۔ دوسروں سے نفی کا قصد نہیں ہوتا (اہل بلاغت کی اصطلاح میں یوں کہنا چاہئے کہ صحر حقیقی مراد نہیں بلکہ صحر اضافی ہے یعنی دوسروں سے خاص مدح میں کی نفی مقصود ہے صحر حق کی نفی نہیں۔ اسی طرح یہاں پر رحمتوں کے لیے خاص درجہ کی رحمت ثابت کر کے بے رحمتوں سے اس درجہ کی نفی کی گئی ہے صحر رحمت

نہ تھے مومن تھے۔ لیکن ایمان اتنا کمزور اور غنی تھا کہ انبیاء و مولا کے کوئی ان کے ایمان کا پتہ نہ لگ سکے۔ اگر اہل الرائعین عالم الغیب ان کو خود اپنی رحمت سے کسی کی شہادت کے جنم سے نکالیں گے۔ اس سے ثابت ہوگا کہ رحمت مطلقہ رحمتوں کے واسطے مخصوص نہیں۔ البتہ اگر رحمت سے مراد ایمان ہو اور ایمان سے مراد ایمان کامل ہو تو یہی لوگ حقیقت میں رحمت کے مستحق ہیں۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اس رحمت کے ساتھ اپنی ایمان ہی مخصوص ہیں یعنی کاملین اور ایسی رحمت سے مشورع پیدا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں مشورع کی مدح فرمائی ہے چنانچہ ارشاد ہے وَالَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ ہیں حدیث اپنے ظاہر کی معنی پر محمول ہوگی کیونکہ اس صورت میں حکم اپنی لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے جن کا ذکر کیا جا رہا ہے اور دوسروں سے جن میں ایمان نہیں مطلقاً رحمت کی نفی ہے اور مؤمنین سے مطلقاً نفی نہیں بلکہ خاص رحمت کی نفی ہے۔ ورنہ مطلق رحمت ان کے لیے یقیناً ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغْنِيْكَ عَنْهُ كَثْرَةُ مَالِهِ وَاَنْتَ لَمِنَ الْغَافِلِيْنَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی اس کو کما عاف نہیں فرمائیں گے کہ ان کے ساتھ (کسی کو) شریک کیا جائے اس کے سوا (اور گنہگاروں) جس کے لیے چاہیں گے معاف فرمادیں گے (پس ہر مومن کے لیے استغناقی مغفرت ثابت ہے اور مغفرت بھی رحمت کا ایک فرد ہے۔)

یہاں ایک سوال ہے وہ یہ کہ ایک حدیث میں ہے کہ جب آدمی کا نفاق کامل ہو جاتا ہے تو اس کی انگلیں اس کے اختیار میں ہوتی ہیں جب چاہتا ہے ان کو کھینچتا ہے۔ بظاہر دونوں حشروں میں تضاد میں ہے کیونکہ ان کو برابر ہیں (ایک حدیث میں ان کا سبب رحمت کو قرار دیا گیا دوسری میں نفاق پر مبنی کیا گیا) جواب یہ ہے کہ یہاں ظاہر میں تضاد معلوم ہوتا ہے مگر مگر ظاہر نظر کرنے کے بعد جو تضاد نہیں رہتا۔ کیونکہ جس ان کو کا سبب کامل نفاق فرمایا گیا ہے وہ ہے جو بظاہر اپنے

اختیار سے نکالا جائے اور روئے کے موقع پر روک لیا جائے پیسے ہر زمانے میں لوگ ان سکینوں کی حالت سے مشاہدہ کرتے رہتے ہیں جو غلطے بناروگوں کو بیع کرتے ہیں پھر اپنی حالت بیان کرتے ہیں کہ ہم ایسے تھے ہم ویسے تھے اور یہ تمام بیان غلط اور جھوٹ ہوتا ہے جیسا کہ احادیث و روایات و روایات سے ثابت ہے اور یہی حال ہے ابھی طرح معلوم ہوتا ہے پھر جب وہ اپنا پورا حال بیان کر چکے ہیں تو بچے جیسا کہ روئے لگتے ہیں۔ بائیں کی طرف ان کی آنکھوں سے آنسو بہتے تھے ہیں۔ یہ حال دیکھ کر نادانند لوگ گمان کرتے ہیں کہ اس نے جو کچھ کہا ہے (بظاہر جھوٹ) بائیں کر کے بھی کوئی اس طرح دیکھا کرتا ہے (پھر اس پر پرس کر کے ہر وقت سے صدقہ و خیرات کی بارش ہونے لگتی ہے۔ ایسے واقعات ان لوگوں سے بہت منقول ہیں، چنانچہ وہ کتب جو بنو ساسان کی طرف منسوب ہے جی میں ان کے حالات (مروج و منزل) کا ذکر ہے وہی اس کے ثبوت کو کافی ہے۔ درکنار اختیاری بھی ہوتا ہے کیونکہ جو لوگ اس کتاب کو پڑھ کر روئے ہیں ان کا روئے بناوٹی ہے) لوگ ان کی حالت کا برابر معائنہ کرتے ہیں اور جی روئے کی اس حدیث میں خبر دی گئی ہے کہ اس کا منشاء رحمت ہے) یہ وہ ہے جو کسی برسے پیدا ہو۔ مشافہ موت کو یاد کر کے یا کسی کے حال پر کس کھانے سے۔ جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنسو اس موقع پر نکلے جبکہ آپ نے پڑھ کر موت کی سختی برداشت کرتے ہوئے دیکھا۔ حالانکہ وہ مومن (معلوم) تھا یا اللہ کے خوف سے مرنے والے یا اللہ کی حالت کے سوچنے سے روئے لگے۔ جیسا منقول ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کے پاس تشریف لے گئے تو وہ بہت زیادہ رو رہی تھیں۔ پوچھا اسے فاطمہ کیوں رو رہی ہو؟ عرض کیا کہ میں قبر میں جاؤں گا تو سوچ کر روئے لگی کہ دیکھئے وہاں کیا حال ہوگا؟ اللہ العزیز کی عاجزادی کو تو قبر کا اتنا ٹھکانا اور ہم لوگ اہل حق کیسے بنے ٹھکر ہیں) تو یہ سب ایک ہی قسم کا روئے ہے۔ جی کہ ایمان کامل کی حقیقت متصفی ہے اور میں سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد میں کہ یہ اللہ کی رحمت ہے، نور

پراشارہ کیا ہے، جنس پر اشارہ نہیں فرمایا (مطلب یہ ہے کہ جو روایت میرے اس
روئے کی قسم سے ہو اس کا منشاء، رحمت ہے یہ مطلب عین کہ ہر روئے کا منشاء
رحمت ہے۔ اب دونوں حدیثوں میں یہ قدر حق نہ رہا، جس کی تائید اس سے ہوتی ہے
کہ صحیحین عبادہ اور صحابہ اس وقت تھے ان میں سے کسی کی آنکھ سے بھی آنسو
نہیں نکلا صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی روئے اور آپ کے روئے کا منشاء
کمال ایمان تھا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالاتفاق سب کے زیادہ کامل
ایمان والے ہیں۔ اسی لیے آپ نے اپنے صاحبزادہ ابراہیم (علی ایہ وعلیہ السلام
والنصیحة) کے انتقال کے وقت فرمایا تھا قد مع العجبین وعجز القلب
ولا نقول ما یسخط الرب۔" آنکھیں رو رہی ہیں دل تلپٹیں ہے مگر زبان و
دل سے ہم ایسی بات نہ کہیں گے جو اللہ تعالیٰ کو ناگوار کرے کیونکہ وہ
پروردگار و فرم کرنا ایمان کا مقتضی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادی کے اسباب
کو ترک کرنا ایمان کا مقتضی ہے۔

ف حقیقت یہ ہے کہ عمر کی طویل تقریر سے مجھے یہ مقام پوری طرح مل نہیں
چکا۔ یہ اشکالی ہونے لگی ہے کہ اگر ایسے مواقع پر ہر دو کمال ایمان کا مقتضی
ہے تو کیا یہ حضرات صحابہ ان حدیثوں سے بھی تھکن لایا کرتے تھے کہ دوسرے کو
شہدہ کے کمال ایمان میں داخل کیا ہے اور اس کا کوئی قائل نہیں ہو سکتا۔ حضرت صحابہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے ضرور تھکتے تھے مگر دوسروں کی نسبت سے
ہرگز تھکا نہیں دیتے تھے۔ پس اگر ایسے موقع پر وہ حدیث کے کمال ایمان کی دلیل ہے تو یہ
دلیل صحابہ میں کیوں نہ پائی گئی۔ جو کہ میری نظر میں حدیث کا مطلب آیا ہے وہ
عمر کی کتابوں۔ فان کان صحابہ فحقن اللہ ورسولہ وان کان خطا فحق نفسی۔
میرا خیال یہ ہے کہ حضرات صحابہ بھی اس وقت دل سے ضرور روئے ان کے
دلوں پر بھی رقت طاری ہوئی مگر انہوں نے یہ سمجھ کر کہ وہ نامکمل ممبر کے منافی
ہے شہدہ ضبط سے کام لیا اس لیے ان کی آنکھوں سے آنسو نہیں نکلے۔ جب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو روئے ہوئے دیکھا تو دریافت کیا کہ یہ کیا (کیونکہ وہ تر
روئے کو مطلقاً ممبر کے غلاف سمجھتے تھے) حضور نے بتلادیا کہ آنکھوں سے آنسو نکل
آنا ممبر کے غلاف میں ممبر کے غلاف جزع فزع ہے کہ چلا کر روئے اور زبان سے
بیان کرے اور ایسے روتے ہیں آنکھوں سے آنسو نکل آتا جبکہ اپنے عزیز کا انتقال ہو
رہا ہو دلی ہمدردی اور رحمت کا مقتضی ہے۔ بعض دفعہ دلی ہمدردی اور رحمت
کے غلبہ سے آنسو نکل آتے ہیں۔ پس حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ آنکھوں سے آنسو کا
نکلنا رحمت ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ایسے موقع پر اگر آنسو نہ نکلے تو ان کا منشاء
قہری رحمت ہے اور اس سے حضرات صحابہ بھی غالی نہیں دل آنا کے بھی کچھ کہتے
تھے مگر وہ ضبط سے کام لے رہے تھے حضور نے بتلادیا کہ اتنے ضبط کی ضرورت نہیں
زبان کو اور دل کو تو جابین رکھنا چاہیے کہ دل میں اللہ کی شکایت نہ پیدا ہو، اس
کے حاکم و حکیم ہونے کو دل میں متحضر رکھے اور زبان سے کوئی بے جا بات نہ نکلے
پائے۔ پس اب حدیث پر کوئی اشکالی باقی نہ رہا۔ کیونکہ حاصل یہ ہوا کہ شرط کمال ایمان
ایسے موقع پر دل سے روانہ کالیسینا ہے اور صحابہ اس سے محروم نہ تھے آنکھوں
سے آنسو نکلنا شرط کمال ایمان نہیں کیونکہ وہ اختیار میں نہیں اور امور غیر اختیار
پر کمال ایمان موقوف نہیں ہو سکتا لیکن اگر اس موقع پر آنسو نکل آئیں تو یہ بھی
ذموم نہیں نہ ممبر کے غلاف سے بلکہ اسی رحمت قلبی کا اثر ہے جو شرط کمال ایمان ہے
اور قیفاً دلی میں اپنے عزیزوں، قرابت داروں اور بچوں کے ساتھ ہمدردی و رحمت
کا ہونا کمال ایمان کا مقتضی ہے۔ ان کی وفات پر دل مڑنا چاہئے روئے
قنات ہوگی و بعد انما رحمہم اللہ القلب العباسی سجد لی اودی عندی امانی
سے ثبت دور ہے۔ اس تقریر کے بعد یہ اشکالی بھی حدیث پر رہا کہ دوسری
حدیث میں تو آنسوؤں کو کمال نفاق سے مسبب بتلایا ہے۔ کیونکہ حضور کے اس
ارشاد کا کہ یہ آنسو رحمت کے ہیں یہ مطلب نہیں کہ ہر آنسو رحمت ہی سے نکلتا ہے
بلکہ مطلب یہ ہے کہ ایسے موقع پر آنسوؤں کا نکلنا رحمت قلب کی وجہ سے ہوتا

اس حدیث (۱۵۸) موت کو یاد رکھنا چاہئے جو یقیناً آنے والی ہے کا اثر اٹھانے

یہ ہے کہ اس یقینی موت وقت کو یاد رکھا جائے (یعنی موت کو) جس سے کوئی بھی نہیں بچ سکتا اور اس کے ملے سے پہلے مسلمان کی تیاری کر لی جائے، کیونکہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اپنے کسی عزیز سے موت کو نہیں روک سکے اور خود اپنے سے بھی نہیں روک سکے تو دوسروں کو کیا پوچھنا؟ جس سے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی تصدیق ہوتی ہے کہ انفس ذائقۃ الموت کہ ہر شخص کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔ یعنی حکماء نے غیب فرمایا ہے ۔

ولولائک الدنیا تعدو علیہا
فصلیٰ یأخذنا اذا کنتم عاقلنا
مقلدا لوک فیہا المارون داعیا
مگر دنیا کی زندگی کسی کے لیے ہمیشہ رہا کرتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور زندہ باقی رہتے۔ پس اگر تو عاقل ہے تو تجھے اس کا فائدہ ہے کہ دنیا کو قیل و قال کی جگہ سمجھ اور اس میں اپنے توشہ راہ کو محفوظ کر لے اور بدوں مسلمان کے موت کے مزہ میں جانے سے بچا رہ کر تیرے ہاتھ تقویٰ سے خالی ہو اور موت کا وقت آجائے اللہ کا تابعدار بندہ بن جا کیونکہ موت یقیناً کسی دسویں وقت وفتہ آجائے گی۔ قولہ وھاذا شارة وھی اھل الفضل یقطع ان یاس منھما انی قولہ خال جھام لعل مناجاتی :

مراقبہ موت و ذکر موت صوفیہ کا خاص شعار ہے۔ یہی چیز ہے جس نے اُن کی نگاہ میں دنیا کو حقیر کر دیا ہے۔ اس لیے اُن کے لیے ترک لذات و مباحات کو آسان کر دیا ہے۔ اس پر پیش تو جہانوں نے اعتراض کیا ہے کہ صوفیہ عہ قبول دہر کے ہٹے کو کہتے ہیں جو مومن شریعی دہر کے لیے ہوتا ہے، مطلب یہ ہے کہ راحت کم کر دیکام زیادہ کر دو۔

عہ حلالہ وکثر ذکر مباحات صریح صنعت کتاب الوصیۃ خلاصہ

ہے۔ نیز حدیث میں آنسوؤں کی حقیقت کا بیان میں بعض مہیب قریب کا بیان ہے۔ شاعر علیہ السلام کو ان چیزوں کی حقیقت سے کچھ غرض نہیں بلکہ سبب قریب بنگلادینا مقصود تھا تاکہ اس کو مہر کے غلام کیجئے کا شہدہ دے دیا جائے۔ واللہ اعلم

(۱۵۹) اس میں صوفیہ کی بھی دلیل ہے کہ وہ گریہ زاری بہت کرتے ہیں۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گریہ کو اس رحمت کا اثر قرار دیا ہے جو مقلوب میں دیکھی گئی ہے۔ چنانچہ بعض عورتوں سے منقول ہے کہ وہ بہت رو دیا کرتے تھے جس سے اُن کی آنکھوں میں آشوب ہو گیا۔ لوگ کسی حبیب کو لائے اُس نے کہا میں اس شرط سے علاوہ کر سکتا ہوں کہ جب تک آشوب کا اثر باقی رہے آپ دفناؤ وقت کر دیں۔ فرمایا ایسی آنکھیں کس کام کی جس سے رو دیا جائے۔ بخدا میں اس شرط کو منظور نہیں کر سکتا اور تجھے تمہاری دعا کی بھی ضرورت نہیں بلکہ روتے روتے مرا جاؤں گا اور بھلا غمزدہ کی تسلی کا سامان آنسوؤں کے سوا بھی کسی چیز میں ہے؟

ف اور پھر بتلایا جائیگا کہ یہ رحمت کا اثر حقیقت میں دل کا درد ہے۔ آنسوؤں سے دردناک ہو کر دل روتا ہوا آنسوؤں سے نکلے ہیں اس کو پریشان نہ ہونا چاہیے کیونکہ مقصود حاصل ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ اگر دل کے رونے کے ساتھ آنکھیں بھی روئے لگیں تو اس میں ظاہر و باطن کا اجتماع ہے اور یہ صورت افضل ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں گزر چکا ہے ورجل ذکر اللہ تعالیٰ فضا فضا ھینا لا کر قیامت میں جن سات شخصوں کو عرض کا سایہ نصیب ہو گا ان میں ایک وہ شخص بھی ہے جس نے اللہ تعالیٰ کو تنہائی میں یاد کیا تو اس کی آنکھیں بننے لگیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو آنکھ کا روننا بھی پسند ہے اسکا لیے ایک حدیث میں ہے فان لم یبکوا فتنبکوا کہ اگر تم کو روننا آئے تو رونے کی صورت ہی بنالیا کرو۔ اسی وجہ سے صوفیہ کو گریہ و زاری محبوب ہے اور اس میں وہ اپنی آنکھیں جاتی دیکھنے کی بھی پروا نہ کرتے تھے۔ ۱۲ مترجم

اللہ پر اللہ کا یہ تمام خدا کہ وہ پہلے ایک دوسرے کے دشمن تھے پھر ان کے دلوں میں
ایسی الفت پیدا ہوئی کہ اللہ کے فضل سے سب بھائی بھائی ہو گئے اور یہ صفت
چروں علاقائی کے نہیں ہوئی اور اتفاق خود غرضی اور ذاتی معاوضے قطع نظر کرنے
کے بعد پیدا ہوتا ہے اور یہ سب بھائی ہو سکتا ہے کہ بہت دینا و علاقائی دنیا سے پاک
پاک ہو جائے اس لیے ارشاد ہے **قوله** من بعد کفر حلف عجب لایعجب حایجب
نفسہ کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اپنے بھائی کے
واسطے وہ نہ چاہے جو اپنے واسطے چاہتا ہے۔ مہار کی یہی شان تھی و نیز فرعون
علیٰ نفسہم ولو کان بھم خنعاۃ وہ اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیتے
تھے اگرچہ فرعون کو کیسا ہی فائدہ ہو اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے واسطے کہتے
تھے۔ ولینت یا قونیت کے جذبہ سے ذکر کرتے تھے۔ مونیہ مسلمانوں کو ایسا بھاد
بنانا چاہتے ہیں جو معنی اللہ تعالیٰ کے واسطے کام کرنے والے ہوں، مگر لوگ
ان کی تعلیم کا خاکہ اڑاتے اور دوسرے طریقوں سے کامیاب ہونا چاہتے ہیں۔
اور برابر ان کا کیڑہ بکھیتے ہیں۔ یہ کتنا غلط ہے کہ مونیہ معقین رہبانیت کی
تعلیم دیتے ہیں۔ بتلایا جائے کہ مسلمانوں کے عروج کا وہ کون سا زمانہ ہے جس
میں مونیہ جہاد سے الگ ہو کر بیٹھ گئے تھے۔ ہندوستان میں تو مونیہ سے بڑے
بڑے کارنامے کئے ہیں اور تاریک گاہ کہ ان ہی کے دم سے ہندوستان میں
اسلام کی اشاعت نہ یاد ہوئی ہے۔

ف یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ مونیہ نے جو مہادہ نفس اور ترک لغات و ترک
علاقائی کی تعلیم دی ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ انسان ساری ہر ترک لغات
اور ترک علاقائی ہی میں گزار دے۔ بلکہ مونیہ نے فوں کے لیے ایسا کرنے کی
مہورت ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی یاد دل میں اچھی طرح ہو سوت ہو جائے۔ کسی
کام میں اللہ تعالیٰ کی یاد سے غفلت نہ ہو۔ کسی کام میں خواہش نفس کا میل نہ ہو
جو کام ہو اللہ تعالیٰ کے لیے ہو۔ قل ان علاقائی و نسکی و معیای و معانی

نہ اسلام کا جو مونیہ ہمارے سامنے ہمیشہ کیا ہے یہ وہ اسلام نہیں جو رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے پیش فرمایا ہے۔ وہ اسلام تو نعمات اور حصول
سلطنت کا دین ہے جس کے لیے علاقائی دنیا کا بھانڈا لازم ہے اور مونیہ نے جو اسلام پیش
کیا ہے اس میں ترک علاقائی دنیا لازم ہے جو بہانیت ہے اور دونوں میں جو فرق
ہے۔ جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو دنیا کی محبت اور اس
کے علاقائی ولی میں باقی رکھ کر نعمات اور حصول سلطنت کی ہرگز تعلیم نہیں دی۔ بلکہ
قلب کو صبر دنیا اور اس کے علاقائی سے پاک کرنے کے بعد جہاد کی تعلیم دی ہے۔
اسی لیے حدیث میں وارد ہے **واللہ اعلم بہن یقاتل فی سبیلہ اللہ فی**
ثوب جانتا ہے کہ اس کے راستے میں جہاد کرنے والا کون ہے، یعنی جو شخص نام
و نمود یا محنت قوم و رعیت وطن کے لیے قتال کرتا ہے وہ مجاہد فی سبیل اللہ نہیں۔
اب ہم کو بتلایا جائے کہ یہ درج اخلاص و طہوس کو کس شخص کو کچھ حاصل ہو سکتا ہے
جس کا دل صبر دنیا اور علاقائی دنیا سے پاک جس میں مونیہ جہاد فی سبیل اللہ کے
منکر نہیں بلکہ نام و نمود اور عرض نفسا کے لیے جہاد کے منکر ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ پہلے
ماہی وہ حالت بناؤ جو مجاہد کی حق دجالی لا تعلیہم جہاد و لا یبع عنہم و لا یلہ
واقام الملوۃ و اتیار الملوۃ یقاتل ینما یقلب فیہ القلوب و الابصار۔
وہ ایسے لوگ تھے جن کو بیع و شراء (اور دنیا کے تمام کاروبار) اللہ کی یاد سے
لغز کی پابندی سے رکڑ دینے سے فائل نہیں کرتے تھے۔ وہ اس دن سے
ٹوڑتے تھے جس میں انگلیں اور دل آٹ پٹ ہو جائیں گے **الذین مکنناہم فی**
الارضۃ قاحوا الصلوۃ و اتوا الزکوۃ و امروا بالمعروف و نہوا عن المنکر۔
یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو زمین پر سلطنت عطا کر دیں تو نماز کی پابندی کریں،
زکوٰۃ دیں، نیک کاموں کا اہم کریں۔ بڑے کاموں سے روکیں۔ یعنی جہاد سے ان کی
عرض معنی اللہ کا بولی بالاکر اور زمین کو فواش اور فساد سے پاک کرنا تھی۔
و فکر و النعمۃ اللہ علیک۔ انکشیہ اعداؤ فالعینیں قلو کیم فاصبحتموہم و اتوا

دیکھ ہے۔ ایک نے مدارس کو اور تبلیغ و اشاعت اسلام کے کسی کو بھی ہموکار نہیں۔ یہ جو دے شک خلافتِ سنت ہے۔ صوفیہ کو لازم ہے کہ اپنی خانقاہوں سے اصحابِ نمونہ قدسہ کو مختلف مقامات میں تبلیغ احکام و اشاعت اسلام کے لیے تعینات کریں۔

علماء پر فرض ہے کہ ایک جماعتِ مسلمین کی تباہی کے اطراف و جوانب میں روانہ کرتے رہیں جن کا کام تحصیلِ چندہ نہ ہو، بلکہ خدمتِ اسلام و تبلیغ احکام ہو۔ اگر اس فریضہ کو اچھی طرح ادا کیا جائے تو اُسید ہے کہ مکی زندگی مدنی زندگی میں تبدیل ہو جائے گی۔



اللہ رب العالمین اور اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ کچھ دنوں کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ترکِ ملائق اختیار فرمایا ہے۔ کمانِ بخلافی خارجِ اہم عقیدت چھوڑا۔ آپ بحوث سے پہلے غارِ حراء میں خلوت کے لیے جایا کرتے تھے۔ مسلمانوں کی کل زندگی تمام تر محاسبات اور ترکِ ملائق ہی میں گزری۔ جب یہ حالت پیدا ہو جائے کہ بیچ و شراب اور دُعا کا دوا بیکار اُتار دے لایا دے فاضل نہ کر سکے اور دستِ بیکار و دلی بے یار کی شان ہو جائے تو بزرگِ ملائق اور خلوت و غیرہ کی حاجت باقی نہیں رہتی بلکہ اب صوفیہ اس کو نہایت حق کی تعلیم فرماتے ہیں۔ فرمائیے اس میں کوئی سی بات ملائقِ سنت ہے؟

ف یہ تو قہرِ انوں کے مشبہ کا جواب تھا باقی اس میں شک نہیں کہ جہی صوفیہ کے طریقہ عمل سے ان نوجوانوں کو تعقوت پر اجتراح پیدا ہوا ہے وہ بھی تعقوت کی اصل حقیقت سے دور جا پڑے ہیں۔ انہوں نے بعض اذکار و اشغال و مراسمات ہی کا نام تعقوت رکھ لیا ہے۔ حالانکہ یہ امور مستحجہ بعض واجبات و فرائض کی تکمیل کے لیے تعقوت میں اختیار کئے جاتے ہیں۔

جب واجبات و فرائض میں شانِ احسان پیدا ہو جائے تو بزرگِ ملائق خاص وقتِ خلوت کا ملکہ کا مظاہرہ کر کے بقیہ اوقات میں واجبات و فرائض اور خدمتِ خلق بجالانا چاہیئے۔

جس کی صورت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہمارے لیے دو نمونے ہیں۔ ایک مکی زندگی دوسرے مدنی زندگی، جہاں سلطانِ برسرِ حکومت ہوں وہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدنی زندگی کو مشعلِ ماہ بتانا چاہیئے۔ جہاں برسرِ اقتدار نہ ہوں وہاں مکی زندگی کو رہبر بنانا چاہیئے اور ظاہر ہے کہ مکی زندگی میں بھی باوجود حکومت نہ ہونے کے جو بعض نہ تھا، بلکہ تبلیغ احکام و اشاعت اسلام میں سعی و سرگرمی برابر جاری تھی۔ یہ جو نمونہ اور علماء میں اس وقتِ جمودِ محض ہے کہ ایک جماعت سے خانقاہوں کو سنبھال

باب شصت و نهم

حدیث

الرؤيا في تعذيب العصاة

سمرقہ بنی جناب رحمی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غلام (بیچ) بیچ کر چھاری طرف توجہ ہو کر فرمایا کرتے تھے کہ تم میں سے رات کو کسی نے خواب تو مٹیں دیکھا ہو اگر کوئی دیکھتے تو خدا عزوجل کو دیا کرتا تھا آپ کو تعبیر ارشاد فرمایا کرتے۔ عادت کے خلاف ایک باور ہم سے پوچھا کہ رات کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے؟ ہم نے عرض کیا کوئی نہیں۔ فرمایا آج ک رات میں نے دیکھا ہے کہ دو شخص میرے پاس آئے اور میرا ہاتھ پکڑ کر اسی مقدس کی طرف لے چلے۔ دیکھتا رہا ہوں کہ ایک شخص بیٹھا ہوا ہے اور دوسرا کھڑا ہے اس کے ہاتھ میں لوہے کا ڈنڈہ ہے۔ اس بیٹھے ہوئے کے گلے کو اس سے چھریا ہے یہاں تک کہ گدی ٹٹک جا چکا تھا ہے۔ پھر دوسرے کتے کے ساتھ جی بھی معاملہ کر رہا ہے اور وہ خود اس کا درست ہو جاتا ہے پھر اس کے ساتھ ایسا ہی کرتا ہے۔ میں نے پوچھا یہ کیا بات ہے؟ وہ دونوں شخص بولے آگے چلو ہم آگے چلے۔ یہاں تک کہ ایک آدمی پر گزر رہا تھا جو لیٹ ہوا ہے اور اس کے سر پر ایک شخص بڑا بھاری پتھر لیے کھڑا ہے۔ اس سے اس کا سر زور سے چھوڑتا ہے۔ جب وہ پھر ملتا ہے پتھر ٹٹک کر ڈنڈہ جاگرتا ہے وہ اس کو اٹھانے کو مانتا ہے تو لوٹ کر واپس نہیں

ۛ مراد بیت المقدی ہے۔ قال الشارح ۛ

آئے پا کر اس کا سراپا غما جائیے پہلے تھا دیسے ہی ہو جاتا ہے اور وہ پھر اس کو
اسی طرح چھوڑتا ہے۔ یہاں سے پراچہ کیا کہنے؟ وہ دونوں بولے آگے چلو۔ ہم
آگے پہلے اور ایک غار پر پہنچے جو تھوڑی گرت تھا جس سے تھوڑا اور پر سے تنگ
سایا آگ بول۔ یہی ہے اور بہت سے ننھے مردار ننگی عورتیں اس کے اندر
(بہرے ہوئے) ہیں جس وقت آگ اُپر کو اُٹھتی ہے وہ سب بھی اُپر کو اُٹھتے
ہیں۔ یہاں تک کہ ننگے کے قریب ہو جاتے ہیں۔ جب آگ نیچے کو ٹیٹھ ماتی ہے
وہ بھی نیچے چلے جاتے ہیں۔ میں نے پوچھا یہ کیا ہے؟ وہ دونوں بولے آگے
چلو۔ ہم آگے پہلے یہاں تک کہ ایک سردی پر پہنچے جہاں میں خون بہ رہا ہے ایک شخص
اس میں کڑا ہے کمرے در میان کدوہ پر دوسرے شخص کڑا ہے اس کے سنانے
پتھر چڑے ہیں۔ جب وہ پلٹھ کتارہ کی طرف آئے اور نرسے نکلن چاہتا ہے
دوسرا اس کے کند پر پتھر مارتا ہے اور جہاں سے آتا ہے اسی جگہ لوٹا دیتا ہے۔
جب وہ نکلنے کا ارادہ کرتا ہے اسی طرح پتھر منڈ پر مار کر واپس کر دیتا ہے۔ میں
نے کیا یہ کیا ہے؟ بولے آگے چلو۔ ہم آگے چلے۔ یہاں تک کہ ایک سردی پر پہنچے
میں پہنچے جس میں بڑا درخت تھا اُس کی ٹوٹی میں ایک بزرگ جیشے ہوئے تھے۔
اُن کے پاس بہت سے بچے تھے اور درخت کے پاس ہی ایک اور شخص تھا جن
کے سامنے آگ تھا وہ اس کو ہڑکا رہا ہے۔ یہ دونوں مجھے لے کر درخت پر
چڑھے اور ایک گہر میں لگے جس سے زیادہ خوبصورت مکان میں نے نہیں
دیکھا اور اس میں بوڑھے اور جوان مرد بھی تھے عورتیں بھی تھیں بچے بھی تھے۔
پھر اُس سے نکال کر دوسرے گہر میں لگے، وہ پہلے سے مجھ زیادہ خوبصورت
تھا اس میں بھی کچھ بڑھے تھے کچھ جوان تھے۔ میں نے کہا کہ تم دونوں نے مجھے
رات بھر گھوما۔ اب یہ بتاؤ کہ میں نے جو کچھ دیکھا ہے یہ کیا تھا؟ بولے ہاں
اب بتاؤ۔ وہ شخص جس کا کچھ حیران رہا ہے وہ مجھ کو آوی ہے جس
کی نبوت بات لوگ سن کر تمام جہان میں پھیلاتے ہیں۔ اس سے قیامت ہے۔

یہی معاملہ ہوتا ہے گا اور جس کا سر پھڑا جا رہا ہے یہ وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کا علم عطا فرمایا۔ وہ اس کو جو بڑا کلمات بہتر سمجھتا ہے اور دین میں بھی عمل نہیں کرتا۔ اس سے قیامت تک یہی معاملہ ہوتا رہے گا اور جس لوگوں کو آپ نے توبہ میں دیکھا ہے وہ ذاتی ہیں۔ اور جس کو آپ نے ٹھونک کی نثر میں دیکھا ہے وہ خود غور ہے اور درخت کی جڑ میں جن بزرگ کو دیکھا ہے وہ ابراہیم علیہ السلام ہیں اور ان کے گرد جو بچے دیکھے یہ لوگوں کی اولاد ہیں (جو بچپن میں امتحان کر گئے ان کی پرورش حضرت ابراہیم علیہ السلام فرماتے ہیں) اور جو غصے آگ بھڑکا رہا ہے وہ مالک وادعہ جہنم ہے اور جس گھر میں آپ پہنچے گئے تھے وہ علم مذہب کا انتظام ہے اور یہ دوزخ گھر شہادہ کا ہے اور میں جبرائیل ہوں یہ دوسرے یہ مکمل ہیں۔ اب ذرا اپنے سر کو اوپر اٹھائیے۔ میں نے سر اٹھایا تو اپنے اوپر بادل کی طرح ایک چیز دیکھی۔ کیا یہ آپ کا گھر ہے۔ میں نے کیا۔ مجھے اپنے گھر میں جانے دو۔ کہا ابھی آپ کی کچھ عمر باقی ہے جس کو آپ نے پورا نہیں کیا۔ اگر آپ کی عمر پوری ہو جاتی تو اپنے گھر میں پہنچ جاتے۔

شعر ظہر حدیث بتلادہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ نماز کے بعد صحابہ سے دریافت فرمایا کرتے تھے کہ کسی نے خواب تو نہیں دیکھا؟ اور آپ ان کی غرابوں کی تعبیر بھی دیا کرتے تھے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جس کو خواب نہ اپنے اس خواب کو بیان فرمایا اس دن کسی نے کوئی خواب نہیں دیکھا تھا اس پر چند وجوہ سے کلام ہے۔

(۱۵۹) خواب کا اور اس کی تعبیر کا اہتمام بیان چند سوالات ہیں (۱) نماز سے ملاوچا نہیں نمازی ہیں یا کوئی ایک نماز۔

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ صحابہ کے خواب دریافت فرمایا کرتے تھے اس میں کیا حکمت ہے؟

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا یہ خواب کس لیے بیان فرمایا؟ جواب یہ ہے کہ بظاہر نماز سے بچنے کی غرض سے ہے۔ کیونکہ حدیث کے الفاظ میں دہائی مسجد القبلۃ دہیا۔ آج نوات تم میں سے کسی نے خواب دیکھا ہے؟ جنگ کی غرض کے بعد جی بولے جاسکتے ہیں اس سے یہ علمی مسئلہ بھی مستنبط ہوا کہ اہم نمازیوں کی طرف منہ کر کے اپنی جگہ پر بیٹھ سکتا ہے۔ اس میں کچھ حرج نہیں یہ بھی قیام کے قائم مقام ہے بلکہ (جہاں نمازوں کے بعد سنت ہو کہ نہ ہو ان میں امام کا اپنی جگہ پر نمازیوں کی طرف منہ کر کے بیٹھنا) یہی سنت ہے اس سے ان لوگوں کا رد ہو گیا جو کہتے ہیں زمام کو اپنی جگہ سے کھڑا ہونا لازم ہے۔ یہاں تک کہ مجھے متشقق امام نماز سے ناراض ہوتے ہی ایسے (گھبرا کر) کھڑے ہوتے ہیں جیسے کوئی چوٹ کی ٹکلیٹ سے کھڑا ہو تا ہے اور اس کو وہ دہی سمجھتے ہیں۔ مگر اگر اس طرح دو حکم اللہ تعالیٰ سے فوت ہو جاتی ہیں۔ ایک تو ان کا استقامت کرنا دینا جب تک نماز کی جگہ بٹھا رہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ملائکہ ہر اس شخص کے لیے استقامت کرتے رہتے ہیں جو اپنی نماز کی جگہ میں بیٹھا رہے جب تک حدیث نہ کرے وہ کہتے رہتے ہیں اللہم اغفر لہ اللہم اغفر لہ۔ اسے اللہ اس کی مغفرت فرما۔ اے اللہ اس پر رحم فرما۔ دوسرے اس مفت کی مخالفت ہوتی ہے جو اسی حدیث میں صراحت مذکور ہے کہ حضور جب نماز سے فارغ ہوتے ہمارے طرف منہ کر کے بیٹھتے تھے۔ اس میں یہ نہیں ہے کہ نماز پڑھ کر کھڑے ہو جاتے تھے۔ اگر حضور کھڑے ہو کر توجہ ہٹا کر تھے تو حدیث میں اس کا ذکر ضرور ہوتا کیونکہ حضرات صحابہ نے اس سے بھی چھوٹی باتوں کو بیان کیا ہے۔ مگر اہم آپ کی اقتداء کر کے اگر اس تک قیام ثابت ہوتا تو صحابہ ضرور بیان فرماتے۔ نیز ان میں جہاں جیسے مستقام علماء سے ملا ہوں ان کو نماز کے بعد قیام کرتے ہوئے نہیں دیکھا بلکہ وہ بدو قیام کے ہی لوگوں کی طرف منہ کر کے بیٹھ جاتے تھے وستم کہنا ہے کہ یہاں سے اکابر علماء کا عمل بھی علماء انہی کے مطابق ہے (۱۶)

معلوم ہو جائے جس کا پہلے اس نے علم نہ تھا وہ اس کے حق میں ایک نعمت ہے۔

دوسرا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی خواب بیان کرنا تو اس کی وجہ کا ہر ہے کہ آپ کا خواب وحی ہے۔ کیونکہ انبیاء و علیہم السلام کا ہر خواب باجماع علماء وحی ہوتا ہے اور وہی کو چھپانے آپ کو جائز رہتا۔ کیونکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کے لیے ایک حکم ہے اور حکم الہی کا پیچنا یا رسول اللہ پر لازم ہے۔ دوسرے اس خواب میں جیسا اللہ تعالیٰ ہم بتلائی ہے کہ ہمارے لیے بہت سے احکام مقرر ہیں اور فوائد مہم ہیں۔ تو حضور نے ان احکام اور فوائد پر (امت کو) مطلع کرنا چاہا۔

قرآن صلاۃ حل المراد بها المعصوم وحی الخمس اواحداۃ منھا فی قوله فاذا دالنا بآیاتہم لعلنا احکام والغزاد۔

ف بیان سے حریف کے اس عمل کی کہ وہ ہم اپنے متعلقین کے خوابوں کو اہتمام سے سنتے اور ان کی تعبیر دیتے ہیں اصل معلوم ہو چکی ہے کیونکہ جن لوگوں کا سلوک موافق نبوی طے ہوتا ہے ان کو حصول نسبت سے پہلے دنیا سے ممالی مادیات کو بکثرت نظر آتے ہیں۔ بعض دفعہ ان خوابوں میں عجیب عجیب معلوم اللہ ہوتے ہیں تو مشائخ ان خوابوں سے یہ کہہ لیتے ہیں کہ اس سالک کا سلوک سنت نبوی کے موافق ہے اور حریف اس کو نسبت مع اللہ حاصل ہو جائے گا۔ مگر اس میں شک نہیں کہ اس زمانہ فساد میں بیچنے والے کین جھوٹ بھی بولتے ہیں اور جھوٹے خواب مکر شیخ کے سامنے پیش کرتے ہیں اور بیچنے جھوٹ تو نہیں بولتے مگر ان کے خواب پریشانی خیزات ہوتے ہیں۔ اس لیے مشائخ اہل تحقیق آج کل کے خوابوں پر زیادہ قوت نہیں فرماتے۔ خصوصاً جب کہ یہ دیکھا جائے کہ لوگ اچھا خواب دیکھ کر ہی اپنے حسن حال پر قانع ہو رہے ہیں تو سختی کے ساتھ خواب پر توجہ کرنے سے منع فرماتے ہیں۔

حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہ فرماتے تھے کہ میں نے لوگوں کے ہزار ہا خوابوں میں سے ایک دو کو اس قابل پایا کہ اس کو خواب گناہ کے درجہ سب

دہا سوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس فعل پر دوام فرمانا کہ ہمیشہ روزانہ لوگوں سے یہ پوچھتے تھے کہ آج رات کسی نے خواب دیکھا ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ خواب افراد نبوت سے ہے۔ مگر اگر بزدل کے وجود سے کل کا وجود میں ہو جاتا۔ کل کا وجود جملہ اجزاء کے اجتماع سے ہوتا ہے۔ خشکی شخص کو رات کا ایک جزو یا دہا ہو جائے تو اس کو حافظ قرآن نہ کہا جائے گا۔ جب تک قرآن حفظ نہ ہو خوب سمجھ لو۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو اس کے اہتمام (اور غفلت) کی ترغیب دیتے تھے۔ کیونکہ جب حضور کو اس کا اہتمام تھا تو ہم پر آپ کا اتباع واجب ہے اگرچہ خواب نبوت کے اجزاء میں سے بھی نہ ہوتا چہ جائیکہ وہ نبوت کے اجزاء میں سے ہے (خواب تو زیادہ اہتمام چاہیے)۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اور مسلمانوں کے لیے ابتداء شریعت سے ہوئی ہے۔ کیونکہ نبوت سے (۶۰۰) پہلے آپ سوتے ہوئے اپنے خواب دیکھتے تھے (جو کہ نبوت کی تفسیر تھی) جیسا کتاب کے شروع میں پہلی ہی حدیث سے معلوم ہو چکا ہے۔ وحسن العبد حسن الایمان اپنے رفیق سے اچھا براؤ کرنا بھی ایمان میں داخل ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر حسن حمد کی (رعایت) کرنے والا کون ہو گا؟ آپ کا ایمان تو سب سے زیادہ قوی اور کامل ہے۔ رہا آپ کا (خواب شن) کہ تعبیر دینا ہوس اس میں صحابہ کو تسلیم تھی۔ ان کو تعبیر خواب کا طریقہ بتلانا تھا۔ کیونکہ جس کو یہ علم آجائے وہ بھی اس کے حق میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے۔ جیسا حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ دیکھا صحابہ علمنی دینی یہ علم (تعبیر) ان علوم میں سے ہے جن کی میرے رب نے مجھے تعلیم دی ہے اور انسان کو جو بات خدا ہی دہی کہ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ آخر تک شیعہ ہاتھ میں رکھتے رہے۔ کسی نے چوا کہ حضرت اب تو آپ کو تفسیر کی حاجت نہیں رہی تو فرمایا اسی کی برکت سے تواجبت میں یہی فرمایا اس رفیق کو پھر مردوں کا حکم قال ۱۷

خواب میں ایسی ترقی ہوتی ہے جو ریاضت و مجاہدہ سے بھی نہیں ہوتی۔ ان پر خواب میں علوم و کمال کا عالم ہوتا ہے۔ چنانچہ آج کل میرے اوپر خواب میں علوم کا اتنا ہوتا ہے۔ چرنایا کر یہ ترکیب تبلیغ (بظرف خاص) بھی خواب میں مجھ پر کشف ہوئی تھی۔

(۱۶۰) گناہ کا خیال آنے پر ان وعیدوں کو یاد کرنا چاہیئے

اس حدیث میں ان لوگوں کے لیے جن کو اس پر ایمان اور تصدیق حاصل ہے ایک بڑا فائدہ ہے بشرطیکہ تصدیق حقیقی ہو دیکھتے ہیں کہ وہ حضور کے اس خواب کو دیکھتی تھیں ہوں (وہ فائدہ یہ ہے کہ اگر کسی وقت نفس یا شیطان کی طرف سے آواز آئے ہوں میں سے میں کا فساد یا اس مذکور ہے کسی گناہ کا ارادہ دل میں آئے اس وقت اس پاکت خیر منظر کو یاد کرے تو نفس سرکش سے ٹک جائے گا اور ایسے ہی فائدہ کے لیے رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے ہم کو اس تفصیل سے مطلع فرمایا ہے۔ کہ جو شخص کو خواب کا مضمون اجمالی علم ہو مقدار و کیفیت کی خبر نہ ہو وہ اس کے برابر نہیں جو تفصیل سے باخبر ہے اس کو پہلے سے زیادہ خوش ہوگا۔

چنانچہ ایک عابد نامہ کا فقر بیان کیا جاتا ہے کہ ان سے بعضے شیطان آدمیوں کو مدد تھا وہ ان کی بارگاہ حالت سے (دل و دل میں) ملتے تھے تو چاہا کہ (کسی ترکیب سے) ان کو لوگوں کی نظروں سے گرا دیں تو انہوں نے ایک بہت ہی حسین جیل حضرت کو (اس کام کے لیے) تیار کیا۔ اُس کو خواب میں پڑھادی کہ تو پہلے اس سے یہ کہنا پھر آہستہ آہستہ اپنی طرف مائل کرنا اس کے بعد اُس کو باخبر کر عابد کے پاس لے گئے (اور وہاں جا کر) آپس میں منگھڑنے اور لڑنے لگے جسے یہ عورت انہیں سے ایک کی بیٹی ہے اور اُس کے ہار سے میں جھگڑتا ہے (خوش ہو کر تباہ ہے کہ اس کو میرے گھر کیوں نہیں بھیجتے؟) آپ کتابت کہ اسی پر رخصت کے قابل نہیں اور تو نے بھی تو میری شریفی پوری نہیں دیکھی تو

اشفاق و احسان و عفو و غفالت ہی پاسے۔ اور
یعنی مجھے ہمارے ساتھ جو اپنے زمانہ کی حالت سے واقف نہ تھے محض سنت و عقیدہ پر اپنے متعلقین کے خواب روزانہ انہماک سے سننا کرتے تھے اور ان کے متعلقین ایسے جو سنت و عقیدہ روزانہ قطعیت کیا کرتے تھے کہ ہم کے نہ مرنے پاؤں۔ مگر وہ سب کی تصدیق کرتے تھے اور اگر کوئی مرے یہ کہنا کہ میں نے خواب میں غلام بزرگ کو دیکھا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اپنے ہر سے سختی رقم لے کر ہمارے مزار پر آؤ تو یہ حضرت فرما دے کہ اس کے والد کو دیتے تھے۔ میں خواب کے معاملہ میں کسی کو اس قدر بھلا نہ بننا چاہیئے۔ اگر حکیم الامت کے سامنے کوئی ایسا خواب بیان کرنا۔ اقول تو کسی کو اس قسم کی جرأت ہی نہ تھی تو وہ یقیناً یہ جواب دیتے کہ وہ بزرگ جب خود مجھے حکم دیں گے اس وقت رقم دوں گا۔ اس کی کیا وجہ ہے خواب میں تم سے تو کہہ گئے اور مجھ سے کچھ بھی نہ کہا۔

ف اللہ کی نعمتوں کو چھپایا نہیں جاسکتا بطور شکر کے ان کا اظہار لازم ہے و احسان و عفو و غفالت۔ اسی لیے اللہ شانے کی اس نعمت کا اظہار کرتا ہوں کہ اس ناچیز کے خوابوں کی بابت حضرت اقدس سیدی مرشد مولانا غنی احمد صاحب قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ ماشاء اللہ مولوی ظفر احمد کے خواب تو واقعات ہوتے ہیں اور حضرت سیدی حکیم الامت نور اللہ مرقدہ نے بندہ کے بعض خواب اپنی مجلس میں بطور استدلال کے بیان فرمائے اور متعدد خواب رہبت الساکت میں نقل کرائے ہیں اور الحمد للہ کہ بدھ کوئی تعالیٰ نے علم تعمیر سے بھی مناسبت عطا فرمائی ہے۔ الحمد للہ الحمد للہ الحمد للہ انشکرمہذا کہیں دیکھا منتخب و قرضی۔

ف مولانا محمد ایاکس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مرغن و غات میں مجھ سے فرمایا کہ مولانا ایسی تدبیر کر دو کہ مجھے نیند آئے تو کہو کہ آج کل مجھے نیند آتی ہے اچھا خواب آتا ہے اور اچھا خواب ہوتے کا چالیسویں حصہ ہے۔ بعض لوگوں کو

پھر لڑائی جھگڑے کے بعد عابد کے پاس آئے (اور کہنے لگے) کہ حضرت آج ایک رات کے لیے آپ اس لڑائی کو اپنے گھر کے ایک کونہ میں جگہ دے دیں لے کو جب ہمارا فیصلہ ہو جائے گا ہم آئے سے جائیں گے اور اسی قسم کی دوسری باتیں بنائیں۔ عابد نے انکار کیا تو یہ لوگ اصرار پر ہمارے گئے۔ یہاں تک کہ (مجبور ہو کر) عابد نے ان کی بات مان لی اور حضرت کی صورت تک نہ دیکھی (دیے) ایک ہاتھ دیکھے اُسے کہہ دیا کہ جا گھر میں کسی جگہ آرام کر۔

جب رات زیادہ گزر گئی اور یہ عابد برابر اپنی عبادت میں مشغول رہا (حضرت کی طرف تو رات بھر انتہات نہ کیا) تو وہ بناؤ سنگھڑے ساتھ نیند اُس کے پاس پہنچی اور یہ ظاہر کیا کہ مجھے تو گھر میں تنہا ندر لگتا ہے۔ آپ کے پاس تنہا رہنا چاہتی ہوں۔ مقصود یہ تھا کہ اپنا چہرہ عابد کو دکھائے اور نہ کھول کے اُس کے پاس بیٹھے (تاکہ صورت دیکھ کر اس کی شہوت کو بجھان ہو) چنانچہ پاس بیٹھ کر اس نے (دوسرے گھر کی باتیں کر کے) عابد کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا۔ پھر کچھ گفتگوں میں مقصود ظاہر کر دیا (کہ میں تو آپ پر عاشق ہوں) تنہا سے وصل مجھے یہاں کبھی نہ کرا لائی ہے۔ یہ لڑنے جھگڑنے والے میرے باپ یا شوہر کہہ نہیں ہیں بلکہ سب میرے دوست آشنا ہیں۔ میں نے ہی ان سے درخواست کی تھی کہ اس بھلے سے مجھے آپ تک پہنچا دیں (اور یہ حیاتی کے کلمہ پر اُس کو بھلے نہ لگی۔

جب عابد نے اُس کی طرف سے اس قسم کی کوشش (اور کوشش) دیکھی تو کہا اچھا بخیر ڈی دیر کے لیے نیند دے۔ پھر پڑاؤ میں تیل ڈالا اور اس میں مٹی سی بجی ڈالی۔ جب اس کی توتیر ہو گئی تو اُس میں اپنی آنکھیں دے دی اور کچھ دیر تک برابر اُسے آگ میں رہنے دیا جب آنکھیں خوب جلنے لگیں اور آگ کی شعلہ ناک تاباں برداشت ہو گئی تو عابد بیخبر مار کر بے ہوش ہو گیا۔ عورت پر اُس کی اس حالت سے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اُس کے سچے معاملے سے قریب طاری ہو گیا اور وہ بھی گناہ کے عذاب سے بچ کر گئی۔

جب تک ہوئی اور وہ شیطان آدمی اُسے اپنی ساتھ لے گئے تو رات کی کیفیت دریافت کی (عورت نے سارا ماجرا سنا دیا) اور بتلادیا کہ واقعی اس شخص کا معاملہ خدا کے ساتھ سچا ہے اس کو پریشان کرنا اچھا نہیں (تو وہ شیطان بھی اپنے ارادہ سے باز آگئے دیکھیے) (اسی مضمون کو) شعر میں اس طرح ادا کیا ہے۔
 نفسی علی العبد دلیس تقویٰ ولا علی ایسر الحسارۃ
 فکلف تقویٰ لحد ندام وقودھا الناس والحجارۃ
 میرے نفس کو ذمہ دہی کی سہار ہے نہ تقویٰ ہی گرمی کی۔ تو اس کو اُس آگ کی کیونکر سہار ہوگی جس کا ایندھن آدمی ہیں اور پتھر۔

قرنہ ولیہ فائزۃ کبرف القلوب والاس والحدارۃ۔
 فحوت موفیہ کرام کی یہ تعلیم ہے کہ جب گناہوں کی طرف نفس کا میلان ہو تو ان آیات و احادیث کا مطالعہ کیا جائے جس میں گناہوں پر عید اور عذاب شدید مذکور ہے اور نفس پر یاس و قنوط کا غلبہ ہونے لگے تو آیات رحمت اور ثواب جنت کو یاد کر کے خوف کو معتدل کرنا چاہیے۔ یہ حدیث ان کی موفید ہے۔

۱۳۷) قیام لیل واجب ہے یا مستحب
 حدیث کا یہ جملہ کہ میں کا
 مرہوڑا ہمارا ہے یہ وہ
 شخص ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کا علم عطا فرمایا ہے تو وہ رات کو اس سے اعراض کر کے سوتا ہے اور دن میں بھی اُس پر صل نہیں کرتا قیامت تک اُس سے یہی معاملہ ہوگا کہ وہ گناہ کا عمل اشکال ہے۔ سوال یہ ہے کہ قیام لیل
 عہ وقود کا ترجمہ کونسا ہے؟ یہ کہ کیا جانا ہے؟ اسکا صحیح ترجمہ یہ ہے جس سے آگ ہو گئی
 جاتی ہے جیسے شیشی اور دیر تک بجتی رہے جو جس طرح تونیاں آگ میں جڑیں سے لگتی ہے وہ جڑیں آگ
 آگ سے جدا ہوتی ہیں جیسے شیشی ہے۔ عورت اللہ عز وجل سے غیباً جدا ہو کر نکلنے والی ہے۔
 العافیۃ من العزیز الخلاق للذی لا یزال یحییٰ الاممین ۱۳۷۔

مستحب کا چھوڑنا تو گناہ کی سی قسم میں داخل نہیں اور مختلف فیہ مستحب کا چھوڑنا ایک قبیح بر تو کچھ نہیں مگر وہ سرے قویٰ پر گناہ کیسہ ہے) اس لیے ہم نے ترک قیام میل کو ضامن نہیں شمار کیا ہے۔ اگرچہ اکثر علماء کے نزدیک وہ مستحب ہے، مگر بعض علماء اس کو واجب بھی کہتے ہیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن (سب سے پہلے) بندہ کی نماز کو دیکھا جائے گا۔ اگر اس کو راجحی طرح، بجا نہ آیا ہو تبھا اور اگر نماز میں نقص ہو تو اللہ تعالیٰ اسے شوق سے) فرمائیں گے۔ میرے بندہ کے اس عمل کو راجحی طرح دیکھو۔ اگر اس نے کچھ فرائض بھی ادا کئے ہوں تو ان سے اس کی نماز کی کمی کو پورا کر دو۔ اسی طرح تمام اعمال کے ساتھ معاملہ ہو گا کہ اگر فرائض کو کامل طور سے ادا کیا گیا جو اور اس میں کسی کو نواقص موجود ہوں ان سے فرض کی تکمیل کر دی جائے گی اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے (یعنی فضیلت و رحمت کا معاملہ ہے)۔

تو جب اس شخص نے قیام میل کو ترک کر دیا جس سے ان نمازوں کی تکافی ہو سکتی تھی جو اس نے دن میں خانے کی قمیص تو ترک قیام میل پر عذاب دیا گیا۔ کیونکہ اس نے وہ کام نہیں کیا جس سے فرض کی تکافی ہو جاتی تو اس پر عذاب ہونا دراصل اس کی ذات کی وجہ سے نہیں بلکہ عذاب تو درحقیقت فرض کے نقصان پر ہو گا مگر قیام میل سے اس نقصان کی تکافی ہو کر عذاب مٹ جاتا ہے۔ جب عذاب کو مٹنے والا کام بھی نہ ہو تو اسی کی طرف عذاب کو منسوب کر دیا گیا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :-

اِنَّ تَاشْتَعِی الْعِیْلَیَّ اَشْدُّ وَطَاقِیْ اَقْوَمَ قَبِیْلًا -

وہ رات کا آٹھن (نفس کو بہت پامال کرنا ہے اور بات کو بہت صاف اور سیدھا) کرنا ہے۔

(تجربہ ہے کہ رات کو کھٹنے میں بڑا مجاہدہ نفس پر ہے اور اس وقت جو

رات کو بوجھنا، کے نماز میں قرآن پڑھنا) مستحب ہے اور ترک مستحب پر عذاب نہیں ہوتا تو ترک قیام میل پر عذاب کیسے ہو گا؟

جواب یہ ہے کہ قیام میل کے واجب ہونے (دہونے) میں علل کا اختلاف ہے۔ بعض اس کے وجوب کے قائل ہیں مگر وہ بذر فرائض ناقد کو واجب کہتے ہیں دہنا وہ نہیں قدر فرائض ناقد اس حدیث کو کہتے ہیں جس میں دودھ نہ ملنے سے پہلے اونٹنی کے بچہ کو خن سے لگایا جاتا ہے تاکہ وہ دودھ نہ اٹا سکے۔ پھر چلنے سے اس کو الگ کر دیتے ہیں اور یہ مدت عادت و تہہ منٹ سے زیادہ نہیں ہوتی جس میں کم از کم دو تین رکعت ادا ہو سکتی ہیں۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے ناہد من قیام باللیل ولو قد فراقنا قیام میل ضروری ہے اگرچہ فراق ناقد کے برابر ہو) اس قول پر تو کسی سوال اور بحث کی ضرورت ہی نہیں بلکہ یہ حدیث بھی ان علماء کی ایک دلیل ہے (جو قیام میل کو واجب کہتے ہیں)

ایک جماعت کا قول یہ ہے کہ قیام میل مستحب ہے۔ مجبور (فقیہ و علماء) اسی طرف ہیں۔ اس قول پر یہ شک وہ سوال وارد ہو گا کہ ترک مستحب پر عذاب کیوں ہو گا؟ ماسوائے کے دو جواب ہیں۔

ایک یہ کہ جب کسی کو کھار پر عذاب ہو گا تو ان کے ساتھ صغائر بھی عذاب ہو گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :-

اِنَّ تَجْتَنِبُوا کَابِیْرَ مَا تَعْصُوْنَ عَنْهُ فَکَفِّرْ بِکُمْ سِیْئَاتِکُمْ -

وہ اگر تم ان بڑے گناہوں سے بچتے ہو جو تم کو کھار کیا جا رہا ہے

تو ہم تمہاری سیئات (صغائر) کو معاف کر دیں گے۔

جس سے (بطور منہوم) مخالفت کے) معلوم ہوا کہ اگر کبیر سے بچا گیا تو (صغائر معاف نہ ہوں گے۔ کیوں کہ ان کے معاف ہونے کی شرط کبیر سے بچنا ہے بلکہ اس ضرورت میں) سب پر عذاب ہو گا اور متفق علیہ مستحب کو چھوڑنا مختلف فیہ مستحب کے چھوڑنے کے برابر نہیں (بلکہ دونوں میں فرق ہے متفق علیہ

تیسرے وقت کے نظر آتے تھے اسی طرح معراج جہانی سے پہلے خواب میں چند بار معراج روحانی ہوئی ہے تاکہ طبیعت معراج جہانی کی شکل ہو جائے۔ یہ حدیث بھی غالب معراج روحانی سے مشتق ہے اور معراج جہانی سے پہلے قیام میں ہی فرض تھا۔ جیسا مسودۃ الخضر میں کی تفسیر سے واضح ہے۔ معراج جہانی کے بعد جب پانچ دن تک کئی روزی قیام میں کی کریمت منور ہو گئی۔ پس اگر مان لیا جائے کہ یہ عذاب ترک قیام میں ہی کی وجہ سے ہو تو یہ حکم اس وقت ہے جبکہ قیام میں فرض تھا۔

اور چنانچہ جواب یہ ہے کہ قیام میں حضور کے نزدیک بھی واجب ہے مگر قیام میں سے نماز تہجد نہیں جو عشاء کے بعد کچھ دیر سو کر جاگنے کے بعد ادا کی جاتی ہے۔ کیونکہ حدیث شریف میں وارد ہے ما کان بعد العشاء فہو من قیام اللیل۔ نماز عشاء کے بعد جو نماز بھی ہو وہ قیام میں شامل ہے اور نماز عشاء کے بعد نماز وتر عشاء کے نزدیک واجب ہے، تو جو شخص عشاء کے بعد نماز وتر ادا کرے گا اس کو تاک قیام میں نہیں کہا جائے گا۔ تاک قیام میں وہ ہے جو عشاء پڑھے اور وتر نہ پڑھے۔ عشاء کے علاوہ دوسرے ائمہ نے اگرچہ وتر کو واجب نہیں کیا مگر فراتین کے بعد اگر کسی شخص نے تمام سنتوں سے زیادہ ترک کر دیا ہے جس کے ترک کی وہ بھی اجازت نہیں دیتے تو اشکات صحن نقی ہے۔ تمام سنن عشاء سے زیادہ ترک کر دینے ہوگی وہ واجب ہی ہوگی۔ پس وعید ترک تہجد پر نہیں ہے ترک واجب پر ہے۔

ہمارے اکابر حضرت قاضی شاد رحمہ اللہ صاحب پانی پتی رحمہ اللہ علیہ نے درالہ مالادہ منہ میں نماز تہجد کو سنن مؤکدہ میں شمار کیا ہے اور معاملتہ نبویہ سے اس پر استدلال کیا ہے اور غالباً اُن سے پہلے ابن ہمام نے بھی یہی کہا ہے۔ حضرت علیہ السلام قس صرف کاجی کچھ مدت تک ہی قری تھا۔ لیکن جب احقر نے اعلیٰ آسمان میں دلائل سے ثابت کیا کہ یہ قول غلط اجماع ہے۔ فقہاء

کچھ بڑھا جاتا یا ڈھکا جاتی ہے یا تو کر کیا جاتا ہے سب دلی سے نکلتا ہے اس لیے قیام میں کی بڑی فضیلت ہے اور عمل ایسا ہے جس سے فرض نمازوں کی کوتاہی کی تلافی ہو جاتی اور عذاب میں جاتا ہے تو جس نے فراتین میں کوتاہی کر کے اس فعل میں تہجد کو بھی ترک کر دیا ہو اس کے عذاب کو ترک فرض کے ساتھ اس تہجد کے ترک پر بھی حال کیا جائے گا، اور جب جواب زیادہ ظاہر ہے۔ واللہ اعلم؛ اسی لیے علماء نے ہر فرض کے ساتھ اسی نوع کے نوافل کی تکمیل کو مستحب فرمایا ہے۔ کیونکہ ممکن ہے فرض میں کچھ کمی رہ جائے (قرآن و اہل سے پڑھ کر دیا جائے)۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ قیام عشاء باللیل (وہ رات کو قرآن سے اعراض کر کے سوتا ہے) کا مطلب یہ ہے کہ وہ سو کر رات کی غلابی قسمت کرتا ہے تو کوئی عام ہے مگر راد خاص ہے یعنی قیام میں مستحب کا ترک مراد نہیں بلکہ نماز فرض کا ترک مراد ہے کہ رات کو قرآن کے احکام سے اعراض کر کے عشاء سے پہلے سو رہتا ہے اور جب کے بعد تک سوتا رہتا ہے۔ نہ عشاء کی نماز پڑھتا ہے نہ بیچ کی۔ اس صورت میں عذاب ترک فرض پر بخلاف ترک مستحب پر۔

چوتھا جواب یہ ہے کہ قصور و بیہوشی کے یہ ہے کہ اس شخص کو خدا نے قرآن کا علم دیا تھا پھر وہ دنوں میں اس پر عمل کرتا تھا نہ رات میں لہذا یعنی فیہ بالانذار سے دن میں عمل نہ کرنے کو بتلایا گیا اور نام عشاء باللیل سے رات میں عمل نہ کرنا مراد ہے۔ کیونکہ کسی چیز سے اعراض کر کے سو رہنا کمال ترک پر دلالت کرتا ہے۔

قوله وهناحيث وهو كيف يقم العذاب على قوله القيام بالليل الى قوله لانه ابلغ في التلويح۔

اور پانچواں جواب یہ ہے کہ یہ حدیث معراج جہانی سے مقدم ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح نبوت سے پہلے تھے خواب بطور

ادب میں سے کوئی بھی اس طرف نہیں گیا جملہ فہماء نے تہجد کو فوافل میں ہی شمار کیا ہے اس لیے بولے گنا چاہئے کہ تہجد تو سنت غیر مرکبہ ہے مگر قیام لیل بقدر وتر واجب ہے تو حضرت نے اس تحقیق کو پسند فرمایا۔ اہل علم اس بحث کو تفصیلاً اعلام السنن میں طالعہ فرامیں گے تو زیادہ کلمات آئے گا۔

ف اس میں شک نہیں کہ عریفہ کو تہجد کا بہت زیادہ اہتمام ہے اور اسی لیے حدیث کے اس فائدہ پر تہجد کر دی گئی کہ اسی سے عریفہ کے اہتمام کا دلیل نکلتی ہے۔ اُن کا قائل ہے کہ جس کو جو نعمت ملی ہے وقت تہجد ہی میں ملی ہے۔ عارف فرماتے ہیں۔

وَدُش وَدَقِ حَزْزُ فَعْرِ تَهْجَمِ دَاوِدَ

وَدُرَانِ خَلَّتْ شُبَّ آبِ حَیَاتِمِ دَاوِدَ

اس لیے تہجد کا اہتمام ضرور کرنا چاہئے۔ اگر کچھ عبادت کو اُن کے کی ہمت نہ ہو تو عشاء کے بعد ہی کچھ نفلیں زیادہ پڑھ لی جائیں کہ اگر تہجد حاصل نہ ہو تو قیام لیل ہی حاصل ہو جائے۔ قیام لیل اور تہجد کا ثواب قریب ہی قریب ہے۔ قرآن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قیام لیل کا بھی امر ہے۔ یا ایہا المؤمنین قعد امین الاقلیلا۔ اور تہجد کا بھی امر ہے۔ ومن اللیل فہجد بہ نافلۃ کثرت۔ تہجد یہ ہے کہ عشاء کے بعد کچھ دیر سو کر بیدار ہو جائے اور وضو وغیرہ کر کے نماز میں مشغول ہو جائے۔

قیام لیل کے لیے عشاء کے بعد سونا ضروری نہیں۔ فریضہ عشاء کے بعد جو نماز بھی پڑھی جائے گی قیام لیل میں داخل ہوگی۔ اس میں شک نہیں کہ قیام لیل کی افضل عورت تہجد ہے۔ مگر جس کو سونے کے بعد بیدار ہونے کی ہمت نہ ہو اُس کے لیے عشاء کے بعد ہی کچھ نفلیں پڑھ لینا مناسب ہے کہ یہ بھی قائم مقام تہجد کے ہے۔ چنانچہ حضرات صحابہ نے قیام لیلیٰ ورمضان (تراویح) کے لیے عشاء کے بعد ہی کا وقت دکھا۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

قیام رمضان کو عشاء میں کیا تھا مگر چونکہ سب لوگوں کا عشاء میں جمع ہونا دشوار تھا اس لیے تراویح کا وقت بعد عشاء کے دکھائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ عشاء کے بعد نفلیں پڑھ لینا بھی تہجد کے قائم مقام ہے اگرچہ اُس کے برابر نہ ہو۔ تو بے افضل عورت کی ہمت نہ ہو اُسے بالکل بھی تو تہجد سے محروم نہ ہونا چاہئے۔ اور پہلے ایک حدیث گزرنے لگی ہے کہ جو شخص رات کو سورۃ البقرہ دو آیتوں کے ساتھ قیام کرے تو یہ دو آیتیں اُس کے لیے تمام رات کے قیام سے کفایت کر دی گی۔

تو جو لوگ عشاء کے بعد تہجد پڑھنا چاہیں اُن کو دو رکعتوں میں سورۃ البقرہ کی یہ دو آیتیں بھی ضرور پڑھ لینا چاہئیں (اُن رسول سے آخر سورۃ تک) انشاء اللہ وہ تمام رات کی شب بیداری کرنے والوں میں داخل ہوں گے۔ بشرطیکہ حدیث پر سچے دل سے یقین و اعتماد ہو۔ اسی واسطے میں نے لفظ انشاء استعمال کیا ہے ورنہ مجھے بیکہ اللہ اس میں نوابھی شبہ اور شک نہیں۔

(۶۲) علم کو حال بنانا چاہئے جس کا طریقہ یہ ہے کہ اُس کو

ہر دم مستحضر رکھے اس حدیث کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس میں جو کچھ وعدہ اور وعید مذکور ہے اُس پر ایمان (اور یقین) کیا جائے اور بہانے کا سامان کرنے کے لیے کام کیا جائے۔ اسی فائدہ کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو اس کے معنایں پر مطلع فرمایا۔ اسی وجہ سے اہل طریق (صوفیہ کرام) کو دوسروں پر فضیلت حاصل ہے۔ کیونکہ وہ علم کو حال بناتے ہیں کسی حدیث یا آیت کو پڑھ کر ہر مری طور سے نہیں گزر جاتے بلکہ اُس میں اس قدر تامل اور فکر کرتے ہیں کہ وہ دل پر دم جاتی اور دم اُس کا مضمون مستحضر اور شبی نظر رہتا ہے۔ علم کو حال بنانے کا یہی مطلب ہے اس کا ثمرہ یہ ہوتا ہے کہ قلب اُس حدیث یا آیت کے اثر سے رنگین ہو جاتا ہے

اور یہی علم سے مقصود ہے ورنہ محض لفظی علم ہوگا۔

چنانچہ ایک طالب علم کا واقعہ ہے کہ وہ صحت دہلی تک اپنے شیخ (کی مجلس) سے غائب رہا پھر ایک مدت کے بعد آیا تو شیخ نے فرمایا برخوار! اتنی مدت تک ہم سے دور دور کیوں رہے؟ کہا حضرت میں نے آپ سے دو آیتیں سنی تھیں اُن پر عمل کر رہا تھا کہ اُن کو اپنا حال بناوں۔ چنانچہ میں نے اس عرض کے لیے نفس کے ساتھ مجاہدہ کیا۔ یہاں تک کہ خدا نے تعالیٰ نے مجھ پر فضل فرمایا اور اُن دو آیتوں کو میرا حال بنا دیا یا اسی کے قریب کچھ اور اضافہ تھے۔ شیخ نے فرمایا برخوار وہ دو آیتیں کون سی ہیں؟ کہا۔ ایک تو یہ آیت ہے: فمن يعمل مثقال ذرة خيرا يره ومن يعمل مثقال ذرة شرا يره جزاء برابر سُن کرے گا اُس کو دیکھ کرے گا اور جزاء برابر بدی کرے گا اُس کو بھی دیکھ لے گا۔

دوسری آیت ہے وصامن جالبہ فیہ ﴿رحمٰن الرحیٰم﴾ اللہ مذقھا ویسلہ مستقرا و مستودعھا۔ زمین میں پلنے والا کوئی جائز نہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کے دسے اُس کا نذق ہے اور اللہ تعالیٰ جا غائب ہے اُس کے قہر کی جگہ کو بھی اندام اُس کی دولت گماہ کو بھی (جہاں وہ بطور ممانعت رہتا ہے)۔

بعین نے مستقر کی تفسیر میں اس کے معنی سے اور مستودع کی تفسیر باپ کی پشت سے کی ہے اور ہو سکتا ہے کہ مستقر سے مراد وہ گھر ہو جہاں انسان صحت کو قرار پکڑتا ہے اور مستودع سے مراد جہاں وہ دفن ہو جہاں مرنے کے بعد رکھا جائے گا۔ واللہ اعلم۔ تو میں نے نفس کے ساتھ اس بات کے لیے مجاہدہ کیا کہ نیک کاموں کا التزام کرے اُن میں سے وہ برابر بھی نہ چھوٹے پاسے اور میرے کاموں کو چھوڑ دے۔ اُن میں سے وہ برابر کا بھی ارتکاب نہ کرے اور میں نے یقین کے ساتھ جان لیا کہ زمین پر چلنے والوں میں سے ایک جائز میں بھی ہوں تو میرا نذق اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ وہ مجھے بھی جانتے ہیں اور میرے

تھکنے کو بھی تو اب میں نے نذق کے ساتھ نفس کے تعلق اور لگاؤ کو قطع کر دیا اور تعالیٰ کے وعدہ کیلئے مجھ کو سکھ کر کے۔ کیونکہ وہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتے چنانچہ حق تعالیٰ عزوجل نے اب میرے لیے نذق کو آسان کر دیا ہے۔ وہ اپنے حسن نعت اور وعدہ کے کوافی کئے ورنہ نذق پہناتے ہیں۔

شیخ نے کہا برخوار میں! ہمارا حکم تو عابدین سے فوقیت لے گئے۔ آغاؤں کا غلاموں سے یہی تو مقصود ہے کہ غلام اپنے آغا ہی کے ہو کر رہیں اور اور نصرت نہ کریں مگر اسی لیے کسی کئے والے نے کہا ہے۔

اذا کانت وعدتک بالفرق لا یخلفک وظیفک الامر من غیرہ لا یعوت
فحبس تصدیق وعدہ لا یخلفک واشتغال بامر غیرہ منی لا یعوت۔

جب نذق کے تعلق اللہ تعالیٰ نے تجھ سے وعدہ غلطی میں کر سکتے اور کسی دوسرے سے بھی کوئی چیز طلب نہیں کی جاسکتی تو مجھے اُس وعدے کی تصدیق کافی ہے جو خدا سے نہیں ہو سکتا اور اللہ مایوسہ اللہ تعالیٰ کے کام میں مشغولی میری طرف سے نہیں ہوگی۔

ف۔ صاحب حال کے لیے تاک اسباب ہونا ضروری نہیں

علم کو حال بنانا تو سب کے نزدیک ضروری ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ حدیث و قرآن کے وعدے اور وعید میں دل پر ہم جانتا کہ ہر دم مستحضر اور پیش نظر رہیں، مگر حال کا یہ الزام ہر صاحب حال تاک اسباب بھی ہو جاسکتا ہے ضروری اور لازم نہیں۔ حضرات صائب سے زیادہ کامل یقین کون ہو سکتا ہے؟ مگر تم دیکھو کہ اگرچہ صاحب بلکہ قریب قریب تمام تر صاحب اسباب معاش میں مشغول تھے۔ کوئی تاجر حق کوئی کاشت کار، کوئی صنعت و حرفت سے روزی کما تھا کوئی بیت المال سے وظیفہ لیتا تھا۔

ہر حال شریعت کا یہ مقصود نہیں کہ مشلمان اُن اسباب معاش کو ترک کر دیں

ظن غالب یہ ہے کہ اس کے اہل و عیال کو ترک اسباب سے پریشانی کا سامنا نہ ہوگا اور ان احکام کا مدار ظن غالب ہی پر ہے۔

(۷) اگر کسی کے ترک اسباب سے اس کے اہل و عیال کو تنگی اور پریشانی فائدہ وغیرہ کی پیش آنے لگے تو اس پر اسباب میں مشغول ہونا واجب ہے۔ مگر یہ کہ اہل و عیال سب بالغ ہوں اور وہ بھی اس کی طرح صاحب حال ہوں تنگی اور فائدہ پر راضی ہوں تو اور بہت ہے۔ اگر وہ اس پر راضی نہ ہوں تو ان کو اپنی خواہشات پر مجبور کر کے پریشان کرنا جائز نہیں بلکہ اسباب کا اختیار کرنا واجب ہے۔ اگر ایسا نہ کرے گا گناہ گار ہوگا اور اہل و عیال کو اپنے فقر کے لیے قاضی کی عدالت میں اس پر دعویٰ کرنے کا حق ہے۔ تعقیل کے لیے ایما و العلوم باب تنوکل ملاحظہ ہو۔

ف۔ شرائط توکل و ترک اسباب پر نظر کرنے کے بعد نو جوان تعلیم یافتہ طبقہ کا یہ کہنا کہ صرف توکل کی تعلیم نہیں دیتے بلکہ عقل کی تعلیم دیتے ہیں بالکل غلط ہے جس حالت میں موعظین توکل و اجورت ترک اسباب کی اجازت دیتے ہیں اس وقت یہ شخص ترک اسباب پر مجبور اور اختیار اسباب سے معذور ہو جاتا ہے۔ اس وقت وہ مشغل نہیں ہوتا بلکہ سلاطین سے زیادہ غنی اور مستغنی ہوتا ہے۔ چنانچہ ان کے واقعات اس پر شاہد ہیں۔ ایک دفعہ گوشہ فکلن نے اپنے اہل و عیال اور اہل دربار کو گھٹ کر دیا تھا کہ حضرت نظام الدین اولیاء کے یہاں کوئی نہ جانے ہائے نہ کوئی ان کو بدینہ تدبیر پیش کرے۔ اس کا خیال یہ تھا کہ سلطان بھی کا نگر خواستہ دینے ہو رہا ہے کہ دونوں وقت میں چار ہزار روپے کھاتا کھاتے ہیں اور مخلوق برابر ان کی طرف کھینچتی آ رہی ہے۔ اس کا درمیانے اہل و عیال و اہل دربار کے ہاں پر ہے۔ اگر یہ ہمارے اندر نہ ہوتے تو نگر بند ہو جانا تھا اور نگر بند ہونا ہے کہ بعد مخلوق کا لین بھی اس طرف کم ہو جانا تھا۔ چنانچہ ایک مہینہ تک تمام ہمارے اور دربارے بندھے لیکن نگر ہر بھی بندہ ہوا بلکہ پتلے سے بھی زیادہ ترقی پر تھا۔

جو قدرت نے کسی حکمت سے اس عالم اسباب میں حصول مرقہ کے لیے مقرر فرمائے ہیں، بلکہ مقصود یہ ہے کہ اسباب کو مؤثر نہ سمجھیں۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے سوا کسی کے قبضہ میں نفع و ضرر کی طاقت نہیں ہے اور جن اہل حال پر ترک اسباب کا دھیرہ غالب ہوتا ہے ان کو بھی اسباب یقینہ کے ترک جائز نہیں۔ صرف اسباب غلیظ کا ترک جائز ہے۔ تفصیل کے لیے تربیت السالک حکیم الامت ملاحظہ ہو۔

ف۔ ترک اسباب کے شرائط ترک اسباب غلیظ کے جواز کی چند شرطیں ہیں :-

(۱) قلب پر ترک اسباب کا شدید تقاضا ہو جس کی مخالفت دشوار ہو جائے یا سلیح کا حکم ہو۔

(۲) مخلوق سے نفع بالکل اٹھ جائے۔ کسی شخص کے بغرض ملکات آنے پر یہ خیال دلی ہیں نہ آنے پائے کہ یہ کچھ دیر سے خواہم ہے۔

(۳) ایسا نہ ہو کہ ترک اسباب کے بعد ہر دیر قبول کرنے لگے بلکہ قواعد شرعیہ سے جو دیر واقعی دیر ہو قبولی کیا جاسکے ورنہ روک دیا جائے۔

(۴) تارک اسباب کا عزم اور توکل اس قدر بلند ہونا چاہیے کہ سلاطین و اغنیاء سے زیادہ اپنے کو غنی سمجھے۔ کیونکہ ان کی حاجتیں تو دوسروں کے ہاتھ میں ہیں اور توکل کی ہر حاجت خود اسی کے ہاتھ میں ہے کہ جہاں کوئی ضرورت پیش آئی ہاتھ اٹھا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور حاجت پوری ہو گئی۔

(۵) صاحب اہل و عیال کو ترک اسباب جائز نہیں مگر یہ کہ اس کے اہل و عیال بھی اسی کی طرح صاحب حال ہوں اور اگر ترک اسباب کے وقت صاحب عیال نہ تھا۔ پھر حق قضا کے کی طرف سے باہر قوامت مفتوح ہو جانے کے بعد صاحب اہل و عیال ہو گیا تو اس میں کچھ گراہت نہیں۔ تو اس کے اہل و عیال صاحب حال نہ بھی ہوں۔ کیونکہ باب فتوحات مفتوح ہو جانے کے بعد

باب ہفت

حدیث

لاحد الاثنین

عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول لاحد الاثنین دجل آتانا اللہ ما لا نسلطہ علیہ کتبہ فی الحق ودجل آتانا اللہ حکمۃ فہو یقضی بھا ویصلیہا الیہا اس -

ترجمہ (ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ قابل رشک دو ہی (شخصوں کی) حالتیں ہیں۔ ایک وہ جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہو پھر اُسے (راہ) حق میں خرچ کرنے کی توفیق دی ہو۔ دوسرے وہ جس کو اللہ تعالیٰ نے دین کی کجھاری ہو (یعنی قرآن و حدیث کا علم دیا ہو) پھر وہ اس کے موافق فیصلہ کرتا ہے اور لوگوں کو اُسکی تعلیم (دینی) دیتا ہے۔

شرح (ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہ ان دونوں میں حد جائز ہے ان کے سامان شرح کسی اور صفت میں جائز نہیں۔ اس پر چند وجوہ سے کلام ہے :-

(۱۶۳) حد اور غبطہ کے احکام یہاں حد سے کیا مراد ہے ؟
بظاہر حقیقی معنی مراد نہیں، بلکہ مجازاً غبطہ (اور رشک) مراد ہے۔ جس کے متعلق حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔
و فی ذلک فلیست تافس المتنافسون۔ رشک کرنے والوں کو ایک میں رشک

معلوم ہوگا کہ حد و حرمت کی فتوحات کا مدار انسانوں کے ہدایہ و غیرہ پر نہیں۔ اگر ساری مخلوق اپنا ہاتھ روک لے جب بھی اُن کے کام انشاء اللہ بند نہ ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کسی دوسری مخلوق کو اُن کی خدمت کے لیے سخر کر دیں گے۔ حالانکہ تو لا یشقہ بدول قما غریکم تھو لایکونوا امثالکم۔ یہ تو قریم واقعہ ہے اور ہمارے سامنے کا واقعہ یہ ہے کہ ایک زمانہ میں جبکہ تحریک خلافت کا ہندوستان میں بہت زور تھا اور حضرت عظیم الدین شہرکت ہندو کی وجہ سے اس سے الگ تھے تو بعض اہل خلافت نے یہ کوشش کی کہ حضرت مولانا کی خدمت میں جو لوگ ہدایہ اور نندائے پیچھے ہیں اُن کو اس سے روک دیا جائے ماس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُس سال ہمیشہ سے بھی زیادہ ہدایہ اور نندائے آئے کہ پہلے تو اوسط ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار کا تھا اُس سال تین سو روپیہ ماہوار کا اوسط ہو گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے جو زیادتی کی تھی وہ برابر بڑھتی ہی رہی یہاں تک کہ اخیر میں ایک ہزار روپیہ ماہوار کا اوسط ہو گیا تھا۔ حالانکہ دینا چاہتا ہے کہ حضرت قدس سرہ کے یہاں قبول ہدایہ سے زیادہ ہدایہ کا اوسط تھا۔ وہ ہدایہ قبول کم کرتے تھے واپس زیادہ کرتے تھے۔ کیونکہ شرائط قبول سخت تھیں جن کی پابندی کرنے والے غور سے ہی ہوتے تھے اس پر بھی کسی کے کم کرنے سے اُن کی آمدنی کم نہیں ہوتی تھی بڑھ ہے۔ ومن یقن اللہ یجعل لہ مخرجاً ویرزقہ من حیث لا یحسب ومن یوکل علی اللہ فہو حبیبہ اللہ بالغ امرہ قد جعل اللہ لکل شئی قدراً۔



کرنا چاہئے۔ حمد کی حقیقت یہ ہے کہ جو شی عاۃ ایک سے دوسرے کی طرف منتقل ہو سکتی ہے۔ اُس کا اپنی طرف منتقل ہونا اور دوسرے سے زائل ہونا چاہئے یہ جائز نہیں۔ اسی کے منتقل ہونے کا ارشاد ہے:-

لنحول نصیب مما اکتسبوا وللشمار نصیب مما اکتسبوا واشتروا
الله من فضله۔

لامردوں کے لیے اُن کی کوشش (اور کسب) سے حصہ ہے اور مردوں کے لیے اُن کی کوشش (اور عمل) سے حصہ ہے (تو ایک دوسرے کی حالت کی تفتان نہ کرے) اور اللہ سے اُس کا فضل مانگو۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو کوئی نعمت دی ہو تو اُس شخص سے اُس نعمت کو طلب نہ کرو بلکہ اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگو کہ میں اُس کو نعمت دی ہے تم کو بھی اپنے فضل سے عطا فرمائے۔ کیونکہ جس کے پاس بھی کوئی نعمت ہے وہ اللہ کا فضل و احسان ہے۔ خدا کے دے نہ کسی کا پُچھ آتا ہے نہ کسی کا کوئی استحقاق ہے۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اِذَا احْدَثْتَ فَلَا تَبْتَغِ۔ اگر تم کو کسی سے حصہ پیدا ہو تو حصہ نہ بڑھو۔

کیونکہ ہم بتلا چکے ہیں کہ حمد میں ایک سے دوسرے کی طرف نعمت کا منتقل ہونا مطلوب ہوتا ہے اور (انتقال کی دوسری چیزیں ہیں) بھی اس طرح سے انتقال ہوتا ہے کہ صاحب نعمت کو پہلے سے بھی زیادہ غیر حاصل ہو جائے۔ مثلاً ایک شخص نے دوسرے کے پاس کپڑا دیکھا اُس کو تنہا ہوتی کہ یہ کپڑا مجھے مل جائے اور اُس سے مانگ بھی لیا۔ خدا نے کپڑے والے کو اُس سے بھی بہتر (کپڑا یا اور) کوئی چیز عطا فرمادی اور اُس نے یہ کپڑا حسد کو حصہ نہ دیا یا اُس کے ہاتھ بیچ کر دیا۔ اس صورت میں حسد کا مقصود بھی پُورا ہو گیا اور حمد کی نعمت میں ترقی ہو گئی (ایسے انتقال کی غنا حرام نہیں)۔

دوسری صورت یہ ہے کہ دوسرے کی نعمت کا اپنی طرف منتقل ہونا اس

طرح چاہے کہ اُس کو ضرر اور نقصان پہنچے۔ شامی کے پاس دینی ساز و سامان دیکھ کر یہ تنکا کی جانے کہ یہ سامان میرے پاس آجائے اور محسوس جاسے یا حق ہو جائے یا شر سے نکال دیا جائے وغیرہ ایسے انتقال کی تفتان جائز نہیں) یہی مطلب ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد اِذَا احْدَثْتَ فَلَا تَبْتَغِ لَكَ حَمْدٌ مِّنْ حَمْدِ سِوَاكَ نہ کرو۔ یعنی دوسرے کے نقصان کی تفتان نہ کرو۔

مناسب توبہ یہ ہے کہ کسی سے حسد بالکل ہی نہ کی جائے (اُس کی نعمت کا اپنی طرف منتقل ہونا ہرگز نہ چاہو) اگر کسی کی کوئی چیز تم کو پسند ہو اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگو کہ وہ اپنے فضل سے تم کو بھی یہ نعمت عطا فرمادے۔ اگر اس پر قدرت نہ ہو اور تمہارا دل اُسی چیز کا بغینہ طالب ہو تو اُس کے ضرر اور نقصان کی تفتان نہ کرو کہ یہ حصہ سے تجاوز ہے اور (یہی وہ حصہ ہے جو) بہت بڑا گناہ ہے۔

نیم نے تاریخ میں (ایک واقعہ) دیکھا ہے کہ ایک شخص کو اللہ تعالیٰ نے دُنیا کا ساز و سامان بہت کچھ دیا تھا۔ اُس کو دیکھ کر ایک مسکین نے گلی کوچہ میں بازاروں میں یہ صدا لگانی شروع کی کہ اسے اللہ! مجھ پر بھی دُرّی کا دروازہ اسی طرح کھول دے جیسا فلاں شخص پر کھول دیا ہے اُس مالدار کا نام لے کر پکارنا۔ تو اُس نے مسکین کو دیکھا کہ کیا کہ تو میرے بچے کیوں پڑ گیا؟ تجھے اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگنے کے واسطے یہی بات رہ گئی کہ مجھ کو جیسا ہونا چاہتا ہے۔ اگر تو میرا نام لینے میں مجھوڑے گا تو میری شہرت زیادہ ہو جائے گی (دُنیا میں میری تو فخری کا پرچا ہو جائے گا) جس سے ممکن ہے کسی وقت مجھے تکلیف کا سامنا ہو جائے (چراغ یا کو میرے درپے ہو مجھے تو بڑی مصیبت ہوگی)۔ مسکین نے کہ میں تو اپنی حد کو نہیں بدلوں گا۔ میں نہ تجھے گالی دیتا ہوں نہ بڑا کرتا ہوں (اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتا ہوں) تو جو میرے جی میں آئے گا، دُعا کروں گا (دُعا سے کسی کو روکنے کا حق نہیں) اُس نے کہا اچھا بتلا تو روزِ نذر

(۱۶۴) حکمت مراد قرآن وحدیث کی فہم ہے بقا ہر بیان حکمت

کی سمجھ دقرآن وحدیث کی فہم ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ ومن یؤت
الحکمۃ فقد اوتیٰ خیرا کثیرا وجن کو حکمت دی گئی اُس کو بڑی خیر دیدی گئی۔

علاوہ (اس کی تفسیر میں) فرمایا ہے کہ حکمت سے مراد کتاب اللہ کا فہم ہے اس
کی دلیل خوراسی حدیث کے اس لفظ میں موجود ہے کہ وہ اس کے ساتھ فیصلہ کرتا
ہے اور (درد و دلدور) اسلام کے بعد کوئی شخص اپنے فیصلے میں ثواب کا مستحق جب
ہی ہو سکتا ہے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موافق فیصلہ
کرسے اور کتاب اللہ کی فہم میں سنت رسول کی بھی فہم داخل ہے۔ کیونکہ دونوں

حکمت کا مساق ہیں اور دونوں کے ساتھ فیصلہ کرنے کا ایک ہی حکم ہے۔ یہی
وہ دو قیمتی زندگی چیزیں ہیں جن کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے
ان تفلوا ما فکسکم بعدہما کہ جب تک تم ان دونوں کو مضبوطی سے تھامے

دھو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے اور اگر گمراہی کو بھی ان کی تعلیم دی جائے یہ تو درجہ
کمال ہے۔ کیونکہ جو شخص اللہ کی طرف سے (ان کی) فہم دیا گیا ہو اور اس پر خود بھی
عمل کرتا ہو اور دوسروں کو تعلیم دیتا ہو وہ قواعط مقامات پر فائز ہے۔ یہی

لوگ انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا
ارشاد ہے کہ جب آدمی مر جائے تو اُس کا عمل ختم ہو جاتا ہے مگر تین چیزوں کا
ثواب ختم نہیں ہوتا۔

۱۔ اہل بیت و اولاد (ایک لڑکا یا لڑکی) جو اُس کے لیے دعا کرتا رہے۔ دوسرے
صدقہ جاریہ (مسجد و مدرسہ و سرائے و خانہ کنواں و غیرہ جو اس کے بعد بھی
چلتے رہیں)۔ تیسرے وہ علم جس سے اُس کی موت کے بعد لوگ فہم حاصل کرتے
رہیں اور ان میں سے اعلیٰ (واقف) علم ہے اور وہ علم جس میں یہ اجماع عظیم
حاصل ہوتا ہے وہ کتاب و سنت ہی کا علم ہے۔ یادہ جو ان سے

اپنے واسطے کتنی رقم چاہتا ہے۔ مسکین نے کوئی مقدار بتلائی۔ اللہ نے کہا کہ اتنی
مقدار دوزخ دے مجھے کو میرے یہاں سے پہنچ جایا کرے گی تو اپنے گھر میں بیٹھ۔ نہ
میرا نام لے نہ کسی سے سوال کر۔

چنانچہ مرتے دم تک اُس نے یہ احسان جاری رکھا کہ ایک دن بندہ نہیں کیا
تو اس طرح کی دعا بھی بیکار نہ ہو کر بازاروں میں گھومیں گے مگر تاجرانہیں۔ کیونکہ اس
میں دوسرے کی نعمت کی طلب اُس کو ہنر پہنچا ہے کہ خواہ مخواہ چور ڈاکو
اُس کے پیچھے لگ جائیں۔

قوله هل هذا الحسد هنا حقيقة او مجاز ان قلہ بقیہ جرح علیہ
ذلك المعروف حتی توفی۔

ف۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ یہ جرح کی حقیقت مشہور ہے کہ دوسرے کی
نعمت کا ذوال چاہا جاتے یہ تو جرح ہے مگر طلب ذوال مطلقاً نہ نہیں۔ لہٰذا
یہ ہے کہ طلب ذوال دوسرے کے ہنر کے ساتھ ہو۔ اگر ہنر کے ساتھ طلب
ذوال نہ ہو تو یہ صدقہ حرام میں داخل نہیں تو خلاف آؤنی ضروری ہے۔ ضبط اور
دشمنی دوسرے سے ذوالی نعمت کی آفت نہیں ہوتی صرف اپنے لیے اُس
جیسی نعمت کی طلب ہوتی ہے۔ یہ جائز ہے اور اس میں بھی تفصیل ہے جو
تفسیر بیان القرآن میں تحت آیت ولا تغلبوا علی فضل اللہ بہ بعد ذکر علی بعینہ۔
مذکور ہے وہاں ملاحظہ کرنی چاہئے۔

ف۔ چونکہ حدیثی آن امر ان غلبہ سے ہے جس کے ازالہ کا موقوفہ کو بہت
اہتمام ہے اس لیے اس تحقیق کو بیان کر دیا گیا۔ افسوس ہے کہ آج کل اس
مرتب سے اکثر موقوفہ بھی غالی نہیں۔ انما شاء اللہ تعالیٰ کسی کی طرف لوگوں کا
رجوع زیادہ ہوا اور لوگ اس کے درپے ہوئے۔ یاد رکھنا چاہئے کہ تقویٰ
کی بنیاد اخلاص پر ہے اور حسد کے ساتھ اخلاص کبھی حاصل نہیں ہو سکتا اس
لیے اس مرتب سے غافل نہ ہونا چاہیئے۔

مستند پر (یعنی علم فقہ)۔

حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص فرض نماز پڑھتا رہے اور (اس کے بعد کسی جگہ) بیٹھ کر فرائض کی تعلیم دیتا ہے اس کو آسانی بادشاہت میں عظیم (بڑا سردار) کا لقب دیا جاتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ کتاب (و سنت) کی قسم سے کیا مراد ہے؟ اگر اولیٰ و ثانی اور عدل و حرام کا سمجھنا مراد ہے اور یہ نہیں تو یہ حکمت تو متقدمین کو حاصل ہو چکی۔ پھر ان کے لیے اس کا کچھ حصہ باقی نہیں رہا۔ کیونکہ اصولی قائم ہو چکے احکام ثابت (و رد و نون) ہو چکے (اب پھر ان کا کام صرف اتنا ہے کہ ان ہی قواعد و اصولی و فروع سے نئے نئے حادثات کا حکم معلوم کرتے رہیں اور گو یہ بھی حکمت ہی میں داخل ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ اعلیٰ درجہ کی حکمت مجتہدین اور ائمہ کے اصحاب کے حصہ میں آ چکی ہے) یا یہ کہ اوامر و نواہی کا علم حاصل کر کے احکام کی حکمتوں و اولیٰ ان کے اسرار کو بھی معلوم کیا جائے۔ قرآن کی امثال و قصص کے فوائد کو سمجھا جائے کہ ہر ہر مثال اور قصہ میں کیا حکمت (اور کیا راز غیبی) ہے؟

اگر یہ مراد ہے تو یہ حکمت تو قیامت تک ختم ہونے والی نہیں۔ اس سے پہلے اور پچھلے سب اپنی قسمت کے موافق حق تعالیٰ سے مل سکتے ہیں۔ اسی کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد میں اشارہ فرمایا ہے۔
 لا تنقضی عہدہ جبہ ولا یخلق علی کفر ولا یرد ولا یصلیٰ فیہ العلماء۔ قرآن کے عجائب ختم نہیں ہوں گے وہ باوجود بار بار پڑھنے کے پورا نہیں ہوتا زہر دفعہ تازہ بہ تازہ معلوم ہوتا ہے اور علماء اس سے میر نہیں ہوسکتے و جبکہ برابر نئے نئے علوم حاصل کرتے رہیں گے۔

اس کی مثال مکتبے علیہ السلام کے حصہ میں حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے :
 قلما نزلنا العلمات قال اصحاب موسیٰ اذا لم یدرکون قال کلاما حمی ربی سیدین
 فادینا الی موسیٰ ان اضر ببعثنا الیہو فانلقی نکات کل فرق کا بطور معلوم

جب دونوں جماعتیں ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں (یعنی بنی اسرائیل اور قرم فرعون) تو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں نے کہا یقیناً ہم تو کچھ لے گئے (کیونکہ ان کے ہاتھ میں ہے اور دیکھتے دشمن) فرمایا ہرگز نہیں کیونکہ یقیناً میرے ساتھ میرا پروردگار ہے۔ وہ بگے (نجات کا) طریقہ بتلائے گا۔ پس اہم نے (فرما) وحی بھی کہ اسے موسیٰ اپنے خدا کو سمندر پار رو۔ (اس کا نام تھا) کہ فرور اس سمندر چھٹ گیا اور اس کا ہر حصہ جڑے پاؤں کی مانند (کھڑا) ہو گیا اور درمیان میں ٹھیک راستہ بن گیا۔ اب معلوم کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ واقعہ کیسے بیان فرمایا اور اس سے کیا بات بھی نکلی جس میں ہم کو رموز علیہ السلام کی تقلید کرنا چاہیے؟

میرے علم میں علماء متقدمین نے اس حقیقت سے غور نہیں کیا، حالانکہ ہم کو اس فقہ کا مطلب بنایا گیا ہے اور یہ واقعات بے فائدہ ہمارے سامنے نہیں بیان کئے گئے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: فاقصص القصص (دلہا) یتفکرون۔ ان واقعات کو لوگوں کے سامنے بیان کیجئے تاکہ وہ (رائیں) غور کریں۔ پس اللہ عالم اس فقہ کا فائدہ یہ ہے کہ چونکہ موسیٰ بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر بیرون ملک فرار وادی کے میں نکلے تھے۔ پھر سمندر اُن کے سامنے عائل ہو گیا اور پیچھے سے (دشمن کی) جماعت پہنچ گئی۔ ایک نے دوسرے کو دیکھ لیا تو فارت جاریہ کے موافق بنی اسرائیل کو یقیناً ہو گیا کہ وہ بگے لے گئے تو موسیٰ علیہ السلام سے (نجات کا طریقہ معلوم کرنا چاہا کہ شاید اُن کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس وقت کے لیے کوئی خاص چابیت ہو جس پر دشمن کا سامنا ہونے کے وقت عمل کرنے کا حکم ہو کیونکہ اُن کا یہ کہنا تھا ہم تو کچھ لے گئے۔) جبکہ موسیٰ علیہ السلام بھی وہ سب کچھ دیکھ رہے تھے جو انھوں نے دیکھا تھا کہ اُسے سمجھتا ہے اور دیکھتے دشمن ہے اس سے مقصد ہجر اس کے اور کچھ نہ تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس جو کچھ (ضرورت نجات کا) ہوا اسے معلوم کیا جائے (مدرت حال سے ان کو مطلع کرنا مقصود نہ تھا کیونکہ

صورت حال تو ان کے سامنے بھی تھی۔ یہی جزئہ خبر حقیقت میں انشائیر استفادہ ہوتا، پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھی کوئی چیز تھی جس سے وہ دشمن کا مقابلہ کر سکتے۔ بس ان کے پاس اس بات میں کچھ نہ تھا کہ جس خدائے ان کو (مدرسے) بخلفہ کا مکمل دیا، پھر اس حکم کی تعمیل کی تو فیہی رہی وہ ان کے ساتھ ہے اور وہ ان کو دشمن کے حوالہ کر دے گا۔

موسیٰ علیہ السلام نے عادات جاریہ و غیرہ پر نظر نہ کی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت عادت کی پابند نہیں۔ وہ جو چاہے کر سکتے ہیں جس طرح چاہیں کر سکتے ہیں۔ اس لیے انہوں نے (وقت یحییٰ کے ساتھ) جواب دیا کہ ان معی دینی سیہدین ہرگز نہیں (ہیں) کوئی نہیں پکڑ سکتا، کیونکہ میرا خدا میرے ساتھ ہے وہ مجھے (نجات) کا راستہ بتلائے گا۔ موسیٰ علیہ السلام کے پُر زور جواب کا حاصل یہ تھا کہ اسے قوم بائیس کے پاس تم سے زیادہ کوئی چیز بجز قربت یگانہ کے نہیں ہے۔ مجھے چاہئے وہ پھر پڑا اور پتی یقین ہے کہ وہ مجھے میری اور تمہاری سب کی بجائے کاراستہ بتلائے گا۔ چنانچہ وہ جواب سے خارج بھی نہ ہوئے تھے کہ خود اسی ذاتی تازی ہوئی فادجیانی موسیٰ اعزبہ بسلام اللہ کی کہ اپنے عطا کو سمندر پر مارو۔ اس میں غامد تعقیب بتلا رہی ہے کہ جواب کے ساتھ ہی ذاتی تازی ہوئی اور یہ کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کے ساتھ اپنے تعلق (خاص) کی خبر دی اسی وقت ان کو (طریق نجات کی) ہدایت ہوئی جیسا با عقلیت و حلال، ہستی کی شان کے لائق ہے۔ جب کوئی کمزور اسی پر ہرور کرے (اور اس کی بنیاد میں آجائے تو وہ اپنی شان کے مناسب ہو گیا کہ تائب) چنانچہ اس کے بعد ان کا اور ان کے دشمن کا جو انجام ہوا وہ اللہ تعالیٰ نے خود ہی بیان فرما دیا ہے وہ کسی علیہ السلام کے لیے سمندر کا پانی چھٹ کر خشک راستہ بن گیا اور دشمن اس میں گھس کر پانی برابر ہو گیا اور غرور ان اپنے لشکر سمیت غرق ہو گیا۔ اسی طرح اسے غلبہ: جس کے سامنے یہ قدر بیان کیا گیا ہے اگر تو بھی اپنے پروردگار کے حکم کی پوری حرمت قبول

کے لئے گامیسا تجھ کو حکم ہو اے اور خدا کے سوا کسی چیز سے اپنے دلی کو نہ اٹھائے گا تو وہ ہر ضرورت کے وقت پر نصرت و کامیابی سے تیری مدد کرے گا۔ ایسے موقع پر تجھ کو عادت ہمارے پر نظر کر کے گھبراتا نہ چاہئے جیسا موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں نے کیا (بلکہ یقین کے ساتھ یہ کہہ لینا چاہئے کہ اللہ میرے ساتھ ہے وہ ضرورت نجات کا راستہ اپنی قدرت سے غفلت عادت پیدا کر دے گا) یہی تم کو اپنے ایمان میں موسیٰ اقل ہونا چاہیے مثلاً اور عقل موسیٰ کا فیصلہ ہی تھا کہ عادت اور اسباب کوئی چیز نہیں۔ اللہ تعالیٰ غلاب عادت بھی سب کچھ کر سکتے ہیں) تو تیری ہولناکی کا فرعون اللہ کی سرطانی سے دیانے ہلاکت میں غرق ہو جائے گا اور ایسے ہی ہر وہ شخص بھی (تباہ ہو جائے گا) جو میرے ساتھ ہرانی کا قصد کرے گا۔ کیونکہ تمہارے قرآن حکیم میں ارشاد فرماتے ہیں کہ ان حقا علینا نعم المؤمنین ایمان والوں کی مدد کرنا ہمارے فتنے حق ہے۔

قرآن میں موسیٰ علیہ السلام کا یہ فقرہ اسی وعدہ کی تصدیق کے لیے بیان کیا گیا ہے کیونکہ جو فقرہ وعدہ کے بعد بیان کیا جاتا ہے اس سے وعدہ کی تصدیق و تاکید ہی تصور ہوتی ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ان تضرع اللہ بنصرہ کہ اگر تم اللہ کی مدد کرو گے وہ تمہاری مدد کرے گا اور بندہ کی طرف اللہ تعالیٰ کی مدد ہی ہے کہ اس کے امر کا اتباع کرے اور میں چیز سے منع کیا ہے اس سے دُور رہے (اور یہ حقیقت میں خود اپنی مدد ہے کیونکہ اللہ اور فرائضی اللہ کی پابندی میں بندہ ہی کا نفع ہے۔ اللہ تعالیٰ کا تو کچھ نفع نہیں مگر یہ ان کا نفع و کرم ہے کہ اس کو اللہ کی مدد فرمایا)۔

اس فقرہ میں ایک اور بھی لطیف اشارہ ہے وہ یہ کہ جماعت میں اگر ایک شخص بھی حکم الہی کی تعمیل کرنے والا ہو باقی سب اس شخص کے مطیع ہوں تو سب کی مدد (اللہ کی طرف سے) کی جائے گی۔ کیونکہ بنی اسرائیل میں موسیٰ علیہ السلام جیسا صاحب یقین ان کے سوا کوئی نہ تھا مگر چونکہ وہ سب ان کے مطیع تھے تو اس

جیب وغریب نصرت کی برکت سب ہی کو حاصل ہوگی۔

اس میں ایک اور بھی اشارہ ہے جو اس معقول (سابق) کو متوجہ کر رہا ہے وہ یہ کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے تعین حکم میں سبت کی رکۃ اللہ کے حکم سے محرت نکل پڑے، تو انہوں نے سچے یقین کے ساتھ کچھ لیا کہ حکم دینے والا اپنے بندہ کا ساتھ میں چھوڑے گا جو اس کے حکم کی تعمیل کر رہا ہے کیونکہ یہ خود وہ خلائی ہے اور وہ خلائی جناب حق میں محال ہے۔ پس جو شخص یہ جانتا ہو کہ میں حکیم الہی کے موافق کر رہا ہوں جیسا اُن کا حکم ہے (وہی بھی کر رہا ہوں) اور تعین حکم کا منشا محض ایمان اور طلب ثواب ہے تو اس کو نصرت الہی میں شک نہ کرنا چاہیے اور کچھ بھی دوسرہ اور شہید میں نہ لائے۔ اگر اُس کے دل میں شک سے راہ لی تو تعدد حق میں خلعت ہوگا اور تعدد حق ہی کا نام ایمان ہے اور ایمان کی کزوری خود اپنے نفس کے ساتھ خیانت ہے۔ گویا اس کو شعور نہ ہو اور یہ دشمن کی چال ہے۔ (شیطان اسی طرح انسان کو غریب دیکھتا ہے) بعض دفعہ اس شک بھی کی وجہ سے نصرت میں دیر ہوتی ہے اور اس تاخیر کی وجہ سے اس کا ضعف یقین بڑھتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ شقاوت عقلی (بڑی بد کنی) کا سبب بن جاتا ہے اور یہ بھی دشمن کی ایک بڑی چال ہے کہ اسی طرح وہ مومن کو کفر تک پہنچانا چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اُن لوگوں کی تعریف کی ہے جو حکم الہی کی تعمیل کرتے ہوئے یقین پر چمے رہے۔ جیسا ہم نے ابھی بتلایا۔ پھر ان کا کیا عہدہ انجام ہوا۔ تو ہم کو بھی اس بات میں اُن کی تقلید کرنا چاہیے، چنانچہ فرماتے ہیں۔

الَّذِينَ قَالُوا لَهِمُ النَّاسُ الْإِنْسَانُ قَدْ جَعَلُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُ

فَزَادَهُمْ إِيمَانًا وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ فَانْقَلَبُوا بِنِعْمَةِ رَبِّهِمْ إِلَىٰ دَارِهِمْ

فَنُفِّلَ لَهُمْ فِي الْحَيَاةِ مِغْرَابًا وَقَالُوا اللَّهُ وَاللَّهُ وَوَعْدُ اللَّهِ عَظِيمٌ

یہ مومن وہ ہیں جسے لوگوں نے کہا کہ تمہارے مقابلہ کو (قریش نے) بہت بڑا لشکر جمع کیا ہے اُن سے ڈرو اور میدان بدر کا روضہ نہ کرو) تو اس خبر نے اُن

کے یقین و ایمان کو (اور بھی) بڑھا دیا اور انہوں نے جواب دیا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کا ہی ہے اور وہ اچھا کارساز ہے۔ پس (اس یقین کا) انجام یہ ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت اور فضل کے ساتھ (کامیاب) واپس آئے اُن کو قرآن بھی کلفت نے نہ چھوڑا اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی رضامندی اُن کو حاصل ہوئی اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل و کرم والے ہیں۔

ف۔ قرآن کی امثال و قصص سے ایسے فوائد معلوم کرنا جن سے مسلمانوں کو اپنی حالت کی اصلاح و استقامت میں مدد ملے علم اعتبار کلمہ ہے۔ یہ بھی ایک قسم کا استنباط ہے۔ جیسا آیات احکام سے فقہاء استنباط کرتے ہیں اس کو قرآن کی تفسیر میں کرنا چاہیے بلکہ عبرت و نصیحت حاصل کرنے کے لیے ان فوائد سے مستفید ہونا چاہیے۔ بعض ناواقفوں نے موفیہ کن اشارت اعتبار سے قرآن کی تفسیر سمجھ لیا ہے یہ اُن کی غلطی ہے۔ تفسیر وہی ہے جو لغت عرب اور معارف عرب کے موافق کلام کا مدلول ہے۔ اس سے زیادہ جو کچھ ہوگا استنباط و اعتبار کلمہ ہے۔

ف۔ قرآن وحدیث میں جہاں حکمت کا لفظ آتا ہے اُس سے مراد دین کی کچھ ہے یا ہر وہ بات جو دین کے لیے ناخوش ہو۔ فلسفہ کو حکمت کہنا اور فلسفہ کو حکمت کہنا بد کی اصطلاح ہے۔

ف۔ قرآن کی امثال و قصص سے اس قسم کے فوائد و لطائف استنباط کرنا جو اس مقام پر مذکور ہیں حضرات موفیہ کے ساتھ مخصوص ہے اور یہی وہ حکمت ہے جو قیامت تک فہم نہ ہوگی۔ یہاں سے نفوذ کی اہمیت ظاہر ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۱۶۵) تمنائے خیر بھی مفید ہے گو وہ خیر حاصل نہ ہو

شاید اس جگہ کسی کے دل میں یہ سوال پیدا ہو کہ ہمیں دنیا یا آخرت میں کس

کتاب ہے کہ اگر میرے پاس مال ہوتا تو میں بھی غلام (جانبی مالدار) کی طرح کام کرتا (میرے آباء اور پیش و عمرت کی زندگی بسر کرتا) تو یہ اپنی نیت کے ساتھ ہے۔
ان دونوں کا جواب برابر ہے۔

اس حدیث میں علم سے مراد یہ ہے کہ مال میں اللہ تعالیٰ کا حق معلوم ہو اور اس علم کو قریب قریب ہر شخص کو ہوتا ہی ہے بجز معدودے چند کے اور جب یہ معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کا جی مال میں حق ہے مگر اس کے ادا کرنے کا طریقہ معلوم نہیں تو اس کو غلام سے دریافت کر کے ان کے حقوق کے مطابق عمل کرنا چاہیے۔ پس اول تو یہ جاننا ضروری ہے کہ مال میں اللہ تعالیٰ کا حق ہے پھر اس کے ادا کرنے کا عزم ہونا چاہیے۔ پھر اس کا طریقہ دریافت کرنا چاہیے۔ پھر طریقہ واجہ اور مستحب میں مال خیر کرنا چاہیے۔ جس کو یہ علم حاصل ہو اس کو عالم کہا جائے گا (کیونکہ حقوق مال کے متعلق جتنے علم ضروری ہے وہ اس کو حاصل ہے)۔

اس حدیث سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی اہمیت کے ساتھ بے انتہا غیر غریبی واضح ہے کہ آپ ان کو ہر اس چیز کی ہدایت فرماتے ہیں جس سے دونوں جماعت میں نفع حاصل ہے۔ چنانچہ ان دن چڑھتے ہیں صعد (اور رشک) کو جائز فرمایا تا کہ رشک کرنے والے کو بھی یہ فائدہ درجہ حاصل ہو جائے جس کے ملل ہونے کا طریقہ اس کو معلوم نہ تھا (کیونکہ مغلس اور سبہ علم آدمی کیونکہ سمجھ سکتا ہے کہ مجھے انکس اور جبل کی حالت میں بھی مالداروں اور غلاموں کی برابر درجہ مل سکتا ہے)۔ حکایت ہے کہ کنی اسرائیل پر ایک دند سخت قحط پڑا تو ان کا ایک عابد رب کے ٹیل پر سے گزرا اور دل سے یہ فتی کہ اگر میرے پاس رب کے اس ٹیلے کے برابر غنہ ہوتا تو میں اسرائیل پر صعد کرتا۔ کئی نیت سے فتی کی حق اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کا معاملہ سچا تھا تو اس نے ملنے کے بھی پھر اللہ تعالیٰ نے وحی نازل کی کہ غلام عابد سے کہہ دو کہ میں نے اس کا عہدہ

سے کیا فائدہ ہو گا کہ ہم کسی ایسے مالدار کی حالت کی تفتہ کریں جو واقعہ غیر شایان مال خیر کرنا ہے یا کسی عالم کی حالت کی تفتہ کریں جو علم سے نفع نہ کرتا اور دوسروں کو تعلیم بھی دیتا ہے جبکہ ہم جانتے ہیں کہ ہر شخص میں اس کی اہلیت میں تو جو شخص بھی کھنکھن نہیں جانتا وہ کیونکہ ایک عالم کی حالت کی تفتہ کر سکتا ہے جبکہ وہ جانتا ہے کہ میں کسی طرح اس کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا۔

جواب یہ ہے کہ دقت تو محال کی بھی ہو سکتی ہے اور یہ تو امر ممکنہ ہیں ان کی کئی درجہ اولیٰ ہو سکتی ہے پس اگر یہ شخص اللہ کے ساتھ انعام سے معاملہ کر کے دینے دل سے اس کی حالت کی تفتہ کرے گا اس کو اس کے برابر ثواب ملے گا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ دنیا پانچ شخصوں کے لیے ہے (یعنی دنیا میں چار قسم کے آدمی ہیں) ایک وہ جس کو اللہ تعالیٰ نے مال بھی دیا علم بھی دیا وہ اس مال (کے حاصل کرنے اور خیر کر کے) میں اپنے خدا سے ڈرتا ہے۔ (حرام طریقہ سے کمانے اور حرام کاموں میں خیر کر کے نہ پہنچتا ہے) اس سے اپنی قربت کے ساتھ صلہ رحمی کرنا ہے اور جانتا ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کا بھی حق ہے درگزر و صدقہ وغیرہ اور ان حقوق کو پوری طرح ادا کرتا ہے) یہ تو سب سے افضل (و اعلیٰ) درجہ میں ہے۔ ایک وہ جس کو اللہ تعالیٰ نے علم تو دیا مال نہیں دیا تو وہ کئی نیت کے ساتھ اللہ سے کہتا ہے کہ اگر میرے پاس مال ہوتا تو میں بھی غلام (مالدار عالم صالح) کی طرح کام کرتا۔ ان دونوں کا ثواب برابر ہے۔

ایک وہ جس میں کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا علم نہیں دیا اور وہ جمل کی وجہ سے مال میں ٹوڑ بڑکتا ہے۔ د اس (کے کہنے اور خیر کر کے) میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور نہ اس سے صلہ رحمی کرتا ہے۔ د اس میں وہ اللہ تعالیٰ کا کچھ حق جانتا ہے یہ سب سے بدتر درجہ میں ہے۔ ایک وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے نہ علم دیا نہ مال دیا اور وہ (اپنے دل میں ایوں

اس میں اور ان میں کسی قدر تباہیت (اور نواقض) ہو جائے گی والتمش بہ
ہنگام فتح ۳ اور بزرگوں کے ساتھ شایست حاصل کرنا بھی فلاح (اور
کامیابی) ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس کا واسطہ اللہ کے ساتھ مٹا ہوا تو
بظہر قرق عادت کے اللہ تعالیٰ اس کے لیے علم کا دروازہ کھول دیتے ہیں۔
جیسا قزوح الشام میں یونان و رومہ اللہ علیہ کے متعلق مذکور ہے کہ وہ عربی زبان
یا نکل نہ جانتے تھے جب مسلمانوں نے ان کا تعلق فتح کر کے ان کو قید کر لیا تو
شیخ کو وہ عربی بولنے لگے اور قرآن حکیم کی چند سورتیں جھٹ پڑھنے لگے اور
اسلام لے آئے۔ مسلمانوں کے امیر نے پوچھا کہ یہ حالت تم کو کیونکر عطا
ہوئی ؟ تو بتلایا کہ میری رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں
دیکھا تھا۔ آپ نے مجھ کو عربی زبان سکھادی اور قرآن کی سورتیں یاد کرائیں۔
پھر مسلمانوں کو ان کے اسلام سے بہت نفع پہنچا۔

یہ حکایت ہم نے صرف اس لیے بیان کی ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ علم
بظہر قرق عادت کے بھی حاصل ہو سکتا ہے (تو اس کی قنات خواہ وہ بے فائدہ
نہیں ہو سکتی) یا اللہ تعالیٰ اس (فتنا کرنے والے) کو اس کی برکت سے
اُسی طرح مال دے دیتے ہیں جیسا مال دار کو دیا ہے (تو یہ تمنا بھی بے فائدہ
نہیں۔ کیونکہ مال تو وسیع دشام آنے جانے والا ہے۔ کچھ بید نہیں کہ اللہ تعالیٰ
دم کے دم میں کسی مفلس کو مال دار بنادے خصوصاً جبکہ اس کی نیت یہ ہو کہ
مال حاصل ہوئے پر نیک کاموں میں خرچ کرے گا۔ غریبوں کی امداد کرے گا۔
قربت داروں کے ساتھ مل کر رحمت کرے گا۔

اگر بظہر قرق عادت کے یہ مالدار بھی ہوتا تو اس نیت کا ثواب تو اس
کو ملتا دے گا۔ میں ہم نے جو بات اور کئی جہی وہ (اچھی طرح) واضح ہو گئی
کہ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی اُمت کے ساتھ غایت
شفقت اور حسن تعلیم پر دلالت ہے (کہ حضور نے اپنی اُمت کو وہ تمام باتیں

قبول کر لیا ہے۔ میں سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بابا کہ ہم کو بھی طبع
پہر ایہ میں حمدہ تعلیم سے خیر ہے وہ تمام خزانے نکلا دیں جو پہلی اُمتوں نے حاصل کئے
تھے۔ اس طرح اگر کسی شخص کی عمر علم حاصل کرنے کے قابل نہیں رہی وہ اگر کسی
عالم کی حالت کی فتنا کرے گا اس کو اس نیت اور عزم کا ثواب ملے گا۔
کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مَنِ الْهُوَ الْعِلْمُ الْبَاطِنُ عِلْمُ
مومن کی نیت اس کے عمل سے زیادہ (اللہ کے یہاں) پہنچنے والی ہے۔ ایک
دین دار بزرگ کا واقعہ ہے کہ وہ اپنے ایک بیاد معانی کے پاس (بیاد پرسی کو)
لگے تو بیان کرتا تھا کہ قصداً کر لیجئے کہ ہم سب مل کر کچھ کو چلیں گے۔ پھر سب ملکر
جناوہ کریں گے۔ پھر سب مل کر سرحد اسلام کی حفاظت کریں گے۔ بزرگ نے کہا
معانی صاحب ! آپ کی حالت تو یہ ہے کہ (بستر سے لگے ہوئے ہیں) اور ارادے
یہ ہیں) کہا اگر زندہ رہے تو ارادہ پورا کر کے رہیں گے اور مر گئے تو ہم کو
نیت کا ثواب ملے گا جبکہ پھر نیت ہو (پسے دل سے ارادہ ہو) یہ لوگ ہیں وہ
جو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ کی بات کو سمجھتے ہیں۔

پھر اس کے ساتھ اس فتنا سے دو باتیں اور بھی حاصل ہوں گی۔ ایک اپنی
عمر پر یاد جانے پر ندامت ہوگی (کہ میں نے فلاں عالم کی طرح اپنی عمر کو تحصیل
علم میں کیوں خرچ نہ کیا) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اللہم
قربتہ " ندامت ہی کا نام تو یہ ہے۔ دوسرے اس کو اپنی خیر سے محبت ہوگی
دوسروں سے ان کو افضل سمجھے گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے
الْمَوْتُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ۔ اُسی کو اُسی کے ساتھ ہو گا جس سے محبت کرے گا۔

(مراد حسب عقلی ہے حسب طبی نہیں۔ پس اگر کسی کو کسی کا فریا یا فاسق عورت سے
عشق بلا اختیار ہو جائے مگر عقلاً وہ اللہ و رسول اور اہل اللہ سے محبت
رکھتا ہے تو وہ اہل اللہ کے ساتھ ہی رہے گا انشاء اللہ تعالیٰ) اور کبھی
کسی بات میں جو ان سے مجھے گا اس کو ان کی اتباع بھی نصیب ہو جائے گی۔

اسی لیے (کسی عارف نے) فرمایا ہے جب میرا نفس آپ کا غلام ہو جائے
اور آپ میرے ہو جائیں تو میں دونوں جہان کا مالک ہوں۔ دونوں جہان
میرے ہیں۔

قوله وقد يقول السامعون اد بعضہم داعی فائدۃ لانا فی قوله

فانا صاحب الدارين وھما فی -

فت۔ واقعی فقہاء اور متوفیہ ای جتنے حکماء ہیں۔ دیکھو اس حدیث سے اُن
عجیب و غریب فوائد کو معلوم کرنا کتنی بڑی حکمت ہے جو اللہ تعالیٰ نے متوفیہ کو
عطا فرمائی ہے۔ اے اللہ! میری منتہی دلت سے یہ ہے کہ میری بیہ عمر دہائی نکلے
اور دوسری حدیث میں تمام ہو اور عاقبت اور راحت و طمانینت اور دل جمعی ہدم
اتم مجھے عطا ہو۔ زندگی دنیا میں بھی اور موت کے وقت بھی اور موت کے بعد قبر میں
بھی اور میدانِ حشر میں بھی اور اے اللہ! مجھے اور میرے اپنی و عیال و اصحاب
کو بھی یہ دونیں عطا ہوں۔

وہنا الخ فائدۃ لانا و اسرافنا فی اسناد ثبت اقد استوانہ ترا

علی القوم انکا خیرین۔



بتلاوی ہیں جن سے اُن کو دونوں جہانوں میں فائدہ حاصل ہو) اس حدیث سے
چند علمی مسائل اور بھی معلوم ہوں گے۔

ایک یہ کہ حدیث و قرآن کے سمجھنے میں پوری کوشش کرنا چاہیے۔ کیونکہ
ان دونوں ہی میں بڑی خیر و برکت ہے۔ دوسرے یہ کہ جس کو اپنے مانتوں پر
کچھ بھی ولایت (اور حکومت) حاصل ہو اُس کو سوچنا چاہیے کہ وہ اُن کو کس
طرح اپنے حسن تعلیم سے غیر (اور نفع) پہنچا سکتا ہے تاکہ ستیدنا رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء (اس سنت میں بھی) ہو جائے ناگوار کسی پر
زور نہ ہو تو اپنے نفس پر قہر شخص کا زور ہے (تو کم از کم اپنے آپ ہی کو
نفع اور خیر پہنچانے کے طریقے سوچا کرے)۔

حدیث میں اس پر بھی اشارہ ہے کہ علم سے پیدا نفع بدون عمل کے
حاصل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ واقعی بھیا
کہ ایک شخص کو اللہ تعالیٰ نے علم دیا ہے تو وہ اُس کے موافق فیصلہ
کرے تاہم (معلوم ہوا کہ عالم کی حالت قابلِ رشک اُسی وقت ہے جب
وہ اُس پر عمل کرتا ہو)۔

اور اس میں متوفیہ (کے اس عمل) کی بھی دلیل ہے کہ اُن میں سے ہر
شخص دوسرے سے یہ سوال (پہلے کر) کرتا رہا مقام (آج کل) کون سا
ہے؟ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کیسا ہے؟ یہ سوال وہ اس لیے کرتے
ہیں تاکہ اس ترقی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع نصیب ہو۔
دیکھو کہ حضورؐ یہی چاہتے ہیں کہ مسلمان برابر ترقی میں وہی منزل نہ ہونے
پائے۔ اگر منزل سے ترقی نہ کر سکے تبت خیر ہی سے ترقی کرے) اور تاکہ
ایک کو دوسرے کی حالت پر رشک ہو (تو وہ بھی اُس مقام کے لیے کوشش
کرے جو دوسرے کو حاصل ہے۔ اگر وہ مقام حاصل نہ بھی ہوا تو کوشش اور
تبت کی برکت سے ہی اُس کے برابر ہو جائے گا)۔

حدیث

فصل الصدقة

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک شخص نے (اپنے دل میں) کہا میں (آج) ضرور کچھ صدقہ کروں گا۔ وہ اپنے صدقہ (خیرات کا مال) کے لئے نکلا اور ایک چور کے ہاتھ میں دے دیا۔ چور کو لوگوں میں چرچا ہوا کہ (رات) ایک چور کو صدقہ دیا گیا ہے۔ اُس نے کہا اے اللہ! آپ ہی کے لئے ہے۔ میں (آج پھر) ضرور صدقہ کروں گا وہ (رات کو) پھر صدقہ لے کر نکلا اور ایک زنا کار عورت کو دے دیا۔ شیخ کو لوگوں میں چرچا ہوا کہ آج رات ایک زانیہ پر صدقہ کیا گیا ہے۔ اُس نے کہا اے اللہ! آپ ہی کے لئے ہے۔ میں (آج پھر) ضرور صدقہ کروں گا وہ (رات کو) پھر صدقہ لے کر نکلا اور ایک غنی کو دے دیا۔ شیخ کو چرچا ہوا کہ آج غنی کو صدقہ دیا گیا ہے۔ اُس نے کہا اے اللہ! آپ ہی کے لئے ہے۔ شیخ چور (کے صدقہ) پر اور زانیہ (کے صدقہ) پر اور غنی (کے صدقہ) پر، تو اُس کے پاس پیام پہنچا کہ تیرا چور کو صدقہ دینا (بیکار نہیں کیا)۔ اُمید ہے کہ وہ چوری سے باز آجائے اور زانیہ پر صدقہ (بھی بیکار نہیں کیا)۔ اُمید ہے کہ وہ زنا سے باز آجائے اور غنی پر صدقہ (بھی بیکار نہیں کیا)۔ اُمید ہے کہ اُس کو عبرت ہو جائے اور وہ بھی اللہ کی دی ہوئی نعمت سے غریب نہ رہے گا۔

شرح: کلہر حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شُص معاملہ کو جاری رکھنا نعمت و درجہات کا سبب ہے۔

(دیکھو اُس شخص نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو معاملہ کیا تھا کہ میں صدقہ کروں گا اُس پر برابر جاریہ۔ ایک صدقہ کے لئے کل مُرق ہونے کے بعد دوبارہ اور سہارہ صدقہ کرنا اور اُس کے درجہات قرب میں ترقی ہوتی رہی اور ہر صدقہ قبول ہوتا رہا کوئی بھی بیکار نہ کیا اگرچہ بظاہر بے عمل مرق ہوا تھا)۔

(۱۶۶) صدقہ ناظر چھپا کر دینا چاہیئے حدیث سے معلوم ہوا کہ چھپا کر دینا بھی یہ حکم ہماری شریعت کی طرح تھا کیونکہ سیاق حدیث بتلا رہا ہے کہ یہ صدقہ رات کو کیا گیا تھا (اور صبح انصاف لایں اس کی تصریح بھی ہے) حنہ الدین علی صدقہ الصالحی قولہ فاصبح الناس یحمدونہ۔

فت حنفیہ کو اس کلاست اہتمام ہے مگر یہ حکم صدقہ ناظر کے لئے ہے۔ فرض کا انشاء بہترین اُس کو غلط دینا چاہیئے جیسا نماز میں نفل کا انشاء افضل ہے اور فرض کا جماعت کے ساتھ ادا کرنا لازم ہے۔

(۱۶۷) اپنے دل سے نیک عمل کے متعلق باتیں کرنا ناجائز ہے حدیث

معلوم ہوا کہ اپنے دل سے اچھے کام کے متعلق باتیں کرنا ناجائز ہیں۔ کیونکہ اُس شخص نے کہا تھا کہ میں آج ضرور صدقہ کروں گا اور حدیث میں یہ ذکر نہیں کہ کسی سے کہا تھا۔ تو معلوم ہوا کہ اُس نے اپنے دل سے کہا تھا اور اس میں ناغہ یہ ہے کہ نیت اچھی طرح متعلق (اور مضبوط) ہو جاتی ہے۔ دفعہ اہل علی جو از عفا ذیہ المراتب فیہ الحقولہ تحقیق النیۃ۔

فت سے فقہاء حنفیہ کے اس قول کی دلیل واضح ہو گئی کہ نادر و غیرہ میں زبان سے بھی نیت کر لینا اچھا ہے۔ ابی حاتم نے اس کو بدعت کہا ہے مگر انہوں نے

اس حدیث میں غور نہیں کیا۔

(۱۶۸) غل میں اطلاع کا اہتمام ہی کامیابی کا وسیلہ ہے حدیث سے
کہ غل کو اللہ تعالیٰ کے لیے خاص کرنا اور آمیزش (نفس و غرض) سے پاک کرنا
ہی کامیابی کا بڑا وسیلہ ہے۔ دیکھو (اُس شخص نے خاص رشتہ حق کے لیے غل کیا
تو اُس پر کیسا فضل ہوا اور کسی بشارت دی گئی کہ امید ہے ایسا ہو، امید ہے ایسا
ہو، امید ہے ایسا ہو۔ جب اُس نے اپنی کسی خوشخبری کو دی اور حق سے
جو کچھ پیش آیا اُس پر راضی رہا تو اللہ تعالیٰ نے اُس کا ہر صدقہ قبول فرمایا اور
اسی کے برعلی ہونے کی بشارت دی) اور یہاں سے معلوم ہوا کہ صدقہ کے لیے
معرفت خیر کا تلاش کرنا پوری شریعتوں میں بھی مطلوب تھا جیسا ہماری شریعت میں
ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تحبوا الصدقات کما
اوتیتم صدقات کے لیے معرفت خیر کا تلاش کرو اور اس حدیث میں بھی ہے کہ
جب اُس شخص نے تمنا کہ اس کا صدقہ غیر مستحق کے پاس پہنچا ہے تو اُس نے
صدقہ کا اعادہ کیا۔ وہیہ دلیل علی ان تحقیق العمل لله تعالیٰ فی قولہ
فی غیر مستوجب لہا۔

فتا - اس حدیث کی شرح میں علماء کا اختلاف ہے کہ یہ صدقہ غفل تھا یا فرض۔
حضرت شامی کی رائے یہ ہے کہ یہ صدقہ فرض نہ تھا بلکہ مستحب تھا کیونکہ میری
دفعہ بھی اُس کا صدقہ ہے غل معرفت ہوتا تھا۔ پھر اُس نے اعادہ نہیں کیا۔ اگر فرض
ہوتا تو پھر اعادہ کرتا۔ مگر یہ امام مالک و امام شافعیہ کا مذہب ہوگا۔ حنفیہ کا مذہب
یہ ہے کہ جب صدقہ کرنے والا غلطی سے سوچ کر کچھ کرے گا تو اس کے کسی کو صدقہ نہ کہ
یہ تغیر معائنات اور مستحق ہے بعد میں معلوم ہو کہ مستحق نہ تھا تو صدقہ ادا ہو جائے گا
خواہ فرض ہو یا غفل البتہ اگر بعد میں یہ معلوم ہو کہ صدقہ لینے والا اس کا بیٹا یا
انعام یا بیوی یا شوہر ہے تو فرض کا اعادہ لازم ہے کیونکہ صدقہ گھڑی میں لوٹ آیا

ہے یا نہیں گیا اور اگر صدقہ نالغ ہو تو اعادہ لازم نہیں۔ کیونکہ صدقہ انفل ہر شخص پر
ہو سکتا ہے خواہ اولاد و اصول ہی کیوں نہ ہوں اور اُس شخص نے جو صدقہ کا اعادہ
کیا تو یہ عزیمت تھی اور عزیمت پر غل کرنا افضل ہے یا ممکن ہے سبکی انفل کے لیے
اس شخص میں اعادہ لازم ہو۔ آج کل صدقہ کے لیے معرفت تلاش کرنے میں بہت
کوٹاہی ہو رہی ہے۔ عام طور سے صدقات اور زکوٰۃ کا رویہ سالوں کو یا چندہ
مانگنے والوں کو دے دیا جاتا ہے۔ حالانکہ اُس کے زیادہ حق وہی لوگ ہیں جو غور
نہ اپنے واسطے سوال کرتے ہیں نہ کسی حدسہ اور ان کے واسطے چندہ کرتے ہیں۔
للفقراء الذین احصوا فی سبیل اللہ لایستطیعون طریا خلف الارض

محمدا۔ المجاہل اخذہا من استغفرت ۲۔
مومن کچھ ایسا مسامح و رحیم اللہ علیہ نے عرض وفات میں فرمایا کہ زکوٰۃ
کا درجہ ہدیہ سے کمتر ہے (گو زکوٰۃ فرض اور ہدیہ سنت مگر حسن دفعہ سنت
فرض سے بڑھ جاتی ہے جیسے تلاوت قرآن سنت ہے اور اُس کا سنتا اُس شخص
پر جس کو از پنجہ رہی ہے فرض ہے مگر تلاوت کا درجہ سامع سے زیادہ
ہے۔ اسی طرح ابتداء اسلام کرنا سنت ہے اور اُس کا جواب دینا فرض ہے۔
مگر ابتداء اسلام کا درجہ جواب سے بڑھ کر ہے۔ اسی طرح زکوٰۃ فرض ہے مگر
وہ مال کو پاک کرنے والی ہے اور ہدیہ سنت ہے مگر وہ قلب مسلم کو نور نہیں
کرنے کے واسطے ہے اس لیے اس کا درجہ زکوٰۃ سے بڑھا ہوا ہے۔
پھر فرمایا زکوٰۃ دینے والوں پر معرفت کا نفع لازم ہے۔ جو شخص جس قدر
اللہ تعالیٰ پر پھر و سر کر کے ممبر کرنا ہے اسی قدر اہل سوال پر بقدر اُس کے
ممبر کرے اُس کی امداد لازم ہو جاتی ہے یہ ہیں اصل معارف زکوٰۃ کے۔ مگر یہ
اہل اموال سائلین کو اور چندہ والوں کو دے کر کیجئے ہیں کہ زکوٰۃ ادا ہو گئی۔
پھر فرمایا کہ جس شخص کے مال میں زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد برکت نہ ہو تو
لو کہ اُس نے زکوٰۃ معرفت میں نہیں دی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے:

یہی حق اللہ الہیاد مغرب اللہ صلات اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مٹا دیتے ہیں اور صلات کو بڑھاتے ہیں اور اللہ کا وعدہ بچا ہے۔

۱۶۹۹ء ظاہر پر ہی حکم لگایا جائے گا حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حکم ظاہر پر لگایا جائے گا مابین ملک اس کے خلاف پر دلیل قائم نہ ہو اور یہ کہ تمام دیوان (سابقہ) میں اسی پر عمل تھا کیونکہ یہ شخص رات کو نکلا اور ان لوگوں کو راجہ پر صدمہ کیا گیا، بظاہر سب کو سمجھا تو اس نے اُن کی ظاہری حالت کے موافق عمل کیا اور صدمہ دے دیا۔ جب اُس کے گان کے خلاف ثابت ہوا تو اُس نے عمل کا اعلاہ کیا۔

حدیث میں اس پر بھی تنبیہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے جتن دے کوئی چیز فیر کرے اور مال حلال غیب ہو تو اللہ تعالیٰ اُس کو ناسخ نہیں فرماتے بلکہ اُس کی خیرات کو اُس کی بخیریت سے بہتر معرفت میں پہنچا دیتے ہیں۔ یہ حدیث کے اُمور میں بشارت کے معنوں سے واضح ہے اور اس میں جو اُمید کا لفظ ہے یہ شک کے واسطے نہیں بلکہ یقین کے واسطے ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر ہے۔ جس سے معلوم ہوتی ہے اور ترقی پتہ غیری سے ہو سکتی ہے اگر مبادرت شاہی میں وعدہ کے موافق پراپیڈ ہی کا لفظ اختیار کیا جائے ہے تاکہ مطلب یہ نہ سمجھے کہ اس کا حق بادشاہ پر ہے بلکہ وعدہ شاہی کو عین فعل و کم سمجھے۔

اس نوٹ کے مناسب ایک شخص کی حکایت ہے کہ اُس کے دل عجیب حکایت میں یہ بات آئی کہ اللہ کے لیے سوداگر (اخریان) خیرات کرو۔ وہ ایک بزرگ کے پاس گیا اور عرض کیا کہ حضرت مجھے بتائیے یہ خیرات کس کو دوں؟ فرمایا کہ کوہر سے شہر تانہ پر پہنچ جاؤ جو شخص سب سے پہلے تم کو ملے اُس کو دے دو۔ اس نے ایسا ہی کیا تو سب سے پہلے ایک شخص ملا جو دینا دار (مالدار) مشہور تھا اور اُس کی حالت سے بھی ایسا ہی ظاہر ہوتا تھا لباس اور ظاہری شان سے بغیر سب کو معلوم نہ ہوتا تھا، اُس نے دل میں کہا کہ اس شخص کو

صدقہ کو بخور دو۔ پھر خیال کیا کہ شاید مجھ سے زیادہ جانتے والے ہیں، اُن کے ارشاد پر عمل کرنا چاہیے، چنانچہ مال اُس کے حوالے کر دیا۔ مال دینے کے بعد دل میں غلبان پیدا ہوا تو اُس نے کہا دنیا میں بھی اُس کے پیچھے رہوں گا دیکھو یہ کیا کرتا ہے؟ چنانچہ دیکھو کہ اُس نے پیچھے چھوڑا، اُس کا کوہر نہ ہوا تو دیکھا کہ اُس نے ایک دروازہ میں جا کر اپنے کپڑے نیچے سے کوئی چیز نکال کر بیچ لی ہے۔ اُس نے وہاں جا کر دیکھا تو سر ہونی ٹھنڈی تھی، پھر اُس کے پاس جلا ہوا ایک دھگر میں داخل ہو گیا تو اُس نے دروازہ کے دیکھے کھڑا ہو کر کان لگا کر دیکھا اور سنا کہ وہ اپنے بالی بچے سے کہہ رہا ہے خوش ہو جاؤ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے فوجات بھیجی ہیں اور سارا نقد بیان کیا۔

وہ سب خوش ہوئے۔ پھر وہ بازار گیا اور گھر والوں کے لیے کھانا خرید لیا۔ یہ بھی اُس کے لیے تھے رہا اور ساتھ ہی لودا ٹوکھا۔ یہ کو دیکھ کر بالی بچوں کی خوشی میں دیکھی۔ اُن کی باتیں بھی سب کو معلوم ہوا کہ سب فائدہ سے تھے۔ اُس نے اسی پر اس کا کیا بلکہ جب یہ شخص کو اپنے پیسے سے فارغ ہو کر آیا تو قسم دے کر اُس کا حال پوچھا۔ اُس نے کہا میں دنا سے چھ ماہ سے گھر میں تھا۔ یہ کچھ عرصہ میں کیا دے سب فائدہ سے تھے، میرے پاس کوئی چیز نہیں تھی، مگر میں کو بچہ کر کے رکھا، تاکہ مرمت پر کپڑے دن پر تین ماہ سے اچھا پردہ پر پشی کرتا رہا کہ لوگ اس شاندار لباس کو دیکھ کر مجھے مانوس سمجھتے ہیں۔

آج میں گھر سے نکلا کہ شاید کوئی چیز مل جائے جس کے ذریعہ ان کا فائدہ ہو، تو میں نے دھڑکی مری ہوئی پائی جس کو تم نے مجھے بھیجے تھے، ہونے دیکھا میں نے دل میں کہا، اللہ کا شکر ہے آج ہم اس سے کچھ سہارا کر میں۔ میری کل کو اللہ تعالیٰ اور کچھ دے گا، میں اُس کو رے کہ مارا ہوا تھا کہ تم نے مجھے وہ رقم دی تو اب مراد ہمارے واسطے حرام تھا۔ میں نے اُس کو بیچ کر دیا اور تمہارے عہد سے کھانا خریدا، اب تو یہ شخص بڑا خوش ہو گا اور مار کر شیخ سے سارا نقد بیان کیا۔

فت۔ تسلیم و رضا کا وہ سوا تمام قبول نہیں ہے کہ معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے اور اس کی رضا پر راضی رہے۔ مگر یہ کہ یہ خاص شان ہے۔
غیر تسلیم و رضا کو چارہ در کعب شیر زخو سخرہ

(۱۶۱) مالداروں میں حرص زیادہ ہوتی ہے کہ اکثر مالداروں میں حرص کا کارہ زیادہ ہوتا ہے۔ دیکھو شخص شخص نے آخر میں جس کو حد تک دیا وہ فنی تھا۔ اگر اس نے حد تک لے لیا۔ حالانکہ وہ اس کا مستحق نہ تھا اور اگر مالداروں میں حرص زیادہ نہ ہوتی تو ان کے پاس مال ہی نہ جمع ہوتا (لا ماشاء اللہ) دینیہ دلیل علی عدم غلبۃ الشح علی الطالب من فضیلا وافی قولہ ما اجتمع المال

لہذا فی قلب منہم۔

فت۔ عام طور پر لوگوں کا خیال یہ ہے کہ مالداروں میں حرص نہیں ہوتی۔ کیونکہ ان کے پاس تو بہت کچھ ہے ان کی نیت بھری ہوتی ہے۔ دل نہیں ہے۔ مگر واقعہ یہ نہیں جو مالدار باقاعدہ زکوٰۃ و صدقات ادا کرتے ہیں ان کا تو دل فنی ہوتا ہے مگر جو زکوٰۃ نہیں نکالتے ان میں غریبوں سے زیادہ حرص ہوتی ہے۔ اس لیے اپنی اموال کے ہدایا میں غریبوں کے ہدایا سے زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔

اسی طرح عام خیال یہ ہے کہ بڑھوں کی فکر جوانوں سے زیادہ پاک ہوتی ہے۔ یہ بھی غلط نہیں۔ بڑھوں میں شہوت زیادہ ہوتی ہے کہ بچوں کی ہی شہوت ہو۔ جوانوں میں شہوت کم ہوتی ہے مگر عیب ہوتی ہے بچی ہوتی ہے۔ جیسے بڑھوں کو شہرک زیادہ گنتی ہے گونا گوں سے کیا نہیں جاتا بہت متحرک اکھڑتے ہیں اور یہ بچوں کی جھوک ہے جو ان کو بار بار ستاتی ہے۔ ان کو بھوک کی سہا نہیں ہوتی اور جوان کو بھوک زیادہ نہیں گنتی۔ اپنے وقت بگتے ہیں اور بچی بھوک گنتی ہے۔ پس بڑھوں سے جوان عورتوں کو زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے تاکہ یہ کہ باطل کی گدھ کا حربہ ہو گیا ہو تو وہ فیرا دلدار بقین الرجال میں داخل ہوگا۔ بیان

فرمایا برغور واربن! جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ سچائی کا معاملہ کرتا ہے اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا شرف (اور عادت) بھی ہے کہ اس کے واسطے سب سے بہتر اور عمدہ حالت تجویز فرماتے ہیں۔ قولہ دینیہ دلیل علی انما لکم لظاہر فی قولہ

عبرنا امور و احسنھا

فت۔ عزیز من! تمام تر عادات سچائی اور غلوں پر مبنی ہیں اس لیے ان باتوں نے یہ ریاضات و مجاہدات تجویز فرمائے ہیں جو غلوں میں مانع ہیں۔ مگر کچھ لوگ ریاضات و مجاہدات خود مطلوب نہیں بلکہ ان کے ذریعہ مدق و غلوں کی تکمیل مطلوب ہے۔ اگر یہ حاصل نہ ہو تو ریاضات و مجاہدات سب بیکار ہیں اور یہ حاصل ہو جائے تو سب کارآمد ہیں اور اگر بدون مجاہدہ و ریاضت کے کسی کو یہ دوست نہ جائے تو اس کو مجاہدہ و ریاضت کی اصلا حاجت نہیں۔ پس غور سے و کثرت ذکر کا ہے۔

فت۔ ظاہر یہ حکم دینا مثنویہ کے بیان بھی محول ہے۔ پس جو لوگ مشائخ کے اعمال و احکام کو حقیقت پر مبنی سمجھتے ہیں۔ غلط ہے حقیقت اسلام کی خبر اللہ تعالیٰ ہی کو ہے یا علیہم السلام اور مضموم بجز غی کے کوئی نہیں خواہ کتنا ہی بڑا ولی ہو، مثنویہ کو اپنے مشائخ کے ساتھ محبت و عقیدت تو لازم ہے مگر عقیدت کو حد سے اڑ بڑھانا چاہیے۔ جب عقیدت حد سے بڑھ جاتی ہے عقیدت پرستی پیدا ہو جاتی ہے جو تسلیم اسلام کے خلاف ہے۔

(۱۶۲) تسلیم و رضا کی برکت کیونکہ اس شخص کی کوشش بظاہر ہر دفعہ ناکام رہی۔ مگر وہ نکل نہ ہوا اور ہر دفعہ تسلیم و رضا کی شان سے اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا رہا اور اپنے معاملے کا عوارہ کرتا رہا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کو شامت سے نوازا گیا۔ دینیہ دلیل علی برکتہ التسليم والرضا فی قولہ

فاحبہ ثلاث البشائر۔

سے اُن لوگوں کی غلطی واضح ہوگئی جو اپنی خودوں کو پردوں کے سامنے بے پردہ کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ حضرت تو توبہ کرے ہو گئے ہیں اس سے برہنہ کی عزت ہے اور اُن مشائخ کی غلطی بھی واضح ہوگئی جو مومنوں کو اللہ کے دایا کو غلوں پر مبنی سمجھتے ہیں۔

(۱۶۲) بندگی کو قطع نہ کرو اگرچہ بظاہر قبول کی امید نہ ہو!

اس حدیث میں خوفیہ کے اس قول کی بھی دلیل ہے کہ خدمت کو قطع نہ کرو اگرچہ بظاہر اُس کے قبول ہونے کی امید نہ ہو یا قبول نہ ہونا محقق بھی ہو جائے کیونکہ غلام کو اپنے مولیٰ کی خدمت سے چارہ نہیں۔

دو قیم خدمت ہی سے قبول کی امید کی جاسکتی ہے۔ چنانچہ بنی اسرائیل کے واقعات میں مذکور ہے کہ اُن میں ایک عابد نے ہر سو اللہ تعالیٰ کی عبادت کی تو اُس زمانے کے نبی پر وہی آئی کہ میرے نفلان بندہ سے کہہ دو جتنی چاہے عبادت کرے وہ جتنی ہے۔ بنی اسے اس کو یہ پیام پہنچا دیا۔ اُس نے کہا میرے پروردگار! کے فیض پر آفرین ہے پھر اپنے گھر واپس آیا اور پہلے سے بھی زیادہ عبادت کرنے لگا اور عرض کیا خداوند! میں تو آپ کی عبادت اُس وقت بھی کرتا تھا جبکہ میرا خیال تھا کہ مجھ میں کچھ بھی اہلیت نہیں تو اب کیونکہ عبادت نہ کروں جبکہ آپ نے اپنے فضل سے مجھے اپنے دوزخ کا بل بنا دیا ہے (دور زخمی توبہ) ہاں! کی ہے نسبت اب بھی باقی ہے تو مجھ میں کچھ تو اہلیت ہے کہ آپ کے ساتھ کسی قدر تعلق ہو گیا) چنانچہ وہ عبادت میں سرگرم رہنے لگا اور پہلے سے زیادہ کام کرنے لگا تو اللہ تعالیٰ نے اُن کا ہنر بے پناہ کر کے پاس پروردگار بھیج کر اُسے عابد سے کہہ دو جو چاہے (عمل) کرے وہ جتنی ہے۔ کیونکہ اُس نے اپنے کو کسی جاں نہیں بچھا (حقیر ذلیل ہانا) اللہ اللہ خدا کو تو اس شخص کی قدر پسند ہے یہی راستہ سب سے زیادہ نزدیک ہے مگر قوافض سے زیادہ دشوار بھی

کوئی چیز نہیں۔ مختصر اور زیادہ سب سے اخیر میں صدیقین کے دماغ سے باہر ہوتی ہے۔ کسی بزرگ نے خوب کہا ہے۔ لیس ابدت یعنی السلوک کا فلسفہ لی مکہ بدھان ابدت۔ اگر آپ یہ چاہیں کہ میں آپ سے اپنے دل کو خالی کر لوں تو مجھے تو آپ سے چارہ نہیں خواہ آپ رو کر میں (یا قبول کریں)۔

قل وہیہ دلیل لاهل العفوۃ الذین یقولون لا تقنع الخدمۃ الی
قل وہیہ دلیل لاهل العفوۃ۔

فت۔ اس شخص نے تو وہی اس نے پر بھی عبادت کو قطع نہ کیا مگر وہی ملقمطی کا موجب ہے۔ پھر کسی کو اپنے کشف یا الہام پر اعتماد کر کے عبادت قطع کرنے کا کیا حق ہے؟ ایک بزرگ کے پاس اُن کا مرید آیا اور عرض کیا کہ عیب میں ذکر کرنے بیٹھا ہوں یہ آواز آتی ہے کہ تو کا فر ہے۔ بزرگ نے فرمایا یہ دشنام محبت ہے مجبور ہیں حالات سے عشاق کو پریشان کیا کرتے ہیں۔ کام میں گئے رہو اور اس آواز پر التفات نہ کرو۔ (غالباً کا فر سے مراد کا فر باطلا غوت تھا) مگر یہ گھبر گیا وہی مشہور ہے کہ منقول کرنے لگا) شاید کسی کے دل میں یہ سوال پیدا ہو کہ ایک بار وہی میں اُس کو جتنی کہا گیا دوبارہ جتنی کہا گیا اور دونوں میں مستقبل کی خبر ہے تو ان متعارض خبروں کو کیونکر جمع کیا جائے گا اور اگر ایک کو ساقط کیا جائے تو فلاح الہی میں خطا و کذب لازم آئے گا۔ تعالیٰ اللہ

ہم و لکھت ہوا کہ بھیرا۔
جواب یہ ہے کہ ہر شخص کے لیے ایک گجہ جہنم میں بنی ہوئی ہے ایک گجہ جنت میں۔ اگر اسی نصیب ہو گیا تو اُس کو جہنم کی گجہ پہلے دکھائی جاتی ہے کہ اگر تم ایمان دلاؤ تو تمہارا ٹھکانہ یہاں ہو ورنہ گمراہ یہ جگہ کسی کا فر کو دی جائے گی اور تمہارا ٹھکانہ جنت میں ہے۔ پھر اُس کو جنت کا درجہ دکھلایا جائے گا تاکہ زیادہ خوشی اور قدر ہو۔ اسی طرح کا فر کو پہلے جنت کا ٹھکانہ دکھلایا جاتا ہے کہ اگر تم ایمان لانا یہاں پہنچا تو گمراہ تیرا ٹھکانہ جہنم میں ہے۔ پھر اس کو جہنم کا درجہ دکھلایا جاتا

ہے تاکہ حسرت اور غم زیادہ ہو۔

پہلا پہل بار بوجی میں کیا گیا کہ جو چاہے کہ تو جنتی ہے اس سے جنتی حقیقی مراد نہیں بلکہ جہنم جہنمی خدا کو تیری جگہ جہنم میں بھی بکریز کیا جوتی ہے۔ اگر ایمان نہ لایا اور دوسری وحی میں جنتی سے حقیقی جنتی مراد ہے۔ پس تعارض نہ رہا۔ مہاراجا ہر مومن کو جنتی اور ہر کافر کو جنتی کہا جاسکتا ہے۔ کیونکہ ہر شخص کی بوجہ جنت اور دوزخ دونوں میں نامزد ہے۔ دہا یہ کہ مجازاً جہنمی کہنے کی ضرورت کیا جنتی؟ جواب مؤلفیہ کے مذاق پر تو یہ ہے کہ یہ دشتام محبت جنتی جو عشاق کے استحقاق کے واسطے دی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کو تو امتحان کی ضرورت نہیں مگر بندوں کو اس قسم کے واقعہ سے عاشق کے صدق و غلو ص کا علم ہو جاتا ہے اور خفتہ کے مذاق پر جواب یہ ہے کہ لوگوں کو یہ مسئلہ بتانا مستعد تھا کہ اگر کسی کو اپنے جہنمی ہونے کا یقین بھی ہو جائے پھر بھی عبادت اور تعلق مع اللہ کو قطع نہ کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارے یقین کے خلاف بھی کر سکتے ہیں۔ نیز یہ بھی بتانا تھا کہ خدا کو تو مانع پسند ہے۔

ف۔ اس شخص کے اس قول سے کہ اب کیونکہ عبادت نہ کروں جبکہ آپ نے اپنے فضل سے مجھے اپنی دوزخ کا اہل بنا دیا ہے۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب خانقوی کے ایک قول کی تائید ہو گئی۔ مولانا کے زمانے میں ریاست دایور میں ایک ذاکر مشغل کو بحالت قہقہہ یقین ہو گیا کہ میں شیطان ہوں۔ غریب بہت پریشان ہوا اور اسی پریشان کے عالم میں دایور ہی کے ایک بزرگ سے ملنے گیا۔ اُن سے اپنا حال سن کیا کہ حضرت میں تو شیطان ہوں۔ انھوں نے مجھے تسلی اور دستگیری کے جواب دیا کہ اگر تو شیطان ہے تو خدائی ولا فحۃ لا بائدہ۔ اُس کو یقین ہو گیا کہ میں واقعی شیطان ہو گیا ہوں کہ اتنا بڑا بزرگ بھی مجھ پر لاجور پڑتا ہے تو اہل اگر اس نے خود کشی نہ کی۔ مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اس واقعہ کی اطلاع پہنچی تو فرمایا کہ ہم تو فلان صاحب کو بزرگ اور عارف سمجھتے تھے مگر معلوم

ہو کہ وہ تو کورسے ہی ہیں۔ اگر وہ شخص میرے پاس آتا اور مجھ سے کہتا کہ میں شیطان ہو گیا ہوں تو میں یہ جواب دیتا کہ پھر کیا پڑا شیطان بھی تو اسی کا ہے نسبت اب بھی قطع نہیں ہوتی۔ اس جواب کے ساتھ ہی اُس کا یقین سہل بہ سہل ہو جاتا اور ملاکت سے بچ جاتا (مستحقہ میں سیدی حکیم الامت) اور یہاں سے معلوم ہوا کہ اگر وحی سے بھی کسی کو جنتی کہا جائے پھر بھی وہ جنتی ہو سکتا ہے۔ اگر ایمان و عمل جاری رہا ہے تو حشر کسی بزرگ یا شیخ کے جرائے سے کسی کو بڑائیں کہا جاسکتا۔ جب تک خود اُس کے اعمال بُرے نہ ہوں۔ ایسی طریق اس معاملہ میں بہت غلو کہتے ہیں کہ شیخ کے اقوال کو آیت وحدیث مجھ کر فیصلہ کرنے لگتے ہیں خود تحقیق نہیں کرتے حالانکہ مشائخ بھی بشر ہیں بشریت سے بری نہیں۔ اُن کی بہت سی باتیں بشریت سے ناشی ہوتی ہیں جن کو جاننے والے جانتے ہیں۔

ف۔ چور کے متعلق جو کہا گیا کہ امید ہے وہ اس صدق کی وجہ سے ہماری سے باز آجائے۔ یہ تو ظاہر ہے کیونکہ انسان عوامانگی اور فقر ہی کی وجہ سے چوری کرتا ہے اور چور کا چوری سے دُک جانا بڑی چیز ہے کیونکہ مسلمان اس کے حشر سے بچ جائیں گے تو اس کا ثواب صدقہ سے بھی افضل ہے اور زانیہ کے متعلق جو کہا گیا کہ شاید وہ زانیہ سے توبہ کرے یہ بھی ایسا وجہ سے ہے کیونکہ بعض عورتوں کو زانیہ کاری پر فقر و احتیاج ہی براہینت کرتا ہے جس کی تکلیف کو وہ برداشت نہیں کر سکتیں اور زانیہ کے ذریعہ روپیہ کماتی ہیں۔ ایسی عورت کو جب کچھ رقم دے دی جائے گی تو وہ اس حرکت سے باز آجائے گی ہمیشہ کو نہیں تو کچھ دنوں کو کسی اور کسی کے ذریعہ زانیہ کا زانیہ سے توبہ کر لیتا صدقہ سے بھی بڑھ کر ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لا یعدی اللہ اللہ جلت وجہ و احداً غیرہ وجہ من حرام اللہ۔ تمہارے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کسی ایک آدمی کو بھی ہدایت کر دیا ہے تمہارے واسطے مہر خ ادنوں سے بہتر ہے (جو عرب کا یقینی مال ہے) ہاں جو عورتیں غلبہ شہوت کی وجہ سے زنا کرتی ہیں اُن

کو صدقہ دینے سے یہ اسیہ نہیں کرنا دے باز آ جائیں گی (قائلہ شہرح فلاحہ)
اور گواہ معنوں کو مسائل تعقوت سے متعلق نہیں مگر اوپر جو معرفت نزاکۃ کی تحقیق
اور تفہیم کی تاکید کی گئی ہے اس سے متعلق ہے اور عونا بہت لوگ اس سے غافل
ہیں۔ لوگ زنا کار گروہوں کو صدقہ نہیں دیتے۔ نہ چروہ کو حالاً نہ ان کو صدقہ دینا
زیادہ خواب ہے کہ شاید وہ گنہ گروں سے تو بچ سکیں۔

مولانا جمال الدین مرحوم وزیر ریاست جھوپال کو کسی نے خریدی کہ آغا جھوپال
میں ایک بڑی خوب صورت ندی آتی ہے تو غرض آپ نے اپنے نکستی کو اس کے
پاس بھیجا کہ تم کو وزیر صاحب بلاتے ہیں۔ وہ وزیر صاحب کے یہاں پہنچ گئی۔ آپ
نے اس کو ایک دو منزل مکان پر منتقل کر دیا اور کھانے پینے اور دیگر ضروریات پر اس
کا انتظام کر دیا۔ اس کی روزانہ فیس پانچ سو روپیہ تھی۔ یہ فیس بھی ہر دن اس کو
پہنچاتے دے اور نوکر کوں سے کہہ دیا کہ اس کے پاس کوئی آئے جانے تو اس کو
روکنا نہ جانے مگر کچھ اطلاع دی جائے کہ کون آیا اور کون گیا؟ وزیر صاحب
کے مکان پر کسی کی مجال تھی جو اس سے ملنے آتا۔ غرض ایک مہینہ تک اس کو
اپنے مکان پر رکھا۔ روزانہ فیس دی۔ مگر کسی کو اس کے پاس پہنچنے نہ دیا۔ ایک مہینہ
کے بعد اس نے خود ہی اجازت طلب کی کہ میں جھوپال سے باہر جانا چاہتی ہوں۔

تو آپ نے اس کو اجازت دے دی اور وہ اسی دن جھوپال سے باہر چلی گئی۔
لوگوں کو معلوم تھا کہ مولانا جمال الدین وزیر برٹشے ٹیک اور سٹی ہیں۔ انہوں نے
اس ندی کو اپنے مکان پر صرف اس لیے دکھایا ہے تاکہ جھوپال کے عیون خواب
لاہوں مگر ظاہر تھا کہ یہ فعل ایسا تھا جو کسی سستی سے نہیں سنا گیا تو شہر میں
بہت کچھ چرچہ مچ گیا ہونیں جب وہ ندی چلی گئی تو دیکھ کر جھوپال نے مولانا
سے بُرجیا سنا ہے آپ نے مہینہ بھر تک ندی کو اپنے مکان میں رکھا اور
روزانہ فیس بھی دی۔ فرمایا ہاں مجھ سے۔ میں نے یہ سوچا کہ اگر یہ جہاز میں
رہی تو میری ریاست کے نوجوان لڑکے گناہ کے تباہ و برباد ہوں گے اُن

کی محنت بھی خراب ہوگی اور رقم بھی ضائع ہوگی تو میں نے اس کو اپنے گھر پر
ایک دو منزل کمرہ دے دیا تاکہ ریاست کا کوئی آدمی اس سے غفلت نہ ہو اور خدا
کے فضل سے ریاست کی عازت سے مجھے بہت کچھ روپیہ کمایا ہے تو میں
نے ریاست کے جوانوں کو بچانے کے لیے ایک مہینہ میں پندرہ ہزار روپیہ اس
پر خرچ کر دیئے۔ مجھے یہ رقم کچھ بھی معلوم نہیں ہوئی اور میری ریاست کے آدمی
اس بلا سے غفلت ہو گئے۔

زمین پر مولانا کے اس بیان پر بہت گمراہ اثر پڑا اور کہا مولانا واقعی آپ
نے ریاست کی خبر خرابی کا حق ادا کر دیا۔ یہ تو آپ نے ایسا کام کیا جس کی طرف
کسی کا خیال ہی نہیں جاتا پھر مولانا کو ایک بڑی رفتہ زنگی اور خلعت شاہانہ سے
نوازا۔ مولانا جمال الدین مرحوم کی نظر اس نکتہ پر پڑی کہ کوئی زانیہ کو صدقہ دینا افضل
ہے تاکہ بھی زنا سے بچیں اور سلطان نوجوان بھی اس بلا سے بچے رہیں۔

اس کو ہے آغا کا اہل اموال کو اس طرف توجہ نہیں۔ اُن کو لازم ہے کہ
اہلی کے ذریعے یہ قانون مسلمانوں کے واسطے پاس کرانیں کہ ہر مسلمان مرد،
عورت کو سینا، خنجر وغیرہ دیکھنا حرام ہے۔ ہر مسلمان مرد عورت کو شراب کی
خرید و فروخت اور استعمال حرام ہے اور ہر مسلمان عورت کے لیے زنا کاری کو
ذریعہ کسب معاش ناجائز حرام ہے۔

قانونی طور پر ان افعال کو حرام قرار دیا جائے اور ان پر سزائے تازباد یا
قید خانہ مقرر کرانی جائے اور مسلمان ریاستوں کو بھی اپنی ریاست میں مسلمانوں کے
واسطے ایسی قسم کے قانون پاس کرنا چاہیئے۔ نیز زنا کار گروہوں کو شادی
پر مجبور کیا جائے اور جب تک شادی نہ ہو، صدقات وغیرات سے اُن
کی خبر گیری کی جائے۔

مجھے یاد ہے کہ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک ندی کا خط آیا
کہ میں نے آپ کی کتاب بشتی زیور پڑھ کر زنا سے توبہ کر لی ہے مگر بہت

کہ یہ حال درنہج (عظائمیں) (راہیں)۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اللہ تعالیٰ کے قولہ
 ص: اللہ علیہا بلا حسنة بمنہ۔

۵۔ شریعت اور حقیقت دونوں کو جمع کرنا اہل طریق کا خاص وظیفہ ہے۔
 برکتیں تمام شریعت برکتیں سناہن مشق

ہر دو سناہن کے درمیان جام و سناہن بخت

اہل طریق کو علماء کا ہر سے اسی امر میں امتیاز ہے کہ وہ شریعت
 اور حقیقت دونوں کو جمع کرتے ہیں۔ علماء ظاہر صرف شریعت کا اظہار کرتے
 ہیں حقیقت کا نہیں۔



پیشہ کے میرے پاس کوئی زریر کسب ۱۰۰ لاکھیں۔ دیکھو کہ میں اپنا توہم
 قائم رہوں۔ حضرت اقدس نے جواب دیا کہ میں تمہارے سامنے دیکھتا ہوں اور جب
 ملک تمہاری شادی نہ ہو جائے گا ہوا پر بندہ نہ ہو رہا ہوں کہ میں تمہارے پاس پہنچے رہا ہوں۔
 چنانچہ بہت دیر تک یہ رقم بانی رہی۔

(۱۷۲) مسلمان کے پاس جو کچھ بھی ہے عظیم حق تعالیٰ ہے

حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کا تمام سامان جو کچھ بھی (انسان کے پاس)
 ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں کو عطا ہے۔ خدا تعالیٰ پر کسی کا کچھ حق
 نہیں۔ اس کی دلیل حدیث کا یہ فقرہ ہے فی خلق مما اعطاه اللہ کہ اللہ تعالیٰ نے
 جو کچھ اُسے عطا فرمایا ہے اُس میں اس سے خرچ کرے۔ تو سب کو عطا کر دیا گیا ہے۔
 یہی اہل سنت کا مذہب ہے اور یہی حق ہے۔

حدیث سے اس حدیث کرنے والے کی فضیلت بھی معلوم ہوئی (کیونکہ رسول
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اُس کے فعل کو محاسب کے سامنے بیان فرمانا اس کی دلیل
 ہے کہ حضور اُس کے اتباع کی ترقیب دے رہے ہیں کہ دوسروں کو بھی ایسا ہی
 کرنا چاہیے) اور فضیلت کی وجہ یہ ہے کہ اس شخص نے شریعت اور حقیقت
 دونوں کو جمع کر دیا۔ کیونکہ جب اُس نے حدیث کی اور فقہائے اہل سنت سے
 موافق نہ ہوئی (کیونکہ جو حدیث کا مستحق سمجھا تھا وہ مستحق ثابت نہ ہوا) تو اُس
 نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی اور تسلیم و رضا سے کام لیا یہ تو حقیقت پر مبنی عمل تھا
 اور اسی کی برکت سے اُس کا عمل سالم رہا (مناجی نہ ہوا جیسا بعد میں پیام الہی
 نے بتلایا) اور شریعت کا ادب یہ تھا کہ اُس نے حدیث کا اعادہ کیا اور میں
 بار اعادہ کیا۔

ہر دفعہ میں شریعت و حقیقت کو جمع کرتا رہا اور یہ بڑا بلند حال ہے جیسا
 پہلے بھی کئی جگہ بتلایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو بھی اپنے فضل سے بلا مشقت

مرفعا ان چیزوں میں بھی نہیں کی جاتی بلکہ عورت کو اجازت اور وصحت ہوتی ہے اور ان چیزوں کا دینا مستحب بھی ہے۔ حدیث میں اس شخص کے متعلق جو کسی کو نیک دیکر دے دارد ہوتا ہے کہ اس کو اس شخص کے برابر ثواب ملے گا جو اس کھانے کو حدود کر دے جو اسی ملک سے تیار ہوا ہے۔

شمیر دینے والے کے بارے میں بھی ایسا ہی وارد ہوا ہے۔ اسی طرح کوئی کسی کو آگ دے دے تو جتنا کھانا اس آگ پر پکایا جائے گا اس کے حدود کرے گا۔ ثواب ملے گا اگر کسی کو ہانڈی دے دے تو جتنا کھانا اس ہانڈی میں پکے گا جب تک بھی پکنا رہے گا اس کے حدود کرے گا ثواب ملے گا۔ اس کے متعلق بہت احادیث ہیں جس سے تو حریض کی چیز کے دینے پر بہت ثواب بیان کیا گیا ہے۔ ان چیزوں سے انکار کرنا عورت اور جن معاشرت کے بھی خلاف ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے بعثت لاقدم مکادم الاخلاق میں مکادم اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں۔ تو عرفا عورت کو ان چیزوں کے دینے کی اجازت ہوتی ہے۔ اس لیے ان چیزوں کا مانگا محبوب نہیں اور ان میں بخل کرنا سخت میسر ہے مثلاً جو تمہارے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے حادثی بہ المرأعہ کتب لہ صدقۃ۔ جس چیز کے ذریعے انسان اپنی آبرو کو بچائے اس میں بھی اس کو حدود کا ثواب ملتا ہے۔ مگر یہ کہ مالک یا شوہر کی طرف سے کوئی علامت ایسی پائی جائے جو عرف کے صریح خلاف ہو۔ اس صورت میں اصل پر عمل کیا جائے گا اور عورت کو ان چیزوں کا دینا منع ہو گا یا اس کی مرضی سے نیا دہ دینا منع ہو گا۔

یہاں سوال یہ ہے کہ جب مال شوہر کا ہے تو عورت کو کس بات کا ثواب ملے گا؟ جواب یہ ہے کہ عورت بھی اپنے شوہر کی خزانچی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے الخازن الذی یعطی ما اوصی بہ طیبۃ بفسخہ احد المتصدقین کہ جب خزانچی اس چیز کو خوش ہو کر دیدے جس کے دینے کا اسے علم

حدیث صدقة المرأة من مال زوجها

”عن عائشة رضى الله عنها قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا انفقتم المرأة من طعام بيتها غير صدقة كان لها اجرها بما انفقتم ولزوجها اجر بما اكسب وللخازن مثل ذلك لا ينقص بعضهم اجر بعض شيئا“
ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب عورت اپنے گھر کے کھانے میں سے کچھ خرچ کرے بشرطیکہ گھر کو بر بادی نہ لگائے تو عورت کو خرچہ کرنے کا ثواب ملے گا اور شوہر کو کھانے کا ثواب ملے گا اور خزانچی کے لیے بھی یہی حکم ہے۔ ایک گھر کے کھانے کو خزانچی کم نہ کرے گا۔

تقریباً صریح کا مطلب واضح ہے مگر دونوں جگہ مالک کی اجازت شرط ہے۔ مگر کیونکہ کسی کا مال بدو ان اس کی اجازت کے خرچہ کرنا ناجائز نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لعل حال اس امسلسلہ الامم طیب نفس عندہ کسی مسلمان کا مال بدو ان اس کی خوشی کے حلال نہیں۔ ہاں اجازت میں زبان سے ہی ہونا شرط نہیں بلکہ عورت کو عادت بھی کافی ہے۔ جیسے مائل کو روٹی کا کھانا دے دینا یا کسی کو ٹکٹ یا آگ یا پانی دے دینا یا روٹی کے لیے خیر دے دینا کہ

اور اُس میں سے توڑی مقدار کے خرچ کرنے کا اُن کو حکم ہوا ہے جس پر بہت ثواب کا وعدہ کیا گیا ہے اور باقی میں برکت کا اور اگر خرچ نہ کریں تو عذاب کی وحید ہے اور باقی مال سے برکت کے اٹھ جانے کی دھمکی ہے۔ پھر بھی صدقہ فاجر ادا کرنے والے بہت کم ہیں۔

اسی طرح خزانچی جانتا ہے کہ اُس کے قبضہ میں جو کچھ ہے مالک کا ہے اور اگر وہ مالک کے حکم سے بد کسی کو دینے میں دیر کرے گا مجرم ہوگا اور اگر جلدی کرے گا سہولت سے دے دے گا تو ثواب ملے گا پھر بھی تم بہت کم لوگوں کو ایسا پاؤ گے جو لوگوں کو پریشان کئے بغیر رقم دے دیں۔ کیونکہ اُن کو مال کے ساتھ حقیق پسیم ہو جاتا ہے۔

اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ انسان جب تک مکر شیطان کے جبر سے بچے نہیں توڑ لیتا اس وقت تک صدقہ نہیں کرتا مطلب یہ کہ شیطان اُس کے مال پر دانت بیچنے بیٹھے رہتے ہیں۔ جب یہ صدقہ کا ارادہ کرتا ہے وہ اس کو روکے ہیں اُن کا من توڑ کر یہ صدقہ کر پاتا ہے۔“

(الشیطان یعدکم الفقر ویأسکم بالفقار والله یعدکم

مغفرة منه وفضلاً)

مگر مالک اور خزانچی میں فرق یہ ہے کہ مالک تو یہ سمجھتا ہے کہ مال اُس کے ہاتھ سے کوئی نہیں چھین سکتا۔ قیامت تک اُس کا حساب اسی کے دستے رہے گا اور خزانچی یہ سمجھتا ہے کہ مالک اُس کو معزول کر کے اپنا مال واپس لے سکتا ہے اور اگر مال اُس کے پاس بھی رہا تو اُس کا فائدہ مالک ہی کو پہنچے گا۔ پھر بھی حرص و طمع کی وجہ سے کسی کو دینے میں حیل و حجت نہ کرے۔ اس میں بھی حکیم کی مکت ہے۔

(هذا خلاصة ما ذكره الشارح في شرحه)

ہوا ہے تو وہ بھی صدقہ کرنے والوں میں سے ایک ہوگا تو عورت کو بھی خزانچی کی طرح صدقہ کا ثواب ملے گا۔ رہی خزانچی کیلئے ثواب کی طاعت تو کیونکہ جب اُس نے خوشی سے دے دیا اور میں کو دینے کے واسطے لیا گیا تھا اُس کو پریشان نہ کیا بلکہ حکم کے ساتھ فوز اُسی دے دیا تو اسے سلطان کا دل خوش کرنے کا ثواب ملے گا۔ کیونکہ دیر کرنے میں (ایک تو لینے والے کو پریشان ہوتی ہے دوسرے) یہ بھی احتمال ہے کہ دینے والے کی نیت بدل جائے تو دیر کرنا محتاج کے حرمان کا سبب اور جلدی کرنا احسان کا سبب ہوگا۔ کیونکہ دے دینے کے بعد اگر مالک کی نیت بدلے گی تو یہ بہت بعید ہے کہ وہ اُس کے ہاتھ میں سے واپس لینے کی کوشش کرے تو چنانچہ خزانچی خوشی کے ساتھ جلدی دے دینے میں مالک کی اعانت نیک کام میں کر رہا ہے اس لیے ثواب کا مستحق ہوگا۔ پھر خزانچی جس قدر سہولت اور جھلت کے ساتھ رقم دے گا اسی قدر لینے والے کو خوشی اور فرحت ہوگی جس سے احسان میں زیادتی ہوتی ہے اور میں چیز سے احسان میں زیادتی ہے وہ بھی احسان ہی ہے۔ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا فائدہ واضح ہو گیا کہ خزانچی بھی صدقہ کرنے والوں میں سے ایک ہے (حب کہ خوشی کے ساتھ وہ رقم دے دے جس کے دینے کا اُسے حکم ہوا ہے)۔

نیز ایک اور حقیقت بھی ہے وہ یہ کہ نفس انسانی کی فطرت میں حرص اور بخل ہے۔ اُس کے قبضہ میں دنیا کا ہر سامان بھی ہو وہ اُس کو پسے ہاتھ سے نکال نہیں چاہتا۔ اگرچہ وہ یہ بھی جانتا ہو کہ یہ اُس کی ملک نہیں ہے، تو جب وہ کچھ خرچ کرے گا ثواب ملے گا۔ کیونکہ خرچ کرنے میں نفس کی طبیعت حالت کی مخالفت اور حکم الہی کی موافقت ہے۔

دیکھو تمام عالم جانتا ہے کہ جو کچھ اُن کے پاس دنیا کا سامان ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کی ملک ہے اور اُن کے ہاتھ میں بطور عاریت کے (اعانت) ہے

(۱۷۳) مخالفت نفس میں ثواب ہے بشرطیکہ شرعاً ممنوع نہ ہو!

اس حدیث سے توفیق کے طریق کی غرضی (اور فضیلت) ظاہر ہے کیونکہ رائے کامل اسی پر ہے کہ جس کام میں نفس کی مخالفت ہو اور شرعاً ممنوع نہ ہو اس میں ثواب ہے۔ اس قاعدہ کی قواعد شرح کے موافق ہیں قدر بھی تحقیق کرو گے انشاء اللہ صحیح پایا گئے کہیں ٹوٹے صحابہ نہیں۔ اس لیے اپنی طریق سے مخالفت نفس کو اپنا دستور العمل بنا لیا ہے یہاں تک کہ ایک نعرہ دانی راہب نے اسی واسطے اسلام قبول کر لیا کہ اُس نے مخالفت نفس کا حکم دیکھا تھا تو ایک مسلمان عالم نے اُس کی حیرت عبادت دیکھ کر تعجب کیا۔

نعرانی راہب نے اُس سے پوچھا: آپسے میرا حال کیسا پایا؟
فرمایا: بہت اچھا ہے مگر ایک بات کی کسر ہے۔ کہا وہ کیا؟ فرمایا میں یہ کہ تم مسلمان نہیں ہو۔

نعرانی نے کچھ دیر کے لیے سر جھکا لیا پھر اسلام لے آیا۔ اس پر اُس کے مہر جانے شور کرنے لگے۔ اُس نے کہا: بتلاؤ مجھے قتادہ سے اندر یہ خبر کہ کس چیز سے حامل ہوا؟

سب نے اتفاق کیا کہ مجاہدہ اور مخالفت نفس کی وجہ سے کہا اسی چیز نے مجھے اسلام پر مجبور کر دیا کیونکہ جب اس عالم نے میرے سامنے اسلام کا ذکر کیا تو میرے نفس نے اسی کو قبول نہ کیا۔ اس سے میں سمجھ گیا کہ اسلام حق ہے اور میں نے جو کچھ پایا ہے نفس کی مخالفت سے پایا ہے تو میں نے مخالفت نفس ہی کے لیے اسلام قبول کر لیا اور سمجھ گیا کہ اسلام دین برحق ہے کیونکہ نفس حق ہی سے جھاگتا ہے۔ اس کے بعد اُس کا سلام بہت اچھا ہو گیا۔

”قوله فيه دليل لحسن طريق اهل الصوفية الى قوله

وحسن اسلامه“

ف۔ اصل مجاہدہ مخالفت نفس ہی ہے۔ کیونکہ نفس اکثر شہوات و محررات کی طرف راغب ہوتا ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ کھانا پینا اور سونا بھی چھوڑ دو کہ نفس تو ان کاموں کی طرف بھی راغب ہے۔ کیونکہ یہ رغبت شہوت حرام نہیں بلکہ مأمور بہا ہے۔ اسی طرح بیوی بچوں کی محبت اور اولاداری بھی رغبت حرام نہیں بلکہ مأمور بہا ہے۔ ان چیزوں میں مخالفت نفس جائز نہیں۔ البتہ ان میں حدود کی رعایت لازم ہے۔ حد سے زیادہ رغبت میں نفس کی مخالفت کی جائے اور اس کے حدود کا اجمالی علم حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے واعظ ”حفظ الحدود“ اور ”حقوق الیت“ کے مطالعہ سے ہو سکتا ہے ان کو پیش نظر رکھا جائے۔



ساتھ مذکور ہوں یہ کہ وہ دوسرے فرقے سے موصول ہوتی ہیں۔

تیسری حدیث کا لفظ عام ہے مگر لوگوں کا مال میں سے مراد قرض لینا ہے۔
چوتھی حدیث میں قرض لینے کی چند شرطیں ہیں جن کی بہت لوگ دعایت میں کرتے ہیں
کی وجہ سے لوگوں کے اموال ضائع ہو جاتے ہیں۔ فقہانے قرض لینے کے لیے جو
شرطیں بیان فرمائی ہیں وہ یہ ہیں ۱۔

(۱) اس کے پاس اتنا سامان ہو جس سے ہر حال میں قرض کو ادا کر سکے۔

(۲) یا مضطر ہو کہ اس پر عین وقت کا فائدہ گزر چکا ہے جس کی وجہ سے دوسروں
کے مال میں اس کا حق واجب ہو گیا ہو۔ کیونکہ ایسے محتاج کو اگر کوئی دینے سے انکار
کرے تو اس کو لڑ کر اس سے کماؤ وغیرہ لینا جائز ہے۔ اگر مالدار مارا گیا تو وہ بُرا
معتول ہو گا اور مضطر مارا گیا تو شہید ہو گا۔ پھر علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ فراخی
میسر آنے کے بعد مضطر کو وہ مال جو اس نے جبراً دوسرے سے لیا ہے وہ پس کرنا
واجب ہے یا نہیں (اختیار قائل یہ ہے کہ واپس کرنا واجب ہے اور یہی قرنی
حصول کا ہے) غرض کہ یہ قرض لینے کی چار ضروریات ہیں جن میں سے تین جائز ہیں۔
ایک ناجائز ہے۔

(۱) یہ کہ اس کے پاس اتنا سامان موجود ہو جس سے قرض کو ہر حال میں ادا کیا
جاسکے زندگی میں ہی مرنے کے بعد بھی ایہ تو بالا اتفاق جائز ہے۔

(۲) دوسرے یہ کہ اس کے پاس قرض ادا کرنے کا سامان نہیں۔ مگر اس نے
قرض دینے والے سے اپنا حال بیان کر دیا کہ میرے پاس اس قرض کے ادا کرنے
کا کچھ سامان نہیں اگرچہ میرے پاس آگیا ادا کر دوں گا۔ وہ جسے مطالبہ نہ کیا جائے۔
یہ بھی جائز ہے جو بعض علماء کا اس کے جزائز میں اختلاف ہے مگر ظاہر یہی ہے کہ
جائز ہے۔

(۳) اس کے پاس قرض ادا کرنے کا سامان نہ ہو مگر اس میں وہ اوصاف
مجمع ہوں جو صدیق اکبر اور معمر بن و انصار رضی اللہ عنہم میں موجود تھے۔ یعنی

حدیث

اتلاف اموال الناس

بخاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص
لوگوں کا مال اس نیت سے (قرض) لے کہ ان کو عہد کر جائے گا اللہ قسطے اس کو
برباد کر دیں گے۔ امام بخاری رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ جس
شخص کے پاس قرض ہو کہ اس نے کوئی ضمان نہ ہو اس کو قرض لینا جائز نہیں۔ اسی
طرح جس کے بیوی بچے ہوں اس کو اپنا تمام مال صدقہ کرنا بھی جائز نہیں۔ کیونکہ اس
ضرورت میں وہ اپنے بال بچوں کا حق عہد کر کے ان کو پریشان کرے گا مگر یہ کہ وہ
صبر کے ساتھ معروف ہو۔ اپنے نفس پر دوسروں کو ترجیح دیتا ہو اگرچہ خوف فاقے
سے ہو۔ جیسا حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے کیا کہ اپنا تمام مال صدقہ کر دیا اور مگر
پر انصار اور بڑوں کے نام کے سوا کچھ نہ دیا۔ اسی طرح انصار نے معمر بن کو ترجیح
دی (خود تنبیغی اٹھائی) معمر بن کو راحت پہنچائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
مال ضائع کرنے سے منع کیا ہے (خواہ اپنا مال ہو یا دوسروں کا) پس کسی کو یہ جائز
نہیں کہ صدقہ کے بہانے سے لوگوں کا مال ضائع کرے (یعنی صدقہ کرنے کے لیے
لوگوں سے قرض لے اور قرض لے کر ادا نہ کرے۔ صدقہ کے لیے ہی قرض لینا ہے
شخص کو جائز نہیں جس کے پاس ادائے قرض کا سامان نہ ہو۔ یہ حدیث معمر بن کی
اصطلاح میں تطبیق یا مصلحت کلامی ہے اور بخاری کی تعلیقات حجت ہیں جبکہ جوہر کے

مرد توکل اور کثرت سماعت اور بدون ضرورت شریعہ کے قرض نہ لے اور ضرورت سے زیادہ قرض نہ لے اس صورت میں بھی قرض لینا جائز ہے۔ قواعد شریعہ اس کے جائز پر دلالت کرتے ہیں۔

(۴) اس کے پاس قرض ادا کرنے کا سامان نہ ہو، نہ ضرورت شریعہ موجود ہو نہ مال دالے سے اپنا نکالاس بیان کرے اس صورت سے قرض جائز نہیں اور یہی صورت ہے جس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدو ادا کی ہے۔ کیونکہ شرعی ضرورت کو بہت لوگ نہیں جانتے۔ غلام ہی میں بلکہ غلام ظاہری میں نہیں جانتے۔ انہوں نے اپنے واسطے کچھ قاعدے خود بنالئے ہیں جو شرعی ضرورت میں شامل کر لیا ہے مثلاً مہلت لڑکا اور نگر خانے کا چادری کرنا (جب) ہم سے کوئی ملنے آتا ہے تو اس کو کھانا کیجئے نہ کھلایا جائے حالانکہ مہلت وہ ہے جو قرابت کی وجہ سے ملنے کے پاس کا مستحق صرف طاقت ہو۔ کوئی اور ظرف نہ دینی یا دینا نہ ہو جیسے طلب اسلوب نفس یا تعلیم و تئیس و کرم حاصل کرنا یا کسی منتہد و غیرہ کے لیے دھاکارنا یا خود و غیرہ کو کھانا فراخ کے لیے آنے والا سامان نہیں ہوتا اور جو مہلت ہو اسی کے لیے بھی تکلف کرنا اس وقت تک جائز ہے جبکہ دست ہو ورنہ جو کچھ گھریں موجود ہو وہی سامان کے سامنے پیش کر دینا چاہئے۔ اس سے زیادہ تکلف نہ کیا جائے اور اگر فاقہ ہو تو مہلت سے کہ دینا چاہئے کہ میرے بیان آنا فاقہ ہے تم بھی فاقہ کرو۔ جب خلتا ہی دے گا ہم بھی کھائیں گے تم بھی کھانا مگر تم کو بھوکے کے علاوہ بھی ان ضرورت کا سامان نہیں کرتے مہلت تو ذی اور نگر خانے کے لیے قرض پر قرض لینے دیتے ہیں اور اس طریقہ سے لوگوں کا مال لینا اپنے لیے مباح سمجھتے ہیں اور دل میں یوں کہتے ہیں کہ ہم مضطر ہیں لوگوں کے مال میں ہمارا حق واجب ہو چکا ہے۔ ہم کو قرض لینے میں کوئی عیب نہیں کیونکہ جو کچھ ہم لے رہے ہیں بامقصد ہے۔

اس پر امام بخاری نے یہ قید بڑھا کر تنبیہ کی ہے کہ بدون سامان ادا کئے قرض لینا کسی شخص کو جائز ہے جو مہر کے ساتھ معروف ہو۔ یہ نہیں کہ ضرورت کے

وقت خود اپنے دل سے یہ سمجھ لے کہ میں قرض لے کر کس کو مجاہدہ میں ڈالوں گا اور لوگوں کے تنگ کرنے پر مہر کروں گا۔ یہاں تک کہ ان کا حق ادا ہو جائے اس شخص سے کہا جائے گا کہ یہ سب حدیث النفس ہے اور نفس بڑا ضیانت کرنے والا ہے۔ مابروہ ہے جس کو عام خود پر لوگ مبالغہ کرتے ہیں۔ یہ نہیں کہ خود اپنے دل سے اپنے کو مبالغہ سمجھنے لگے اور ضرورت شریعہ وہ ہے جس کو شریعت کے جاننے والے فقہاء ضرورت کہیں۔ خود تیار اپنے دل سے کسی ضرورت کو شرعی ضرورت قرار دینا کافی نہیں) پھر معروف بالغیر ہونے کے لیے ایک شرط یہ بھی ہے کہ یہ مہر ایشاد کی شان سے ہو اور ایشاد بھی اللہ تعالیٰ کے واسطے ہو کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کو اپنا خدائی ضرورتوں پر مقدم کرنا ہو۔ یہ نہیں کہ شریعت کے واسطے یا عرف نفسانی کے واسطے مہر کرنا ہو یا مجبوری کا مہر ہو کہ اس کے پاس کچھ ہے میں (اس حالت میں مہر نہ کرے تو کیا کرے) اس حالت میں مہر نہ کرنے یا کم مہر کرنے سے کچھ فائدہ نہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ مہر کرنا، مہر نہ کرنے سے اچھا ہے۔ اگرچہ ایسا مہر کرنے والا مردوں کی حفت میں کوئی نہیں ہو سکا اور نہ اس کو اپن و فانی شمار کیا جائے گا۔

مابروہ ہے جو مہر کے ساتھ ایشاد میں بھی معروف ہو کہ دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتا ہو اگرچہ خود فاقہ اور احتیاج اور تنگی میں مبتلا ہو۔ ان شرطوں کو دیکھو اور ان میں خود مہر کر لیا اس زمانے میں اُن کا وجود کسی میں ممکن ہے؟ (بالکل نہیں) مگر یہ کہ شاید اور کسی ایک دو میں ہوں تو ہوں! ہم نے جو قرض کی چار محدثیں بیان کر کے تین کو جائز اور ایک کو ناجائز بتلایا ہے یہ غلطی تقسیم ہے کیونکہ احکام بیان کرنے والے پر قیامی احکام کا بیان کر دینا ضروری ہے۔ جو ان میں سے کوئی ضرورت نامہری کیوں نہ ہوں تین کا تو قرض ممکن نہ ہو۔ اسی لیے یہ تقسیم بیان کر دی گئی۔ دوسری حالت کے اعتبار سے تو صرف دو ہی محدثیں جائز ہیں اور دو ناجائز ہیں۔ کیونکہ تیسری ضرورت میں

میں حضرت صدیق اکبر اور حضرت مہاجرین و انصار کے ایثار کو دلیل میں بیان کیا گیا ہے اس کی جائز نہیں کیونکہ اس کی شرطیں اس زمانہ میں عام طور سے مفقود ہیں۔
(هذا فہمہ ما ذکرہ الماشرح فی شرحہ -)

(۱۶۴) بلا ضرورت قرض لینا ہی منوع ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دار (دوسروں کا مال) ضائع کرنے سے ٹوٹنا منع فرمایا ہے تو تم کو اس عموم کی تخصیص کا حق نہیں کہ یوں کہنے لگو کہ میں تو صدقہ کرنے کے لیے قرض لے رہا ہوں اور یہ اعانت مال میں داخل نہیں۔ بلکہ (حقیقت یہ ہے کہ) یہ بھی سراسر اعانت ہے۔ جب تک تم دوسرے کو عانت صحت دے تلو دو کہ میں یہ قرض صدقہ کرنے کے واسطے لے رہا ہوں۔ (پھر سے پاس اس کے ادا کرنے کا کوئی سامان بھی نہیں) اگر اللہ تعالیٰ نے میرے پاس کچھ بھی پیدا کیا تھا تو قرض لو اگر وہوں کا وردہ منچہ پر کوئی مصداق تھا تو نہ دیا ہو گا۔ اگر وہ اس پر راضی ہو جائے تو غیر درد صدقہ کے واسطے بھی قرض لینا جائز نہیں۔

اس میں علاوہ اس کے کہ تم اپنی دانستہ سے شارع علیہ السلام کے عام لفظ کو غاص کر رہے ہو ایک غلط اور مجاہد ہے وہ یہ کہ تمہارے ذمہ پر تو ایک حق لازم ہو گیا اور جو صدقہ تم نے کیا ہے اس کا قبول ہونا یا نہ ہونا ممکن ہے تو جو حق ثابت ہو چکا ہے اس سے ایک مشکوک اور مشکل چیز کو تکلف کر بری کر سکتے ہیں۔ (میں یہ خیالی لغو ہے کہ اگر قیامت میں قرض دینے والے نے مصداق کیا تو میں وہ ثواب اس کو دے دوں گا۔ جو صدقہ سے مجھے ملے گا۔ کیونکہ ثواب ملنا قبول ہونے کی شرط ہے اور قبول ہونا ممکن ہے) تو شرعاً و عقلاً (کسی طرح) یہ ضرورت ہاں نہیں۔ تم کو اس خطرناک ضرورت کے ارتکاب پر اس حکایات سے جرأت نہ کرنا چاہیے جو بعضے بابرکت حضرات سے منقول ہیں۔ مثلاً ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ ان کے زمانے میں سخت قحط ہوا تو انہوں نے بہت سامان قرض لے کر اوداس سے قرض خرید کر مسکینوں کو تقسیم کر دیا۔ جب مال والے اپنے مال کا مصداق کرنے کے بزرگ نے

دھوکے کے دھند میں پڑیں اور اللہ تعالیٰ سے دُعا کی کہ مجھے ان لوگوں کے سامنے ذلیل و رسوا نہ کیجئے۔ پھر فرمایا ہوا اٹھا کر دیکھو کیا اس کے نیچے کچھ نظر آتا ہے؟ انہوں نے دیکھا اٹھا یا تو اس کے نیچے بہت مال تھا فرمایا اپنے مال کے برابر لے لو۔ انہوں نے (شار کیا تو) اس کو برابر سزا دیا۔ تو ان بزرگ کے واقعہ میں چند احتمالات ہیں ایک یہ کہ ان کا (مدق کے ہانڈے میں) حق تعالیٰ کے ساتھ خاص معاملہ تھا انہوں نے اسی کے موافق عمل کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے میں مدق میں باہر غفلت نہ رہا جس کو میں دروازے سے روزی ملتی ہوئی اس کو چٹا رہے اور اہل توفیق (میں بزرگان دین) اسے فرمایا ہے کہ جس شخص کے لیے اللہ تعالیٰ غرق عادت کے طور پر کوئی درد وارہ خیر کا کوئی دین تو شرعاً غصہ اسی کے ساتھ مخصوص ہے دوسروں کو اس کی تحقیر جائز نہیں) اور یہ بھی احتمال ہے کہ وہ بزرگ مساجد الخوات ہوں ان کی دُعا قبول ہوئی اور رد نہ ہوتی ہو اور ان کو اللہ تعالیٰ کا معاملہ اپنے ساتھ معلوم ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ جب ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تھا تھا تو ان کا صدقہ قبول ہو گیا اور جب اللہ تعالیٰ نے صدقہ قبول کر لیا تو وہ حاجت کے وقت اپنے زندہ کو زندہ کرنے والے میں تھے حاشا وکلا (اور صدقہ کا قبول ہو چکا صدقہ تبت اور غصہ سے معلوم ہو سکتا ہے)۔

میں جس شخص کو یہ حالت نصیب نہ ہو اس کو ان جیسے بزرگوں کی تحقیر (ایسے افعال میں) جائز نہیں۔ کیونکہ ان حضرات کے حالات (و کمالات) کو تو تسلیم کیا جائیگا مگر ان کی تحقیر نہیں کی جائے گی اور نہ ان پر اعتراض کیا جائے گا۔ کیونکہ انہوں نے اللہ (اور وہ حال میں جو ان اعمال کا سبب ہے۔ اسی لیے بعض اہل طریق کا ارشاد ہے جب تم نے اپنے اسباب کام اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا اور تمہارا دل اس کے دروازہ سے چٹ گیا اور تمہارا ہاتھ دُنیاسے الگ گیا اور تمہارا حال اللہ تعالیٰ کے امر و نھی سے گھبرا گیا رہی تمہارا کوئی مال مرعی الہی کے خلاف نہ (ہو) تو تم دُنیاسے الگ ہو اگرچہ دنیا میں گئے رہے۔ غرض صحت حال کی علامت انہوں نے یہ بتائی ہے

کہ ہر طرف امداد سے گھرا ہوا ہو۔ یہی سب باتوں کا خلاصہ ہے (یعنی غفوت کا حال ہے) اور یہی وہ امر حق ہے جس پر تمام اہل مال و مال کا مال (موجودہ علماء و متفق) ہیں (سب کے نزدیک کمال اس کا نام ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی ادا و نواہی کی تعمیل میں بدرجہ کمال گزارے) اللہ تعالیٰ ہم کو یہی اُن کیلئے کرے جس پر یہ انعامات ہوتے ہیں۔ اِنَّهُ وَفِي حَبِيدٍ قَوْلُهُ اِذَا احْتَمَرَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِصْبَعَهُ مَالُ الْغَنِيِّ كَمَا لِي قَوْلُهُ وَفِي حَبِيدٍ -

فت۔ حضرت حکیم بادشاہ نور اللہ مرقدہ فرماتے تھے کہ میرے پاس ایک بزرگ پنجاب کے آئے ہیں پر چار ہزار روپیہ قرض ہو گیا تھا وہ مجھ سے ایک روپیہ کے نام سفارش چاہتے تھے۔ میں نے سفارش کر دی۔ پھر دیکھا کہ ایک آپ کے دُستِ مَنّا قرضہ کو منکر ہوا؟ کما میرے یہاں لنگر خانہ ہے جتنے بھی مُرید آتے ہیں لنگر خانہ سے کھانا کھاتے ہیں۔ پہلے تو ایسا ہوتا تھا کہ لوگ کھاتے بھی تھے اور نہ دانا بھی دیتے تھے۔ اب کچھ دنوں سے یہ ہو رہا ہے کہ لوگ لنگر خانہ سے جتنوں کھانا کھا جاتے ہیں اور کچھ دیتے نہیں اس لیے قرض ہو گیا۔

یہ حکایت بیان کر کے حضرت نے فرمایا کہ میں نے اسی واسطے اپنے یہاں لنگر خانہ نہیں رکھا۔ میں جو آتا ہوں اُس کو بتلادیا جاتا ہے کہ قیام کی جگہ یہ ہے اور طعام کا انتظام فلاں فلاں کرتے ہیں اُن سے معاملے کو۔ لنگر خانہ کے کونوں پر دو دروازے لے کر کس نے کتنے دن کھایا اور کس نے کیا کیا؟ اب اگر کوئی مجھے کچھ بھی دے تو مجھے دوسرے نہیں آنا اور جو دیتے ہے بڑے غزوں سے لیتا ہوں کہ اس میں ہدیہ کی شرائط بھی موجود ہیں یا نہیں؟ لنگر خانہ کرنے کے بعد یہ تھوڑا ہی ہوتا ہے کہ ہدیہ میں شرائط و ظروف کی تحقیق کی جاسکے اللہ بادشاہ اللہ۔ دیکھئے یہ پیارے لنگر خانہ کر کے کس قدر بیشانہ ہوئے اور میرے دل سے بھی غضب ہی کیا کہ اُن نے کھانے اور دیا دیا کچھ بھی نہیں۔ جب اُن کو معلوم تھا کہ شیخ کے پاس دُزین ہے "واجباً" ہے اور نہ کوئی اور آمدنی ہے، لنگر خانے کا مدار یہ وہی کے خدا نہ

ہم ہے۔ ایسی حالت میں ہفتوں غم کرکھا جانا اور بدوں نذرانہ دیتے جیسے جانا بیٹا کو ملکیت ہی دینا ہے۔ چنانچہ بے چاروں کو اپنے مذاق کے خلاف ایک روپیہ کے پاس مسخرانے لے جانے کی نوبت آگئی۔

میں کہتا ہوں یہ بھی غیبت ہے کہ ان بزرگ کو قرض ادا کرنے کی تو فکر ہوئی۔ جیسے قرض کی بھی پرواہ نہیں کرتے اور یہ سمجھ کر کہ ہم نے تو صدقہ کے واسطے قرض لیا ہے اگر ادا نہ ہوا تو کیا ہے قیامت میں قرض ولامواخذہ کر کے لگا تو وہ شواب اُس کو دے دیں گے جو صدقہ سے ہم کو ملا ہو گا۔ سبحان اللہ! اور اگر شواب ہی دلا ہو بلکہ حذاب لکھا گیا ہو تو کیا دے دوں گے؟ یہ سب نفس کے ہلنے ہیں جہان سے وہ گناہ کو ہلکا کرنا چاہتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کے سامنے یہ ہلنے اور بے اُودہ دیکھیں نہیں چل سکتیں۔

میں سالکین کو قرض سے بہت بچنا چاہیے۔ حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ نے اپنی وصیت میں تحریر فرمایا ہے کہ بندہ کے دُستِ قرض بھی نہیں ہوتا۔ اگر دینا ہو سکے تو قرض اپنی وصیت و نیت سے زیادہ دیکھا جائے اور نگر کر کے جلا دیا جائے تاکہ حدیث کی وعید سے محفوظ رہیں۔



حدیث

الامر بالصدقة علی کل مسلم

ابن عمر (اپنے باپ (برہ) سے روایت کرتے ہیں (رضی اللہ عنہما) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر مسلمان کے ذمہ صدقہ ہے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر کوئی (صدقہ کے لیے کوئی چیز) نہ پائے (یعنی مفلس غریب ہو تو وہ کیونکر صدقہ کرے) فرمایا اپنے ہاتھوں سے (کچھ) کام کرے جس سے اپنے کو بھی نفع پہنچائے اور صدقہ بھی کرے۔ عرض کیا اگر کوئی (اُس کی بھی طاقت) نہ پائے (اُس کو کوئی دست کاری میں آتی ہو) فرمایا وہ کسی حاجت مند پریشان کا مدد کرے۔ عرض کیا اگر اُس کا بھی موقع نہ پائے (خواہ اس وجہ سے کہ اُس کے سامنے کوئی محتاج معیبت زدہ نہیں ہے یا جس قسم کی ہمدردی اُس کو ضرورت ہے اُس سے یہ عاجز ہے) فرمایا تو وہ نیک کام کرنا ہے جو اسے کاٹنے سے بچ کر آدھے ہی اُس کے لیے صدقہ ہے۔

حدیث کا لفظ ہے کہ اُس میں صدقہ کا امر ہے ان صدقہ کرنے کے شمرح لیے کوئی فدیہ اختیار کرنے کا بھی حکم ہے اور بقا ہر امر استجابی ہے و جوبی نہیں۔ دوسری احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں بھلا اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے لا صدقة الا من ظہر فقیہ۔ صدقہ نہیں ہے مگر ان کے بعد۔ اور یہاں ہر مسلمان کا صدقہ بیان کیا گیا ہے تو یہ واجب نہیں نیز

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی دو رکعتوں کی بابت فرمایا کہ وہ اس حد تک دو اور کرتی ہیں (جو یہاں مذکور ہے) جبکہ صدقہ پر قدرت نہ ہو اور اس حدیث کے افسوس جو حضور نے یہ فرمایا ہے کہ نیک کام کرنا دسبے بڑے کاموں سے بہت دسبے ہی اُس کے لیے صدقہ ہے تو یہ مستحب نہیں بلکہ واجب ہے خواہ صدقہ کرے یا نہ کرے۔ کیونکہ بڑا کام کرنا اور اچھا کام چھوڑنا کسی حال میں جائز نہیں۔ لیکن (یہ بھی کہا جاسکتا ہے) یہاں نیک کاموں سے مراد وہ اعمال ہیں جو واجب سے زیادہ ہیں اسی طرح بڑے کاموں سے مراد وہ اعمال ہیں جو کم تر کے علاوہ ہیں اور واجبات سے زیادہ کا کرنا اور کم تر کے علاوہ حقائق سے بھی بہتار ہے۔ یہ صدقہ ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگرچہ ہاتھ بھی صدقہ ہے اور راستہ سے تکلیف کی چیز بننا دینا بھی صدقہ ہے اور اپنے مسلمان بھائی سے بشارت اور غمزدہ چٹائی کے ساتھ ملنا بھی صدقہ ہے۔ (اوسکا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور اس سے معلوم ہوا کہ دین سارے کا سارا ہی مطلوب ہے۔ فروع بھی اور مستحب بھی اور دونوں کا شریعت میں پورا اہتمام ہے۔ حدیث میں صدقہ کی فضیلت پر بھی دلالت ہے) (هذا خلاصة ما ذكره الشارع في فروعہ۔)

(۱۴۵) تعویف کی بنیاد سخاوت اور ایثار پر ہے صرفہ

(کے طریق) کی بھی دلیل ہے، جنہوں نے اپنے طریق کی بنیاد سخاوت اور ایثار پر ہی قائم کی ہے۔ چنانچہ ان میں سے ایک جماعت سے منقول ہے کہ وہ اس بات کو برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ رات کو ان کے گھر میں صدقہ کی کوئی چیز نہ دیکھنا تھے پہلے پہل اس کو خیرات کر دیتے تھے) فیہ دلیل اہل الصوفیاء کی قولہ من الصدقة المعلومة فی یوقہ۔

(۱۴۶) لوگوں میں فقیر کم اور غنی زیادہ ہیں کہ لوگوں میں (فقیر کم اور غنی

ہے اور اگر اغنیاء زکوٰۃ دے کر نکلتے رہیں تو کسی مسلمان سکین کو بیک مانگنے کی ضرورت نہیں دے سکتے۔ مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر زمانے میں مسلمانوں میں فقیر کم اور اغنیاء زیادہ ہوں گے۔ کیونکہ یہ بھی ممکن ہے کہ کسی وقت فقیر زیادہ ہوں اور اغنیاء کم مگر ان کی دولت اتنی زیادہ ہو کہ ان کی زکوٰۃ اور عشر تمام فقراء کے لیے کافی ہو جائے۔

پس اس وقت مسلمانوں میں افلاس زیادہ ہونے کا ایک سبب تو یہ ہے کہ اغنیاء باقاعدہ پوری زکوٰۃ اور عشر نہیں نکالتے اور یہ مرض اغنیاء میں آج سے نہیں بلکہ صدیوں سے جاری رہا ہے۔ اسی لیے صدیوں سے مسلمانوں میں افلاس بڑھ رہا ہے۔ دوسرے یہ کہ ہندوؤں کے اشتراط سے مسلمانوں کی ایک جماعت نے بیک مانگنے کو عیب سمجھنے کے بجائے ہنر سمجھ لیا اور اس کو مشتغل پیشہ بنا لیا ہے۔ ان کو لاکھ کما جائے کہ پٹے کٹے تندرست آدمی کو بیک مانگنا مزہ نہیں۔ تم کو دوسری کرنا چاہیے یا دستکار کی سیکہ کر بیٹ پالنا چاہیے مگر ان کی عقلیں مرغ ہو گئی ہیں وہ بیک مانگنے ہی کو ہنر سمجھتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلمان مالداروں کی خیرات کا زیادہ حصہ انہی کے قبضہ میں جاتا ہے اور یہ لوگ ہزار ہا دوسرے جمع کرنے کے بعد بھی بیک مانگنا نہیں چھوڑتے۔ چنانچہ جب وہ مرتے ہیں ان کی جو پٹرلیں میں سے سزاوار دوسرے نکلتا ہے۔ پس ان کو طریب اور فقیر سمجھنا غلط ہے اور ان کو زکوٰۃ و صدقات دینا رقم برباد کرنا ہے۔ پس مسلمانوں کو سب سے پہلے زکوٰۃ کا انتظام کرنا چاہیے پھر ہر شہر اور ہر قصبہ کے افراد کو اپنی بستی کے فقراء کی تحقیق کرنا چاہیے تحقیق کے بعد زکوٰۃ دی جائے اور ان سے کہہ دیا جائے کہ زکوٰۃ کدتم کے بعد دوسرے ہی پر نہ دے ہو بلکہ جو کچھ اس وقت تم کو دیا جا رہا ہے اس سے خیرات یا اور کوئی کاروبار شروع کرو۔ تاکہ تم اپنے پیروں پر کھڑے ہو جاؤ۔ پہلے زمانے کے فقراء ایسے ہی تھے وہ ایک دفعہ زکوٰۃ لے کر اس سے کاروبار کرنے لگتے تھے۔ البتہ یمین پتے اور جوہ

زیادہ ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اطلاق کے ساتھ ہر مسلمان پر صدقہ لازم فرمایا ہے حالانکہ یقیناً بعض ایسے ہی تھے جن کے پاس کچھ بھی نہیں (تو اس کی وجہ بظاہر یہی ہے کہ لوگوں میں مال زیادہ رخصتی ہوئے ہیں غریب کم اس لیے آپ نے اہل مطلقہ ہر شخص پر صدقہ لازم فرمایا۔ شافعیہ کا ناظر کا ناظر نہیں کیا گیا۔ جب صحابہ نے عرض کیا کہ کسی کے پاس صدقہ کرنے کے لیے کچھ نہ ہو تو اس وقت فقیروں کا حکم بیان کر دیا گیا)۔

بعض علماء نے مسکین کی قلت پر اس بات سے استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صدقہ واجبہ میں صرف چالیسوں حصہ فرض کیا ہے اور وہ بھی مطلق نہیں، بلکہ بقدر نصاب مال ہونے پر واجب کیا ہے کہ چاندی یا پتے (دوسرے ہم معنی ساتھ ہاؤن تولد) یا اور سونا، بیس دینار (یعنی ساٹھ سے سات تولد) ہو اور عظیم رجم (جس کا حکم بھی کامل ہے اور رحمت بھی کامل ہے) اپنے (غریب) بندوں کے لیے ایسی مقدار مقرر نہیں کر سکتا جو ان کے واسطے کافی نہ ہو حالانکہ وہ ان کا شمار بھی جانتا ہے اور حالت سے بھی باخبر ہے اللہ العلیٰ من خلقہ و هو الاعلیٰ علیٰ کل شئ کیا جس نے پیدا کیا ہے وہ بھی نہ جانتا کہ وہ بڑا یا کچھ کم اور پوری طرح باخبر ہے تو چونکہ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ مسکین کم ہوں گے اور یہ بھی معلوم تھا کہ (جتنے بھی ہوں گے) ان کو (اغنیاء کی دولت کا) چالیسواں حصہ کافی ہو جائے گا تو یہی مقدار فرض کر دی گئی اور اغنیاء سب کے سب اس مقدار زکوٰۃ کو جو اللہ تعالیٰ نے ان پر واجب کیا ہے نہ نکالتے رہیں تو کبھی کسی سکین کو بیک مانگنے کی ضرورت پیش نہ آئے۔

قوله فيه دليل على ان الیسا في الناس اغنیاء الى قوله

ما احتاج مسکین لان یسأل احدا۔

ف۔ اس دلیل کا یہ مقدمہ یقیناً صحیح ہے کہ اغنیاء مسکین کی دولت کا چالیسواں حصہ اور زمینداروں کی پیداوار زمین کا عشر عشر یا مسکین کے لیے کافی

دیکر اپنے کو نفع پہنچانا مقدم ہے کیونکہ سب سے بڑا عقد یہ ہے کہ انسان اپنا بوجھ دوسروں پر نہ ڈالے اور اہم کو مقدم کرے۔ اس کے بعد عقد کرے پھر یہ لفظ انسان کی تمام ضرورتوں کو عام ہے خواہ اس کی ذات سے متعلق ہوں یا اہل و عیال سے یا اپنے گھر کی حاجت سے جو عادت بشر کو لاحق ہوتی ہیں بشرطیکہ شریعت کے موافق ہوں کہ یہ قید تو تمام حالات میں لازم ہے۔ و فیہ دلیل عقلی نقلی و کتب الی قولہ فان هذا اصل فی کل احوال۔

ف۔ تم دیکھتے ہو کہ شریعت میں عقد کا کس طرح اہتمام ہے کہ جس کے پاس کچھ نہ ہو وہ بھی اپنے ہاتھ سے کسب معاش کرے اور اپنی حاجت کو پورا کر کے کچھ صدقہ کسے اس کی جب ایک تو وہی ہے کہ شریعت مسلمانوں کے اغلاس کو وہود کرنا چاہتی ہے۔ شریعت اس کو گولہ نہیں کرتی کہ ستر درست ہٹا کر آدھی ہو دوسروں کے ہاتھ کو دیکھے بلکہ اُسے خود کسب معاش کر کے دوسروں پر صدقہ کرنا چاہیے۔ اگرچہ ستر درست مسلمان اس پر عمل کرنے لگے اور کوئی بھی بیکار نہ رہے کسی دیکسی کام میں لگ جائے خواہ مزدوری ہی کرنے لگے یا جنگل سے گھاس اور کلتری کاٹ کر بیچے یا اور کوئی صنعت و حرفت اختیار کرے تو یقینی مسلمانوں میں شیک مانگنے والا کوئی باقی نہ رہے۔

دوسری وجہ صدقہ کے اہتمام کی یہ ہے کہ اس سے نکل کا مادہ نکل جاتا اور سخاوت پیدا ہوتی ہے۔ جو شخص صدقہ کا اہتمام کرے گا اور روزانہ کچھ نہ کچھ خیرات کرنے کا التزام کرے گا تم دیکھو گے کہ کچھ عرصہ کے بعد اُس میں سخاوت کی صفت پیدا ہو جائے گی۔ جو اخلاقی عیدہ میں اخلاقی درجہ کی صفت ہے۔ نیز صدقہ کی عادت سے دنیا کی محبت بھی دل سے نکل جائے گی اسی لیے موقوفہ نے فرمایا ہے کہ سخاوت نہد کا دوا زہ ہے بلکہ وہی عین نہد ہے۔ صدقہ کا اہتمام وہی کرتا ہے جس کے دل میں دنیا کی محبت نہ ہو اور اگر کسی کے دل میں دنیا کی محبت نہ ہو بھی تو صدقہ کی عادت سے انشاء اللہ دل اس گندگی سے پاک

عورتیں یا بزرگے اور پانچ مجبوزا زکوٰۃ کے بیروں پر رہتے تھے جن میں سے یتیم بچے تو تعلیم و تربیت سے فارغ ہو کر عیب مانے ہو جاتے اپنے پیروں پر کھڑے ہو جاتے تھے اور بڑے عورتیں دوسری شادی کو عیب نہ جانتی تھیں وہ بھی کچھ دلوں کے بعد زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہو جاتی تھیں۔ اگر اب بھی اس کا دواچ پوری طرح ہو جائے تو بڑے عورتیں بہت کم رہ جائیں۔ اور ظاہر ہے کہ پانچ اور مسند کی تعداد زیادہ نہیں۔ اس طریقہ پر انفاق کے ساتھ عمل کیا جائے تو یقیناً مال دار اور زمین دار مسلمانوں کی زکوٰۃ و عشر مسلمانوں کا اغلاس دور کرنے کے لیے کافی ہو جائے۔

(۱۷۷) **کسب معاش کی فہمیت** حدیث سے کسب معاش کی فضیلت بھی معلوم ہو رہی ہے بشرطیکہ شریعت کے موافق ہو اور اُس سے دین میں مدد ملے جو لفظ یعنی بعد اس پر دال ہے جس سے ان تمام مفتوں کا جزو مذہب ہوتا ہے جو ہاتھ سے کی جاتی ہیں بشرطیکہ شریعت کے خلاف نہ ہوں۔ حدیث میں یہ بھی بتلایا گیا کہ اپنی ضرورت کو صدقہ پر مقدم کرنا چاہیے۔

چنانچہ ارشاد ہے یعمل بیدہ فیمنغ نفسه ویتصدق (جس کے پاس صدقہ کرنے کے لیے کچھ نہ ہو اپنے ہاتھ سے کچھ کام کرے پھر اپنے کو فائدہ پہنچائے اور صدقہ بھی کرے۔ جو حضور نے دستار دی کے بعد اپنے کو فائدہ پہنچانا پہلے بیان کیا پھر صدقہ کو بیان کیا۔ اس میں تم غور کر گے تو بلا عجیب اشارہ پاؤ گے۔ کیونکہ اگر آپ صرف اتنا کہ دیتے یعمل بیدہ ویتصدق کہ وہ اپنے ہاتھ سے کچھ کام کرے اور صدقہ کرے تو صحابہ کے سوال کا تو جواب ہو جاتا۔ کیونکہ وہ تو صدقہ ہی کے ہاتھ سے سوال کر رہے تھے مگر کسی کو یہ کہنے کا موقع مل جاتا کہ بس میں تو صدقہ کرنے کے واسطے کام کروں گا اور خود اپنی ذات کے لیے اللہ تعالیٰ پر توکل کروں گا جو وہ وہی گے لے لوں گا۔ حضور نے فیمنغ نفسه بڑھا کر بتلایا

ملے گا۔ پس وہ ٹرسے گا کہ اس سے بچتے رہیں۔ اور یہ قسویٰ ہی ہے جیسے ایک حدیث میں آیا ہے کہ فقراء و صبا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ مالدار (صحابہ) صدقہ کی وجہ سے ہم پر سبقت لے گئے (نہا روزہ وغیرہ تو وہ بھی کرتے ہیں، ہم بھی کرتے ہیں مگر وہ صدقہ بھی کرتے ہیں اور ہم اس سے عاجز ہیں) تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تم کو ایسی بات بتاتا ہوں جو صدقہ سے بھی (تبار سے واسطے) بہتر ہے۔ تم ہر نماز کے بعد ۳۳ بار سبحان اللہ اور ۳۳ بار ایشہ اکبر اور ۳۳ بار الحمد للہ کہو اور لا الہ الا اللہ و لا شریک لہ والملك و لا اله الا هو علی کل شیء قدیر) کہہ کر سو کا عدد پڑھا کر دیا کرو یہ صدقہ سے بھی (بڑھ کر ہے)۔ اغنیاء و صبا کو یہ خبر سنی تو وہ بھی ہر نماز کے بعد یہ عمل کرنے لگے۔

فقراء و صبا کے پاس دوا ہیں کہنے اور کہا یا رسول اللہ! اغنیاء دے تو وہ عمل بھی شروع کر دیا اور جو آپ نے خاص ہم کو بتلایا تھا، حضور نے فرمایا کہ یہ اللہ کا فضل ہے وہ جس کو چاہے عطا کرے (یعنی اب تم کو یہ توفیق دے کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ان کو فضیلت دے دیں و لا تمنوا ما فضل اللہ بہ بعضکم علی بعض) اور یہاں سے معلوم ہو کہ شریعت ہم سے پورے دین (پر عمل) کا مظاہرہ کرتی ہے قرآن کا بھی نوازل کا بھی اور سجدت کا بھی۔ جس کا طریقہ یہ ہے کہ اوقات فرض کو مقدم کیا جائے پھر سجدات و نوازل میں جو اعمالی ہوں اس کو اختیار کیا جائے اور جو سب ہی کو سبب لائے (سبحان اللہ) اُس کے کیا کئے ہیں اور جو سجدات میں سے ادنیٰ کو بجا لائے اعلیٰ کو چھوڑ دے اُس نے پسندیدہ طریقہ کو چھوڑ دیا لیکن پھر بھی وہ خیر سے محروم نہیں ہو گا اور جو شخص سجدات میں سے کچھ بھی نہ بجالائے اُس نے اپنے کو بہت خسارہ میں لکھا تو اب وہ ٹرسے گا کہ اس کی سب سے بہت دے اس پر بھی اُس کو ثواب ملے گا۔ اگر یہ بھی نہ کیا تو اُس کے ہاتھ سے دین جانا۔ یا اُس کے پاس دین کا کوئی نشان نہیں۔ نال الله العافیہ بہستہ۔ قرلہ مفہوم

ہو جائے گا وجب الدیاد اس کا خطبہ، توفیق کی محنت ہی تمام گئی ہوں کی جڑ ہے۔ جب یہ دلی سے نکل جاتی ہے، پھر تک ہوں کا سلسلہ ختم ہو جاتا اور نیکیوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔

(۱۶۸) نفع متعدی نفع لازم سے افضل ہے (حدیث کا مفہوم تھا انشاء کے بعد یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اولہ صدقہ کی ترغیب دی ہے کیونکہ اس کا نفع متعدی ہے جب اُس سے عاجز ہو تو اُس کے قریب یا اُس کے قائم مقام کی ترغیب دی کہ (ہاتھ سے) کام کرے پھر خود بھی نفع حاصل کرے صدقہ بھی کرے کیونکہ اس کا نفع بھی متعدی ہے جو یہ بھی نہ کر سکے تو اُس کے قائم مقام اس امر کی ترغیب دی کہ کسی حاجت مند پریشان کی مدد کرے و اس کا نفع بھی متعدی ہے) اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو گو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ نیک کاموں میں ان جیسا (اُن کے برابر) کوئی کام نہیں۔ لیکن جو معروف یعنی جو بھلائی بھی ہو سکے کرے۔

معروف سے مراد وہ عمل ہے جو شرعاً پسندیدہ اور مستحب ہو اگرچہ اتنا ہی ہو کہ مسلمانوں کے راستے میں سے تکلیف دینے والی چیز ہٹا دے یا پھٹ لکھ دو کہ قسب پر ہر لیا کرے۔ مطلب یہ ہے کہ اپنے کو مستحب کام سے خالی نہ رکھے۔ کوئی مستحب کام (فرائض و واجبات سے زیادہ) کر لیا کرے اگرچہ تھوڑا ہی ہو (مکوئی ہی حد درجہ کا ہو) کیونکہ اس میں بھی صدقہ یعنی ثواب ہے اور اگر تم کسی مستحب پر بھی قدرت نہیں دیکھتے تو کہہ دنا شریعت کو کہ جانا بیٹے بڑے کاموں کو جو شرعاً منظور ہیں چھوڑ دینا جب حدیث سے اس پر بھی تم کو ثواب ملے گا۔ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن لوگوں کو تسلی دی ہے جو فرائض و واجبات سے زیادہ سجدات کے بجا لانے سے عاجز ہوں بشرطیکہ واقعی عاجز ہوں خواہ (عاجز بننے نہ ہوں کہ ان کو شریعت سے بچنے میں بھی ثواب

الحديث على هذه التوقيعات الى قوله نساى الله العاقبة -

فت - موفیہ اور قضاء میں یہ قاعدہ مشہور ہے کہ کائنات متعدی لازم ہے افضل ہے اسی لیے اُن اعمال کو افضل کہا جاتا ہے جن کا نفع متعدی ہے - مگر یہ بھی لینا چاہیے کہ یہ قاعدہ مستحبات و فرائض میں نہیں ورنہ لازم آئے گا کہ رکوع نماز سے افضل ہو حالانکہ بالاتفاق ایمان کے بعد تمام اعمال سے افضل نماز ہے حالانکہ اُس کا نفع لازم ہے اور رکوع کا نفع متعدی ہے - مگر فاضل میں قاعدہ مذکورہ جاری نہیں - یہ قاعدہ مستحبات میں ہے کہ جس مستحب کا نفع متعدی ہو وہ اُس سے افضل ہے جس کا نفع لازم ہے اور مستحبات میں بھی یہ قاعدہ کلیہ نہیں بلکہ اکثر ہے کہ بعض دفعہ شرح بمقرطاب حق کے لیے اُن اعمال کو ترجیح دیتا ہے جن کا نفع لازم ہے - اس کو دیکھتے ہیں کہ جس کو امر امن قلب پر پوری نظر ہے وہ جانتا ہے کہ جس شخص کی اصلاح نفس پوری طرح نہیں ہوئی اس کو نفع متعدی کا اہتمام مفید نہیں ہوتا بلکہ عجب و کبر کا سبب بن جاتا ہے اس لیے جندی ملوک کو خدمت خلق کے خیال سے بھی روکا جاتا ہے -

جیسا بعض لوگ ذکر و مشغل و اصلاح باطن میں اس قصد سے مشغول ہوتے ہیں کہ اپنی اصلاح و تکمیل کے بعد ہم دوسروں کی اصلاح کریں گے - یہ خیال عجب - کبر سے پیدا ہوتا اور اُس کو بڑھاتا ہے - جندی ملوک کو معرفت اپنی اصلاح کا قصد کرنا چاہیے یہ وسوسہ بھی نہ لانا چاہیے کہ بعد میں دوسروں کی اصلاح کر لی گا - اسی طرح اس کو واعظ کہنے سے بھی منع کیا جاتا ہے کیونکہ لوگوں کی تعظیم و تکمیل سے اُس کا دماغ غراب ہو جاتا ہے و اعظم غلوں پیدا نہیں ہوتا - وہ اپنی تقریر کرنے کی خواہش کرتا ہے جس سے لوگوں میں تعریف ہو تاہم مشہور ہو تو ایسا نفع متعدی کس کام کا جس میں اخلاص نہ ہو - جملہ اعمال کی روح اخلاص سے ہے - اگر اخلاص نہیں ہے تو عمل مقبول نہیں خواہ اُس کا نفع لازم ہو یا متعدی -

میں نے حضرت حکیم الامت نور الدین رحمہ اللہ سے سنا کہ ایک دفعہ حضرت مولانا محمود الحسن صاحب صدر مدرس دیوبند کا پندرہمیں قدام کے اہل اسرار سے وعلا کے لیے کھڑے ہوئے - اُس وقت اتفاق سے کسی مسئلہ منطقی کی تقریر در بیان میں آگئی - حضرت مولانا نے اس مسئلہ کی ایسی تشریح فرمائی کہ علماء منطق نے بھی دہشتی ہو گئی - استاد تقریر میں ایک بہت بڑے منقول عالم شریف نے آئے - حضرت مولانا کی نظر جو اُن پر پڑی فوراً تقریر بند کر کے بیٹھ گئے - جب جلسہ منتشر ہو گیا تو ایک بزرگ نے عرض کیا کہ آپ نے غلام صاحب کے آئے پر تقریر کیوں بند کر دی؟ یہی قیاس اس تقریر کا تھا کہ اُن کو بھی معلوم ہو جاتا کہ علماء دیوبند منقول و منطق میں بھی کسی سے کم نہیں - فرمایا ہاں یہی خیال تو میرے دلی میں بھی آگیا تھا کہ اب موقع ہے اسی لیے تقریر بند کر دی -

مطلب یہ تھا کہ جب و عظم میں اس خیال سے کوئی تقریر کی جائے کہ اب موقع ہے اب بعض غلوں کو بھی بھارا کمال معلوم ہو گا تو غلوں کماں باقی رہا - اس وقت تقریر بند کر دینا چاہیے - سبحان اللہ! یہ حضرات اہل اقلوب تھے نفس کے مکد کید پر ہر وقت اُن کی نظر رہتی ہے - اگر ہم جیسے ہوتے تو کسی کی سی تاویل سے غلوں کا جوئے کر لیتے اور تقریر بند نہ کرتے - شاید یہ تاویل کر لینے کہ ہم اپنا کمال نہیں ظاہر کرتے بلکہ اپنے بزرگوں اور استادوں کا کمال ظاہر کرتا چاہتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے سامنے یہ تاویلیں نہیں چلی سکتیں -

خلق را گیرم کہ نفسہ ہی تمام در غلط انداز کی تاہم غلوں و عظم

بازدا تدبیر و حیلہ کے رعاست

کار با و راست باید داشتن رایت اخلاص و صدق افراشتن

پس صدق کرنے والے کو بھی اخلاص کا اہتمام کرنا چاہیے اسی لیے صدق و نافذ کو چھڑا کر دینا افضل ہے کہ بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہو کہ دائیں ہاتھ سے کیا دیا ہے -

پریشان ہو تم اس کی تسلی و تعزیت کے لیے ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگو اور اس کا غم غلط کر دو قرآن کو کس قدر راحت ہوگی۔ پس جو شخص کسی مسلمان کی مالی اہلاد ذکر کے وہ ان طریقوں سے کسی پریشان آدمی کی پریشانی کو دور کرنے کا اہتمام کرے تو اس کو بھی صدقہ کا ثواب ملے گا۔

ہمارے بزرگوں میں حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کا بد صلوئی رئیس واقفیتا تھے۔ ایک دفعہ آپ پیادہ سفر کر رہے تھے اور عادت اکثر پیادہ سفر کرنے کی تھی۔ راستہ میں ایک ٹوڈے کو دیکھا سر پر لکڑیوں لادے ہوئے جا رہا ہے۔ اور بوجھ کی وجہ سے سانس بھول رہا ہے۔ آپ آگے بڑھے اور اس سے کہا بھائی تم خشک گئے ہو۔ لاؤ کچھ ٹوڈے دیکر میں یہ بوجھ لے لوں۔ اس نے مقدس صورت دیکھ کر کہا کہ تم بھی تو بوڈھے ہو مجھ سے کچھ زیادہ مضبوط نہیں معلوم ہوتے فرمایا ہاں خشک ہے مگر میں بھائی باجہ سفر کر رہا ہوں اس لیے تم سے زیادہ تھکا ہوا نہیں۔ اس نے کہا مگر تمہاری صورت شریفانہ ہے تم نے بوجھ اٹھانے کا کام کب کیا ہوگا؟ فرمایا میں بھائی کام تو سب ہی کو کرتا چڑھتا ہے غرض بہت اہلرو کے ساتھ اس سے لکڑیوں کا بوجھ لے کر اس کے گاؤں تک پہنچایا۔ اس کا گاؤں ایک دو میل کے فاصلہ پر تھا۔ راستہ میں بائیں ہونے لگیں تو وہ بوڑھا پوچھتا ہے کہ کیاں تم مولوی مظفر حسین صاحب کو بھی جانتے ہو جو کھاندہل میں رہتے ہیں۔ فرمایا ہاں جانتا ہوں۔ کہا مجھے اُن سے ملنے کا بہت ہی شوق ہے۔ مذموم وہ آج کل کھاندہل میں یا کہیں باہر ہیں۔ جب اُس کا گاؤں آگیا اور اس نے آپ کے سر پر سے بوجھ اتار لیا اُس وقت فرمایا کہ بھائی مظفر حسین قومیرا ہی نام ہے کھاندہل رہتا ہوں اور وہیں جا رہا ہوں لوگ مولوی مظفر حسین بھی کہہ دیتے ہیں۔ یہ سن کر بوڑھا بیروں میں گر پڑا کہ حضرت یہ آپ نے کیا کیا؟ فرمایا کچھ ہے، مسلمان مسلمان کے کام آئی جاتی ہے۔ یہ بھی حاجت مند پریشان کی مدد کی ایک صورت ہے اور تم سوچو گے تو

(تنبیہ) یہاں ایک سوال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کیوں فرمایا کہ کسی حاجت مند پریشان کی مدد کر دے۔ حالانکہ ثواب تو ہر مسلمان کی مدد کرنے میں ملتا ہے۔ خواہ حاجت مند جو یا نہ ہو۔ کیونکہ ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اللہ فی عون العبد مادام العبد فی عون العبد۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کی مدد کرتے ہیں جب تک وہ اپنے بھائی (مسلمان) کی مدد میں لگا رہے۔ ہر آپ یہ ہے کہ ثواب تو ہر مسلمان کی مدد میں ملتا ہے مگر جب محاسبہ صدقہ کی افراط سے سوال کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ اُن کو ایسے اعمال بتا دیں جن کا ثواب صدقہ کے برابر ہو۔

موصوفہ ہر ہے کہ حاجت مند پریشان کی مدد میں ثواب زیادہ ہے اگر حاجت مند نہ ہو تو ثواب کم ہے اور حاجت مند ہو پریشان نہ ہو جب بھی اس قدر ثواب نہ ہوگا جتنا حاجت مند پریشان کی مدد میں ہے۔ پس اس صفت کے زیادہ ہونے سے حد کا ثواب اس قدر ہو گیا کہ حد تک فوت ہونے کی تلافی ہو جائے گی۔ پھر یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ یہاں حد سے مراد مالی اور دینی کیونکہ یہ عمل اُس شخص کے واسطے بتلا یا گیا ہے جو حد تک مالیر سے بالکل عاجز ہے۔ حد سے یہاں مراد یہ ہے کہ پریشان آدمی کو پریشانی سے نکلنے کا راستہ بتلا دیا جائے اگرچہ اپنے پاس سے کچھ نہ دو۔ مثلاً اُس سے یوں کہو کہ میں تم کو ایک محدث بتلا دوں جس سے یہ پریشانی دور ہو جائے گی۔ اتنا کہنے سے ہی پریشان آدمی کو اس درجہ خوشی ہوگی کہ حد تک لینے سے نہ ہوتی۔ مثلاً ایک آدمی راستہ بھول گیا ہے تم اس سے کہو کہ آؤ میں تم کو اس جگہ پہنچا دوں گا جہاں تم جانا چاہتے ہو۔ یقیناً تم کہو داہ کو تمہاری اس بات سے بے حد خوشی ہوگی یا کسی پر مقدمہ قائم ہو گیا ہے تم اس سے کہو کہ میں تم کو فغان نہیں کے پاس پہنچائے دیتا ہوں وہ قسم دے کر سفارش حاکم سے کر دے گا۔ خود کو پناہ لو کہ اتنا کہنے سے پریشان آدمی کو کس قدر تسلی ہوگی یا کسی کا کوئی عزیز قریب مر گیا ہو اور وہ اُس کے غم میں

اور بہت سی عورتیں سمجھ میں آ جانیں گی۔

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس کی توفیق عطا فرمائیں کہ اپنے حاجت مند پریشان بھائیوں کی پریشانی دور کرنے کی تدبیریں سوچا کریں اور ان کی مدد کی کریں۔ اگر سب مسلمان بھائیوں میں یہی ایک وصعت پیدا ہو جائے تو ان کے دن پھر مایوس اور یہ صورت حال بدل جائے جو اس وقت ان پر ہواں کی طرح مسلط ہے جس کا سبب بجز اس کے کچھ نہیں کہ ہر شخص کو اپنی فکر ہے دوسروں کی فکر نہیں۔ ہر شخص اپنی غرض کا بندہ ہے۔ اپنی ذاتی منفعت کو قوم کی منفعت پر مقدم کرتا ہے۔ جب تک کسی قوم میں یہ مرض موجود ہے وہ کبھی دنیا میں عزت و راحت حاصل نہیں کر سکتی۔

(۱۷۹) دوسروں کو پریشان کرنا گناہ اور خود کو پریشان کرنا ثواب ہے

اس جگہ ایک بات پر تنبیہ (ضروری) ہے وہ یہ کہ شریعت کی حکمت میں خود کو دوسروں کو راحت پہنچانا اور ان کا دل خوش کرنا تو ثواب ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے واسطے ایسا کیا جائے اور دوسروں کو ضرر پہنچانا اور پریشان کرنا گناہ ہے مگر خود اپنے نفس کو پریشان کرنا اس کو مجاہدہ (اور مشقت میں ڈالنا ثواب ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کے واسطے کیا جائے۔ چنانچہ حضرت علیہ السلام نے موئی علیہ السلام سے رابطہ وصیت سے کفر یا قتل و زحار یا خوف قلبی یا خوف ذلتی معافی یعنی ذلت۔ اپنے دل کو خوف سے مجرماً جڑاتے دیکھ کر یہ حق تعالیٰ کو پسند ہے۔

خود کو اس میں کوئی حکمت معلوم ہوتی ہے یا نہیں؟ ہم پہلے کئی بار ذکر کیجئے ہیں کہ مکرم کوئی کام بدو نہ حکمت کے نہیں کرتا (تو اس میں ضرور کوئی حکمت ہے) چنانچہ اس کی حکمت ظاہر بھی ہے اور مخفی بھی۔ وہ یہ کہ (واللہ اعلم) اگر تم اپنے آپ کو خوش کرو گے اگرچہ یہ دلوں کی بھی کر دے کہ اللہ تعالیٰ کے واسطے ایسا کرنا ہے تو بھی نفس کے وسیعہ (اور مخفی کید) سے بہت کم سالم ہو گے کیونکہ اس

میں نفس کو خطا حاصل ہوتا ہے (اور میں مل میں خطا نفس شامل ہو اس کا اللہ تعالیٰ کے واسطے ہوتا بہت دشوار ہے۔ اس لیے اپنے نفس کو خوش کرنے میں ثواب نہیں بلکہ اس کو مجاہدہ و مشقت میں ڈالنا ثواب قرار دیا گیا) اور یہ سب ذریعہ کی بنس سے ہے جو کہ شریعت کا قاعدہ کلیہ ہے (کہ جو چیز کسی وقت شر کا ذریعہ بننے لگے اس کو شروع ہی سے روک دیا جاتا ہے یہ میں کہ ذریعہ بننے کے وقت منع کی جائے اور پہلے جان کر نہ کر جائے) اس کی ایسی مثال ہے کہ حق تعالیٰ نے نگہ کو خشک رکھا کہ وہاں کبھی نہیں ہوتی اور وہاں تک پہنچنا بھی مشقت سے خالی نہیں تاکہ وہاں جانا اور قیام کرنا خالص اللہ تعالیٰ کے واسطے ہو کیونکہ اس میں (بظاہر) کوئی ایسا چیز نہیں جو نفس (کی لذت اور عطا) کے مناسب ہو اور اگر برعکس معاملہ ہو تو کہ کٹر سرسبز اور شادابی اور (کثرت) فواکہ میں مشق جیسا ہوتا تو وہاں جانا اور قیام کرنا خالص عبادت کے لیے نہ ہوتا۔ کیونکہ اس کی سرسبزی میں عطا نفس اور تفریح بھی شامیل ہو جاتی (اسی طرح یہاں سمجھو کہ اپنے نفس کو خوش کرنے میں چونکہ خطا نفس کی بھی آمیزش ہے اس لیے اس میں ثواب نہیں بلکہ دوسروں کو خوش کرنے میں ثواب ہے)۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ خیر و دل کو خوش کرنا اگر خالص اللہ تعالیٰ کے واسطے ہو تو اس میں نفس کو کچھ دیکھ کر تعب ضرور ہوتا ہے۔ کم از کم یہی بات ہے کہ ہر شخص کا دل ہر قسم کی بھلائی کو اپنے واسطے پسند کرنا چاہتا ہے اب اگر دوسرے کے لیے ایسا کرے گا اور اس کو کچھ بھلائی دینا چاہے گا تو دل پر تعب ہوگا اور یہ (دل کا) تعب ظاہر کے تعب سے کچھ زیادہ گہرا ہے۔ تو اس صورت میں عبادت خالص اللہ تعالیٰ کے واسطے ہوگی اور عبادت کی بڑا خلاص ہی تو ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں وہ غلصہ لہ الدین کہ اللہ کے لیے غلصہ کیے ساتھ عبادت کا امر کیا گیا ہے) تو رسول اللہ صلوٰۃ علیہ وسلم نے غلصہ کے اسباب بھی بتلا دیئے تاکہ اس کی برکت سے بندہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے

مسلمان کو خوش ہونا چاہیے اور کجھ اللہ پر مسلمان کو اس کی خوشی کے وہ اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب کا وارث اور اس کے آخری پیغمبر کا امتی ہے۔ مگر یہ خوشی وہ نہیں جس سے یہاں کٹ ہو رہی ہے۔ یہاں ایسی چیز پر خوشی ملو ہے جو اس کے ساتھ مخصوص ہو جسے اپنا علم و عمل و عبادت وغیرہ۔

اور حدیث میں مسرت سے عبادتی مسرت ہے جو بے اختیار نہ لگے اسے اور کرتی ہے۔ جیسے گناہ سے ایک قسم کی پریشانی اور وحشت و رنج بھی ہر مسلمان کو ہے اختیار ہوتا ہے۔ غرض حدیث میں مسرت اختیار ہی مراد نہیں اور شارح کا مطلب یہ ہے کہ اپنی کسی خاص حالت سے اپنے نفس کو قہراً غرض کرنے میں ثواب ہیں۔ اس پر کچھ اشکال وارد نہیں ہوتا۔ مگر یہ ضرور کہا جائے گا کہ یہ قاعدہ کلیہ نہیں بلکہ اکثر یہ ہے کیونکہ بعض دفعہ اپنی کسی خاص حالت سے بھی اپنے نفس کو خوش کرنے میں ثواب ہوتا ہے۔ مثلاً کسی پر بھالبت قبض تزن و غم یا خوف کا اس قدر غلبہ ہو جائے کہ یا اس کے قریب حالت پتخ مانے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کی وہ نعمتیں جو خاص اپنے اوپر ہیں سوچ کر دل کو خوش کرتا اور یاس کو دور کر سکے جا کی کیفیت پیدا کرتا ثواب ہے۔ کیونکہ خدا کی رحمت سے یاس اور نا امیدی کو بڑے اور رجا ایمان ہے تو جو خوشی کلو سے بچا کر ایمان کی طرف لائے قینا میں اس میں ثواب ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کی محبت دلی میں غالب کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کو جو اپنے ساتھ مخصوص ہیں سوچنا اور ان سے خوش ہونا ثواب ہے۔ کیونکہ یہ خوشی غلبہ محبت الہی کا ذریعہ بن رہی ہے جو کثر فرما مطلوب ہے یہی وہ احوال ہیں جن کے لیے شیخ محقق سے رجوع کرنے کی ضرورت ہے، وہی کچھ رکھتا ہے کہ اس کے لیے اپنے دل کو خوش کرنا ثواب ہے اور اس کے لیے اپنے نفس سے مجاہد کرنا ثواب ہے۔

ف۔ اوپر کہا گیا ہے کہ میں کوئی ایسی چیز نہیں جو نفس کی لذت

مدد پہنچے۔ اسی لیے یحییٰ بن ارقی رحمتہ اللہ علیہ نے جو دونوں جماعتوں کے بڑے ہیں (علماء کے بھی حویلی کے بھی) فرمایا ہے کہ تم نے عبادت کے معاملہ میں فکر کی تو غربت (یعنی فکر چھوڑنے) سے زیادہ کئی چیز کو اس میں عین نہیں پایا۔ کیونکہ وطن اور اہل و عیال اور ہمسایوں کے پاس رہنے میں نفس کو بہت سے موانع (اور مخلوط نفسانہ) پیش آتے ہیں (جو خالص اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے سے روکتے ہیں) ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ اگر وطن سے دور رہنے میں میرے دین کی اصلاح ہو تو اللہ تعالیٰ وطن اور اہل و عیال (کے پاس رکھ کر) اپنے سے مجھے متوشمک نہ کرے جبکہ میری محنت (اور توجہ) اللہ تعالیٰ سے وابستہ ہے اور میرا ارادہ اپنے دین کی درستی کا ہے۔ قہلاً دھنا تسمیہ و هو النظر فی حکمة الشرع الی قولہ و عری فی اصلاح دینی۔

ف۔ یہاں ایک اشکال ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں قل یغفل عنہ دینہم یغفلہم لث فیہم جو احوال معینہ معاً جمیعہ۔ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ وہ قرآن ایسی چیز ہے پس ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے اس اہتمام اور رحمت پر خوش ہونا چاہیے اور اس کو دولتِ ظہیرہ سمجھ کر لینا چاہیے وہ اس دنیا سے بدرجہا بہتر ہے جس کو جمع کر رہے ہیں اس آیت میں نعمت قرآن سے خوش ہونے کا امر ہے اور جس بات کا امر ہو اس کے بھالانے میں ثواب یقینی ہے۔ تو اپنے نفس کو خوش کرنے میں بھی ثواب بخوار نیز ایک حدیث میں ہے اذا مرثک حسنتک و ماء ثلث میثثلث فانت مزین جب تم کو اپنے نیک عمل سے خوشی ہو اور تمہارے کام سے رکھ ہو تو تم مومن ہو۔ اس میں نیک عمل سے خوش ہونے کو ایمان کی علامت بتایا گیا ہے اور ایمان کی علامت کا مطلوب ہونا اور عمل مطلوب پر ثواب کا ہونا ثابت ہے۔

جواب یہ ہے کہ آیت میں تو قرآن سے اور اسلام سے خوش ہونے کا امر ہے اور یہ ایسی نعمت ہے جو تمام مسلمانوں کے لیے عام ہے جس سے ہر

چلا آ رہا ہے۔ لیکن ہے اس وقت حجاج کی شمار کم رہی ہو مگر سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حج و عمرہ کے بعد سے تو آج تک حجاج کی شمار ہر سال ناکہ دو لاکھ سے کم نہیں ہوتی۔ اب سوچو کہ جن مقامات پر ہزاروں برس سے اس قدر بے شمار کھریاں پڑتی چلی آتی ہیں وہاں تو ان کنگریوں سے پہاڑ بن جائیں۔ مگر مشاہدہ ہے کہ شام تک کنگریوں کا جس قدر انبار عظیم نظر آتا ہے سچ کو اس کا نشان بھی باقی نہیں رہتا۔ تقریباً ہی محدود ہے چند کنگریاں پڑی رہ جاتی ہیں باقی سب غائب ہو جاتی ہیں شاید تم کو کہ حکومت نے ان کے اٹھوانے کا انتظام کیا ہو گا۔ ہرگز نہیں! کسی کا دل چاہے تو رات دن پہرہ دے کر دیکھے اس کو خود معلوم ہو جائے گا کہ حکومت کی طرف سے ان کے اٹھوانے کا کوئی بندوبست نہیں۔ پھر یہ کنگریاں کہاں چلی جاتی ہیں؟

حدیث میں آتا ہے کہ جو قبول ہو جاتی ہیں ان کو فرشتے اٹھالیتے اور جنت میں پہنچا دیتے ہیں اور جو قبول نہیں ہوئیں وہ یہیں رہ جاتی ہیں۔ یہ زندہ معجزہ ہے جو مائذ رسالت سے اب تک باقی ہے اور جب تک خدا کعبہ کا حج ہوتا رہے گا باقی رہے گا۔

ف۔ اوپر امام یحییٰ بن زرق رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد مذکور ہوا ہے کہ اصلاح حال اور عبادت کے معاملہ میں غربت یعنی گھر چھوڑنے سے زیادہ انہوں نے کسی چیز کو مساوی نہیں پایا۔ یہی وہ چیز ہے جس پر اس نے مانے میں اللہ کے حکم کو کھینچا کہ میرا ہمارا میں ہمارے میں یا تمہارا زیادہ ہوتے ہیں اور مرد و برکت۔ پس وہ جو بستی سے ہر سال کسی شے کو عوام مرد و بستی کے ہم سے ایک اشتہار شائع ہوتا ہے وہ بالکل غلط اور سراسر جھوٹ ہے۔ حدیث میں کوئی بھی شیخ عوام مرد و بستی نہیں ہے۔ یہ معلوم ہے کہ کسی خود کی حرکت ہے جو ہر سال جنت میں اشتہار شائع کرتا ہے۔ شکلوں کو اس پر ہرگز توجہ نہ کرنا چاہیے اور جس کو بھی وہ اشتہار شائع کرنا چاہیے۔

اور غلط، کے مناسب ہو۔ میں نے یہاں "بظاہر" کی قید اس لیے بڑھادی ہے کہ باطن میں جہاں کعبہ معظمہ اس قدر کشش اور دلربائی رکھتا ہے کہ جب مومن کی اس پر پہلی بار نظر پڑتی ہے تو سفر کا تمام تھکان جاتا رہتا ہے۔ اور ان تمام مشغول کو بھول جاتا ہے جو وہاں پہنچنے تک پیش آتی تھیں۔ کچھ نہ پوچھنے کو پہلی نظر سے دل میں کس قدر غمگین اور آشوب کی کیفیت پیدا ہوتی ہے جس کے سامنے دنیا بھر کی لذتیں بیچ معلوم ہوتی ہیں۔ بلاشبہ کعبہ معظمہ دنیا میں جنت ہے جس طرح جنت میں قدم رکھتے ہی انسان ان تمام مشغول کو بھول جائے گا جو جنت تک پہنچنے میں ہر واسطہ کی تھیں اور بے ساختہ کہے گا:

الحمد لله الذي عذبنا بالحزن ان دينا لغفور شكور۔ یہی حال کعبہ معظمہ کو پہلی بار دیکھ کر ہوتا ہے اور اس کا احساس جس طرح مومن کے دل کو ہوتا ہے کعبہ کے دلوں کو بھی ہوتا ہے بشرطیکہ دل میں کچھ احساس نیک و بد کا باقی ہو۔ غلبہ مادیت سے بالکل نازک ہو گیا ہو۔

کعبہ معظمہ میں علاوہ الوار بالیہ کے ظاہری اعجاز بھی اس لیے جس سے مومن کا ایمان کامل ہوتا اور کافر کو ایمان کی طرف ہدایت ہو سکتی ہے اگر وہ انصاف سے کام لے۔ ایک یہ کہ کعبہ معظمہ کی شرمٹ کی وجہ سے چاروں طرف کچھ دور تک مخصوص قلعہ گوز میں حرم قرار دیا گیا ہے جس میں شکار کرنا بھی ممنوع اور درختوں کا کاٹنا ناجائز ہے۔ تم دیکھو گے کہ اس زمین حرم میں بھیڑیا اور بکری ساتھ ساتھ چلتے ہیں یہ بکری بھیڑیے سے ڈرتی ہے نہ بھیڑیا اس پر حملہ کرتا ہے۔ زمین حرم سے باہر نکلتے ہیں پھر بکری بھیڑیے کا شکار دے۔

نیز تم دیکھو گے کہ ہزاروں پرند کعبہ کا چکر لاکھتے ہیں اس کے اوپر سے کوئی نہیں جاتا۔ دوسرے تم سختی میں دیکھو گے کہ تین پتھروں پر تین دن تک کنگریاں ماری جاتی ہیں اور یہ سلاطین اہم علیہ السلام کے وقت سے

ہمارے محترم بزرگ اور مخلص دوست مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ بہت دور دیا کرتے تھے، وہ فرماتے تھے کہ اپنے گھر پر کہہ دو کہ یہی اصلاح نہیں ہوتی۔ لوگوں کو دینی کے واسطے گھر چھوڑنے کی عادت کرنا چاہیے کیونکہ گھر پر کچھ ایسے مشاغل مکان اور دکان اور تعلقات کے لئے ہوتے ہیں جن کی وجہ سے پوری طرح انسان کا دل دین کے واسطے فارغ نہیں ہوتا یا ہر وہ مشاغل اور مواقع نہیں ہوتے تو جتنا وقت دین کے واسطے باہر نکل کر دیا جائے گا اُس میں دل کی توجہ کامل ہوگی اور قلب دین کے واسطے فارغ ہوگا۔ اسی لیے مولانا اس کی بہت تاکید کرتے تھے کہ گھر سے نکلو اور ایک چٹیا دو چٹیا جتنا وقت بھی سہولت سے دیا جاسکے گھر سے باہر نکل کر دین کے واسطے دو اور اس تمام وقت کو اس طرح تقسیم کرو کہ کوئی لمحہ بھی بے کار نہ ہو۔ کچھ دیر تعلیم دین حاصل کرو۔ کچھ دیر ذکر اللہ میں مشغول رہو۔ کچھ وقت تبلیغ میں صرف کرو کہ ناواقف مسلمانوں کو کلمہ اسلام اور اس کے معنی بتلاؤ۔ بے نیازوں کو نرمی اور شفقت سے نمازی بنانے کی کوشش کرو۔ کچھ دیر تلاوت قرآن اور نوافل میں مشغول رہو۔ غرض یہ سارا زمانہ صرفت کا ایسے گزارو کہ چند دنوں کے لیے حضرت صاحب کا فائدہ بن جاؤ۔ یہ واقعہ ہے کہ مولانا کے طریقہ تبلیغ سے فریضہ تبلیغ بھی ادا ہوتا ہے اور خود اپنے نفس کی بھی اصلاح ہوتی ہے بشرطیکہ اُن اصولوں پر پوری طرح عمل کیا جائے جو مولانا نے بتلائے ہیں۔ و مثل هذا فليعمل العبادون۔

(۱۸۰) ترک عمل پر بھی ثواب جب ترک کرنا واجب یا مستحب ہو

اس حدیث سے بعض اصولیں کار ہو گیا جو یہ کہتے ہیں کہ ترک عمل پر ثواب نہیں ہوتا (صرف عمل پر ثواب ہوتا ہے لیکن جسے کام کے چھوڑنے پر ثواب نہیں) کیونکہ وہ عمل نہیں (بلکہ عدم عمل ہے) یہ لوگ راستہ سے جڑک گئے

لوگ گمراہی میں بہت دور پہنچ گئے۔ وہ محض اپنی عقل سے ثواب (کا قاعدہ) مقرر کرنا چاہتے ہیں۔ کتاب اور سنت کو نہیں دیکھتے۔ چنانچہ کتاب اللہ میں ارشاد ہے: **الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ مَا يَغْضُوْنَ** (ان کا قور سے کہہ دو کہ اگر وہ (وہ) باز نہ جائیں گے تو ان کے پیچھے گناہ معاف کر دینے جائیں گے اور باندہ)۔ یہی تو ہے اس میں کچھ شک نہیں (مگر اس میں ایک اشکال ہے۔) جن فوائد مذکور ہو گئے، اور حدیث (ایک) دو ہیں اور بھی بہت ہیں مثلاً اُن کے، ایک تو یہی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ وسلم کا معاف ارشاد ہے: **وَلْيَصِلْ إِلَى الشَّاهِدِ** (صدقہ اور شہر سے پختا دے کہ یہی اُس کے لیے صدقہ ہے۔) رسول اللہ ﷺ وسلم نے تمام نیک اعمال کو فلیصل والمعرف میں جمع فرمادیا ہے کہ نیک اعمال کرتا رہے) اور جلد اقسام شمر کر اسی لفظ میں جمع فرمادیا ہے **وَلْيَصِلْ إِلَى الشَّاهِدِ**۔

مطلب یہ ہے کہ جو نیک اعمال میں سے کوئی سائل کرے یا برے اعمال میں سے کسی عمل کو ترک کر دے، ہر صورت میں اُس کے لیے صدقہ (کا ثواب) ہے۔ یہاں تمہارے دل میں یہ کہ شک نہ ہوئی چاہئے کہ صدقہ (کا ثواب) مجموعہ ہر ہوگا یعنی نیک عمل کرنے کے ساتھ برے عمل کے چھوڑنے پر ثواب ہوگا تمہارے عمل کے چھوڑنے پر نہ ہوگا۔ کیونکہ الفاظ حدیث اس معنوم کو ادا نہیں کرتے اور یہ تو معجزہ کا مذہب ہے اُن کا قول ہے کہ نیکی اُس وقت تک مقبول نہیں ہوتی جب تک برے عمل کو نہ چھوڑا جائے۔ مگر اُن (کا قول) اس کے خلاف ہے کیونکہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ جو ذرہ برابر نیکی کرے گا اُس کو بھی دیکھ لے گا (یعنی اُس کی جزا پائے گا) اور جو ذرہ برابر بدی کرے گا اُس کو بھی دیکھ لے گا (اب اگر نیک عمل کی جزا برے اعمال کے چھوڑنے پر موقوف ہے تو لازم آئے گا کہ ذرہ برابر نیکی کچھ

میں نہ آئے یا اس لیے کہ اُس کا ارادہ عدم کے ساتھ متعلق ہو۔ اصولیین فرماتے ہیں کہ ارادہ اور مشیت کا تعلق عدم سے نہیں ہو سکتا۔ پس اگرچہ شریعت کا مقصود تو یہی ہے کہ نسل منوع وجود میں نہ آئے مگر خود عدم کوئی شے نہیں جس سے مشیت کا تعلق ہو سکے۔ اس لیے ضرور ہے کہ منیہ میں انسان کو کلفت النفس کا یعنی نفس کو روکنے کا مکلف کہا جائے تاکہ اس سے مشیت متعلق ہو سکے اور اسی طرح قدرت کے تحت میں آسکے۔ نفس عدم سے تو نہ مشیت متعلق ہو سکتی ہے نہ وہ قدرت کے تحت میں آسکتا ہے اس کا مکلف کیونکر کہا جائے گا؟ معتزلہ کسی دلیل سے یہ تو ثابت نہیں کر سکے کہ عدم فعل قدرت کے تحت میں آسکتا ہے۔ انھوں نے اصولیین پر یہ اعتراض کر دیا کہ تمہارے قول پر لازم آتا ہے کہ اگر کسی شخص کو فعلی حرام کی طرف میلان ہی نہ ہو۔ جیسا حضرت صدیق سے منقول ہے کہ میرے دل نے شراب کو بھی نہیں چاہا نہ اسلام میں نہ جاہلیت میں۔ تو ان کو کچھ نفیست حاصل نہ ہو کیونکہ کلفت النفس نہیں پایا گیا۔ نفس کو روکنا تو اسی وقت ہو سکتا ہے جب خواہش ہو۔ اصولیین نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ یہاں گو کلفت النفس نہیں پایا گیا مگر اس سے اعلیٰ درجہ عصمت کا موثر ہے جو کلفت النفس سے بھی افضل ہے۔

ایک اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ اگر کسی شخص نے علم کا ارتکاب اس لیے نہیں کیا کہ اُس کو حرام کا خیال ہی نہیں آیا تو چاہیے کہ وہ گو گناہ ہو کیونکہ اُس نے نفس کو روکا نہیں۔ جواب یہ ہے کہ جب تک اُس کو حرام کا خیال نہ آئے وہ کلفت النفس کا مکلف ہی نہیں تو گناہ گمار کیوں ہو۔ جب خیال آگئے اُس وقت نفس کو روکنے کا مکلف ہے۔ ایک اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ اگر کسی شخص کو زنا کی طرف میلان پڑا اور اُس نے نفس کو میلان سے نہ روکا مگر زنا کیا بھی نہیں تو اس کو گناہ گمار چو تا چاہیے۔ حالانکہ حدیث صحیح سے معلوم ہوتا ہے کہ نیک کے ارادہ پر تو ثواب لکھا جاتا ہے علیٰ ہوا نہ ہو مگر سیکھ کے ارادہ پر گناہ نہیں لکھا جاتا

کام نہ آئے گی۔ حالانکہ یہ نفس کے خلاف ہے) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک حدیث میں فرماتے ہیں اِنَّ مَعَادِمَ اَهْلِهِ تَكُنْ اَهْبَدَ اِنْسَانٍ۔ اللہ کی حرام کیا ہوئی چیزوں سے بچنا وہ تو سب سے بُرا عابد بن جائے گا (اس میں بھی عملی فکر کی ضرورت نہیں صرف عملی شریعت سے بچنے پر بشارت دی گئی ہے) اور آیت و احادیث اس باب میں بہت ہیں تو سبحان اللہ! یہ لوگ سمجھ تو مجھ سے کس قدر محروم ہو گئے۔ قوله و فیه روحی بعض الاصولیین الی قوله فسیحان من حر مہد طریق الرشاد

فت۔ میں نے اس مسئلہ کو سائلِ نعمتوں میں اس لیے داخل کر دیا کہ صوفیہ نے اس سے اپنی کتابوں میں بحث کی ہے۔ اگرچہ یہ مقاصد میں سے نہیں۔ مگر مسئلہ مشکل ہے جس میں علماء امت نے بحث کی ہے اور کہنے سے آج کل بھی اصول فقہ پڑھنے پڑھانے والے اس کو مشکل سمجھ رہے ہیں اس لیے جی چاہا کہ اپنی بساط کے موافق اس کو حل کر دو کیا عیب ہے کسی کو فائدہ پہنچ جائے۔ اب سنئے۔

حضرت شارح نے اس حدیث سے اُن اصولیین کا رد کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ترک فعل پر ثواب نہیں ہوتا۔ میں نہیں معلوم کر سکا کہ یہ اصولیین کون ہیں؟ کیونکہ اصولی متفیہ میں یہ قول کسی کی طرف منسوب نہیں کیا گیا بلکہ ہماری کتب اصولی میں ثواب و عقاب سے اس مسئلہ میں بحث ہی نہیں کی گئی۔ اصل بحث صرف یہ ہے کہ انسان اولیٰ شرع میں تو بالا اتفاق فعل کا مکلف ہے۔ یعنی جس بات کا شریعت میں امر ہے انسان اُس کے کرنے کا مکلف ہے لیکن جن اشیاء سے منع کیا گیا ہے جن کو نہایا کہتے ہیں وہاں فعل کا مکلف ہے یا عدم فعل کا؟ اصولیین کہتے ہیں کہ وہاں بھی فعل کا یعنی نفس کو گناہ سے روکنے کا مکلف ہے اور یہ فعل ہے۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ منیات میں فعل کا مکلف نہیں بلکہ عدم فعل کا مکلف ہے کہ وہ کام و جہو میں نہ آئے خواہ نفس کو روکنے کی وجہ سے وجود

جب تک عمل نہ ہو۔ اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ قاعدہ سے اس کو گناہ گار ہونا چاہیے۔ مگر حدیث کی وجہ سے ہم اس کو گناہ گار نہیں کہتے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حدیث میں ارادہ سے قoad قعدہ جائز نہیں ہے بلکہ حدیث النفس ہے کہ دل میں نیال آیا مگر اس کو پختہ نہیں ہونے دیا۔ خیال ہی کے درجہ میں رکھا تو یہ معاف ہے۔ کیونکہ اس کا رد و کنا دشوار ہے الا لعین عصیہ اللہ اور اگر قعدہ جائز ہو گیا تو اب اگر گناہ کا صدور اس لیے نہیں ہوا کہ اس نے خدا کے خوف سے نفس کو رد کر دیا تو یہاں کف النفس ہو چکا ہے۔ وہ ثواب کا مستحق ہو گا اور اگر اس لیے حدود نہ ہو گا کہ کوئی مانع جسی پیش آ گیا۔

مثلاً عورت راضی نہ ہوئی یا تنہائی کا موقع نہ ملا یا اور کوئی سبب پیش آ گیا اس صورت میں یہ گناہ گار ہے کیونکہ اس نے نفس کو گناہ سے نہیں روکا۔ اس تفصیل سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ احوالین نے ثواب و عقاب سے بحث نہیں کی وہ صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جس طرح ادا میں انسان فعل کا مکلف ہے اسی طرح نواہی میں بھی فعل کا یہی کف النفس اور ترک کا مکلف ہے۔

عدم فعل کا مکلف نہیں۔ ثواب و عقاب سے معقول نے اپنے اعتراضات میں بحث کی ہے اور اس کا جواب احوالین نے دیا ہے جن کا حاصل یہ ہے کہ وہ ترک بالقتدر پر ثواب کے قائل ہیں۔ ترک بالقتدر پر ثواب کے قائل ہیں۔ اس پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ بعض اولیاء کمالین گناہوں کو بالقتدر نہیں چھوڑتے۔ بلکہ اس لیے چھوڑتے ہیں کہ ان کو معاصی سے نفرت ہے ان کو گناہوں کا خیال ہی نہیں آتا تو احوالین کے قول پر لازم آتا ہے کہ ان حضرات کا ملین سے وہ لوگ افضل ہوں جن کو گناہوں کی طرف میلان ہوتا ہے پھر نفس کو روک سکتے ہیں۔ اور قائل ہیں اشکال حضرت شاذلہ کو ہمیشہ آیا ہے اس کا جواب احوالین نے یہ دیا ہے کہ ان کا ملین کو کف النفس سے بڑھ کر دوسری فضیلت عمت کی

حاصل ہے۔ اس لیے نا مقین اُن سے افضل نہیں ہو سکتے اور اگر کسی دلیل سے یہ ثابت ہو جائے کہ ترک بلا قصد پر مطلقاً ثواب ملتا ہے تو احوالین اس کے قائل ہو جائیں گے مگر اسی تک کسی نفس سے اس کا ثبوت نہیں ملا اور حضرت شاذلہ نے جن حدود کو ملنے بیان کئے ہیں ان میں کسی دلیل سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ترک بلا قصد پر ثواب ملتا ہے۔ چنانچہ ان بے گناہوں کے لئے حاکم صلیح میں کفار کو خطاب ہوا ہے کہ اگر وہ کفر سے باز آ جائیں گے ان کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

یہاں یقیناً کفر سے باز آنے کا مطلب قبول اسلام ہے اور وہ اسی وقت معتبر ہے جب بالقتدر ہو، بلا قصد ہرگز معتبر نہیں اور اگر کوئی کافر صرف کفر سے باز آ جائے اسلام قبول نہ کرے اس کے لیے ہرگز وہ معاف نہیں اور یہ صحت محض فری ہے کیونکہ بد و ن قبول اسلام کے کفر سے باز آنے کا تعلق ہی نہیں ہو سکتا۔ بہر حال یہاں ترک کفر بالقتدر اور قبول اسلام بلا اختیار ہے۔ بلا قصد ترک کفر اور بلا اختیار قبول اسلام پر مغفرت مرتب نہیں ہوتی اور جس حدیث کی ہم شرح کر رہے ہیں اس میں مجب و لیسک عن الشر سے قصد و اختیار کے ساتھ گناہوں کا چھوڑنا مراد ہے۔ بلا قصد چھوڑنا مراد نہیں کیونکہ لفظ "اسک" متدریج ہے جس کے وہی معنی ہیں جو کف النفس کے معنی ہیں اور اس پر احوالین ثواب کے قائل ہیں۔ اسی طرح انعام معادہ اللہ میں بھی انعام متدریج ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اپنے ارادہ و اختیار سے محرم اللہ کو چھوڑ دے۔ اس کا حاصل بھی وہی کف النفس ہے۔ التبت ایک حدیث بظاہر اہل اصول کے خلاف ہے: وهو قولہ صلی اللہ علیہ وسلم ان فی بعض احدکم بعد قرة قالوا یا رسول اللہ هل فی بعض احدنا صدقة قال نعم ارايتہم لو جعلھا فی حرارہم ان علیہم ذر قالوا نعم قال فکذا لث او کا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ وہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

کرنا اور اُس سے پناہ میں تقویٰ ہے میں پر ثواب کا وعدہ ہے و اما من
 غاف مقام وہ و تھو الغفص عن العوائق فان الجنة هي المأوى ف جو اپنے
 رب کے سامنے کھڑا ہوئے سے ذرا اور نش کو خواہش (دُعا) سے روکنا نہ ہو تو
 اُس کا عذاب ثابت ہے۔ اس میں ترک ہوئی پر وعدہ ثواب کی تعزیر ہے اور
 یہ حدیث میں کی شرک کی جا رہی ہے عراض اس پر دلالت کر رہی ہے کہ بڑے
 کاموں سے دُعا وعدہ ہے اس سے پہلے ایک حدیث گذر چکی ہے جس میں سات
 شخصوں کے لیے قیامت میں سائے عرش کی بشارت ہے جن میں ایک وہ شخص بھی
 ہے جس کو کسی خوبصورت معزز عورت نے اپنی طرف بلایا اور وہ یہ کہہ کر رک گیا کہ
 نہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں۔ یہاں بھی ترک پر ثواب کا وعدہ ہے۔

اسی طرح حدیث فار میں بھی یہی معنوں ہے جو پہلے گذر چکی۔ یہیں یہ کہنا کہ ترک
 پر مطلقاً ثواب نہیں سراسر انصوص کے خلاف ہے۔ البتہ ترک بلا قصد پر ثواب کی
 تصریح کسی روایت میں نظر سے نہیں گذری۔ اگر کوئی صحیح روایت اس معنوں
 میں مرسد ہو تو وہ اصولیین کے قول سے مقدم اور رائج ہوگی کیونکہ اس
 باب میں قیاس کوئی چیز نہیں اس کا مدار معنی انصوص پر ہے اور اللہ تعالیٰ
 کے دم و ذکر سے کچھ بعید نہیں کہ وہ سب مسلمانوں کی حسنات کو سنیاات پر
 غالب کر دیں۔ غافلہ برد و ذمہ رحیم۔

اوپر معامی سے غفلت کے متعلق ایک سوال و جواب مذکور ہوا ہے جس کا
 حاصل یہ ہے کہ جو شخص معامی سے غافل ہو اُس کو گناہ نہیں کیونکہ غفلت کی
 حالت میں وہ گفت و شنید کا مکلف نہیں۔ اس پر سوال یہ ہے کہ اُس کو ثواب
 ملی ہے یا نہیں۔ اصولیین کے جواب میں ثواب سے کچھ تعلق نہیں کیا گیا۔
 میرے نزدیک اس میں تفصیل کی ضرورت ہے۔ یہ کہ دیکھنا چاہئے کہ معامی
 سے غفلت کا منشاء کیا ہے؟ اگر منشاء طاعات و سنات میں انہماک
 ہے تو اس غفلت پر ثواب ملے گا۔ کیونکہ اس غفلت کو اللہ تعالیٰ نے مدح و

فرمایا کہ تمہاری شرمگاہ میں بھی صدقہ ہے (جبکہ بیوی یا شرمی باندی سے مشغول ہو)
 صحابہ نے اس پر تعجب کیا کہ یا رسول اللہ! کیا شرمگاہ میں بھی صدقہ ہے؟ فرمایا
 بتلاؤ اگر وہ حرام جگہ میں اُس کو استعمال کرتا تو اُس پر گناہ نہ ہوتا و عرض کیا
 ہاں گناہ ہوتا۔ فرمایا تو ایسے ہی وجہ ممانعت کا استعمال کیا ثواب بھی ہوگا)
 اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ بیوی کے پاس جانے میں اس لیے ثواب
 ملا کہ حرام جگہ سے باز رہا تو حرام سے بچنے میں مطلقاً ثواب ہوا خواہ اس قصد
 سے بیوی کے پاس گیا ہو یا نہ گیا ہو۔

جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے تو صرف اتنا ہی
 معلوم ہوا کہ بیوی کے پاس جانے میں ثواب ہے اور حرام جگہ جانے میں گناہ ہے۔
 پھر اُس کی وجہ بتلا دی گئی کہ بیوی کے پاس جانے میں ثواب اس لیے ہے کہ وہ
 نہ تاسے بچنے کا سبب ہے اور جو عمل کسی حرام سے بچنے کا ذریعہ ہو اس میں ثواب
 ہونا ظاہر ہے کیونکہ یہ تو عمل پر ثواب ہے نہ کہ معنی ترک عمل بلا قصد پر تفصیل
 اس کی یہ ہے کہ بیوی کا دینا حق ہے کہ مرد کا ہے گاہے گاہے اُس سے ہم بستری
 کرے تاکہ اُس کی غفلت و غصت مٹو غافلہ ہے۔ اسی طرح خدا اپنے کو حرام سے
 بچانے کے لیے بھی قضاء و نفوت ضروری ہے، تو چونکہ بیوی کے پاس جانے میں
 اُس کی اور اپنی غفلت کی حفاظت بھی ہے اور بیوی کے حق کی ادائیگی بھی ہے۔
 اس لیے ثواب ہے اور خدا پر ہے کہ ثواب عمل پر ہے معنی ترک حرام بلا قصد پر
 نہیں اور یہی حکم باندی کے پاس جانے کا ہے جبکہ شرمی باندی ہو کیونکہ اُس کی
 غفلت کی حفاظت بھی کوئی پر واجب ہے۔

یہ تو اصولیین حنفیہ کا مذہب ہے اصولیین مالکیہ کا مذہب مجھے معلوم نہیں
 کہ وہ مطلقاً ترک عمل پر ثواب کا انکار کرتے ہیں یا ترک بلا قصد پر ایسا معلوم
 ہوتا ہے کہ جیسے مطلقاً ترک پر ثواب کے منکر ہیں جیسا حضرت شاذلہ کے بیان
 سے واضح ہوتا ہے اور اس کا غلط ہونا ظاہر ہے۔ کیونکہ گناہ کو بلا قصد ترک

۱۰۰۰ ہے۔ آج ہے اور اسی نعمت کسی مکروہ میں انہماک سے بنے جیسے شرطی
یا بھیل کو دس ایسا انہماک رہا ہے جس کی وسعت اور ماحول کا خیال ہی نہیں
آتا تو اگر یہ انہماک فرانس و واجہات نہ کی غرض امداد ہوتا ہے تو اس غفلت
میں گناہ ہے اور اگر فراموش و واجہات میں غفلت نہیں ہوتا تو اس غفلت میں نہ تو اب
ہے نہ گناہ۔ ہاں یہ شخص اُن لوگوں سے اچھا ہے جو معاشی میں منہمک رہتے ہیں۔
اور اگر کسی ایک گناہ میں ایسا منہمک ہے جس کی وجہ سے دوسرے گناہوں کی طرف
الغافل نہیں ہوتا تو یہ غفلت بھی گناہ ہے کیونکہ اس کا منشا دار انہماک فی العیشتہ
ہے۔ فاعلموا انہماک اہلکم۔

اے اللہ! ہمیں ایسا بنادے جیسا آپ چاہتے ہیں۔ اے اللہ! ہمیں
اپنے دین کی نصرت کی توفیق دے۔ اے اللہ! ہمارے ذریعے سے اپنے دین
کو عزت اور غلبہ دے۔ اللہم اجعلنا کما تعجب وترحمہ واجعل آخرتنا
عیداً من الاولی۔ آمین !



شما کے موقع پر بیان فرمایا ہے ان الذین یرومون المحدثات الفانیات
المومنات لعلن ینالوا الاخرۃ۔ (جو لوگ پاکدامن غافل بنے عزیزوں
عزیزوں کو حسرت لگاتے ہیں اُن پر دنیا و آخرت میں لعنت ہے) یہاں غافل
ہی مطلب ہے کہ وہ بڑے کاموں کو ناجانی ہی نہیں ہیں۔ بس اپنے دینی مشاغل
اور مگر کے کار کا حصہ سمجھ رہے ہیں اور اگر غفلت کا منشاء دنیا میں انہماک
ہے کہ اس کو اپنی تجارت یا ملازمت کے کاموں سے اتنی فرصت ہی نہیں ملتی
جو کہ ہوں کی طرف التفات ہو، تو اگر تجارت یا ملازمت وغیرہ موافق شریعت
ہو اور فراموشی و واجہات میں اُس کی وجہ سے کوتاہی نہ ہوتی ہو تو اُس میں
بھی ایسا انہماک جو معاشی سے روک دے خود ہے۔ کیونکہ عبد اللہ بن مسعود
رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے۔ ان الله یغفل الریال الباطل۔ اللہ تعالیٰ
بے کار آدمی سے غفلت کرتے ہیں (کیونکہ بے کاری ہی میں گناہوں کی فرصت
ملتی ہے) جب بے کاری ناپسند ہے تو کام میں لگے نہ ہوا اللہ تعالیٰ کو پسند
ہے اور جو چیز ان کو پسند ہو اُس پر ثواب مقرر ہے مگر گو اس قدر نہ ہو
جس قدر اطاعات و حسنات میں مشغول رہنے سے ملے اور اگر مسلمان کسب
معاش میں بھی اپنی نیت درست کرے کہ اہل و عیال کا حق ادا کرے اور
فقراء کی امداد کرے اور دین کی خدمت کرے کے واسطے دنیا کائے توفیق بھی پھر
حسنات میں داخل ہو جائے گی۔ مگر یہ نیت صرف لغووں سے نہیں ہونی چاہیے
عہ ایک حدیث میں ہے ان من الذلوب ذلوا لا یکلرھا الملوقة ولا الصوم ولا الحج
وکیفرھا اللہ فی طلب المعبیشتہ الطیرانی وایونیم صاحب العیشتہ والظلم
المصنعت فی بہجۃ النفوس یا کیفرھا اللہ انک عظم العیالی۔ ص ۱۹۳۔

گناہوں میں سے جس گناہ وہ ہیں جن کا کفارہ نہ ناسی ہو تب سے زبردہ سے دل سے
ان کا کفارہ طلب معاش میں فکر سے ہوتا ہے۔ ایک لفظ میں یہ ہے کہ ان کا کفارہ عیال کے
بے مشقت کرنے سے ہوتا ہے۔ ۱۲

یہ سب وہ ثابت ہے۔ جو اس کی پاس بست کہ جو ہر دل اس کی محبت سے خالی ہوا اور
مال سے دین کے کاموں میں مدد دیتا اور اہل حقوق کے حقوق ادا کرتا ہو۔

تقویٰ اور زہد کی حقیقت غیر اللہ سے منہ پھیر لینا اور اللہ تعالیٰ پر ہر دور
دکھنا اور ہر حالت کی باگ تقویٰ میں رہنا کے ساتھ میں دے دینا اور دوزخ و آگ کرم کے
گھٹنے کا مشورہ ہونا اللہ تعالیٰ کے فضل پر اعتماد کرنا اور حق تعالیٰ سے گونا
گونا تمام حالات میں اللہ تعالیٰ سے نیک گمان رکھنا ہے۔ خوب سمجھ لو۔

آج کل کے مشائخ میں زہد کی پہچان یہ ہے کہ جو ہر دیر قبول نہ کرتا ہو بلکہ صبر
کو قبول کرتا ہو صبر کو رد کر دیتا ہو۔ جو شخص کسی کام پر درود نہ کرتا ہو سب کو ہی قبول
کر لیتا ہو وہ زہد نہیں۔

ف - ہم نے اہل اللہ کے کمانے میں کلی انگوں برکت کاٹا ہے کیا ہے۔ یہ
جسے بڑے سہان فوز ہوتے ہیں۔ صبر دفعہ میں وقت پر زیادہ سہان آگئے تو گھر
میں ہو گیا یا موجود تھا وہی اُن کے سامنے لاکر رکھ دیا اور سب کے سب اُس سے سیر
ہو گئے۔ حالانکہ جب کام سامنے آتا تھا تو قیام ہوتا تھا کہ سامنے جسے جس کو یہ تمنا ہوتا
کہ کیا کرے گا کافی ہوگا۔ ہم سب اللہ کر کے کام شروع کیا تو کافی سے بھی زیادہ ہو گیا۔
اہل اللہ کے یہاں کا کھانا اہل دنیا کے کھانوں سے لے لہجہ بھی زیادہ ہوتا ہے اور
اُس سے قلب و دماغ اور جسم کو وہ طاقت حاصل ہوتی ہے جو بالاداروں کے مشرک
قیسمی کھانوں سے نہیں ہوتی۔

(۱۸۲) زہد سلوک باطن کا پہلا دروازہ ہے کی بھی دلیل ہے جن کے
دریث میں فضیلت مضمون
طریق کی بنیاد یہ نہ پر ہے کیونکہ وہ سلوک کا پہلا دروازہ ہے اسی لیے یمن بن زرق
رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اگر تم غار سے دل میں فقر اور فنا کا اندیشہ (یا فقر)
ہو اور منصب و ریاست کی طلب ہو تو ہر قدم دین کے راستہ میں نہیں جم سکتا۔
یہ روحانی فقر (اور محرومی) کی بھی ہے۔ قولہ وفيہ دلیل لفضل اہل الصوۃ

پوری نہ ہوئی۔ تم اس کا شہدہ حتی طور پر یوں کر سکتے ہو کہ اہل دنیا کی جان و دھڑوں
پر اس دیکھنے میں کتنا بہت زیادہ ہے اور کتنے وقت (مختصر سے میں پیٹ میں ہر جا کر)
بہت زیادہ کمانے سے پیٹ بھرتا ہے اور دنیا کھایا جاتا ہے اُس کی نسبت سے
(دین اور دماغ و قلب میں) طاقت کم آتی ہے اور اصل میں تو وہ دین کا کمانا دیکھنے میں
کم ہوتا ہے مگر اُس سے بڑی جماعت کا پیٹ بھرتا ہے اور دنیا کمانے میں اُس کی
نسبت۔ اُن میں قوت اور طاقت بہت زیادہ پیدا ہوتی ہے۔ پھر اہل دنیا کو اس
پریشانی اور مشقت کے ساتھ دوسری مصیبت یہ پیش آتی ہے کہ اُن میں باہم حسد اور
کینہ اور نفیبت اور بغلی بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر یا تو وہ بغلی کی وجہ سے دوسروں کے
حقوق ادا نہیں کرتے یا کم ادا کرتے ہیں یا اپنے حقوق پوری طرح وصول کرتا چاہتے
ہیں کہ باقی پانی کا حساب کرتے ہیں) ان تمام مصائب اور مشکلات کے علاوہ آخرت کا
خبرہ بکھار دیا، جس میں عذاب بھی ہے اور لذت بھی۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے یہیں
اُس سے بچائے (۴۱۵) قولہ فیہ دلیل قدیم الخلد مع الخلد الخ قولہ
اعادنا للہ منہا یمتہ -

ف - بعض لوگوں کے نزدیک زہد کے معنی یہ ہیں کہ مال و دولت سے بالکل
کٹ کر کس ہو جائے۔ مال کو باقی نہ لگائے۔ کسی کام پر بھی قبول نہ کرے نہ تجارت
و ملازمت اور صنعت و حرفت میں مشغول ہو یہ غلط ہے۔ زہد کی حقیقت یہ ہے کہ
دنیا کو دل سے چھڑ دے اور اُس کی پر دلوں کو کہے کہ کس نے اس کو کیا۔ زہد آئندہ
کم کرنے کا نام ہے۔ زہد وہ ہے جس سے اُن تمام چیزوں کو چھوڑ دیا جو اللہ تعالیٰ
سے غافل کرتی ہیں۔ تم دیکھو کہ مجھے ظاہر ہیں نفس و فیر یہی مگر پھر بھی خدا سے
غافل ہیں اور مجھے ظاہر ہیں بالدار ہیں مگر اُن کا باطن دوام حضور اللہ تعالیٰ سے
بال مال ہے۔

حدیث میں اس حقیقت کو ان الفاظ سے بتلایا گیا ہے کہ جو اس مال کو اثر ان
نفس یعنی حرص و طمع سے لیتا ہے وہ زہد نہیں اور جو سخاوت نفس یعنی استغناء سے

انی قوله هذا طيف مضافاً فخر العبد -

فت - اس کا حاصل وہی ہے جو اوپر کیا گیا ہے کہ زیادہ وہ ہے جس کا دل محبت
مطلب و غیو اور طلب ریاست سے پاک ہے اگر بلا طلب اور بدوین محبت کے کوئی
منصب مل جائے اور غلاب شریعت نہ ہو اُس کا قبول کرینا خوفِ زہد نہیں، محلات
ظنا و تشہیں سے زیادہ لہر لگوں ہوگا مگر سب کے سب صاحبِ منصب غلاف تھے۔
اسی طرح بہت سے ادویاء کرام صحت و عرفہ و فائے تھے، کسبِ طلال کے لیے اپنے
ہاتھ سے کام کرنے تھے۔ مہین ادویاء کرام صاحبِ فائزہ تھے مگر حق کے بیان کثرت
سے ہلایا اور نڈرانے آئے تھے جو کہ وجہ سے اُن کا دربارِ شہاد معلوم ہوتا تھا مگر
اُن کے قلوب تجت کو نیاتے پاک تھے جس پر اُن کے اعمال و واقعات شاہد تھے۔

(۱۸۳) مثال بیان کرنا جائز ہے

یہ اسی مثال کرنا جائز ہے جس سے وہ اچھی طرح ملت جھ جائے چنانچہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی جگہ یہ اعمال بیان فرمائی ہے کہ جو شخص حرص کے ساتھ مال
جمع کرتا ہے اُس کے مال میں برکت نہیں ہوتی اور اُس کا حال ایسا ہوتا ہے کہ
جیسے بعض آدمی کھاتا ہے مگر اُس کا پیٹ نہیں بھرتا۔ کیونکہ عام طور سے اکثر آدمی
خصوصاً اس زمانہ کے لوگ برکت کی حقیقت نہیں جانتے۔

برکت کی حقیقت اُن کے نزدیک برکت یہ ہے کہ (دیکھتے ہیں) کوئی شے
زیادہ ہو جائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی مثال
بیان فرما کر جس کو سب جانتے ہیں بتلادیا کہ برکت ایک خاص چیز ہے جو اللہ تعالیٰ
کے حکم سے پیدا ہوتی ہے وہ نہیں جو عام طور سے لوگ سمجھتے ہیں۔

اب تم اس مثال میں غور کرو کہ کھانے سے شرف کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ پیٹ
بھر جائے تاکہ شہرک کی تکلیف باقی نہ رہے مگر پیٹ بھرنا خدا سے اختیار نہیں۔
یہ نعمت اللہ تعالیٰ کے حکم سے پیدا ہوتی ہے اور اس طرح پیدا ہوتی ہے کہ تم کو

نظر بھی نہیں آتی۔ چنانچہ بعض دفعہ آدمی بہت کھانے کے بعد بھی مجوکا رہتا ہے۔ اس
کا پیٹ نہیں بھرتا۔ اسی طرح استغفار کی بیماری میں بہت پانی پینے سے لگتا پیاس
بھی بجھتی۔ اسی طرح برکت بھی خدا کے حکم سے پیدا ہوتی ہے وہ کوئی محسوس چیز نہیں
بہرہ کر کوئی آدمی بہت کھانے کے بعد بھی مجوکا رہے تو اس کا کھانا خوارہ ہی خوارہ
ہے۔ کیونکہ جس فائزہ کے لیے اُس نے کھایا تھا کہ پیٹ بھر جائے اور مجوک
رہے وہ حاصل نہ ہوا۔

اسی طرح مال کی زبات میں کچھ فائزہ نہیں بلکہ مقصود وہ نتائج ہیں جو مال
کے ذریعہ سے حاصل کئے جاتے ہیں (یعنی راحتِ قلب و بدن وغیرہ) تو اگر مال
زیادہ ہو اور یہ فرائض مقصود حاصل نہ ہوئے تو ایسے مال کا ہونا ناہونا برابر ہے۔
تم اس حالت کا مشاہدہ اپنی دنیا اور اپنی دین میں اسی طرح کرو گے کہ اُن دنیا پانی
فرد توں کو (معمول سے مال سے پوری نہیں کر سکتے بلکہ) بہت زیادہ مال سے پوری
کرتے ہیں۔ اسی لیے اُن کو مال پر حوصلے کے سوا (اور کوئی صورتِ نظر نہیں آتی تو
دلت دن اُس کے سوا) اور کچھ وعدہ نہیں ہوتا اُن کی نظر سے وہ چیز غائب نہ ہتی
ہے جو اس کے علاوہ ہے (یعنی اُن کی نگاہ میں یہ بات نہیں آتی کہ یہ ضرورتیں
مقصود سے مال سے بھی پوری ہو سکتی ہیں جبکہ اُس میں برکت شامل ہو جائے) اور
دین داروں کو دیکھو گے کہ وہ ان ہی ضرورتوں کو جن میں اُن دنیا بہت زیادہ مال
سے پوری کرتے ہیں بہت محنت سے مال سے پوری کر لیتے ہیں اور بعض دنوں
سے کچھ اچھی طرح پوری کرتے ہیں اور یہ (یعنی نقد نہیں بلکہ) بکثرت مشاہدہ
میں آکر رہے بشرطیکہ کوئی خوراکِ مال سے کام لے۔ قولہ و فیہ دلیل علی جواز
حزب الخلل انی قوله هذا موجود کثیر میں تاملہ و نظر -

فت - ہم نے ابی اللہ میں اس کا مکمل انکھن مشاہدہ کیا ہے اور اُن دنیا
کو یہ کہنے مشاہدہ ہے کہ ہر آدمی اندلی تو خواہ لکھی ہے اور زمین کی بھی اور فلان کی
تخاوی خواہ ہے زمیندار کی کچھ نہیں اور نغذا دہی ہم سے بہت کم ہے۔ پھر بھی

پائی جاتی ہیں جنہوں نے لوگوں کو اس دھوکہ میں ڈال رکھا ہے کہ وہ علماء اور صلحاء ہیں۔ فَاِنَّ اللهَ ذَا الْعِلْمِ الْحَكِيمِ۔

اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہ سے فرمایا تھا کہ بیت باعدینۃ اذی اقرکت بعدۃ قالوا ثلاث سنۃ ۱۰۰ سے حذیفہ! اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تم کسی بخت کو چھوڑو گے تو لوگ کہیں گے کہ اس نے شست کو چھوڑ دیا۔ حضرت حذیفہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! تو آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ اگر میں اس زمانہ تک زندہ رہوں تو اقرضہ میں حرج رکھتا ہوں۔ حضرت نے فرمایا کہ میں تم کو قرض پر حاکم کرنے دوں اس دن کے (غیب کے) لیے جب تم دنیا میں نہ ہو گے مطلب یہ ہے کہ تم حق اور شست پر عمل کرتے رہو اور ان کو جو وہ چاہیں بچنے دو۔ لیکن تم کو قرض میں غصب ہی غصب ہی کرنا ہے جب وہ ناقص تمہاری آبرو پر عمل کریں۔ (حدیث احمدیہ ما ذکرہ الشیخ فی شرحہ اذ علہ فی الغرائب لہ۔)

تحفہ جلیبائل فی المواضع فاہمہ۔

تنبیہ یہ یہ تو خدا نے اپنے زمانے کا حال لکھا ہے اب ذرا ہم اپنے زمانے کا حال بھی دیکھنا چاہیے۔ کیا یہ وہی زمانہ نہیں جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی؟ کیا اگر کوئی دوائی مولود نہ پڑے بلکہ منہ کے سوائے ذکر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اور اگر کوئی میلاد ہی تمام نہ کرے اس کو دہائی کی تذکرہ نام نہیں کیا جاتا؟ اور اگر کوئی عالم حق قوم کے ہادی اور توفیق پورہ کر سکا تو ان پر اپنا بار نہ ڈالتا چلے بلکہ غلامانہ خدمت و خدمت کے سبب مٹا کر پناہ اس کو صبر و نسیا سے بدنام نہیں کیا جاتا؟ مگر ہمارے ہمارے اسباب کے لیے ٹھوہرے کہ انسان مجرور ہر صاحب خیال نہ ہو اور غلاموں میں ہی ہتھوڑ ہے جس میں تعلیم دین پر اصرار نہ ہو۔

(۱۸۳) بلند ہاتھ پست ہاتھ سے اچھا ہے اور اسکی تحقیق حدیث سے

اس کے ٹکڑا کا نام سم سے اچھا اس کے بکوں اور گردن کا لباس ہمارے بکوں سے اچھا یا ہمارے برادر ہے۔ جو ہم انھی دولت کے ساتھ ہی وہ کام نہ کر سکے جس میں نے ضروری ہی آمدنی میں کر لیے ہیں۔

یہ برکت میں تو اور کیا ہے؟ برکت کوئی ایسی چیز نہیں جو کسی طور پر انھوں سے نفور کرے بلکہ وہ خدا کی دی ہوئی نعمت ہے جسے کھانے پینے اور پانی پینے کے بعد بری اور میرانی غلطی چیز ہے۔ جس کو دہی جانتا ہے میں کا بیت ہر اچھا اور پاس لکھی ہے، دوسرے محسوس نہیں کرتے۔ اسکا طرح بے برکتی بھی غیر محسوس ہے جس میں کامیابہ انھوں سے نہیں ہوتا بلکہ اہل دین و اہل دنیا کی حالت کا موازنہ کر لے ہوتا ہے۔

ف۔ شاعر فرماتے ہیں کہ میں جو مثال کے ذریعے برکت کا خدا کی طرف سے ہوتا بتلا گیا ہے یہ صحابہ کے کھانے کے لیے نہیں بلکہ ہم کو یقین کے ساتھ معلوم ہے کہ صحابہ برکت کی حقیقت سے واقف تھے ان کو اس کا مشاہدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات میں اور خود اپنے واقعات میں بار بار ہو چکا تھا (وہ ایک دفعہ نہیں بلکہ متعدد بار دیکھ چکے تھے کہ ایک دو کوئی کا کھانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا سے پورے لشکر کو کافی ہو گیا اور سب کے سیر ہونے کے بعد بھی رہا۔ بعض دن کھانا کھاتے ہوئے صحابہ کو یہ معلوم ہوتا تھا کہ کھانا کچھ سے خود بخود زیادہ ہوتا چلا آ رہا ہے۔ کھانے والوں کے نفوس سے کہ نہیں ہوتا بلکہ پہلے سے کھانا زیادہ ہو گیا) پس یہ مثال دوسروں کو کھانے کے لیے بیان کی گئی ہے جو صحابہ کے بعد آئے دوسرے تھے۔

اس تشریح اور بیان کے بحساب اور اس پر بھی توجہ کرو کہ آج کل عالم طور سے ان لوگوں کی حالت کیا ہے جو اہل علم کلمتے ہیں دُوروں کا تو ذکر کیا ہی؟ اس طرح ہی بدل گئے اور بہت سے امور میں حق و شوق ہو گیا یا اس کا انکار کیا جانے لگا (جناح پر تم اہل علم میں سے بہن کو برکت کی حقیقت سے ناواقف یا شک پڑا کے) جس کا سبب وہ بری عادات ہیں جو کثرت سے آئے ہی لوگوں میں

وقت دینے والے کا ہاتھ نہ چاہئے جبکہ وہ کما کو ہدیہ دنیا چاہے اور وہ قبول کرے پھر اس کے امر سے یا رخواست و انتہاء سے قبول کرے اللہ اعلم۔ حضرت شاذل فرماتے ہیں کہ حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ ہاتھ دونوں ہی اپنے اوں دینے والا بھی اور لینے والا بھی البتہ دینے والا زیادہ اچھا ہے کیونکہ حضور نے ہاتھ ہاتھ کو خیر فرمایا ہے جو اسم فضیل کا صیغہ ہے (جس کے معنی ہیں بہت اچھا) اور اس کا معنی یہ ہے کہ نفس میں دو دنوں شریک ہیں اور ایک میں خوبی زیادہ ہے جیسے ہم کہیں زید عسیر معنہ عسیر و زید عروس معنہ عروس تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ عروس کچھ بھی خوبی میں بلکہ مراد یہ ہوتی ہے کہ زید کا درجہ اس سے بڑھا ہوا ہے۔ اسی طرح بیان سمجھو کہ یہ دونوں ہاتھ اچھے ہیں کیونکہ ان سے نیکی کی گئی ہے (ایک نے احسان کیا دوسرے نے احسان قبول کر کے اس کو ثواب کا مستحق کیا) پھر ایک کو دوسرے پر فضیلت دوسری وجہ سے ہو گئی یا تو نفس فعل پر نظر کر کے یا مال پر یا نیت و قصد پر نظر کر کے یا ان سب کے مجموعہ سے۔ ان امتوں کی ہی وجہ سے (علاء و عوفیہ میں) خلافت واقع ہوا۔ اہل مکہ یہ استدلال اس وقت صحیح ہو گا جبکہ لفظ خیر کو اسم فضیل مان لیا جائے ورنہ محاورات میں بکثرت اس کا استعمال معنی فضیلت سے غالی ہو کر بھی آتا ہے۔

(۱۸۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعلیٰ مقام کی ہدایت فرماتے ہیں !

حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعلیٰ مقام کی ہدایت فرماتے ہیں۔ کیونکہ آپ کا ارشاد (الید الدیہ عید من الفضل) کا مطلب یہ ہے کہ تم کو ان لوگوں میں سے ہونا چاہیے جن کا ہاتھ آؤ چاہے ان میں سے نہ ہو جن کا ہاتھ نہیں ہے۔ مگر یہ (تعلیم) و مکتبہ دینیہ میں ہے دنیا اور دنیا کے مسلمان ہیں (کیونکہ) دنیا میں تو بقدر ضرورت و کفایت پر ہی کرنے کی تعلیم ہے عاقبت اللہ و دنیا فتنہ و فتنہ کا علیہ دنیا میں سب سے اوجھل ہونے کی تعلیم (میں)۔

قوله فیه دلیل علی ارشاد انشاء الخ الی الخ فی قوله لانی الدنیا و حطامہا۔
فت۔ نہیں کہتے ہیں کہ اگر اس کو دنیا اور دنیا دونوں کے لیے علم کما جائے جب بھی کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ حدیث کا مطلب یہ تو نہیں سب کو دنیا میں سب سے زیادہ مالدار ہونا چاہیے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ہاتھ اچھا ہونا چاہیے یعنی سوال سے بچنا اور دوسروں کو دنیا چاہنے والے اور یہ حالت یقیناً محمود و مطلوب ہے دنیا کے سامان میں بھی کما کما دنیا اور درست مگر ہونا اچھا نہیں۔

ایک حدیث میں ہے المؤمن القوی۔ عید من الفضل و فی کل غیر۔ مسلمان صاحب قوت کمزور سے بہتر ہے اور یوں دونوں ہی اچھے ہیں اس حدیث میں موصوفہ کی جستہ جستہ وہ بھی مقامات عالیہ کی ہدایت فرماتے ہیں۔ ہر کام میں عزیمت و فضیلت حاصل کرنے کا انتہام کرتے ہیں حتیٰ الامکان بلا ضرورت دنیا کی حالت پر قیامت میں کسے نفاذ کو بھی کمال کرنا چاہتے ہیں اور کو کر کو بھی اور غصہ ملنے کو بھی و لا هذا العیاس۔

(۱۸۵) اہل فضل و شہادوں سے سوال کرنا جائز ہے حدیث سے

کہ اہل فضل اور اہل سادہ اور دینداروں سے سوال کرنا جائز ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابی کے سوال سے کچھ تعریفیں فرمیں اس کو ایک قاعدہ کلیہ بنا دیا کہ استفتاء کے ساتھ مال لینے کا یہ ثمر ہے اور عرض کے ساتھ لینے کا یہ نتیجہ ہے اور اگر اس کے سوال میں کوئی بات (کہاہت یا حرمت کی) ہوتی تو آپ اس کو بھی نہ بچاتے بلکہ اسے کچھ دیتے بھی نہیں جب تک سوال کی کہاہت نہ ہو (غیر) نہ بتلا دیتے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احکام شرعیہ بیان کرنے والے ہیں اور ضرورت کے وقت سے بیان کو مؤخر کرنا جائز نہیں۔ پس آپ کے ارشاد کی شوکت بتلا دیا ہے کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لینا اور مانگنا (دوسرے سے لینے اور مانگنے)

کافی ہے تو اس سے افغانا پناہ مانگنا ہے اُس کی حیب سے تو کچھ فرما نہیں ہوتا۔
اور اپنا حق مانگنے میں کچھ زلت نہیں۔

حدیث سے معلوم ہوا کہ تمہیں (۱۸۶) غنا سے تحصیلِ علم میں مدد ملتی ہے علم میں غنا سے بہت مدد ملتی ہے۔ حکمت کا مقصدی یہ ہے کہ پناہ دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابی کو مدد ملنے کی اُس وقت تعلیم دی جبکہ میں مرتد مال دے کر اُن کو ملتی کر دیا۔
قوله وفيه دليل على ان من اتى ان سباب في حمل العلة بعقبتى الحكمة المهداة الى قوله من افغانا بجرار العطاء ثلثا۔

فت۔ یہ استدلال قوی نہیں۔ ہاں حدیث سے یہ ضرور معلوم ہوا کہ سوال کرنے والے کو مالی کے متعلق حکم شرعی سوال پورا کرنے کے بعد بتلانا چاہیئے۔ کیونکہ سوال پورا کرنے سے پہلے اُس کا دل پریشان ہوتا ہے۔ اس حالت میں وہ حکم شرعی کو پوری طرح نہیں سمجھ سکتا اور ممکن ہے وہ یہ خیال کرے کہ مجھے ثنائے کے واسطے یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے تو عالم کو متہم سمجھے گا اور اس صورت میں سائل کو شرمندگی اور خرابی بھی زیادہ ہوگی۔ اور اگر پہلے اُس کی حاجت پوری کر دی جاسکے تو اُس کا دل اس قسم کے خیالات سے خالی ہو جائے گا۔ پس اس کو تحصیلِ علم سے فائدہ ہو گا۔ اور جس مسئلہ کو حضرت شارح نے اس حدیث سے استنباط کیا ہے وہ اپنی جگہ درست ہے کیونکہ تحصیلِ علم کے لیے جمعیتِ قلب اولیٰ گناہ کی ضرورت ہے اور غنا سے ہی یہ بات حاصل ہوتی ہے۔ فقر کی حالت میں سائل کو اپنے کھانے پینے کی فکر سے فرصت نہیں ہوتی وہ اطمینان سے کیونکہ علم حاصل کرے گا۔ پس طالبِ علم یا تو غنی ہونا چاہیئے اور اگر فقیر ہو تو اسے کھانے پینے کی فکر سے مطمئن کر دینا چاہیئے۔

چنانچہ ہمارے امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے کہا کہ پاس جب امام ابو یوسف پڑھنے کے لیے آئے تو امام ابو یوسف کے باپ نے اُن کو درس سے آشنا

کے مثل نہیں البتہ عبدی یوسف السلفی۔ بلند ہاتھ پست ہاتھ سے بہتر ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک قرقم حالات میں بلند ہی ہے کیونکہ آپ کے دست مبارک جیسے کسی کا ہاتھ ہے۔ یہ ٹھنکی ہوئی ہاتھ ہے جس میں کچھ بھی ختم نہیں۔ (پس منہ سے مانگنے میں اعتدال زلت نہیں بلکہ میں سعادت اور بہت بڑی عزت ہے۔ اسی لیے آپ نے صحابی کو سوال سے منع نہیں فرمایا بلکہ حرجی مال سے منع فرمایا ہے) اور بطورِ راستہ کے یہی حکم اُن حضرات کا ہے جو آپ کے بعد منصبِ خلافت پر مرقراز ہوئے۔ اگرچہ وہ آپ کی مثل نہیں۔ اسی طرح خلیفہ کا نائب اور اُس کا نائب اسباب تک مسئلہ خلافت باقی رہے۔ بشرطیکہ وہ اہلِ فضل اور پندار ہوں۔ قوله وفيه دليل على جواز سوال اهل الفضل والدين واهل الحاجة الى قوله لا كافرا من اهل الفضل والدين۔

فت۔ اہلِ ماسلحہ مکرادہ حضرت ہیں جن کا ماسلحہ اللہ تعالیٰ سے درست ہے یعنی بزرگاپن دین کا وہ بھی باطن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ہیں۔ تو ظاہر میں ماسلحہ سلفیت نہ ہوں اُن سے مانگنے میں بھی زلت نہیں۔ کیونکہ وہ کسی مسلمان کو ذلیل نہیں سمجھتے اور سوال سے منع کرنے کی طاقت بھی ہے کہ اُس سے انسان ذلیل ہوتا ہے وہابیہ طوائف ان اذیل نفس۔ اور مسلمان کو یہ نہ چاہیئے کہ اپنے کو ذلیل کر دے۔ تو جہاں سوال میں زلت نہ ہو وہاں کراہت نہ ہوگی۔

چنانچہ ایک حدیث میں ہے ان المسئلة کہ یکدر بھا الیہ من وجہ الامان یسأل الرجل سلطاناً او قاضیاً اسرہد منہ قال اللہ علیہ وسلم هذا حدیث حسن صحیح۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سوال کرنا ذلت ہے جس سے آدمی اپنے چہرے کو ذلیل کرتا ہے۔ مگر یہ بادشاہ سے سوال کرنے (توقیف نہیں) یا کسی حالت میں سوال کرنے کے بدوں سوال کے چارہ نہ ہو (تو خود رہے) علماء نے لکھا ہے کہ چونکہ سلطان کے قبضہ میں بیت المال ہے جس میں سب

دین کا نام مٹ جانے والا۔ ہندوستان میں دین کا جو کچھ نام و نشان باقی ہے، اُن ہی کی برکت سے باقی ہے۔ اُن ہی عزیز و محترم کرنا چاہئے کہ عقلی مدارس اور خانقاہیں کون سی ہیں؟ اور نام و نمود کی کون سی ہیں؟ سب کو ایک ہی روشنی سے چمکتا حالت ہے۔

(۱۸۷) سوال تین بار تک جائز ہے کہ ماہنامہ سے معلوم ہوا کہ تین بار تک سوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلی دفعہ دوسری دفعہ سوال کرنے پر دیتے رہے اور خاموش رہے اور تیسری بار سوال کرنے پر بھی دیا اور علی مسئلہ بتا کر اُس کے بعد سوال کرنے سے روک دیا کیونکہ حضرات صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں قوت ایمان کی وجہ سے اس قدر فہم اور ذکاوت تھی کہ ان کو اُن کا افسار ہر جی روکنے کے واسطے کافی تھا (اس لیے کہ حضورؐ نے آئندہ سوال کرنے سے ممانعت نہیں فرمایا بلکہ سفاد فتن کی تعلیم دی اور جس مال سے روکا گیا شاذ آئندہ سوال کرنے کی بجائے روک دیا گیا جس کو چاہی بھگتے اور انہوں نے عرض کیا کہ اب میں آپ کے بعد کی سے بھی سوال نہ کروں گا چنانچہ وہ مال ہیتمت میں سے اپنا حق کسی بھی غلیظہ سے نہ لیتے تھے۔ حتیٰ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اعلان کرنا پڑا کہ لوگو! گواہ رہو میں حکیم بن خزام کو اُس کا حق دینا چاہتا ہوں مگر وہ نہیں لیتے)۔

اور اس میں اُن نمونہ کی بھی حجت ہے جو زنبیل کے قائل ہیں کہ اگر کسی درویش کو کھانا کھانے کے بعد ایک کھانا ملے تو وہ کھانا کھائے اور پھر کھانا کھائے تو وہ زنبیل ہاتھ میں لے کر نکل سکتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ زنبیل کے نکلنے کی شرط یہ ہے کہ کسی خاص شخص کا قصد کر کے نہ ملے اور نہ کسی سے نقد دے کر مانگے اور نہ قسم کھائے بلکہ صرف اللہ تعالیٰ سے سوال کرے۔ پھر اگر تقدیر اُسے کسی کے گھر پر یا کسی آدمی کے پاس پہنچا دے تو اُس سے آگے نہ بڑھے اور یہ بھی شرط ہے کہ بدوین سخت حرمت کے نہ نکلے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

چاہا اور کہائیں اپنے بچے کو شغل معاش میں لگاتا چاہتا ہوں کیونکہ میں فقیر آدمی ہوں۔ میری آمدنی پندرہ گھر کے غریب کو کافی نہیں ہوتی۔ یہ ملا بھی کچھ کھائے گئے تو گھر کا غریب پکڑا ہوگا۔ امام صاحب نے فرمایا کہ اس حالت میں کہ ابھی یہ بچے ہیں اور کچھ علم بھی حاصل نہیں کیا، تم کو ان سے کتنی آمدنی کی امید ہے؟ اس نے کچھ مقدار بتلائی۔ امام صاحب نے فرمایا تم کو جو ہمارے پاس پڑے ہو اور بتنی رقم تم نے بتلائی ہے اس سے بھی زیادہ ہم تم کو ہر مہینہ دے دیا کریں گے۔ چنانچہ وہ راضی ہو گئے اور امام ابو یوسف اطینان کے ساتھ تحصیل علم میں لگے رہے۔ پھر دُنیا جانتی ہے کہ وہ کس درجہ کے امام ہوئے۔ امام ابو یوسف نے اسی طرح بہت سے طلبہ کو اپنے پاس سے دے کر پڑھایا ہے۔ جو ان کے بعد بڑے درجہ کے مفتی اور قاضی اور عالم ہوئے۔

اسی حکمت کی وجہ سے ہمارے اکابر نے مدارس وغیرہ میں یہ قاعدہ مقرر کیا ہے کہ غریب طلبہ کو مدرسہ سے کھانا کپڑا کتابیں مفت دی جائیں تاکہ وہ اطینان سے علم کی تحصیل میں لگے رہیں اور اس وجہ سے اپنی طریق نے اپنی خانقاہوں میں غریب سالکین کے لیے اسد کا سلسلہ جاری کیا ہے۔ کیونکہ اس زیادہ میں اغنیاء کو تحصیل علم شری اور طلبہ طریق باطن کا شوق نہیں رہا۔ اب اپنی دُنیا کی عقل مند دی دیکھو کہ اس پر اعتراض کسے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان طلباء اور سالکین کو کسب معاش میں مشغول ہونا چاہیے۔ یہ لوگ قوم کے اوپر بار ہیں۔ تو ان کو کچھ لینا چاہئے کہ کسب معاش کی فکر میں مشغول ہو کر تحصیل علم اور طلبہ طریق پُوری طرح نہیں ہو سکتی اور جو لوگ یہ سمجھتے ہوں کہ یہ طلباء اور سالکین قوم پر بار ہیں وہ اپنا ہاتھ روک دیں اور دیکھیں کہ خدا اُن کو روزی پہنچاتا ہے یا نہیں؟ یاد رکھو ان مدارس کا ادارہ اللہ تعالیٰ کے ہر جوسہ پر ہے وہ خود ایسی جگہ سے اُن کو روزی پہنچاتا ہے جہاں گمان بھی نہیں ہوتا اور کچھ لوگ اگر یہ مدارس اور خانقاہیں دیران ہو گئیں تو ہندوستان سے اسلام اور

لایا پس انہی کو اللہ عزوجل حاجت دینا فرمایا۔ اس میں کچھ عرصہ نہیں کہ سنا
اپنی حاجت کو اپنے بھائی مسلمان کے سامنے ظاہر کر دے (تو سخت مجبوری میں سوال
کرنا جائز ہے) پھر جس شخص کے پاس تقدیر نہ لے کر پہنچا دیا اگر اس نے وید یا
تو بہتر اور دیا تو یہ بھی اچھا ہے اب وہ دوسرے کے پاس جائے اور میرے کے
پاس جائے مگر تینوں کے کچھ دیا تو آگے دے بڑے اور کچھ جائے کہ اللہ تعالیٰ کا
مقرر ہے کہ کبر و تسلیم سے کام لے۔ اب اپنی جگہ واپس آ جائے کسی اور سے
سوال نہ کرے۔ یہاں تک کہ حق تعالیٰ اس کے پاس قناعات پہنچا دیں یا جو ان کی
مرضی ہو کر رہے۔

اب فرماتا کہ مجھ تو کہ آج کل اہل علم اور اہل حال دونوں میں سے کوئی بھی
اس راستہ پر ہے جس کو اس کے بزرگوں نے کتاب و سنت سے مستعمل کیا ہے
جیسا ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں اور اس حدیث (تہ شرح) میں بھی کچھ تذکرہ
ہے، نہیں خدا قسم! (آج کل کوئی جماعت بھی اپنے بزرگوں کے راستہ پر
نہیں) راستہ بدل گئے اور (سیدھے راستہ پر) پہلے چلے کم رہ گئے خدا کا فضل
دانا الیہ واجوبہ، قولہ وفیہ دلیل علی جواز تنکیر السوال ثلاثاً والاربعۃ منقولہ
انی قولہ فاللہ اعلم۔



فت۔ حضرت ثناء مجھے معاف فرمائیں۔ اس حدیث میں اہل زہد کے
لیے کوئی نص نہیں، اس میں اشارہ یہ مشہور ہے کہ جس سے سوال کیا جائے
تین دفعہ سے زیادہ نہ کیا جائے۔ مگر یہ اس میں کہا ہے کہ زہد کے کرنا
جائز ہے اور جو زہد کے کرنا چاہے وہ تین آدمیوں سے آگے نہ بڑھے۔ اس کے
لیے مستقل دلیل کی حاجت ہے اور میرا خیال ہے کہ اسلام میں زہد کی کوئی اصل
نہیں۔ یہ صرف نام ہیں اور جڑوں کا طریقہ ہے۔ اسلام کا اصول پہلے مذکور ہو چکا
ہے کہ ہر مسلمان پر صدقہ ہے اگر کوئی مدد نہ کر سکے تو اپنے ہاتھوں سے کام
کرے جس سے اپنے کو بھی نفع پہنچائے اور دوسروں پر بھی مدد کرے اسی

حدیث کراہیۃ السؤال

”عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی برابر گوشت سے سوال کرنا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ قیامت میں آئے گا اس حالت میں کہ اُس کے پیروں میں گوشت کا ایک ٹکڑا بھی نہ ہوگا۔“

شرح ظاہر حدیث بتکا رہا ہے کہ زیادہ سوال کرنے والے کے چہرے پر قیامت کے دن گوشت نہ ہوگا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ مراد ہر سوال میں گوشت کو علی سوال تو مراد یہ ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔ فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ۔ اگر تم کو (کوئی حکم) معلوم نہ ہو تو اہل ذکر سے سوال کرو (یعنی لوگ سے حکم شرعی دریافت کرو) اسی طرح درست کا سوال بھی اس میں داخل نہیں۔ کیونکہ تم کردہ ماہ کو درست بتانا ضروری ہے (اُس کا دریافت کرنا بھی جائز ہے) اب صرف ذنیب کے سامان کا سوال باقی رہ گیا تو کیا یہاں مراد ہے (یعنی ہیکل مانگا کھانے سے روک پیسہ کا سوال کرنا) اور یہ بھی ہر حالت میں غنیمت میں کیونکہ ضرورت کے وقت سوال جائز ہے (بلکہ بعض کے نزدیک لازم ہے جبکہ بدو سوال کے جہان پہلے کی کوئی ضرورت نہ ہو) کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں یا اے مسلمان! بیشکو حاجت نہ خیر الخیر منکم۔ مسلمان کے لیے اس میں کوئی حرج نہیں کہ اپنی حاجت کو اپنے مسلمان بھائی سے ظاہر کر دے۔ جس شخص کو سخت مجھو (بے ہلاکت کا اندیشہ) ہو اُس کے متعلق علماء میں اختلاف ہے کہ اُس

کے لیے مہر کرنا افضل ہے (ذکر اسے سوال نہ کرے) یا نہ تک کر جائے اور شدید ہر گاہ کیونکہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں یا اے مسلمان! نہ خیر الخیر منکم۔ اپنے رب کے لیے مہر کرنے رہو، کیونکہ تم ہماری نگاہوں کے سامنے ہو (جس سے معلوم ہوگا کہ اللہ کی تقدیر کا منتظر رہنا چاہیے کسی سے سوال نہ کرنا چاہیے) یا اُس کو سوال کر کے جان بچانا افضل ہے ورنہ گناہ گار ہوگا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مسلمان کے لیے اس میں کچھ حرج نہیں کہ اپنی حالت کو اپنے مسلمان بھائی سے ظاہر کر دے۔ اگر ایسا نہ کیا یہاں تک کفر گیا تو اُس نے خودی کا سامان کیا تو ایک جماعت کے قول پر گناہ گار ہوگا (اور یہ اختلاف اس تحریر میں ہے جبکہ اُس کے پاس فاقہ دور کرنے کی کوئی چیز نہ ہو اور اگر وہ ضرورت ہو جس کو اُن کل ٹکڑے بزرگان کا بانیہ نہ کھانے پینے کا سامان موجود ہے اور بطور سیاسی حربہ کے مجھو کہ جڑا کر رہا ہے۔ اس میں اگر میرے کا تو سب علماء کے نزدیک خودی کا گناہ ہوگا خوب سمجھ لو)۔

پس حدیث میں ذنیب کا سوال اُس ہے جبکہ بدو حاجت اور سخت ضرورت کا ہو اُسی پر رو عید ہے (جبکہ مرنے سے پہلے توبہ نہ کی ہو) اور اگر توبہ کرے تو عید ہے کہ اس مجموعہ میں داخل نہ ہوگا (اور وہ عید سے بچ جائے گا) کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ عجب ماحصلہا۔ توبہ اُن تمام گناہوں کو ساقط کر دیتی ہے جو توبہ سے پہلے کئے تھے۔ ہاں یہ سوال باقی رہا کہ توبہ کے وقت جو مال اُس کے پاس سوال حرام سے چل گیا ہو باقی ہے اُس کو کیا کرے؟ ہو ظاہر ہے کہ مال حرام کو اپنے قبضہ میں رکھنا جائز نہیں۔ اب اگر اُن لوگوں کو پہچانا ہے جس سے سوال کیا تھا تو اُن کی کو (یا اُن کے ورثہ کو) پس کر دے اور اگر نہیں ہیں پہچانا تو اس مال کو صدقہ کر دے (اور صدقہ کا ثواب اُن کو پہنچا دے) تو یہ حقیقت میں اُن کی طرف سے صدقہ ہوگا اپنی طرف سے نہیں۔ پس اُس حدیث کے خلاف نہ ہوگا جس میں وارد ہے لا تقبل صدقۃ من غلولی کہ حرام مال سے صدقہ

اور یہاں سے معلوم ہوا کہ علم تمام فضیلت کی

علم تمام فضائل میں افضل ہے چروں سے افضل ہے جبکہ اس پر عمل بھی کیا جائے کہ اسی سے ممتاز اور ذیل میں امتیاز ہوتا ہے۔ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ (حضرت کے وقت) غیر مسلم سے مانگنا بھی جائز ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ما یزال المؤمن لیسأل الناس لمعن آدی لوگوں سے برابر مانگتا رہتا ہے اور یہ لفظ مسلم اور غیر مسلم دونوں کو عام ہے۔ اسی لیے ایک بزرگ اپنے گھر سے بدون ضرورت (اور منت حاجت) کے نہیں نکلتے تھے اور جب نکلتے تو غیر مسلم کے سوا کسی مسلمان کے گھر پر نہ جاتے تھے۔ اُس سے کہنے اُس کی وجہ کو بھی تو فرمایا کہ میں بدون ضرورت و احتیاج کے گھر سے نہیں نکلتا۔ اب اگر مسلمان کے دروازہ پر جاؤں تو اندیشہ ہے کہ وہ میرا سوال بدکروے، تو اس پر کوئی بلا نازل ہو جائے کیونکہ اُس پر شر غامری جانی کا بھاننا واجب ہے (اس واجب میں کوتاہی کرے گا تو بلا نازل ہونے کا اندیشہ ہے) تو میں چاہتا کہ میری وجہ سے کسی مسلمان کو تکلیف نہ پہنچے اور ذی (غیر مسلم) میری جان بچانے کا مکلف نہیں۔ اگر وہ مجھ سے بددعا کرے گا تو اُس سے اُس کو نکالنا یا بچ جانے اور اگر میرا سوال بدکروے گا تو میری وجہ سے کسی گزند پہنچنے کا اندیشہ نہ ہو گا۔ سبحان اللہ! ان بزرگ کی تہمت کا کیا کتنا اللہ دالے چاہیے ہی ہوتے ہیں جو کسی کا بُرا نہیں چاہتے۔ مگر حدیث سے اس بہت کا استعمال واضح نہیں کیونکہ حدیث میں سائل کی مذمت کی گئی ہے حدیث میں کی گئی۔ تو یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ مذمت میں اس بات کو بھی دلیل ہو کہ وہ سب ہی سے سوال کرتا رہا۔ مذلم کو دیکھا نہ غیر مسلم کو۔

فقہاء و فضیلے کا فرق ضروری اور مذمت کرنے میں بھی یہ قید لگائی ہے کہ جائز علم میں مذمت یا ضروری ہو اور اُس سے مسلمان کی ذلت نہ ہوتی ہو جب ضروری اور مذمت میں یہ شرط ہے تو غیر مسلم سے مانگنا کیونکر جائز ہو گا کہ سوال تو خود ہی ذلت ہے، البتہ اگر کوئی غیر مسلم غریب اور سخی اور نیک دل ہو

قبول نہیں کیونکہ وہ اس ضرورت میں ہے جبکہ علم مال کو اپنی طرف سے مدد کرے اور راز اس میں یہ ہے کہ جب مال کا مالک معلوم نہ ہو نہ اُس کے دروازہ معلوم ہوں، تو یہ عداوت کا مال ہے اور سب کا کوئی وارث نہ ہو اس کے وارث افراد ہیں تو فقہاء کو پہنچا دینا اصل مالک کے وارثوں کو پہنچا دینا ہے کیونکہ فقہاء کے ذریعہ سے اُس کو ثواب مل جائے گا خوب بخیر (نہ) اور یہ حکم یہاں ضرورت کے لیے ہے ویسا ہی تو لوں کے لیے ہے اگرچہ حدیث میں لا یمال الوجہل وارد ہے، جس سے بظاہر مردوں کے ساتھ حکم کا خاص ہونا منہم ہوتا ہے۔ مگر غرض اسکا ہم شرعیہ میں مرد کا ذکر بوجہ فضیلت کے ہوتا ہے اور عرس میں بغا غراہ ہوتی ہیں۔ نیز یہ وعید اُس شخص کے لیے ہے جو سوال کی عادت کرے جیسا لا یمال الوجہل کے لفظ سے واضح ہے تو اگر کسی نے ایک دو بار سوال کیا ہو عادت نہ کی ہو تو وہ اس وعید میں داخل نہیں (جو بلا ضرورت سوال کرنے کا گناہ اُس کو بھی ہو گا۔ مگر قیامت میں بدنام نہ کیا جائے۔ میں تو یہ اس کو بھی لازم ہے۔ ہذا اصل معاذ ذکر اللہ درج فی شرحہ)۔

(۱۸۸) علم دین کی سب کو ضرورت ہے حدیث سے معلوم ہوا کہ علم دین کی سب کو ضرورت ہے۔ کیونکہ سب سے کہ دین کے لوگ بیک مانعے والے ہیں کے پاس دین کا کچھ ملا و سامان نہیں ہوتا ان سے بھی سوال پر حساب کیا جائے گا کہ ان کا سوال حکم شرعی کے موافق تھا یا خلاف تھا تو خود مردوں کا کیا حال ہو گا؟ (یہاں سے اُن لوگوں کو سبق لینا چاہیے جو بدون علم شرعی کے شیخ یا مولانا سے ہوتے ہیں) اور یہ سے یہی معلوم ہوا کہ اصل سے کوئی مفروضہ ہو گا (یعنی یہ غرض نہیں سنا ہائے گا کہ ہم کو ضرورت ہی ہم جاہل تھے، کیونکہ جب یہ مانعے والے بھی باوجود اپنی کمزورت کے مفروضہ ہوتے، اُن سے بھی سوال کے متعلق باز پرس ہوگی تو اور لوگ کیسے مفروضہ ہو سکتے ہیں۔

مشہدہ کروں جب اس کے پاس پہنچے تو جب اس نے سنا تو وہ ایسی پایا کہ وہ بھی وہ تو
پھر نکلا پھر رہا ہے، پھر چاہے اسے کہے وہ کچھ کیا کیا جو میں نے دیا تھا وہ تو بہت
قیمتی تھا اس کو بیچ کر تو ایک کی جگہ چار پانچ کپڑے بنا سکتا تھا مگر تو میری نکلا
ہے، اس نے جب دیکھا کہ پانچ کپڑا اس سے مانگو جس کو تم نے دیا ہے اور مجھے اس
کے ساتھ رہنے دو میں کی میں تا فریاد کر رہا ہوں۔ فرمایا ہے نہ تو نے پچھتا۔ پھر
اس کو اسی حال میں چھوڑ کر وہاں آگئے (گھر سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ان بزرگ
نے اس سال کو میری کچھ دیا۔ لیکن سب کے تحقیقی حال کے بعد پھر فرمایا ہو اور اس کے
جواب کو اس نے روٹیں کیا کہ اس نے معقول بات کہی تھی کہ جب تم قلاب کی نینت
سے صدمہ کر چکے الٹے الٹے سخی سمجھ کر دنے مجھے تو تھرا قلاب کہیں میں گیا پھر اب
تم کو مجھ سے باز پرس کا حق نہیں۔ مگر میں نے اس کو تاجانز کام میں صرت کیا اس کا
میں دفتر دار ہوں گا آپ دفتر دار نہیں تو صدمہ قلابیہ کے متعلق یہ بات یہ کہ ہے جیسے
پہلے ایک حدیث میں فرمادہ چکا ہے کہ کسی نے قلاب، چھرا اور مٹی کو اس کے
اندھیرے میں صدمہ دے دیا تھا تو وہ قبول ہو گیا۔ ہاں! آئندہ کے لیے ایسے
خاص کو دینا جائز ہیں جو حیلہ و مکر سے سوال کرتا ہے اور سوال کر کے بدنامی
کرتا ہے ۲۔

جب تم اپنے نیک کام میں ہے اللہ تعالیٰ جو تمہارے کے ساتھ تھا اس معاملہ ہے
اس کے فضائل میں موجودہ بھی تم کو چھاپتا رہے گا اور مقرب (خاص بنائے گا۔
قرآن و حدیث دلیل علی انہ جہنم انما سمعنا جہنم انہ علی العذرانی قولہ
صدمہ قلابیہ۔

۳۔ ظاہر ہے کہ یہاں علم سے مراد علم دینی اور علم احکام ہے۔ جب مسلمانوں
کے دن اچھے سے اسی پھر عزت و ذہانت کا دار کا دار تھا مگر آج اس علم کی وہ عزت
یا نہیں رہی جس میں کچھ تو قلابیہ کی خطا ہے کہ انہوں نے دنیا کو دین پر
مستقم کر دیا ہے اور کچھ علماء کی بھی خطا ہے کہ انہوں نے دنیا کو دین پر

مزدت میں سوال کرنے والوں کو ذلیل نہ سمجھا ہو بلکہ عزت کرتا ہو تو اس سے
سخت احتیاج کی حالت میں سوال کا مصلحت نہیں اور وہی طریقیہ اسلام انہی سے ہی
ہوتے تھے کہ انہی لوگوں کی عزت کرتے تھے باقی آج کل تو مسلمان بھی سوال کرنے
والوں کی عزت نہیں کرتے، خواہ کیسے ہی حاجت مند اور کیسے ہی اشد حالے
ہوں۔ غیر شک کر لیا کریں گے۔ پس ایک زمانہ کو دوسرے پر قیاس
نہیں کیا جا سکتا۔

سائل کو بلا وجہ مجھوٹا نہ سمجھنا چاہیے حدیث سے معلوم ہوا کہ سوال کرنے
دینا وجہ اُن کو مجھوٹا نہ سمجھنا چاہیے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس حدیث
میں سوال کرنے والے کی توفیق کی ہے مگر دوسروں کو پتے اور مجھوٹے مانوں)
میں فرق کرنے کو نہیں فرمایا پس اُن کو ناجائز ہے کہ ہر سوال کرنے والے کا سوال
پھڑا کر دیں۔ مگر یہ کہ کسی کے متعلق تحقیق سے یہ بات ثابت ہوئی ہو کہ اس نے
سوال کو پیشہ بنا لیا ہے تو اس کو دینا جائز نہیں ہے کما حقہ حاشیۃ الفقہاء
حرف اللہ و خیر۔

چنانچہ ایک بار گت بزرگ کی حکایت ہے کہ وہ ایک دن چلے جا رہے تھے
ایک شخص کو دیکھا کہ بائبل نکلا ہے لوگوں سے اللہ کے واسطے کچھ مانگ رہا ہے
اپنے اپنے ایک کپڑا اُتار کر اس کو دے دیا۔ بعض لوگوں کو اس شخص کی عداوت
معلوم تھی کہ وہ حیلہ اور مکر کرتا ہے (کپڑا پاس جو تپا ہے پھر بھی نکلا ہو کر یہ کپڑا
مانگتا ہے) اور اس کو بیچ کر ناجائز کاموں میں صرف کرتا ہے۔ چنانچہ یہ بزرگ
وہاں پہنچے تو کسی نے خبر دی کہ میں نے اس سائل کو لفظ جگہ دیکھا تو اس کے
بدن پر آپ کا دیا ہوا پتلا زخا وہ پھر نکلا پھر تپا ہے) اور لیکن ہے اس نے
آپ کے کپڑے کو بیچ کر ناجائز کاموں میں اس کی قیمت کو استعمال کیا ہو۔ بزرگ
کو یہ سن کر فزع آیا اور پھر فرمایا فرمائیے اس تک پہنچنا کہ اس کا حال کیا

و مول کرنے کا ذریعہ بنالیا ہے۔ اگر خدا دلوں اور معنی تبلیغ کی نیت سے دعا کریں تو
معاذ اللہ یا اللہ نہ قبول نہ کریں بلکہ وہاں کی رویت تو ان کی عزت مت بڑھ جائے۔
صدق اور خلوص کی ہر عمل میں ضرورت ہے بھی اللہ تعالیٰ کے برابر قبول ہو تب ہی
اور جو عمل بارگاہِ انوار میں قبول ہو جائے اس کا ثمرہ آخرت میں تو یقینی ہے دنیا میں
بھی مل کر دیتا ہے۔

(۱۸۹) عمل کی جزا و سزا اس کے من سب ہوگی کہ آخرت میں اموں معنویہ میں

ہوں گے اس میں کیا حکمت ہے کہ اس سال کے چہرہ میں قیامت کے دن گوشت
نہ ہوگا؟ سو بات یہ ہے کہ چہرہ کا سن گوشت ہی سے ہے مایہ
موناپے سے چہرہ کا سن بڑھ جاتا ہے تو مطلب یہ ہے کہ اس کے چہرے میں
قدہ برابر مشن نہ ہوگا۔ کیونکہ اس نے دنیا میں اپنے چہرہ کی آب و تاب کھوئی تھی
یعنی حیا کو اتار کر رکھ دیا تھا جو چمک مانگنے سے روکتی ہے جب اس نے
بلا ضرورت حیا کو اتار دیا تو آخرت میں اس کا سن ظاہری زائل کر دیا جائے گا
کیونکہ آخرت میں وہ چیزیں محسوس و مشاہد ہوں گی جو یہاں معنوی (اور باطنی) ہیں
کیونکہ حکمت اس کو معنی ہے کہ دنیا میں جو کچھ وہ کئے یا ہوگا آخرت میں اس
کا ایک نشان ہوگا جس سے سب لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ اس شخص نے
یہ کچھ کیا ہے تاکہ عذاب کے ساتھ ذات بھی ملے ہو جائے کہ تمام عالم میں اس کی
شہرت ہو جائے۔ چنانچہ جیوں کو اپنی دینے والے کے بارے میں داد دینا ہے کہ
وہ قیامت میں اس حال سے اٹھے گا کہ اس کی زبان سے اسے نکلے ہوگی اور خود
مخاطباتہ ہر مارتا ہوگا۔ جیسے مست آؤٹ مسی میں ہاتھ پیر مارتا ہے اور یہیں
کا مال کھانے والا جیسے اس طرح اٹھے گا کہ اس کے نکلنے کی ایک سے
مانس کے ساتھ نکلے ہوں گے اسی طرح اور بہت گناہ ہیں جن کے صفت کو لاش
میں نکلے و تم نے خبر دی ہے کہ (ان کے لیے قیامت میں عذاب عظیم ہوں گے)

اور اس خبر کا غائدہ یہ ہے کہ لوگ اس بڑی رسوائی اور ذلت کے عذاب سے
بچیں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اپنے فضل و احسان کے صدمہ ان سب سے بچا دے۔ کسی نے
کہا ہے اپنا انجام اچھا بنا اگر تجھے کچھ عقل ہے اور اس دن کی رسوائی سے بچ جو بہت
ہی محنت و محنت ناک ہے۔ جس کا طریقہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت و تقویٰ ہے جو
ہر لمحہ تجھ پر انجام کرنا اور تیرے عمل کی قدر کرنا ہے۔

قوله ما لعلمة في كونه يا في يوم القيامة ولا شفاعة لعمدة ديماني
قوله بتقوى مولی العزیز ملینک منعا شکوہا۔

ف۔ مولی کا کشف ہے کہ دنیا میں جو امور معانی و افعال کی قسم سے ہیں۔
آخرت میں جہاں محسوس ہوں گے۔ اسی معنوں کو کسی نے ان الفاظ سے تعبیر کر دیا
ہے کہ انسان کی جنت اور دوزخ دنیا میں بھی اس کے ساتھ ساتھ ہے یعنی اعمال
عالمہ جنت ہیں کہ یہی اعمال آخرت میں اس کو موجب ثواب و عذاب و اشکال میں نظر
آئیں گے جس سے راست پہنچے گی اور اعمال سیدہ دوزخ ہیں کہ یہی آخرت میں
ثواب ناک موقود میں اس کے سامنے آئیں گے اور شاہیں گے۔

اس سے معنی عقلمندوں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ موقود یہی فلاسفہ کی طرح جنت
و دوزخ کو خیالی چیز سمجھتے ہیں موجود اور مشاہد نہیں مانتے۔ موقود کے کلام کا
یہ مطلب ہرگز نہیں۔ موقود کے نزدیک جنت و نار اور دنیا سے الگ موجود اور
مستقل مخلوق ہیں۔ چنانچہ بعض نے اپنے کشف سے جنت دوزخ کی پیمائش
کیک بیان کر دی ہے۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ جنت اور دوزخ کی نعمتیں اور
نعمتیں انسان کے اعمال سے ملتی نکلتی ہیں جن کو دیکھ کر وہ خود کھلے گا کہ نعمت
فلان عمل کا حاصل ہے اور یہ نعمت فلان عمل کی مزا ہے جس کا حاصل وہی ہے جو
حضرت شاعر نے بیان فرمایا ہے کہ جو امور دنیا میں معنوی تھے وہ آخرت
میں محسوس و مشاہد ہو جائیں گے۔ اس سے یہ کہاں لازم آیا کہ جنت دوزخ محسوس
خیالی نہیں بلکہ اس کا تو یہ مطلب ہے کہ جو چیزیں دنیا میں خیالی سمجھی جاتی ہیں، وہ

باب

حدیث

اقران الحج والعمرة

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ میں نے سنا ہے کہ اگر ایک سال میرے پاس میرے رب کی طرف سے ایک قاصد آیا (جس نے یہ پیام پہنچا یا کہ) اس مبارک میدان میں نماز پڑھیے اور کہیے کہ عمرہ بھی مجھ کے لئے ہے۔

شرح حضرت شامی کا اس حدیث پر ایک اشکال واقع ہوا ہے جس کا جواب بھی اپنے مذہب کے موافق دیا ہے۔ اشکال یہ ہے کہ عمرہ کی حجۃ (عمرہ بھی مجھ کے لئے ہے) سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ عمرہ کو احرام لگانے کے بعد طواف کیا جائے کہ قواعد شرع سے یہ ثابت ثابت ہو چکی ہے کہ عمرہ کو احرام لگانے کے بعد بھیجا کیا جاتا ہے کہ حج کو طواف کے بعد کیا جاتا ہے مگر مذہب پر یہ اشکال وارد نہیں ہوتا کیونکہ ان کے نزدیک انصاف حج شروع کرنے سے پہلے عمرہ کو احرام اور اعمال عمرہ شروع کرنے سے پہلے حج کا احرام ایک دوسرے کے ساتھ طواف جاسکتا ہے اور اگر انصاف شروع کر دینے کے تو حج پر عمرہ کا اضافہ نہیں کیا جاسکتا، عمرہ پر حج کا اضافہ ہو سکتا ہے اور ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حج کا احرام لگایا اور عمرہ شروع نہیں کی تھی کیونکہ انہی تک آپ تک سفر میں پہنچے تھے اور اعمال حج و عمرہ تک پہنچ کر ہی شروع ہوتے ہیں۔ یہ واقعہ

آخرت میں خیالی نہ رہیں گی بلکہ محسوس و مشاہدین جائیں گے۔

بعض لوگوں نے شیخ ابن عربی کے کلام سے یہ سمجھا ہے کہ دو روزہ کچھ مدت کے بعد حج ہو جائے گی اور کفار و مشرکین کا عذاب ختم ہو جائے گا۔ سو جان لینا چاہیے کہ شیخ کے کلام میں یہ مضمون ملاحظہ نہ فرمائیے کہ شیخ کا یہ مذہب ہرگز نہیں وہ لغوی قطعہ کے خلاف کوئی بات نہیں کہہ سکتے۔ علامہ شرنوبی رحمۃ اللہ علیہ نے البیواقیت والجزاہر میں تصریح کر دی ہے کہ شیخ کی لغوی کا جو ترجمہ ہمارے پاس ہے اس میں کوئی بات بھی خلاف شریعت نہیں ہے۔ ان بعض نسخوں میں کچھ باتیں خلاف شرع ملتی ہیں مومنین سے ثابت ہو چکا ہے کہ ان میں ملاحظہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اتفاق کیا ہے۔ خوب سمجھ لو۔



کو فتح کا کسی کو افراد کا تاکہ سب محنتوں کا بوجھ معلوم ہو جائے۔ ناقلین نے اس امر کو آپ کا فعل قرار دیا اور محامدات میں ایسا ہوتا ہے۔ چنانچہ کیا جاتا ہے وجہ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماحزا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماحز کو نرم کیا تاکہ آپ نے خود رسم میں کی طرف حکم دیا تھا۔ اسی طرح بولا جاتا ہے نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فلاں شہر بنایا۔ حالانکہ وہ خود نہیں بنایا صرف حکم دیتا ہے۔ غرض حکم کو فعل کہہ دینا محامدات میں شائع ہے۔

تیسرے یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی نکتہ کی تھی اور قادر پر یہ واجب میں کہ تفسیر میں ہر دفعہ جو دعوہ کا نام لیا کرے بلکہ ایک دفعہ دونوں کو فتح کر کے پھر ایک کے ذکر پر بھی کفایت کر سکتا ہے۔ تو آپ نے بھی تو ایک بصرہ دھتہ کیا جس نے اس کو سنا اس نے کہا حضور قلنا تھے بھی فرمایا لینک مجھے جس نے یہ شتاہہ سمجھا کہ آپ مفرد ہیں۔ اس نے افراد کی روایت کی۔ بھی فرمایا لینک بصرہ جس نے یہ شتاہہ سمجھا کہ آپ متتابع ہیں۔ اور اس سے تو حضرات صحابہ کے اہتمام نقل کی دلیل نکلتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے جو کچھ نکلا جس نے بھی اس کو سنا حضور لکھا اور جیسا شتاہہ دیا اسی بیان ہی کیا۔ اب یہ مجتہد اور محقق کا فرض ہے کہ تمام روایات کو فتح کر کے داغ اور درجہ کو معلوم کرے چنانچہ کچھ اللہ محققین نے ثابت کر دیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قادر لکھتے تھے۔ کچھ کہیں سے اوپر صحیح اور دوسرے حدیثیں اس پر دل ہیں اور دوسرے وجہ سے ان روایات کو دوسری روایات پر ترجیح ہے جن کو تفصیل کا شوق ہو زائد العباد ابن القیم ص ۱۹۷ کا ملاحظہ کرے۔ یا اطلاع اس ص ۱۲۳ سے مراجعت کرے۔

(لطیفہ) حضرت حکیم الامت عبدالمقدس نے برادر انوار میں تحریر فرمایا ہے کہ ایک عالم سے جو کہ فارسی میں احرار کے استاد ہیں ایک عیسائی نے اعتراض کیا کہ اہل اسلام میں دینی تحقیق کی کمی کی ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ ان کے

دادی العقیق کا ہے یعنی ذوالغلیظہ کا بوجھ تیسرے پر مل ہے اور مدینہ والوں کی میراث ہے اسی جگہ وہ اعظم ہائے قرآن۔ قلم پر ہے کہ ابھی تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعظم نہیں باندھا تھا نہ کلام کا نہ دھرم کا نہ دات کو نہ تھا نہ کی طرف سے فرشتہ نے یہ پیام پہنچا یا کہ اس وادی مبارک میں ناز چرچے اور نماز کے بعد وہ دین و دھن کا اہرام ساتھ ساتھ باندھے جس کو قرآن کہا جاتا ہے اور یہ حدیث متفقہ اس دھن کی دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قادر تھے مفرد یا متتابع نہ تھے۔ اس کے بعد شارح نے ملاحظہ کے ایک اعتراض کا جواب دیا ہے۔ اعتراض یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی جگہ کیا ہے۔ اور اس کی کیفیت میں اس قدر اختلاف روایت ہے کہ کوئی کہتا ہے آپ قادر تھے کوئی کہتا ہے مفرد تھے کوئی کہتا ہے متتابع تھے۔ اس اختلاف کو دیکھتے ہوئے صحابہ کی نقل برواق نہیں دہتا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک فعل کو پوری طرح ضبط نہیں کر سکے۔

مجاہد کا حاصل یہ ہے کہ محقق کا احتمال خبر میں ہو سکتا ہے استدلال اور نظریں میں ہو سکتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علم طور پر بطریق اعلان یہ نہیں فرمایا تھا کہ میں نے قرآن کیا ہے یا فاعل۔ اگر ایسا ہوتا تو پھر بھی صحابہ نقل میں اختلاف کر سکتے تو اشکال ہو سکتا تھا اور سب ایسا نہیں بلکہ ہر شخص نے آپ کے افعال سے ارادہ و نیت پر استدلال کیا ہے۔ استدلال میں اختلاف ہو سکتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان عام کے ساتھ اپنے قائل ہونے کو اس لیے ظاہر فرمایا کہ ہر سب ہی قادر بننے کی کوشش کر سکتا ہے سب کے لیے قرآن مناسب نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس میں اہم طویل ہوتا ہے طویل مدت تک ملاحظہ اہرام سے پہنچا ہر اک کو آسان نہیں۔ پھر قلان پر قرآنی بھی واجب ہے جس کی سب کو استطاعت نہیں۔

فوسر جواب یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو قرآن کا حکم دیا کسی

باندی پر چڑھتے ہوئے جلبہ کیا اور خدا کی قسم ! حضورؐ نے اپنی نماز (حرام) ایسی کی جگہ (پٹے) بٹیک کیا اور انا قہ کے گھر سے ہونے کے وقت بھی (دوبارہ) بٹیک کیا اور باندی بیدار پر بھی بٹیک کیا (کیونکہ احرام کے بعد پھر اختلاف حال میں بٹیک کرنا مستحب ہے) سید بن جبیر کہتے ہیں کہ میں لوگوں نے انہا عباسؓ کی روایت کو سنا وہ اسی جگہ بٹیک کرتے ہیں جہاں (احرام) کی دو رکعتیں پڑھتے ہیں۔ اس حدیث کو حاکم نے روایت کیا اور شرط مسلم پر بھی کیا ہے۔ بخاری نے اسی کی تائید کی ہے اور یہ روایت نسائی ابی داؤد میں بھی ہے اور اب فقہاء کا عمل اب اسی ہے۔

اسی طرح آپ کے حج کی ہر بات کو صحابہؓ نے محفوظ کر کے روایت کیا ہے مثلاً حنین سے کس دن خروج ہوا؟ کس وقت کو پھوٹا ہوا، غمراہ کس پڑی غمراہ کس پڑی؟ راستہ میں کس مقام پر نزول ہوا، کتنی جگہ چلاؤ ہوا۔ ہر منزل پر آپ کس جگہ پر گھڑے ہوئے کس کمان پریشاب کیا؟ کمان اوجھنی کو چکریا؟ کس جگہ فصل کی کس جگہ ڈھاکا؟ مکہ میں کس راستے سے داخل ہوئے؟ کس دن اذکر کس وقت داخل ہوئے مکہ میں داخل ہو کر کس دروازے سے بیت اللہ میں آئے؟ آتے بھڑ پٹے کیا کام کیا؟ مکہ میں کتنے دن ٹھہرے؟ کس تاریخ کو کوفی کی طرف چلے؟ کئی جمعہ کتنی نمازیں پڑھیں؟ وہاں سے عرفات کی طرف کب چلے؟ عرفات کس وقت پہنچے؟ وہاں کیا خطبہ دیا؟ وہاں سے کب لوٹے؟ اور کس راستے سے واپس ہوئے؟ راستہ میں کمان و شوکی؟ کمان پریشاب کیا؟ مزدلفہ کب اور کس وقت پہنچے؟ مزدلفہ میں کتنی قیام ہوا وہاں سے کس وقت کو پھوٹا ہوا؟ کئی کب پہنچے؟ وہاں آتے ہی پہلے کیا کام کیا۔ کس ترتیب سے کیا؟ لوگوں نے اس تمام سفر میں آپ سے کیا کیا مسائل دریافت کئے؟ حضورؐ نے ان کا کیا جواب دیا؟ کئی میں کتنے غصے دیئے؟ ان میں کیا فرمایا؟ طواف زیارت کب کیا؟ دی چار کس طرح کیا؟ کئی سے واپس ہو کر کمان نزول ہوا؟ وہاں سے مدینہ کو کس وقت اور کس دن واپسی ہوئی۔ پھر واپسی کے حالات سے بھی اس تفصیل سے بیان کئے

انکے مسائل مختلف فیہ ہیں۔ اگر کافی تحقیق ہوتی تو سب میں متفقہ فیصلہ ہو جاتا۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہی دلیل ہے ان کی غایت تحقیق کی کہ کوئی چوٹے سے چرنا جزو بھی ہے تحقیق کے نہیں چھوڑا اور تحقیق کے لوازم عادیہ سے ہے اہل تحقیق میں اختلاف ہو جانا عموماً جبکہ محل تحقیق معانی ہوں جبکہ ریاضت مشاہدہ میں اختلاف ہو جاتا ہے۔

ناضام اللہ نہایت لطیف جواب ہے۔

میں کہتا ہوں کہ حضرات صحابہؓ کے اہتمام نقل کی دلیل حج ای کے واقعہ میں یہ ہے کہ انہوں نے اس بات کو بھی نہیں چھوڑا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بٹیک کس وقت کیا تھا۔ چنانچہ سید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضورؐ بن عباس رضی اللہ عنہما سے عرض کیا مجھے تعجب ہوتا ہے کہ صحابہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ میں بھی اختلاف ہے کہ آپؐ نے کس وقت بٹیک کیا۔ فرمایا بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی تو جگہ کا تھا اس لیے ان میں اختلاف ہو گیا۔ میں سب سے زیادہ اس کو جانتا ہوں (کیونکہ انہوں نے آپؐ کے قریب تھا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حج کے ارادے سے قحطیہ پہلے چلے جب آپؐ نے مسجد نبویؐ داخل ہوئے دو رکعتیں پڑھیں اُسی جگہ احرام باندھا اور دو رکعتیں پڑھنے کے بعد بٹیک کیا۔

بچہ لوگوں نے سنا اور اس کو محفوظ کر لیا (ان کی روایت یہی ہے کہ آپؐ نے دو رکعت پڑھنے کے بعد بٹیک کیا) پھر آپؐ نے انا قہ پر سوار ہوئے جب انا قہ آپؐ کو لے کر کھڑی ہو گئی اس وقت بھی بٹیک کیا۔ بعض لوگوں نے اسی وقت آپؐ کا تلبیہ سنا کیونکہ جمع بہت زیادہ تھا سب آپؐ کے پاس تین رہ سکتے تھے۔ یکے بعد دیگرے آپؐ کے پاس سے گزرتے تھے۔ ان لوگوں نے بھی کہا کہ حضورؐ نے اس وقت بٹیک کیا جب انا قہ کھڑی ہو گئی۔ پھر آپؐ آگے بڑھے جب بیدار کی باندی پر چڑھے اس وقت بھی بٹیک کیا۔ بعض لوگوں نے اس وقت آپؐ کا تلبیہ سنا پہلے نہیں سنا تھا۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیدار کی

تھے کوئی ہے جو اس اہتمام کی مثال پیش کر سکے۔

فضیلت انسانی حدیث سے انسان کی فضیلت ہی تمام مخلوقات پر مقدم ہو رہی ہے کیونکہ کسی مکان یا زمان کی فضیلت ہی انسان کے قدر کے لیے ہے کہ وہ ان میں عبادت کا ماور ہے اور اس کا ثواب بڑھ سکے۔ چنانچہ اس کی تصدیق حق تعالیٰ شانہ کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے ومنزلکم حاتی السموات والارض جمیعہا ان فی ذلک لآیات لقوم یعقلون اور ان کے شانہ سے قمار سے واسطے اپنی طرف سے (اپنے حکم سے) اور تمام چیزوں کو سخر کر دیا یعنی تمہارے کام میں لگا دیا ہے جو آسمانوں اور زمینوں میں ہیں (کیونکہ اگر انسان نہ ہو تو ان کا کوئی نقصان نہیں اور یہ نہ ہوں تو انسان پریشان ہو جائے۔ اس سے بڑھ کر کچھ نہ کہتا ہے کہ یہ تمام مخلوقات انسان کے واسطے ہیں۔ انسان ان کے واسطے نہیں۔ تو کیا انسان اثرات المخلوقات پر کیا کام دے گا؟ اس کے متعلق کوئی کام نہیں؟) یقیناً اس میں وہ کام ہیں ان لوگوں کے لیے جو مومن ہیں (وہ خود و فکر کے بعد اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ ان چیزوں کو ہمارے کام میں لگانا ہمارے بس کی بات تو نہیں کیونکہ چاند، سورج، ستارے، پہاڑ، بادل، ہوا اور دیا ہمارے پیسے ہوتے نہیں نہ ان کے نظام پر ہم کو قدرت۔ اسی طرح زمین سے جو ہمارے واسطے غلہ پھل ترکاری اور اقسام و انواع کی نعمتیں پیدا ہو رہی ہیں، جانوروں سے دودھ و خیر و مل رہا ہے ہم نے ان میں کچھ نہیں کیا؟ پھر کس نے ان چیزوں کو ہمارے واسطے بنایا اور سب کو ہمارے کام میں لگا دیا؟ اسی نقطہ سے اپنے مالک کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے۔ پھر اس کی نعمتوں کا شکرا ادا کرنے کا جذبہ دل میں پیدا ہوتا اور اس کے راضی کرنے کا طریقہ معلوم کرنے کی فکر ہوتی ہے اور انسان کچھ جانتا ہے کہ جس نے میرے واسطے یہ تمام سامان کیسا ہے اس نے ضرور میرے فرائض بھی کچھ رکھے ہیں اور ایسا میرا مالک کئے اندر میرے اور گراہی میں نہیں چھوڑ سکتا۔ اس کے بعد اس کو دلوں اور زبانوں کی

کاش ہوئی ہے۔ پھر طالب مادی محروم نہیں ہوتا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے آخری سچے رسول بیتا محمد رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے دربار میں پہنچ جاتا اور قرآن و حدیث سے اپنی طلب کی پیاس بجھا سکتا ہے ہر حق ان تمام مخلوقات سے ہیں کو فائدہ پہنچ رہا ہے اور جاسے ہی آپ قدرت ہو رہی ہے۔

قرنہ وذیہ دلیل علی ان الله عزوجل یفضل ما یشاء من خلقه انی اقلہ فکانت القائدۃ لنا وحده بنا۔

فت۔ شریعت نے تو کسی زمان یا مکان کی فضیلت اس لیے بتائی تھی کہ ہم اس میں عبادت کر کے ثواب زیادہ حاصل کریں۔ لیکن اب اس فضیلت کو ابو و صاحب کا زیادہ بنا لیا گیا ہے یا آدمی وصول کرنے کا وسیلہ۔ چنانچہ شب قدر کی فضیلت کا یہ سرچ رہا ہے کہ اس رات تراویح میں قرآن ختم کیا جاتا ہے تو مسجد میں فضول پڑھنا کی جاتی ہے۔ رمضان کا انتظام کرتا ہے اور سجدہ وہ شروع و ختم برپا ہوتا ہے کہ مسجد کا ادب مخلوط کرتا ہے نہ نماز پڑھنے والوں کی ناز خیال کیا جاتا ہے۔ عید و غیر عید کا دن خوشی کا ہے۔ بلکہ سب مسلمان جمع ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں۔ ذکر و تہنید کر لیں، اللہ کا بول بالا کریں۔ اس کو بھی تشابہ لگایا۔ بہت آدمیوں کی عید تو بچروں کی عید ہوتی ہے۔ نماز کا اہتمام برائے نام ہو جاتا ہے اور عید کی ناز کے بعد تو بچروں کو بھونکوں اور سینا گھروں میں دنگ دیاں منستے پاؤں کے مستحق اللہ! حاشوہ عرم میں روز کی فضیلت ہے اس میں وہ عزائات ہوتی ہیں کہ ہندوؤں کی کام لیکر کا نقشہ سامنے آ جاتا ہے۔

دلیل اقلی میں وہ درجہ بویہ کی وجہ سے فضیلت اس لیے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہندو و مسلم زیادہ چڑھا جاتا ہے۔ آپ کی اتباع کا زیادہ اہتمام کیا جاتا ہے مگر لوگوں نے اس کو بھی ایک شمار بتایا جس میں مولے معصوم میلہ کے اور کچھ نہیں ہوتا اور اس میں بلو بھی اپنی طرف سے ایک خاص معرفت و احترام کے مستحق کی جاتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا ذکر کرتے ہی قیام

باب ش

حدیث

الانابة عن الحج

حضرت محمد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ ایک عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حج و عمرہ میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرے باپ پر اللہ تعالیٰ کا فریضہ حج عائد ہو گیا ہے۔ مگر وہ بہت بوڑھا ہے۔ سواری پر جم کر بیٹھ نہیں سکتا تو میں کیا اس کی طرف سے حج کر سکتی ہوں؟ فرمایا ہاں! (کر سکتی ہو)۔

شرح: ظاہر حدیث بتلا رہا ہے کہ حج میں نیابت ہو سکتی ہے۔ اب گنگوہیہ ہے کہ شرح کیا حج فرض اور نفل دونوں میں نیابت ہو سکتی ہے؟ جیسا امام شافعی سے منقول ہے یا صرف نفل میں ہو سکتی ہے فرض میں نہیں۔ سو اس عورت نے اپنے باپ کی جو حالت بیان کی ہے کہ وہ سواری پر نہیں جم سکتا اس کا مقصد یہ ہے کہ اس پر حج فرض نہ تھا کیونکہ قتلائے فرمائے ہیں کہ وہ استطاع الیہ صبیحہ (حج اس پر فرض ہے) جو راستے کرنے کی طاقت رکھتا ہو اور اس شخص کو طاقت دینی تو اس پر فرض عائد تھا مگر سال کرنے والے کے سوال میں تصریح ہے کہ فریضہ حج اس کے باپ پر عائد ہو گیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار میں فرمایا۔ اس سے زیادہ مزید عبد اللہ بن زبیر کی حدیث ہے کہ ایک شخص بوڑھا علیل کا عضو کے پاس آیا اور عرض کیا کہ میرے باپ نے اسلام قبول کر

کیا جاتا ہے اور قیام میں لگے ظاہر مرد و ثریف پڑھا جاتا ہے۔ پھر حاضرین کو عثمان بن عفان کی بات ہے اور سیلا و خولان کو نذرانہ دیا جاتا ہے۔ اگر کوئی اس طریقہ کو بدعت کہے تو اس کو وہابی کہہ کر بدنام کیا جاتا ہے کیونکہ سیلا و خولان کے نذرانے موقع ہوتے ہیں گمرہ مومن، اسی وقت تکبیر بھی ہے جب تک سیلا و خولان کو نذرانے مل رہے ہیں اور اگر حاضر مسلمین ان سے بڑا پر سیلا و بڑا خولان اور نذرانہ بند کر دیں تو میں پتہ کتا ہوں کہ وہ خود بھی اس کو بدعت کہنے لگیں گے۔ مسلمانوں کو کبھی لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے جس زمان یا مکان کو فضیلت دی ہے اس میں عبادت مطلوب ہے۔ سو ولید اور عثمان اکائی مطلوب نہیں۔ اب وہ خود فیصلہ کر لیں کہ ان کا عمل مقصود شریعت کے موافق ہے یا خلاف۔ واللہ المستعان۔

واقعہ یہ ہے کہ ان ایام فضیلت کے آنے سے پہلے جو حالت بیماری ہوتی ہے وہی ان ایام میں بھی باقی رہتی ہے اور ان کے بعد بھی۔ زمان ایام میں عبادت کا اہتمام ہوتا ہے۔ زمان کے بعد جو عین ہنگامہ آسانی سے کیا فائدہ؟ جتنی وقسم ان ہنگامہ آرا نہیں ہیں ہر سال صرف ہوتی ہے اگر اس کو کسی تعمیری کام میں صرف کیا جائے تو مسلمانوں کی حالت بہتر ہو جائے اور ان ایام میں اپنی حالت درست کرنے کا اہتمام کیا جائے تو نصرت خداوندی شامل حال ہوتی مگر لوگ صرف ہنگامہ آسانی کو مقصود سمجھ بیٹھے ہیں اہل کا اہتمام بالکل نہیں۔



اُس کے تابع ہے اور عباداتِ مالِیہ میں نیابت جائز ہے اور فرضِ مالی میں بلا احتیاج
جائز ہے۔ (باقی عباداتِ بدنیہ (محض) میں نیابت جائز نہیں۔ صرف بعض نگوں
نے شذوذ کے طور پر خلاف کیا ہے (یعنی وہ ماثر نقیہ سے الگ ہو کر ایسا کہتے
ہیں) کہ اگر کوئی مرد اپنے اہل اس کے لئے فرضِ روزہ ہو تو ولی اُس کی طرف
سے روزہ رکھ دے۔ جمہور علماء کہتے ہیں کہ اس کی طرف سے ولی روزہ نہیں رکھ سکتا
(بلکہ نقیہ ادا کر سکتا ہے)۔

ایک حدیث میں (یہ لفظ) وارد ہوا ہے یعنی جو معنی دلایہ کہ ولی
اُس کی طرف سے روزہ رکھ دے۔ بعض علماء نے اس پر عمل کیا مگر جمہور کے
نزدیک اس پر علماءِ اربعہ (دوسرے ثابت) نہیں ہوا۔ جمہور کہتے ہیں کہ جن
صحابہ نے یہ حدیث روایت کی ہے اُن کا تعلق خود اُس کے خلاف ہے۔ چنانچہ
حضرت عائشہ اور عبد اللہ بن عباس اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے مروی
ہے: لا یصلیٰ احدھما احد ولا یصوم احد منہما احد ولا یتکلم احد منہما
فعلیٰ اقصیٰ حینہ او احیث۔ کوئی کسی کی طرف سے نہ نماز پڑھے نہ روزہ رکھے
لیکن اگر تمیں کچھ کرنا ہے تو اُس کی طرف سے حدیث کر دیا ہدی کر دو۔ یعنی قرآنی
کے مطابق کو بائذ و ش

یہی بات یہ کہنا چاہیے کہ پہلی حدیث منسوخ ہے وہ حکمِ ابتدائی اسلام میں ہو
گایا یہ کہا جائے کہ پہلی حدیث اُس صورت میں ہے جب نبی نے وقت نہ کر
یا وصیت کی ہو مگر کچھ مال میں چھوڑا تو وارث پر فدیہ واجب نہ ہوگا۔ یا ان اگر
وہ چاہے اپنے پاس سے فدیہ ادا کرے یا نماز پڑھے کہ روزہ رکھ کر صیئت کو
اُس کا ثواب پہنچا دے اور دوسری حدیث اس صورت میں ہے جب نبی نے
وصیت کی ہو اور مال بھی چھوڑا ہو۔ اس وقت وارث کا نماز روزہ کرنا وصیت نہ کرنا
ملک فدیہ ادا کرنا واجب ہوگا۔ ہذا جو تعین ماذکورہ الشارح فی المقام والیہ
فی الاملا و للہ تعالیٰ اعلم۔

نیاست۔ وہ بہت بڑا ہے سوری پر نہیں ہم کہتا ہے اور اُس پر فرض ہے تو
کیا میں اُس کی طرف سے رکھ کر سکتا ہوں؟

فرمایا کیا تم اُس کے سب سے بڑے بیٹے ہو؟ کہا ہاں؛ فرمایا بھلاؤ اگر تم
باپ پر کسی کا دین ہو تو اتم اُس کو ادا کر دیتے تو کیا اُس کی طرف سے ادا
ہو جاتا؟ کہا ہاں؛ فرمایا تو میں تم اُس کی طرف سے رکھ کر دو۔ انا محمد و انس و
قال الخلفاء ابن اسنادہ صالح ص ۱۰۰ ج ۱۰۰

اس میں سوال کرنے والے نے اپنے باپ کی حالت بیان کر کے صاف کہا کہ
اُس پر حج فرض ہے اور ضررِ طبعیہ و جسمی اُس کا دین نہیں کیا بلکہ اداء دین کی
مثال دے کر اُس کو مکم دیا کہ اپنے باپ کی طرف سے رکھ کر دے۔ اسی لیے امام
ابو یوسف اور امام محمد کا قول یہ ہے کہ محنت بدن و امن طریق شرط واجب ادا
ہے۔ شرط نفس و وجہ نہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے من۔ استباح
الیہ سبب سیلا کی تفسیر میں صحت زاد و را ملکہ کا ذکر فرمایا ہے۔ محنت بدن و امن
طریق وغیرہ کا ذکر نہیں فرمایا تو میں میں زاد و را ملکہ کی قدرت پر جو ہے اُس پر
حج فرض ہوگا۔ اب اگر مردن ادا نہ ہو تو خود رکھ کر افرام میں ہے
اور اگر کوئی مردن یا ماسکہ کی ہلاکت یا بڑھاپا مانا ہو گیا تو خود رکھ کر افرام میں
بلکہ رکھ بدل کا دینا یا وصیت کر جانا فرض ہے یہی قول صحیح ہے اگرچہ مذہب میں
ادب کی رعایت ہیں۔ ہر حال یہ حدیث بیک طرفہ فرض میں جو انابت پر حال ہے اور
نقل اُس کے تابع ہے ۱۱۔

یہاں دوسری گفتگو یہ ہے کہ حج کی طر (اور عبادتِ بدنیہ میں بھی نیابت
جائز ہے یا نہیں) جیسے نماز روزہ) تو محض کے نزدیک جائز نہیں اور میں اگر
نے کہا میں نیابت جائز کہ ہے صحت اس حدیث کی وجہ سے جائز ہے اور
تم دیکھ رہے ہو کہ ان میں بھی اختلاف ہے کہ یہ حدیث حج فرض کے متعلق ہے
یا نفل کے۔ دوسرے میں حج اتفاق مال کی صحت غالب ہے صاحبِ بدنیہ

(۱۹۱) کسی کی طرف سے دوسرا استفاء کر سکتا ہے حدیث سے معلوم ہوا کہ مسئلہ

شرعی معلوم کر لے میں نیابت جائز ہے (کہ کسی کی طرف سے دوسرا استفاء کر لے) مگر چونکہ اس صورت میں اپنے آپ کے متعلق استفاء کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم شرعی دیا۔ یہ میں فرمایا کہ اپنے آپ سے کو وہ خود اگر سوال کرے (نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ عورت بھی دوسرے کی طرف سے حکم شرعی دریافت کر سکتی ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ عورت سے بات چیت کرنا اور اجنبی مردوں کو اس کی آواز سننا جائز ہے اگرچہ اس کی آواز بھی عورت سے ہے (یعنی چھپانے کی چیز ہے) جس کا سننا اجنبی کو جائز نہیں مگر عزت میں جائز ہے (اور یہ موقع عزت کا تھا کہ حکم شرعی معلوم کرنا تھا) چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس نے مسئلہ دریافت کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو سننا اگر یہ جائز نہ ہوتا تو حضور اس کو بات کہنے سے منع کر دیتے اور فرماتے کہ کسی محرم کے قدمیے سے سوالی کرو) اور اس سے معلوم ہوا کہ متقی حکام اور فقہاء کے ساتھ (ان کے دربار وغیرہ میں) بیٹھنا جائز ہے اگرچہ ان کے پاس مرد اور عورتیں سب ہی آتے ہوں۔

یوں کہ جس وقت اس عورت نے سوال کیا تھا اس وقت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور دوسری احادیث میں بھی یہی منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی تنہا نہیں بیٹھتے تھے بلکہ صحابہ کی ایک جماعت آپ کی مجلس میں حاضر رہتی تھی (اسی طرح احکام شرعیہ) کا تقویر ہوا ہے کہ آپ نے میں کو بھی جو کچھ بتلایا اور میں کے بھی سوال کا جواب دیا صحابہ کی ایک جماعت اس کو سنتی اور محفوظ کر لیتی تھی۔ پھر انہوں نے ہر والدین کو احکام پہنچانے جو کتب حدیث میں جمع کر دیئے گئے (اگر یہ صورت دوسروں کے لیے جائز نہ ہوتے، عورت آپ کی ذات سے خاص ہوتی کہ وہیں تقریر یا حکام کے لیے اس کی ضرورت تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو ضرور غلط فرمادیتے

دیتے دیکھ رہا نہیں ہوا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفائے راشدین کامل بھی اسی پر ہوا کہ ان کی مجلس میں بھی ایک خاص جماعت اہل شریعت کی ہوتی تھی جو حضرت خلفاء کے احکامات کو سنتے اور محفوظ کرتے اور عزت کے موقع پر مشورہ بھی دیتے تھے۔

قولہ فیہ دلیل علی جواز التماس فی العلمانی قولہ لکن یدکر ذلك دیہینہ

ف - موفد کے نزدیک بھی ایک شخص دوسرے کے متعلق سوال کر سکتا ہے بشرطیکہ اس کی شخصی حالت کے متعلق سوال نہ ہو۔ مثلاً یہ سوال کر سکتا ہے کہ فلاں شخص بیمار ہے وہ بیماری میں اپنے معمولات پڑے نہیں کر سکتا تو کی کہے؟ لیکن یہ سوال نہیں کر سکتا کہ فلاں شخص میں بد نگاہی کا مرض ہے اس کو کیا کرنا چاہیئے یہ سوال مریض کو خود کرنا چاہیئے۔ و علی ہذا فتیان۔

ف - عزت کے موقع پر عزت کو عالم کے پاس جانا اور حکم شرعی دریافت کرنا جائز بلکہ صحیح و قدر واجب ہے جب کہ اس کے کو کوئی عورت نہ ہو مگر عالم کو تنہائی میں عورتوں سے بات نہ کرنا چاہیئے یا تو اپنے گھر والوں کے سامنے بات چیت کرے یا مجمع عام میں۔ اگر عالم کے گھر پر سوال کرنے کا موقع مل جائے تو عورت کو عالم کے سامنے نہ آنا چاہیئے بلکہ پردے کے پیچھے سے بات کہے اور اگر عالم کے گھر والوں میں سے کوئی اس قابل ہو کہ سوال سمجھ کر صحیح طور سے عالم کے سامنے بیان کر سکے تو اجنبی عورت کو خود بات نہ کرنا چاہیئے بلکہ واسطہ سوال کرنا چاہیئے اور اگر اس کے گھر والوں میں کوئی سوال کو صحیح طور سے ادا کرنے پر قادر نہ ہو تو یہ خود پردے کے پیچھے سے بات کہے اور جب عالم میں سے سوال کی ضرورت ہو تو عورت کو مؤذنہ کوئی نہ آنا چاہیئے، بلکہ برقعہ پوش ہو کر آنا چاہیئے۔

اور اس عورت نے جس کا واقعہ حدیث میں مذکور ہے نہ کھول کر اس

باب ۴۵

حدیث

مایلبس المحرم فی العج

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! عجم کون کون سے کپڑے پہن سکتا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (محرم) قمیص دپٹے نہ عمامہ باندھے، مذہب ہمارے پٹے نہ برنس (لمبی ٹوپی کا نام ہے جو زمانہ قدیم میں استعمال ہی ہو چکا تھا۔ سر کو گردن سمیت محیط تھا) اور نہ موزے پہنے مگر یہ کہ کسی کے پاس نعل نہ ہو (وہ جو نہ جہیز میں ایڑی نہیں ہوتا) تو وہ موزے پہن سکتا ہے، بشرطیکہ ان کو گھٹنے سے نیچے نہ کرے، کاٹ دسے اور کرنا ایسا کپڑا نہ پہن جو کوز عرفان یا درس لگی ہو رہے ہیں ایک گھاس ہے جو ٹھوکر سے بھی سے کپڑے رنگے جاتے ہیں۔

۵ شہر کا ہر حدیث بتلا دیا ہے کہ حالت احرام میں ان کپڑوں کا پہننا اور ایسے موزے پہننا جس سے گھٹے ٹھک جائیں اور نہ عرفان اور درس سے رنگے ہوئے کپڑے پہننا غور ہے اور ظاہر یہ ہے کہ مخالفت ان ہی چیزوں میں منحصر نہیں بلکہ بعض کو بیان فرما کر تنبیہ کی گئی ہے جو ان کے مشابہت ہوں جن کی تفصیل کتب فقہ میں مذکور ہے۔

(۱۹۲) گفتگو ایسی ہونی چاہیے کہ مخاطب سمجھ جائے۔ یہاں سے معلوم ہوا

یہ بات کی کہ وہ احرام کی حالت میں بھی اور حالت احرام میں عورت کو نہ کھولنا جائز بلکہ ضروری ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے کہ زمانہ گج میں جو کہ ایک ہفتہ سے زیادہ نہیں ہوتا۔ عورتوں کے کپڑے کھولنے سے اب تک کوئی فتنہ پیدا نہیں ہوا مگر پھر بھی زمانہ فساد پر نظر کر کے آج کل فقہاء نے حالت احرام میں بھی عورتوں کو کپڑے کھولنے کی تاکید کی ہے۔ مگر کپڑا منہ سے عینہ نہ دہتا چاہیے۔ جس کے لیے اس قسم کے کپڑے، پٹھے ایجاد ہو گئے ہیں جن کو سر پر نہ کھینے سے نقاب چہرہ سے الگ دہتا ہے۔



اصل الذکر بہ کتب و تعلیم -

(۱۹۳) مسائل جزئیہ کی تحقیق بھی جائز ہے۔ حدیث سے معلوم ہوا کہ مسائل جزئیہ کی تحقیق کرنا جائز ہے۔ کیونکہ اس شخص نے جزیات کے سوال کی تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو جواب دیا جس سے اس قسم کے سوال کا جواز معلوم ہو گیا۔

نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ (احکام) دین کا پوچھنا عز ورت سے پہلے ہی جائز ہے کیونکہ اس شخص نے محرم کے لباس کو دریافت کیا حالانکہ وہ اس وقت محرم نہ تھا مگر اس کے مناسب امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ کا واقعہ ہے کہ ایک مدت وہ اپنے زمانہ کے ایک امام کے پاس رہے جن پر عبادت کا دل زیادہ غلبہ تھا۔ اگرچہ اس زمانہ کے سبھی ائمہ کا یہی حال تھا مگر پھر بھی بعض پر کسی ایک شان کا غلبہ ہوا تھا تو وہ امام قویات بھر نماز میں مشغول رہے اور امام شافعی بیٹھے رہے۔ جب کوئی عالم کی بیوی سے کہا کہ وہ امام شافعی ہیں جن کی آپ تعریف کیا کرتے تھے۔ آپ قویات بھر نماز پڑھتے رہے اور وہ بات بھر رہے جس و حرکت بیٹھے رہے۔ ان بزرگ سفارشی بیوی کی بات کا نذکرہ امام شافعی سے کیا تو فرمایا کہ میں آج رات بھر استنباط مسائل میں مشغول رہا اور اسی (۸۰) مسئلے دلیل و برہان کے ساتھ اپنے ذہن میں جمع کر لیے۔ ان بزرگ نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں کے بیٹھے رہنے پر تو نے اعتراض کیا تھا اس نے اس رات میں اسٹی مسائل استنباط کئے ہیں جن میں سے ایک مسئلہ میری ساری عبادت سے افضل ہے کیونکہ میری جلوت تو صرف میرے لیے ہے اور مسائل کا استنباط ساری اُمت کو نافع ہے جس سے قیامت تک وہ دین کا راستہ معلوم کرے گی) تو تم ان حضرات کی بزرگی اور باہمی انصاف اور علم کے احترام کو تو دیکھو اللہ تعالیٰ ان سب پر رحم فرمائے (واقعی یہ حضرات امام تھے) اور یہی حق ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کے واسطے ہو کہ ہر عالم دوسرے کا احترام کرے اور صرف اللہ تعالیٰ کے

خود کلام کرنا چاہیے جس سے یہ معلوم ہوا ہے کہ وہ کچھ گریبا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سوال سے اس طرح کلام فرمایا جو حدیث میں مذکور ہے۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ نہ معلوم ہوتا کہ وہ اس جواب سے پوری بات سمجھ جائے گا تو آپ اپنی ہی بات پر اکتفا کرتے جو حدیث میں مذکور ہے بلکہ مبالغہ کرنا شروع فرماتے۔

یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حدیث بخاری اور قرآن شریف میں زبان عربی کے قائلہ کے موافق ہی طور پر کرنا چاہیے۔ اس کے علاوہ اور کوئی ٹکڑ نہیں۔ اسی لیے حق تعالیٰ فرماتے ہیں فانما یسئناہ بلسانک لعلہ یشکرکون (پہلے قرآن کو آپ کی زبان (عربی) میں آسان کر دیا ہے تاکہ وہ سمجھ جائیں) یعنی بقائیدہ زبان عربی میں مطلب کو کلام متفقہ ہے اس کو سمجھ جائیں تاکہ ان سے جن بات کا ارادہ کیا گیا ہے اس کو سمجھ کر نصیحت حاصل کریں اور اس پر عمل کریں۔

قوله انما یسئناہ بلسانک بحسب ما یصلیہ انہ ینفہم عنہ الی قوله فیستذکرکون عند ذلک -

فت - حضرت عظیم الامت نور اللہ مرقدہ کو اس کا بہت اہتمام تھا کہ بات صاف آواز دہری ہو اور صوری نہ ہو تاکہ محض مطلب اچھا صرف مطلب سمجھ جائے۔ جن لوگوں نے حضرت کے مکاتیب و رسائل کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ حضرت عظیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کا جواب مختصر عربی کافی ہوتا تھا۔ صوفیہ اور علماء کو اس کا اہتمام کرنا چاہیے۔

فت - جو لوگ قرآن و حدیث میں بدون ذوق عربیت کے طور کرنا چاہتے ہیں ان کی فعلی میں داغ ہو گئی۔ آج کل بعض جہل مغویہ قرآن سے اپنے طریق کو فروع عربیت کے خلاف ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ اسی طرح بعض لوگ ترمذیہ کہہ کر محمد بن حنفیہ چاہتے ہیں۔ بیٹے ترمذی ہی صرف و نحو پڑھ کر قرآن و حدیث سے مسائل کا استنباط کرنا چاہتے ہیں۔ یہ سب قرآن و حدیث میں تحریف کرنا چاہتے ہیں۔ میں کو عربی زبان سے ذوق نہ ہوا اس کو علماء و محققین سے رجوع کرنا لازم ہے۔ فائدہ شوا

فدا کر دیے خون ریزی کریں گے اور ہم بھلا اللہ آپ کی تیسری تقدیر کرتے ہیں
(ہم اس کے لیے حاضر ہیں) ہمارے ہوتے ہوئے کسی اور کی کیا ضرورت ہے؟
قال انی اعلم حالہ حالہ فاعلم ان سے اللہ تعالیٰ کو غصہ آگیا اور فرمایا میں جانتا
ہوں جو تم نہیں جانتے، تو فرشتوں نے سات دفعہ عرض کیا طواف کیا اور
توبہ و استغفار کیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اُن کی توبہ قبول کی پھر فرمایا زمین
میں ایک گھر بناؤ جس کا گنہگار انسان طواف کرے تو میں اُن کی توبہ قبول کروں جیسا
(عرض کے طواف سے) تیسری توبہ قبول کی اور اُن کی بھی مغفرت کروں جب تیسری
سفر کی۔ فرشتوں نے یہ گھر رکھ کر منظر بنایا جو اس غرض سے آئے حکمت کا
عہ یہ حدیث بری نذر سے نہیں گزری البتہ اعلیٰ قدری نے معاملہ استغفار سے نفع کیا
ہے کہ اہم علم ابن الحنفیہ (رحمۃ اللہ علیہ) دیکھا اللہ تعالیٰ سے عروہ کی کہ اللہ تعالیٰ نے
عروہ کے بچے ایک مکان بنایا جس کا نام الحیث المعوڑ ہے اور فرشتوں کی اس کے طواف
کا امر کیا پھر فرشتے زمین پر رہتے ہیں اُن کو حکم دیا کہ اللہ تعالیٰ سے کسی کے برابر
زمین میں ایک گھر بنائیں۔ اُنہوں نے بنایا۔ اور اس کے طواف کا زمین والوں کو حکم کیا گیا جیسا
اسلام والے بیت المعمور طواف کھتے ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ فرشتوں نے آدم علیہ السلام کی پیدائش سے دو ہزار
برس پہلے بیت اللہ کو بنا دیا اور وہ اس کا حج کرتے تھے۔ جب آدم علیہ السلام
نے حج کیا۔ (فرشتوں نے کہا آپ کا حج قبول ہے ہم نے آپ سے دو ہزار برس پہلے اس
کا حج کیا ہے۔ و اللہ تعالیٰ اعلم۔

پس اگر یہ حدیث جو شارح نے بیان کی ہے سچ نہیں تو کچھ اشکال نہیں اور
اگر سچ ہے تو اس سے صحت طواف کی نفی نہیں ہوتی کیونکہ حاکم معتقد ہے کہ طواف ایک حکمت
و عبادت کا نشانہ ہے جس سے ہونے لگتی ہوئی مخلوق کو غفلت دینے میں کمی ملتی ہے، مگر
محققین کا یہ کہ طواف کا اصل مقصد یہ ہے کہ انسان اپنے دل کو اللہ کی بات گانے کے درجہ میں
حق تعالیٰ کے درجہ میں بھی جو صحت کے ساتھ فی نہیں۔ ۵۴

ہے کہ وہاں (پہنچ کر) کوئی مفہوم نہیں دیکھا جاتا بلکہ سب ہی ایک نشان میں نظر
آتے ہیں نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ فوار اور (دوسرا نشان قدرت) دہی چار
میں (ہے) کہ ہر سال اُن پر لکھیاں ماری جاتی ہیں (اور یہ سلسلہ ہزاروں برس سے
چلا آ رہا ہے) ہر سال اُن کی تین روز تک مسلسل ہر ہر پر لکھوں لکھیاں مارتے
ہیں، مگر اُن کا کوئی نشان وہاں باقی نہیں رہتا، مگر اُن کے اٹھنے اور صاف
کرنے کا کوئی انتظام نہیں ہے جس کوئی جاسے تحقیق کرے تو محقق کا مستحق دیہ قحط
کی ایک مقام پر لکھنویوں سے ایک پہاڑ بن جانا مگر ایسا نہیں ہوا کیونکہ حدیث میں وارد
ہے کہ جو لکھنویاں قبول ہو جاتی ہیں اُن کو فرشتے اٹھا لیتے ہیں (یعنی نشان قدرت)
یعنی اُن آیات کثیرہ کا ایک حصہ ہے (جس پر یہ آیات بیانات میں اشارہ کیا گیا ہے اور
تیسرا یہی نشان قدرت ہے کہ زمین حرم کے اندر بیٹھ کر اور بکری ساتھ ساتھ پہنچتے
ہیں نہ بکری بیٹھنے سے ڈرتی ہے نہ بیٹھ کر یا اس پر حمل کرتا ہے اور جان و عمر حرم
سے باہر بڑے پھر بکری بکری سے اور بیٹھ کر یا بیٹھ کر یا۔ تو اس میں سوچنے اور سمجھنے
والوں کو تنبیہ ہے وہ خود کریں گے تو اُن کی سمجھ میں ہوتی نشانیاں قدرت کی بجائیں
گی۔ ان آیات کے عموم سے ہر شخص اپنی سمجھ کے موافق سمجھتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے
اس پر خلقت کر دی کیونکہ اس میں عجیب عجیب باتیں ہیں۔

چنانچہ رہا اس حرام کے متعلق اللہ تعالیٰ کی توفیق سے جو حکمت میں معلوم
ہوئی وہ دو باتیں ہیں، ایک یہ کہ حجاج اپنے گناہوں کا بوجھ اتارنے (اور گناہوں
سے معافی چاہنے کو) چاہتے ہیں۔ اس حالت کے مناسب بھی ضرورت ہے کہ ذلت
کی شکل بنا کر جائے۔ لذات نفس سے علیحدہ ہو کر جائے کہ وہ اپنی گناہوں میں مبتلا
کرتی ہیں کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ جب حق تعالیٰ شانہ نے ملائکہ سے فرمایا:
انی جاعل لک افادۃ خلیفۃ کریم زمین میں اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں تو انھوں نے
سے کہا یجعل فیہا من یفسد فیہا ویسفد الدعا ویخسف فیہا محمد و
نقدس لک۔ کیا آپ نہیں دیکھتے ایسے لوگوں کو ظہیر کرنا چاہتے ہیں جو ہمیں میں

اور جو کفن اور عز و رتبت دین کے (دُنیا کی) اور کوئی چیز ساتھ نہیں جاتی، اسی طرح
 عالمی اپنے اہل و عیال اور لوگوں سے مفارقت کرنا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے موت
 کے ساتھ ملا کر بیان فرمایا ہے۔ وَاَلْكَلْتُمَا مِنْهَا لَبَدًا ۚ اِنَّ اَصْحٰنَا لَنُفْكِهَا وَاَخْرٰجَا
 مِنْ دَارِكُمَا مَعْلُومًا ۝ الْاَقْبِلْ مَعْنٰهَا ۚ (اور اگر ہم اُن کے اوپر یہ فرض کر
 دیتے کہ اپنی جائیں دے دو مگر وہ دے نکل جائے تو توبت کم آری اس فرض کو
 چُورا کرتے) اور اُس کے ساتھ بھی بقدر عز و رتبت سفر کے مال ہوتا ہے۔ غالب عادت
 یہ ہے کہ جاتی سب چھڑ جاتا ہے۔

تیز حیاتیت کو قیامت سے پہلے مختلف مقامات میں ٹھہرنا ہوتا ہے اور قسم
 قسم کے خطرات پیش آتے ہیں جس سے میں لوگ غوی جاتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ
 غوی دینا چاہتا اور مجھے ہلک ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح حج کے واسطے میں بھی بہت
 مشقتیں پیش آتی ہیں، چنانچہ اور شہاد ہے لَعَنَ الْكُفْرَ وَالْكَافِرَ ۖ اَلْاَبَشِقُ الْاِنْفُسُ
 راودیر جانور تماشے جو بھڑا کھڑا کر ایسے شہر میں پہنچاتا ہے جہاں تم بدلوں
 کو مشقت میں ڈالتے ہیں میں پہنچ سکتے تھے اور میں لوگ حج کے راستہ پر ہیں
 ہلک ہو جاتے ہیں جیسا وہاں بعض لوگ قیامت سے پہلے ہی ہلاکت میں پڑ
 جاتے ہیں (مگر دونوں ہلاکتوں میں ایک فرق ہے کہ یہاں تو صرف اتنی ہی ہلاکت
 ہے کہ جہاں بدن سے نکل جاتی ہے جس میں بعض دفعہ سعادت (اور شہادت)
 بھی مل جاتی ہے اور وہاں کی ہلاکت خطرات کی کثرت سے ہوتی ہے جس سے
 غلامی نہیں ہوتی تو وہ شقاوت اور نا کامی کی ہلاکت ہے (جگہ کے واسطے میں
 ہلک ہونے والا اس سے محفوظ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ جو شخص
 اللہ تعالیٰ کے واسطے گھر سے نکل چکا پھر راستہ میں موت آجائے تو اُس کا
 ثواب اللہ کے دستے ثابت ہوگا۔ وہ ایشا اللہ محروم نہیں) مگر قیامت (سے
 پہلے اور میدان قیامت) میں تو لوگ نکلے کھڑے ہوں گے اور کئی میں نکلے نہیں
 ہوتے۔ اگرچہ زمانہ معاہدیت میں اسلام سے پہلے (اکثر) لوگ نکلے ہو کر وقوف

مقتضا یہ ہے کہ اُس کی حالت مقصود کے مناسب ہو۔ دیکھو عید (کی لذت) کے لیے
 نکلتا چمکدہ طلب رحمت کا انعام) کے لیے ہے عبادت محوم چُورا کرنے کے بعد تو
 اُس میں خوشبو لگانا اچھے کپڑے پہننا مطلوب ہے کیونکہ اس وقت کے مناسب یہی
 ہے۔ یہ حالت استقامت اور اشتغال امر کی ہے کہ اشتغال امر کے بعد انعام
 حاصل کرنے کے لیے بارگاہ عالی میں حاضر ہونے ہیں تو اچھی شکل سے آجائے
 اور ناز استقامت کے لیے نکلتا اُس معیبت کے فُور کرنے کے لیے ہے جو (قطر کی
 شکل میں) نازل ہوئی ہے تو اُس وقت تفرغ و مسکنیت (شروع و ختم) کے
 ساتھ نکلتا چاہیے۔ (کپڑے بھی اچھے نہ ہوں بلکہ سیلے کچلے ہوں) کیونکہ اُس وقت نکلتا ہوا
 کار نکاب کر کے بارگاہ میں آئے ہیں۔

حدیث میں آتا ہے جب بندے گناہ کرتے ہیں حق تعالیٰ اُن سے بادش کو
 روک لینے ہیں تو اُس حالت کے مناسب یہ صورت ہے کہ مسکنیت و دولت کی شکل
 میں آئیں۔ دُعائیں مارے غوث کے ہاتھ بھی اسی طرح آٹھائیں کہ قبلی زمین کی
 طرف ہو جس سے اسی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ ہماری حالت پلٹ دیجیے۔ اسی
 طرح حج میں ہونا چاہیے۔ بلکہ اُس سے بھی زیادہ، کیونکہ حج میں بہت بُری
 طلب ہے۔

دُور مرقی بات یہ ہے کہ حج میں روزِ مشرک کا نمونہ ہے کیونکہ وہاں بھی ایک ہی
 دن میں تمام دُوسرے دین کے آدمی جمع ہوں گے (جہ میں بھی ایک سحر کار میں تمام)
 اطراف کے آدمی جمع ہوتے ہیں اور جیسا قیامت میں مختلف مقامات پر ٹھہرنا ہو
 گا کئی میدان میں جمع ہوں گے، کبھی حساب کے لیے بلائیں جائیں گے کبھی میزان
 عمل پر جائیں گے وغیرہ وغیرہ) اسی طرح یہاں بھی مختلف مقامات مقرر ہیں کبھی
 (میدانِ عرفات میں) اجتماعِ عظیم ہے) دیکھو ہمارا ہوتا ہے۔ کبھی نئی، موزوں میں
 وقوف ہوتا ہے (کبھی طوافِ زیارت کے لیے حساب ہے) وہیں وغیرہ وغیرہ اور جیسا
 دُنیا سے آخرت کی طرف جاتے ہوئے اہل و عیال اور مال سب چھڑ جاتے ہیں

(عمر و خیر) کہتے تھے۔ گلاب شریعت نے اُس کو دُک دیا اور ستر دسائیکھ کے لیے وہاں کو مردی قرار دیا (مگر سلا جو کپڑا اور زینہ کا لباس منون کر دیا گیا یہ مردہ کی طرف لنگی اور چادر میں اہم ہونا چاہیئے اور اُس کو گنہ گرا ہونے والا۔ مگر چاہیئے کہ کوکر قیامت کا تو یہی اُس قدر ہو گا کہ کسی کو کسی کے ستر پر نظر کرنے کی مصلحت ہوگی اور حج میں نظر سے مانع کوئی چیز نہیں ہے تو لباس کی حرمت ہے اور قیامت میں کسی کے پاس خوشبو نہ ہوگی۔ ایسا ہی وہاں بھی زینت اور خوشبو سے منع کر دیا گیا نیز قیامت میں حکومت اور سلطنت صرف اللہ تعالیٰ کی ہوگی اور کسی کی نہ ہوگی سب کے دھمے ختم ہو جائیں گے۔ اسی طرح حج میں جس فرض سے جانے ہیں یعنی گنہ گرا کی مغفرت اور صفائی اس میں بھی کسی کا کچھ دخل نہیں سب کے سب گردن جھکا کر منکر کھڑے ہوتے ہیں کہ دیکھئے اللہ تعالیٰ کیا فیصلہ فرماتے ہیں (مغفرت سے انصاف سے اور حج کو قبول فرماتے ہیں یا انکار کرتے ہیں) پھر میرا جان عرفات میں بادشاہ اور رعایا اسیر و غریب سب ایک لباس میں ہوتے اور سب کے سب اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی اور انکساری اور ناری کے ساتھ ہاتھ اٹھاتے ہوتے ہیں اُس وقت کوئی خادم اور مخدوم نظر نہیں آتا، بلکہ صاف صاف صاف اللہ کا نقشہ سامنے ہوتا ہے)۔

ایک بزرگ سے منقول ہے کہ انہوں نے ایک بار حج کیا۔ حج سے فارغ ہو کر رو گئے تو خواب میں دیکھا کہ آسمان سے دو فرشتے اُترے ہیں (اور آپس میں باتیں کر رہے ہیں) ایک نے دوسرے سے پوچھا اس سال ہمارے پیر مرد گار کے گھر کا کتنے آدمیوں نے حج کیا؟ دوسرے نے کہا چھ لاکھ تھے۔ اُس نے پھر سوال کیا کہ ان میں سے کتنوں کا حج قبول ہوا؟ کہا صرف چھ لاکھ! یہ بزرگ گھبر کر جاگ اُٹھے اور بار بار کہتے تھے کہ اسی جگہ کوئی بتا دے کہ میں بھی ان میں سے ہوں؟ دوسرے دن پھر سوئے (مگر کچھ عظیم نہ ہوا) تیسرے دن پھر سوئے تو ان ہی دو فرشتوں کو دیکھا کہ پھر آسمان سے اُترے ہیں اور پہلے ہی طرح سوال و جواب کر

رہے ہیں۔ جب ایک نے یہ جواب دیا کہ اس سال صرف چھ آدمیوں کا حج قبول ہوا ہے تو دوسرے نے سوال کیا کہ ہمارے پیر مرد گار نے باقیوں کے متعلق کیا فیصلہ کیا؟ پہلے نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان چھ میں سے ہر ایک کی سفارش ایک ایک لاکھ کر کے لیے قبول فرمائی (اس طرح سب ہی کا حج قبول ہو گیا) اب یہ بزرگ فرماں د شادمان پیدا ہوئے۔

اسی طرح قیامت میں کوئی بھات پائے والا ہے، کوئی بلاک ہونے والا، کوئی مقبول ہے، کوئی غیر مقبول ہے۔ کوئی سفارش کرنے والا ہے کسی کے لیے سفارش ہو رہی ہے۔ لیکن شفاعت اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بعد ہوگی اور کوئی معصن فضل سے ناگاہی ہو گا (بدون اجازت کے کوئی کسی کی سفارش نہیں کرے گا) واللہ اعلم عندہ (ما باذنا) اور کسی پر فضل بھی ہو گا شفاعت بھی ہوگی۔

قوله وصالحوت ووجل هذا الصافات الخی کلفت بهما الحاج من قولہ الخی طود قوله الطیب الی قوله ولكن باذنه وفضله وقد یکتون للجنح ح۔

ف۔ اگرچہ اس میں کوئی مسئلہ تصوف کا نہیں مگر حج کی توجہ کا بیان ہے۔ اس لیے اس کا ترجمہ کر دیا تاکہ حجاج عموماً اور صوفیاء خصوصاً میں اور نمازیں اس دور کو ملحوظ رکھیں۔ کیونکہ نماز میں بھی حج کی شان موجود ہے کہ بیت اللہ کی طرف متوجہ ہونے کا ارہ ہے تو استقبال قبلہ کے ساتھ صحت اور قیامت کا سفر سامنے ہونا چاہیئے۔ پھر نشانہ اللہ شخوٹ آسان ہو جائے گا اور اس شان سے حج کیا جائے گا تو نشانہ اللہ قبول ہوگا۔

(۱۹۵) قُرب کا بڑا انداز ہر بڑے بڑے مجاہدات و عبادت سے ہی حاصل ہوتا ہے اس حکمت کے مطوم ہو جانے سے یہ مشا مستحب ہو گا کہ قُرب کا بڑا درجہ بڑے بڑے مجاہدات اور عبادات ہی سے حاصل ہو جائے کیونکہ یہ مقام (عرفات و خیر) ایسا مقام ہے جس میں بڑے بڑے جرائم کی مغفرت ہوتی ہے۔ جیسا حدیث میں وارد ہے کہ

مجاہدات سے حاصل ہوتے ہیں۔ مگر یہ اُس وقت متعجب مسلمانوں میں طلبِ دین غالب اور طلبِ دنیا مطلوب تھی۔ اب محاطِ برکتس ہے۔ اُس زمانے میں جو لوگ دین کی طلب میں مشغول ہوتے ہیں اُن کو تھوڑے سے مجاہدہ بھلے مقاماتِ عالیہ حاصل ہو جاتے ہیں۔ یہی مطلب اُس حدیث کا ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ تم ایسے زمانے میں ہو کہ اگر امام کا دسواں حصہ چھوڑ دو تو ہلاک ہو جاؤ۔ پھر ایک زمانہ آئے گا کہ اگر مسلمان اولیاء کا دسواں حصہ بچا لیں تو کامیاب ہو جائیں گے۔

حدیث میں اوامر سے فراموشی و واجبات مُراد نہیں کہ ان میں سے کوئی کام ترک بھی کسی وقت جائز نہیں بلکہ وہ مجاہدات و عبادات مُراد ہیں جو شریعت نے فراموشی و واجبات کی تکمیل کے لیے بتلائے ہیں جن سے خاص کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ ان مجاہدات و عبادات کا دسواں حصہ بھی آج کل نجات اور کامیابی کے لیے کافی ہو جاتا ہے۔

ایک بزرگ کا قول ہے کہ آج کل طالبانِ خدا کم ہیں اور آسمانیاں زمینِ مقامات اور ہی ہیں جو پہلے عین جن کا پرکڑ نامزدوری ہے تو آج کل جن میں طلب کے ساتھ اخلاص ہوتا ہے اُس کو بہت جلد کسی نہ کسی آسانی پر فائز کر دیتے ہیں۔ تو اس زمانے میں کام ختم کرنا ہوتا ہے اور مرتبہ برآل جاتا ہے۔ دنیا بلیٰ انقلاب و اتاد و نقباء و اصحابِ ولایت سے کسی وقت غالی نہیں ہو سکتی ورنہ قیامت آجائے مگر پہلے یہ مقامات بہت زیادہ کام کرنے پر عطا ہوتے تھے۔ آج کل مختصر سی محنت میں حاصل ہو جاتے ہیں بشرطیکہ طلبِ صحیح اور اخلاص کامل ہو۔ اس لیے آج کل سالیکن کو حوفا و متحذین کا گناہوں کا مطالعہ زیادہ مفید نہیں کہ اُن کی تشبیہ کو دیکھ کر بہت لوگ یہ سمجھ جاتے ہیں کہ درجہ ولایت حاصل کرنا بہت دشوار بلکہ ناممکن ہے کیونکہ اہلِ العلوم وغیرہ میں ہر بات کو بڑی سختی اور باریکی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے جس کا مکمل آج کل کی طبیعت سے

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شیطان عجم عرف سے زیادہ کسی دن زیادہ ذلیل اور حیرت نیش دیکھا جاتا۔ کیونکہ وہ اس دن دیکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بڑے بڑے گناہوں کو معاف فرما رہا ہے جس تو اپنے سر پہنی ڈال جاتا اور گناہاں کے جس قوم کو میں نے پچاس یا چالیس سال تک لگے ہوں میں بھلا دیکھ اُن کو ایک ساعت میں بخش دیا گیا۔ (ابو داؤد قال علیہ الصلوٰۃ والسلام) تو ایسے مقام تک پہنچنا آسان نہیں بلکہ بڑی مشقت سے پہنچنا ہوتا ہے۔ ہاں جس پر اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے آسان کر دی (اُس کے لیے) آسان ہو جاتا ہے مگر یہی خیر ہے ہی ہیں اس طرف مقاماتِ عالیہ یا مذکورہ مجاہدات و عبادات و ذکر بھی سے حاصل ہوتے ہیں آسانی سے حاصل نہیں ہوتے الا ماشاء اللہ

ناز پروردہ متعمد و مدبر و مہر بد و دست
عاشقِ شیوہ و مدانِ بلاکش با شد!

ابراہیم میں اس پر بھی تنبیہ ہے کہ جس میں اس صوفی (سلفی میدانِ محشر) کو یاد کہہ میں کا یہ غور ہے تاکہ کوئے کرم کی طرف تپتے دل سے التجائی توفیق ہو اور اللہ تعالیٰ کی طرف زیادہ توجہ اور مضبوطی اختیار کرنا چاہیے کہ اُن سے تمام خیر کی امید کی جا سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں انھیں حبیبِ الصلوات اذاعہ دیکھا جو مضطر کی دعا قبول کرتا ہے جب وہ اُسے نکالتا ہے کیا اس کے ساتھ بھی دوسروں کو شریک کرتے ہیں؟ ہرگز نہیں بلکہ اگر لوگ نادان ہیں جو ایسے خدا کے ساتھ بھی دوسروں کو شریک کرتے ہیں (اور اللہ تعالیٰ سب جان و عہدہ کے خلاف نہیں کرتے (وہ مضطر و محتاج کی دعا ضرور قبول کرے ہیں) اللہ تعالیٰ ہم کو بھی اُن میں سے کہے کہ تم پر محض اپنے فضل سے احسان فرمایا اور اُن کو کوئی مشقت اٹھانا نہیں پڑی۔ اللہ کے صوا کوئی پیر و گاہ نہیں۔ قولہ و یترجم علیہ من معرۃ المحکمۃ الی قولہ لادب سواہ۔

فتا۔ علمِ قاعدہ تو یہی ہے کہ مقاماتِ عالیہ بڑے بڑے مجاہدات اور کثرت

نہیں ہو سکتا۔ اس زمانہ میں طالبان سلوک کو حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ کی نصیحت کا مطالعہ ہی نالیج ہو سکتا ہے۔ حضرت نے اس زمانے کی مباحث کے موافق و متواتر العمل تجویز کئے اور امرائے قلب کے معاملات بیان فرمائے ہیں جن پر عمل دشوار نہیں بلکہ پکا ہے کہ جس سلوک کو نوگروں نے بہت دشوار سمجھا تھا حضرت نے اس کو پھولوں ہلکا کر دیا ہے اور جن چیز کو کھنڈر سمجھا جا رہا تھا اس کو ایسا صاف اور بے غبار کر دیا ہے کہ ہر شخص حقیقت تک باسانی پہنچ سکتا ہے۔ جس تعقوت کو غلافِ قرآن و حدیث کہا جا رہا تھا حضرت نے اس کی اصلی حقیقت کو کتاب و سنت سے ثابت کر کے دکھا دیا ہے۔ طالعندہ ہوسائل السلوک اور الکشف والافتقار وغیرہ۔

فت۔ ج میں جو جو باطنی مکتبیں ہیں وہ آپ نے بھی لکھی ہیں اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ بیت اللہ میں اب بھی وہ نشان ہائے قدرت موجود ہیں جن میں انصاف کے ساتھ خبر کرنے سے کافر بھی ایمان لے آئے۔ اور مومن خود کرے تو اس کا ایمان کامل ہو جائے اسی لیے کہ کو مکمل ایمان کا نتیجہ ہے۔

جج کی نناہری حکمتیں اب ہم بعض ظاہری مکتبیں بھی بیان کرنا چاہتے ہیں جو حجت الاسلام علامہ علیہ السلام نے فرمائی ہیں۔ وہ یہ کہ ہر قوم اور مملکت میں ایک دن اجتماع اور دوبارہ عام کا ہوتا ہے جس میں دور اور نزدیک والے سب جمع ہوتے ہیں تاکہ حکومت کے احکام پر عمل ہوں۔ ایک دوسرے سے بدل کر تبادلہ خیالات کریں اور مشائخ مملکت کی تنظیم بجالائیں۔ اسی طرح جج ملت اسلامیہ کا دربار ہے جس میں اطراف عالم سے مسلمان جمع ہوتے ہیں ان کی شوکت اور اجتماعی شان ظاہر ہوتی ہے۔ شعائر اللہ کی تعظیم ہوتی ہے۔ ایک دوسرے کو پہچانتے اور یہ دیکھ کر کہ اسلامی برادری بہت دور تک پہنچی ہے خوش ہوتا ہے آپس میں اتحاد و اتفاق برپا ہوتا ہے۔ کلمہ اسلام بلند ہوتا اور اللہ کا بول بالا ہو جاتا ہے اور اگر دنیا میں غلبہ اسلام کا وجود ہو تو خلیفہ کو تمام اطراف کے مسلمانوں کی حالت معلوم ہو سکتی ہے۔ چنانچہ حضرت فاروقی اعظم رضی اللہ عنہ ہر سال حج کرتے تھے

اور اپنے حال (گورنوں) کو بھی ہر سال حج کرنے کی تاکید فرماتے تھے کیونکہ جب گورنر حج کو جاتا تو اس کے ساتھ اس کے ملک اور موبہ کے بھی بہت آدمی ہوتے اس طرح خلیفہ کو ہر ملک اور ہر موبہ کے آدمیوں سے اپنے حال و علائقہ (گورنوں، حاکموں) کے حال و انصاف یا بے ناہرو کی اطلاع آسانی سے ہوجاتی تھی۔ پھر ان اعمال و احوال کے اجتماع سے ملکی مسائل اور سیاسی مصالح پر بھی مشورہ کا موقع ملتا تھا اور سال باندھ کر متعلق ایک خاص طریقہ اور نمونہ ملے ہو جاتا تھا۔ میں نے پہلے میں ایک انڈیا میں کسی امریکی ڈاکٹر کا مضمون پڑھا تھا جس میں لکھا تھا کہ یورپ اور امریکہ چار باتوں کے لیے ملت سے کوشش کر رہے ہیں مگر باوجود ہر قسم کے ذرائع و وسائل ممتنا ہونے کے ان کو اب تک کامیابی نہیں ہو سکی اور حیرت ہے کہ پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) پہلے ہی قدم میں تھوڑی سی مدت میں ان چاروں میں ہی کامیاب ہو گئے۔

ایک یہ کہ ہم ایک مشترک بین الاقوامی زبان کی تجویز میں ہیں مگر ہندو رندو اول ہے پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) نے عربی کو تمام مسلمانوں کی مشترک بین الاقوامی زبان بنادیا۔ تم کسی ملک میں چلے جاؤ ہر جگہ مسلمان عربی میں اذان دیتے، عربی میں نماز پڑھتے عربی میں خطبہ دیتے ہیں۔ ہر ملک اور ہر قوم کو اپنی ایک ایک زبان کے ساتھ عربی زبان سے بھی لگاؤ ضرور ہے۔ ان کا سلام بھی عربی میں ہے اور خطبہ نکال بھی عربی میں قرآن بھی عربی میں ہے دروری قوموں کے پاس تو اہل کتاب و انبیاء کے تراجم ہی رہ گئے ہیں اصل کتاب مفقود ہے وغیرہ وغیرہ۔

دوسرے ہم ایک بین الاقوامی کانفرنس کی تجویز میں ہیں مگر ابھی تک کامیابی نہیں ہوئی۔ پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس میں بھی کامیابی حاصل کر لی ہے کہ ہر سال تمام ممالک اسلامیہ کے مسلمان ملے ملے کے یہ جمع ہوتے ہیں جو بہت بڑی بین الاقوامی کانفرنس ہے۔

تیسرے ہم ایک بین الاقوامی سرمایہ جمع کرنا چاہتے ہیں جس میں ناکام ہیں مگر

باب ہشت

حدیث

جواز الشرب من السقایة

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سقایہ (نزم) پر تشریف لائے (یہ ایک حوض تھا جس میں لوگوں کے پینے کے واسطے نزم کا پانی بھرا جاتا تھا) اور پینے کے لیے پانی مانگا۔ حضرت عباس نے کہا اسے فضل اپنی ماں کے پاس جاؤ ان کے پاس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پانی لے آؤ مطلب یہ تھا کہ شہزاد پانی گھر سے لاؤ کیونکہ عرب میں دیر تک برتن میں رکھا ہوا پانی خنڈا اور فحش ہو جاتا ہے۔ حضور نے فرمایا مجھے (اسی میں سے) پلا دو۔ کیا رسول اللہ! اس میں تو لوگ ہاتھ ڈال دیتے ہیں۔ فرمایا پلاؤ بھی۔ عرض اس میں سے آپ نے پانی پیا پھر (چاہ) نزم پر تشریف لائے جہاں لوگ پانی بھر رہے اور کام کر رہے تھے۔ فرمایا کام کئے جاؤ۔ تم اچھا کام کر رہے ہو۔ پھر فرمایا اگر یہ (اندیشہ) نہ ہوتا کہ لوگ (بھوکہ کسے) تم پر غالب آ جائیں گے تو میں (سواہی سے) اُن کو رکڑتی یہاں رکھتا۔ گردن پر اشارہ فرمایا (اور خود پانی کھینچتا)۔

حدیث کا ظاہری مضمون یہ ہے کہ جس پانی میں لوگ ہاتھ ڈالتے ہوں وہ نمرج پاک ہے اگرچہ یہ احتمال بھی ہے کہ کسی کا ہاتھ پاک ہو کسی کا پاک نہ ہو۔ مگر آپ نے سقایہ سے پانی لے کر بتلادیا کہ ایسے احتمال (و جلاوہل) پر عمل نہ

پیغبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اس میں بھی کامیاب تھے۔ "بیت المال" تمام مسلمانوں کا بین الاقوامی مشترک خزانہ تھا جس میں تمام دنیا کے مسلمانوں کا حق تھا اور جب تک خلافت اسلامیہ قائم نہ ہی رہتے المال بھی قائم نہ رہا جس سے سب مسلمان فائدہ حاصل کرتے تھے۔

چوتھے ہم کو شش کر رہے ہیں کہ بین الاقوامی وحدت حاصل کریں اور یہ رنگ و نسل اور جغرافیہ کی بناء پر اقوام کی تقسیم باطل ہو جائے مگر ایسی تک ناکام ہیں پیغبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی قدم میں اس کو کامیابی کے ساتھ حاصل کر لیا اور فرمایا انھا انھو منون الخوة۔ سب مسلمان بھائی بھائی ہیں اسی کا یہ نتیجہ تھا کہ ہم کو جلال بخشی بھی اسی مقام پر نظر آئے ہیں جہاں ابو بکرؓ و عمرؓ نظر آتے ہیں ہر ایک دوسرے کا احترام و حرمت کرتا ہے و نثار و بقاء علم حضرت بلالؓ کو دیکھ کر کھڑے ہو جاتے اور فرماتے تھے سیدنا بلالؓ یہ چاہتے ہیں مارا جائے۔

مگر مسلمانوں کو یہ نہ چاہیے کہ یہ سب یکجہتی ملکیت کے درجہ میں ہیں اصل ملت نہیں۔ فرض حج کی علت بمعنی اللہ تعالیٰ کا حکم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ اگر یہ یکجہتی نہ ہو جس میں حج فرض تھا مگر اللہ و رسول کے احکام کی یہ خاص شان ہے کہ ان میں علاوہ تکلیفِ جدیدیت اور اطاعت کے انسان کی ذیوی مصالح بھی بہت ہوتی ہیں۔ جو شخص دین کو مغفلوٹی کے ساتھ تمام لیتا ہے دنیا خود بخود غلام بن کر آ جاتی ہے۔

بلکہ سے نکال چکے تھے۔ اگر یہ بھی صدق کی طرح ہوتا تو آپ ہرگز نہ پیتے کیونکہ صدقہ آپ پر حرام تھا اور اگر اس میں کچھ کراہت ہوتی جب بھی آپ نہ پیتے۔ مگر آپ سقا یہ پر تشریف لے گئے اسی میں سے پانی طلب کیا۔
 قولہ فیہ دلیل علی طلب شرب المداوی قولہ فاستقی۔

فت۔ اس میں کوئی مسئلہ تعقوت کا نہیں مگر جیسے خشک ذہاد وہی ہو جاتے ہیں۔
 اُن کے وہم کا اس میں ملاحظہ ہے۔ حضرت عیسیٰ السلام نہاد شدہ مردہ کے ایک خادم علاقہ کے کنوئیں سے وغوئیں کر کے کہاں اکثر لوگ ننگے پاؤں ہا ہر سے آتے ہیں اس لیے کنوئیں کے اُس پاس کی زمین ناپاک ہے اور بھی وہاں ڈول دکھا جاتا ہے اور بدوں پاک کے کنوئیں میں قوال دیا جاتا ہے۔ اس لیے کنواں ناپاک ہے۔ حضرت عیسیٰ السلام نے فرمایا کہ کیاں پھر تم میرے پیچھے نماز کیسے پڑھتے ہو جب کہ یہی اسی کنوئیں سے دھو کر تباہوں۔ کہا نماز تو آپ کے پیچھے جائز ہے۔ اسی طرح بعض لوگ وقتِ عام کی چیز کے استعمال میں وہم کرتے ہیں مگر نعماء و نعمت کے تھوڑے کی ہے کہ سقا یہ اور عروص اور کنواں اور سرائے وغیرہ اور چاروں مسافروں اور ہر دار و دو مدار کے لیے بنائی جاتی ہے اُس میں فقیر و فنی سب برابر ہیں۔ اُس کو صدقہ خاصہ پر قیاس نہ کیا جائے اور اس کی دلیل یہی حدیث ہے جو یہاں مذکور ہے۔

حدیث سے
 (۱۹۷) مردوں کے سامنے عورتوں کا نام لینا جائز ہے معلوم ہوا کہ
 بزرگوں اور مردوں کے جمع کے سامنے عورتوں کا تذکرہ جائز ہے۔ اس میں کچھ کراہت نہیں۔ دیکھو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ و سلم اور آپ کے ہمراہیوں کے سامنے کہا کہ اے افضل! اپنی ماں کے پاس جاؤ اور حضور نے اسی پر عتاب نہیں کیا بلکہ کچھ بھی نہیں فرمایا۔ آج کل بعض لوگوں کی عادت ہے کہ اگر عورتوں کا تذکرہ اُن کی زبان پر آجاتا ہے تو اس کے بعد عا شاگ (قوبہ توبہ) بھی

کیا جائے گا۔ جب تک یہ امر محقق نہ ہو جائے کہ کسی نے ناپاک ہاتھ ڈالا ہے کیونکہ پانی اپنی ذات سے پاک ہے۔ بلا دلیل اُس کو ناپاک نہ کہا جائے گا۔ اسی لیے فقہاء نے اُن عروص اور مشکوں کے پانی سے وضو کو جائز کیا ہے جو راستوں پر بہتے ہوئے یا درگاہے ہوئے ہیں بلکہ اسے جانور پانی پیتے ہیں اور جانوروں کی ناک کا خبذہ وغیرہ بھی اُن میں مل جاتا ہے اور لوگوں کے ہاتھوں اور پیروں کا میل بھی جس میں ناپاک کا احتمال ہو سکتا ہے مگر محض احتمال اور شک سے پانی کو ناپاک نہ کہا جائے گا۔ حضرت شاذان نے اس حدیث سے ماہ مستعمل کی طہارت پر بھی استدلال کیا ہے مگر استدلال ناقص ہے کیونکہ ماہ مستعمل وہ ہے جس میں ازالہ حدث کی نیت سے یا وضو اور غسل کی نیت سے ہاتھ ڈالا جائے اور یہاں ایسا نہ تھا۔ سقا یہ میں عرف پینے کے واسطے ہاتھ ڈالتے تھے تو اس سے حنفیہ کے نزدیک پانی مستعمل نہیں ہوتا ہے۔

(۱۹۶) پینے کے لیے پانی مانگنا خلافِ زہد نہیں کہ پینے کے لیے پانی مانگنا صحیح اور مسرف دونوں میں جائز ہے۔ پانی کا مانگنا اور چیزوں کے مانگنے کے برابر نہیں کہ (اُن کا سوال نمونہ ہے خاص مشروط ہی سے جائز ہے پینے کے لیے پانی مانگنا ہر حال میں جائز ہے) بعض فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے مگر یہ قید ضروری ہے کہ دوسرے کے پاس حاجت سے زیادہ پانی ہو اور اس نے دوسرے سے غریب ہو ورنہ بدوں سخت مجبوری کے پانی کا سوال بھی مذکور جائے۔

نیز معلوم ہوا کہ بیل عام کا پانی جس کو صدقہ نہ کیا گیا ہو فنی اور فقیر سب کے لیے حلال ہے یہ (وہ) صدقہ نہیں (جو فنی پر حرام ہوتا ہے) اس میں کسی پر خاص طور سے احسان نہیں ہوتا بلکہ وقتِ عام ہے سب کو اُس سے پینے کا حق ہے) دیکھو یہاں رسول اللہ ﷺ و سلم نے سقا یہ سے پانی پیا جس میں کچھ لوگ پانی بھر رہے اور کلام کر رہے تھے مگر وہ اپنے عمل کو اللہ تعالیٰ کے واسطے کر رہے اور پانی کو اپنی

پڑتے ہوں اور ناپاک کالیقین نہ ہو) وہ پاک ہے (معنی دہم سے اُس کو ناپاک نہیں کہاجاتے گا۔ مگر آپ نے اس وجہ کو بیان نہیں فرمایا صرف اتنا ہی فرمایا کہ اس میں سے پلاؤ)۔

دوسرے آپ تکلف سے بھی بچنا چاہتے تھے جو آپ کا خاص طریقہ ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو باتوں میں سے ایک کا اختیار دیا گیا تو آپ ہمیشہ سہل و آسان کو اختیار فرماتے تھے جبکہ اُس میں گناہ نہ ہو اور اس میں محض ترکِ حرام کی دلیل ہے کہ وہ بھی ترکِ تکلف کی تعلیم دیتے ہیں۔

قرنہ وفیہ دلیل علی جواز تلبس بہ الماء الی قوله یقولون بطلان التکلف۔

ف۔ بعض زہادوں کا خیال ہے کہ پانی ٹھنڈا پینا نہ ہر کے خلاف ہے گرم پینا چاہیے۔ یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ سیدنا ابنِ عمر رضی اللہ عنہما صلی اللہ علیہ وسلم کو ٹھنڈا پانی مرغوب تھا۔ اس واقعہ میں ایک خاص وجہ سے آپ نے سفایہ کا پانی پیاسے جو اوپر تکھیل سے بیان ہو چکی۔ پہلے عالمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا عظیم الامینی سے فرمایا تھا کہ کیا اشرف علی پانی جب پڑ ٹھنڈا ہو پڑ۔ ہر جن سے اللہ عزوجل نے گلا اور گرم پانی پی کر زبان تو اللہ عزوجل کے پی کر دل نہ کے گا۔ واقعی یہ فرمایا اللہ سے گرم پانی سہل ہے کیے معجز بھی ہے۔ اسی طرح پانی بہت ٹھنڈا بھی زیادہ برف سے نہ کرنا چاہیے کہ وہ بھی اھم صاحب کیلئے معجز ہے۔ اعتدال ہر چیز میں افضل ہے۔

ف۔ حضرت عائشہ کی حدیث پر ایک اشکالی مشہور ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو باتوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اختیار دیا جانا تھا تو اس میں کسی شق کے گناہ ہونے کا احتمال کیسے ہو سکتا ہے؟ پھر حضرت عائشہ نے یہ کہیں فرمایا حالہ یکین انما۔ جبکہ اُس میں گناہ نہ ہو۔ اس کا مشہور جواب یہ ہے کہ یہاں استدلال منقطع ہے متصل نہیں۔ علماء کیلئے یہ جواب کافی ہے اور عوام کو غور کرنے کی ضرورت نہیں۔ دوسرا جواب حضرت عظیم الامینی نے دیا تھا جو

کہتے ہیں اور اس کو تہذیب سمجھتے ہیں حالانکہ یہ بدعت ہے۔
قرنہ وفیہ دلیل علی جواز ذکوانسا ورجعنا اهل الفضل الی قوله بل عہ منہ المہم۔

ف۔ آج کل عام لوگوں کی تو یہ حالت ہے کہ پیروں کے سامنے اپنی ضرورتوں کو لے جاتے ہیں اور پیر صاحب سب کے سامنے ضرورتوں سے بات چیت کرتے ہیں یہ تو نہایت قبیح بدعت ہے جس کے معاصد ظاہر ہیں اور زہادین خشک کی یہ حالت ہے کہ وہ ضرورتوں کا ذکر بھی زبان پر لانا گوارا نہیں کرتے۔ حضرت عظیم الامینی بعض دفعہ اپنے گھروالوں کی کوئی بات مجلس میں کرتے تو بعض لوگ اعتراض کرتے تھے کہ یہ وقار کے خلاف ہے۔ انہوں نے تکبر کا نام وقار دیکر لیا ہے۔ اور یہاں سے ناظرین کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ پیلے زلمے کے مسلمانوں کو پردہ کا کس قدر اہتمام تھا کہ ضرورتوں کا ذکر بھی مردوں کے سامنے تہذیب کے خلاف سمجھتے تھے۔ آج کل ذکر سے تو کیا عار ہوتا ہے ضرورتوں کو مردوں کے سامنے لانے اور مجلسوں اور مجلسوں میں مل جلے جانے سے بھی عار نہیں۔ کیسا اھتساب بظاہر ہے؟ خدا خیر کہے نہ معلوم اس کا انجام کیا ہونے والا ہے؟

(۱۹۸) ٹھنڈا پانی پینا بھی خلافِ زہد نہیں حدیث سے معلوم ہوا کہ پانی کو ٹھنڈا کرنا اور ٹھنڈا پانی پینا جائز ہے۔ حضرت عباسؓ نے اس لیے تو فرمایا تھا کہ اپنی ماں کے پاس جاؤ اور ضرورت کے لیے پانی لاؤ۔ کیونکہ عمارؓ کی تنہی و میر کا رکھا چلنا پانی ٹھنڈا اور لذیذ ہو جاتا ہے۔ اگرچہ جائز نہ ہوتا تو حضرت عباسؓ ایسا نہ کہتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہ بات سن کر سکوت نہ فرماتے اور یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی کو اپنی ضرورت خاص طریقے سے پوری کرنا ہو تو اس کو وجہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عباسؓ کی بات قبول کرنے سے کوئی مانع اس کے صواب تھا کہ آپ ایک کاملہ شریعہ بتلا نا چاہتے تھے کہ جس پانی میں لوگوں کے ہاتھ

ہی ہے۔ کیونکہ حضرت عباسؓ نے اپنے بیٹے سے فرمایا تھا کہ اچنی ماں کے پاس جاؤ اور اس کے پاس سے حضورؐ کے واسطے پانی لاؤ، اگر گھر میں حکومت اور تقرب کا اختیار وحدت کے باعث میں نہ ہوتا تو پانی فرماتے کہ جاؤ خود گھر سے پانی لے آؤ، کسی دوسرے کو تقریر کا اقتدار ہوتا تو اس کا نام بیٹے اور یہ شبہ نہیں کیا جاتا کہ حضرت عباسؓ نے پانی لایا ہوں گے۔ اس لیے ایسا کیا گیا کیونکہ ان کا اس وقت پانی حائل ہونا نادر ہے ثابت ہے۔ وہ حضرت عباسؓ کی اولاد میں سے سب سے بڑے تھے، ان ہی کے نام پر حضرت عباسؓ کی کنیت ابو الفضل تھی اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو کسی نیک کام میں شریک کر دینا مستحب ہے۔ کیونکہ جب حضرت عباسؓ کی بیوی کو یہ خبر ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ اپنے واسطے ٹھوسے پانی مانگا گیا ہے تو وہ بڑی مسکائی اور پانی کی عمدگی اور شہزادی کا اہتمام کر رہی ہیں اس کے لئے کوٹوٹی میں ہوئی اور شوبہ بھی ملتا۔

قرولہ وحیہ دلیل علی ان المذبحی المتفرقة فیما فی البیت
ان قوله فیکون لہا فی ذلک اجر و صود۔

فت۔ یہ مسئلہ دوسری حدیث سے سمجھتا ہے جس میں والہ اللہ داعیہ فی بیت زدجھا۔ واروہ کہ عورت اپنے شوہر کے گھر میں مگران اور حاکم ہے۔ اس سے ان لوگوں کی غلطی واضح ہوگئی جو مومنہ اور عطا پر اعتراض کرتے ہیں کہ ان کے گھر میں بیویوں کی حکومت ہے وہی ہر تقریر کی مالک ہیں۔ ان کو کچھ لیتا چاہیے کہ شریعت کی تعلیم ہی ہے کہ گھر میں تقریر کا اختیار بیوی کے ہاتھ میں اور باہر کا اختیار مرد کے ہاتھ میں ہو۔ نفاذی طرح قائم ہو سکتا ہے دولی میں بائیس گویا ہوتی ہے۔ اگر گھر کے مسلمان وغیرہ کا اختیار ایک کے ہاتھ میں نہ ہو مگر متعدد ہاتھوں میں بٹا تو کوئی بھی اپنے کو توڑنے کا حق نہ رکھے گا اور جب کوئی دوسرے دار نہ ہو تو گھر کی برابری لازم ہے اور ظاہر ہے کہ عورت کے گھر کی حفاظت نہیں ہو سکتی۔ اس کو تو غیر بھی نہیں ہوتی کہ کوئی ہی چیز کہاں ہے اور کتنی مقدار میں ہے؟ اس لیے

تو بہت بعید ہے۔ مگر اس وقت باوجود کائنات کے میں ملازمین اس کو حضرت ہی کے الفاظ میں لکھنا چاہتا تھا مگر کسی کو مل جانے میں نکل کر دے۔

(۱۹۹) جس کام میں دو پہلو ہوں اس میں دین کے پہلو کو مقدم کیا جائے
حدیث سے معلوم ہوا کہ جب کسی کام میں ایک پہلو کو نفس کا ہو اور دوسرا پہلو مصیبت دین کا ہو اگرچہ دینی مصیبت درجۂ استجاب میں ہی ہو تو دین کا پہلو مقدم کیا جائے گا۔ کیونکہ (واقعہ حدیث میں) شہزاد پانی پینے میں تو نفس کی راحت تھی اور مسقاہ سے پینے میں دینی فائدہ تھے جن کا ادب ذکر آنچل ہے۔ رسول اللہ ﷺ علیہ وسلم نے دین کے پہلو کو نفس کے پہلو پر ترجیح دی۔ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ علیہ وسلم نے اس قاعدہ کی تصریح بھی فرمادی ہے۔

فقال احمد فہ نعمان یفدھون اعمالہ علی احوالہم وہ یأقی نعمان
یعدون باحوالہم علی اعمالہم۔ آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ تم ایسے زمانے میں ہو جس میں مسلمان (دینی) اعمال کو اپنی نوازش اور حظ نفس پر مقدم کر سکتے ہیں اور ایک زمانہ آنے کا جس میں مسلمان اپنی خواہش (اور انسانی لذت) کو اعمال (دین) پر مقدم کریں گے۔ قوله فیہ دلیل علی انہ اذا استقمحت النفس واصر ما فی الدین انی قوله یعدون باحوالہم علی اعمالہم۔

فت۔ وہ زمانہ بھی نیست تھا جس میں مسلمان اعمال دین کا ہوتا تھے مگر لذت نفس کے بعد ہی تھی۔ اب تو وہ زمانہ ہے جس میں لذت اور حظ نفس کے لیے اسکا شرمہ کو چھوڑ دیا جاتا ہے خالی اللہ المشتکی۔ اس حدیث میں صوفیاء کی دلیل ہے کیونکہ ان کے طریق کی بنا اسی پر ہے کہ ہر کام میں دین کے پہلو کو نفس کے پہلو پر مقدم کیا جائے۔

(۲۰۰) گھر میں تقریر کی مالک عورت ہے
حدیث سے معلوم ہوا کہ گھر میں تقریر کی مالک عورت

میں ہاتھ ڈالتے ہیں۔ آپ نے بتایا فرمایا: سب سے بڑے اس میں سے پانی دو دریا دریا کچھ نہیں فرمایا۔ سائل کا مطلب یہ تھا کہ اس میں گردگی کا احتمال ہے۔ مگر اس نے بھی اس احتمال کو صاف صاف نہیں کیا۔ حضورؐ نے بھی صاف نہیں فرمایا کہ نقص احتمالی سے کچھ نہیں ہوگا کیونکہ مقصود دونوں مگر واضح تھا۔

قولہ وفيه ذيل غلط ان الاختصار في الجواب وال سوال جوابا والی
ان قولہ ولد بن دعلج ذلت شيا۔

ف۔ حضرت عظیم امت نور شمر تھے کہ جوابات خطوط میں مختصر ہوتے تھے مگر کافی شافی ہوتے تھے۔ یہ حدیث اُن کے اس قول کی دلیل ہے مگر ایسا اعتقاد ہو کہ مقصود ہی واضح نہ ہو کہ وہ بلاغت کے خلاف ہے۔

(۲۰۲) کھانا کھانا کر اس جگہ سے ہٹ جانا چاہیے ہوا کہ کھانے پینے سے فراغت کے بعد اس جگہ سے ہٹ جانا ہی سنت ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پانی پی کر اس جگہ سے چل کر چاہ نزم پر تشریف لے گئے۔ دوسرے (اس میں ہی سنت تھی کہ) ایک نیکی کے بعد دوسری نیکی کرنا بھی اسلامی طریقہ ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس جگہ پانی پیا وہاں چند احکام بیان فرمائے۔ پھر دوسری جگہ تشریف لے جا کر دوسری نیکی کی۔ حالانکہ دونوں مکان یکساں ہی رہے۔ وہاں بھی لوگ پانی پیا ہلا رہے تھے مگر آپ کا امانان لوگوں کو خوش کرنے کے لیے تھا (جو نزم پر کام کر رہے تھے) اگر آپ اُن کے پاس نہ جاتے اُن کے دل شکستہ ہوتے کہ ہم اپنے کام کی وجہ سے حضورؐ کے دیدار اور شرف ہم لاکھ سے محروم رہے، نیز یہ بھی ہوتا کہ لوگ سقاہ کو نزم سے افضل قرار دیتے اور کہتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سقاہ پر تشریف لے گئے تھے نزم پر نہیں گئے تھے تو آپ کا ان لوگوں کے پاس جانا دوسری نیکی تھی (میں میں چند درجہ معالیٰ دینیہ میں) پھر آپ کے اس ارشاد سے کہ کلام کرتے وہ قوم اچھا کا کر رہے ہو۔

یہی کے ہاتھ میں اس کا انتظام ہونا چاہیے کہ وہی حفاظت پوری طرح کر سکتی ہے۔ پس گھروالوں میں جو شخص بھی کوئی چیز لے اُس سے کوچ کر اُس کو اطلاع کر کے لے تاکہ نظام درست رہے۔ مگر یہ بھی ہے کہ یہی میں انتظام اور حفاظت کا سلیقہ بھی ہو۔ بد سلیقہ کے ہاتھ میں تعزف و اختیار دینا مناسب نہیں پھر وہ اپنے ہی ہاتھ میں اختیار رکھے یا اولاد میں سے جس کو ہوشیار دیکھے اُس کو اختیار سونپ دے فاعلمت کا غفلت خلقت للذی بھا حفظا اللہ عیما بھی اس وقت اشارہ ہے کہ عمر میں ہی مرد کے گھر کی حفاظت ہیں بشرطیکہ اُن میں صلاحیت ہو۔ ف۔ حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت عباس کی بڑی ام الفضل رضی اللہ عنہا مگر کے اندر تھیں بیچ میں نہ تھیں جس سے پردے کا ثبوت ہوتا ہے اور یہاں سے اُن لوگوں کے اعتراض کا بھی جواب ہوگا جو پردہ کو عورتوں کی تذلیل و توہین سمجھتے ہیں اُن کو سمجھ لینا چاہیے کہ اسلام میں عورتوں کی عزت اس قدر ہے کہ گھر میں حکومت و اختیار اُن ہی کا ہے اور کسی کا نہیں اور اُن کو پردہ میں اس لیے رکھا گیا ہے کہ قیمتی شے کو چھپایا جائے۔ دیکھو ہر شخص اپنی دولت کو چھپا کر بخوری میں اور خانوں میں رکھتا ہے تاکہ چور کا ہاتھ وہاں تک نہ پہنچے اور یقیناً عورت کی قدردانی منزلت مال سے زیادہ ہے تو اُن کی حفاظت مال سے بھی زیادہ ہونا چاہیے تاکہ براہوں کی نگاہ اُن تک نہ پہنچ سکے۔ بلکہ اپنی عورتوں کو جب پردہ پہنچا رہے ہیں معلوم ہوتا ہے اُن کے دل میں مال کے برابر بھی اُن کی وقعت نہیں۔ اُن کے نزدیک دنیا میں مال کے چورتوں میں عورتوں کے ذوق نہیں مگر یہ باطل مشاہدہ کے خلاف ہے عورتوں کے ذوق مال کے چوروں سے زیادہ موجود ہیں۔ جس پردہ و اخفاث شاپد میں جو مدت دن اعتباروں میں شائع ہوتے دہتے ہیں۔

(۲۰۱) سوال و جواب مختصر ہونا چاہیے حدیث سے معلوم ہوا کہ سوال و جواب میں اختصار ہی ستر ہے بشرطیکہ مقصود واضح ہو جائے کیونکہ جب حضورؐ سے یہ کیا گیا کہ لوگ اس پانی

بیٹھے ہی کے واسطے مخصوص ہے۔ قرآن میں دلوا اطمعنہ فانتعوا (جب کہ تم کا ہنگامہ
تو چلی دو) دوسرے کے گھر کے متعلق ہے۔ البتہ اگر گھر والا کہنے کے بعد بھی روکنا
چاہے تو پھر وہاں بیٹھے کا اندیشہ نہیں کیونکہ اب اس کے حرم اور تکلیف اور اندیشہ
نہیں رہا اور حدیث میں اپنی پانی کر ہٹ جانا اسی جگہ کے متعلق ہے جہاں اور لوگ بھی
پانی پیتے آتے ہیں۔ باقی جگہ یہی چاہیے کہ جو پانی پیتے دوسروں کے لیے جگہ خالی کر
دے۔ یہ آداب معاشرت ہیں جو مسلمانوں کے گھر کی دولت ہے۔ مگر انہیں اب تک
اس سے بالکل بے خبر ہیں کہ ان کی شریعت نے معاشرت کے متعلق کیسے عجیب و غریب
احول بنائے ہیں۔

ف۔ ایک نئی کہ بہرہ دوسری کی کہنا یہ بھی اسلامی اصول ہے تاکہ انسان باہر
ترقی میں رہے۔ جو نیا دوس کو اس کا خاص اہتمام ہے۔ آج کل کے مافیہ کو بھی
اس سے سبق لینا چاہیے۔

ف۔ کسی کی تعریف سننے کر ماننے ہے جبکہ اس میں عجب پیدا ہونے کا خطرہ
ہو۔ بچے تعریف کرنا نہیں کہ اس سے بہت واقفان برعکس ہے۔

(۲۰۳) اگر کسی مستحب پر غصہ مرتب ہونے کا اندیشہ ہو اسے ترک کر دینا چاہیے

جو کام فرض نہ ہو بلکہ مستحب ہو اور اس کے کہنے پر کسی غصہ کے مرتب ہونے
کا اندیشہ ہو یا یہ معلوم ہو کہ لوگ بیٹھے یہ کام نہ کرنے دیں گے تو اس کا حشر دینا
چاہئے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں فرمایا ہے کہ اگر دو لوگوں
کے درمیان کا اندیشہ ہو تو ان میں سے ایک کو روٹی پر رسی رکھ کر مذہم کا پانی کھینچا اور
لوگوں کو بلاتا، یعنی آپ نے ایسا اس لیے نہیں کیا کہ لوگ آپ کو ایسا نہ کرنے دیں
گے۔ رسی کھینچنے کے لیے سب روٹی پھینک گئے۔ پھر کسی نے جو ہم سے کسی کے
چہرہ لگ جاتی۔ قوله دیکھ جواز ترف العمل مالم یکن فضائل
قوله فیہ اوی۔

یہ مسئلہ معلوم ہو کہ جو لوگ (اچھا) کام دہتے رہیں ان کو اس میں ہر وقت دلانا چاہئے
(ان کا حوصلہ بڑھانا چاہئے) تاکہ وہ نشاط کے ساتھ کام کریں۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے
فرماتے ہیں وہاں علی اللہ والحق۔ یعنی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کی مدد
کرو (اور مدد میں یہ بھی داخل ہے کہ اس کام کی فضیلت بیان کی جائے جو دوسرا کر
رہا ہے) مگر کام کرنے والے کی مدد کرنا اس کے خلاف ہے (وہ مناسب نہیں)
کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کے سامنے کسی نے ایک شخص کی مدد اس کے منہ پر
کی تھی تو آپ نے فرمایا قطعہ ظہر الزہل تم نے تو اس کی کمر توڑ دی کیونکہ ذات
کا مدد کرنے سے بعض دفعہ دوسرے میں عجب پیدا ہو جاتا ہے اور وہ ہم قائل
ہے۔ کام کی تعریف میں یہ غصہ نہیں بلکہ اس سے تو دوسرے کو مل کی رغبت ملتی
ہے۔ مثلاً کسی کو روزہ رکھتے دیکھو تو اس کے سامنے دوسرے کے فضائل بیان کر
دیا۔ بھلا کر دے دیکھو تو عباد کے فضائل بیان کر دو۔ (جو قرآن و حدیث میں) وارد
ہوئے ہیں اس سے اس کو اپنے کام میں تقویت حاصل ہوگی اور حشر کرنا ان لوگوں
کے کام کو مل مارنے کا مطلب یہ ہے کہ تم کو اس پر ثواب ملے گا کیونکہ کسی مل کا
مارچ ہونا یہی ہے کہ اس پر ثواب مرتب ہو۔

قوله وفيہ دليل على ان من السنة الاغصاف عند الغراف من الشرب
والاكل الى قوله فائد تھا ما یقریب علیہا من الثواب۔

ف۔ کہانے پینے کے بعد اس جگہ سے ہٹ جانا اس لیے سخت ہے تاکہ دوسروں
کو معلوم ہو جائے کہ میں کپانی پیتے ہیں مگر بیٹھے سے شہہ ہو گا کہ شاید ابھی
نیت نہیں بھری کچھ کسرا باقی ہے اور اگر پنا گھر میں دوسرے کا گھر ہے تو وہاں ہم
کو پیشادہنے سے اس کے کھانوں کا حرج ہوگا۔ لیکن ہے اب اس کے گھر والے
اسی جگہ کہانے کا ارادہ رکھتے ہوں تمہارے بیٹھے دہتے سے ان کو تکلیف ہوگی۔
البتہ اگر اپنا گھر ہے اور وہ جگہ تمہارے بیٹھے کے واسطے مخصوص ہے وہاں سے پانی
پی کر ہٹ کر ضروری نہیں۔ کیونکہ وہاں سے ہٹ کر پھر اسی جگہ آؤ گے جب کہ وہ جگہ

لاہتم کریں گے۔ مجھ نہ جانے پائے۔ جیسا واقعہ حدیث میں حضرت نے مجھ سے
 بچنے کے لیے اس عمل کو چھوڑ دیا جس کا ارادہ کیا تھا) اسی نے توفیقاً درجہ دوسرے سے
 بڑھا جو اسے کیونکہ وہ ایک دوسرے سے اچھا لگن رکھتے ہیں (ہر ایک دوسرے
 سے فیض حاصل کرنے کا طالب ہوتا ہے) میں اُنہیں کہ ایک بستی میں جس کا نام
 جنتی ہے جو بارکتر جردگ شیخ ابو اسحق کا وطن ہے اُنہ قتلے اُن سے اِشال سے
 نفع پہنچانے لگا تو وہاں یہ دستور دیکھا کہ جب کسی کے متعلق کسی سے دریافت کیا جاتا
 کہ فلاں صاحب کب ہیں تو ہر شخص اس طرح جواب دیتا کہ سیدے فلاں علم اللہ
 بہ فی المواتعہ الغلانی - وہ ہمارے سردار اللہ اُن سے نفع پہنچائے
 نکاتی جگر پر ہیں۔ یہ تو غائبانہ تعلیم کا حال تھا کہ کسی کا نام بھی بدوں سند ہی اور
 طبع اللہ بہ کے دیتے تھے، مگر سامنے بجز سلام شرعی کے کچھ نہ تھا اور اگر اُس کو
 چکارتے تو نام لے کر چکارتے اور (سیدی وغیرہ) کچھ نہ بڑھاتے۔ میں نے مدت
 تک اپنے قیام کے زمانہ میں سب کا یہی رونا دیکھا اور اس میں خدا بھی تغیر نہ پایا۔
 قوله وقہ دلیل علی طلب التبرک بالما یکین الذی قلہ لہ یغیرو اعزہ۔

ف - شاید کسی کو اس جگہ یہ خیال ہو کہ یہ لوگ بڑے بدقیامت تھے کہ اپنے بزرگوں کو نام
 لے کر چکارتے تھے تو ان کو کچھ لینا چاہیئے کہ اہل عرب اس کو بدقیامت شمار میں کرتے
 تھے۔ وہ اپنے بادشاہ کو بھی نام لے کر چکارتے تھے۔ مکہ میں شریفین حسین مرحوم کے
 زمانے تک یہ دیکھا گیا کہ اہل عرب ان کو یا شریفین حسین کے چکارتے تھے یا بھڑی
 قوسوں کی دیکھا دیکھیں اُن میں بھی تکلف آیا اور جلالت الملک کہہ کر بادشاہ سے بات
 کرتے ہیں مگر میری عمر کی برابر تکلف نہیں آیا۔ اصل تہذیب یہی ہے کہ نیچے تعلیم
 کی جائے۔ دوسرے کے سامنے اپنے بزرگوں کو تعظیمی الفاظ سے یاد کریں۔ سامنے
 تعظیمی الفاظ سے خطاب کرنے میں ایک قسم کی انہیت ظاہر ہوتی ہے۔ اسی لیے
 قدام اہل عرب اپنے بڑوں کے سامنے بے تکلف بات کرتے زیادہ تعظیمی الفاظ
 استعمال نہیں کرتے تھے۔ چچے کسی کے سامنے نام لیتے تو بت تعلیم سے لیتے تھے۔

ف - مولانا عقیقین کا اس پر پورا عمل ہے کہ تم دیکھو گے انہوں نے سماج مبارک
 کو اس لیے ترک کر دیا کہ اُس میں مفاسد کا غوطہ ہے چنانچہ بزرگوں کے سماج
 مبارک کے واقعات لکھ کر لوگوں نے مزار میر و مسازف کے ساتھ سماج شروع کر دیا۔
 اور مولانا عقیقین کو بہ نام کرنے لگے کہ اُن کا سماج ایسا ہی تھا حالانکہ وہ اُس کی
 حرکت کی تعریف کر رہے ہیں اور سماج مبارک کے لیے سخت شرمیں بیان کرتے ہیں
 جنہ کی رعایت اُن کی کیا ہے؟ اسی طرح عقیقین مولانا دے اپنے بزرگوں کا
 غرس بھی موقوف کر دیا کہ لوگوں نے اُس کو آمدنی کا ذریعہ بنا لیا ہے اسی طرح توجہ کا
 ملنے بھی موقوف کر دیا کہ اُن کی اس میں منافات سے زیادہ مفاسد ہیں۔

(۲۰۴) اہل برکت سے برکت حاصل کرنا چاہیئے یہاں سے معلوم ہوا
 برکت حاصل کرنا مطلوب ہے۔ کیونکہ لوگ رسول اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہی کو اسی
 لیے تو کھڑے کہ اُن کو آپ کے ساتھ گئے سے برکت حاصل کرنے کا شوق تھا وہ
 ہے کہ جب کریم اپنے محبوب کا عمل قبول کرتا ہے اُس کے ساتھ شریک ہونے والوں
 کو بھی محروم نہیں کرتا اور کیسے محروم کر دیں وہ تو خود فرماتے ہیں ہما لنعقد
 لا یشق جلیسہ۔ یہ وہ ہیں جن کے پاس بیٹھنے والا محروم نہیں رہتا۔ جب
 پاس بیٹھنے کا فیروہ ہے تو کسی مل میں اُن کے ساتھ شریک ہونا کی کچھ ہو گا؟
 (اور حدیث میں اس شوق و رغبت پر انکار نہیں کیا گیا کہ مرثیہ بتا گیا ہے کہ لوگوں
 کے اس شوق کی وجہ سے حضرتنا شوق پھرانہ کر سکیں گے اور جہم سے کسی تکلیف
 کا بھی غلطو تھا) اور یہاں سے یہ بھی لکھا جاسکتا ہے کہ بزرگوں سے اس اُسید پر
 ہر حالت میں غلے جلنے کا اہتمام کرنا چاہیئے کہ انہی سے نفع سے کچھ حصہ مل جائے
 کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تو ان کو رحمت ہی رحمت بنایا ہے، ہم کو چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ
 کی اس رحمت کو نصیب کیجیں اور اہل فضل سے فیض حاصل کرنے میں کوتاہی نہ
 کریں مگر اس کا لالچا نہ کرنا چاہئے کہ کسی کو یا ان کو مجھ سے اپنا دینے وہ خود اس

خود حق کا کلام میں موجود ہے۔ انہوں نے ولادت کلام کی چار قسمیں بتلائی ہیں۔
 عبقرۃ الناس۔ اشارۃ النقص۔ اقتضاہ الناس اور دلالت النقص۔ جب یہ معلوم ہو گیا
 کہ وہ خدا اپنے کلام میں اشارات بھی استعمال کرتے ہیں تو اب ہر کس و نا کس کو
 اُن کی کتابوں کا کوکھتا جائز نہیں۔ صرف اسی کو اُن کا مطالعہ جائز ہے جو اُن کی
 اصطلاحات و اشارات کو بخوبی سمجھتا ہے۔ شیخ ابن عربیؒ نے تصریح کی ہے کہ کتاب
 کو جاری نہ ہونے کا مطالعہ حرام ہے۔

(۲۰۶) تحقیق اخفاء و اظہار **عمل مستحب** رسول اللہ ﷺ میں ایک سوال ہے کہ سیدنا
 نے نذر (سے پانی بھرے) دانوں کو تو فرمایا کمن کے جاؤ تم اچھا کام کر رہے ہو
 اور نماز کے بارے میں فرمایا ہے کہ گھر میں نماز پڑھنا (مسجد میں نماز پڑھنے سے)
 افضل ہے مگر فرض کے ذکر اُن کا مسجد میں جماعت سے اور اگر نا افضل بلکہ ضروری
 ہے سوال کا حاصل یہ ہے کہ نذر م کا پانی بھرنا بھی تو عمل مستحب ہے اس لئے اخفاء
 کا حکم کیوں دیا گیا؟ جواب یہ ہے کہ کمن سبقت و لواظ کو اظہار و اخفاء دونوں ہی
 طرح کیا جاسکتے وہاں تو اخفاء افضل ہے اور کمن سبقت کی ضرورت و وضع
 ایسی ہے کہ اخفاء کے ساتھ اُن کو ادائیں کر سکتے جیسے لوگوں کو پانی پلانا اور
 علم دین کا درس دینا اور جہاد کرنا (جبکہ فرض میں نہ پڑھا ہو) وغیرہ وغیرہ۔
 وہاں فضیلت کا ممانعت کی درستی پر ہے (اخذہ پر نہیں کیونکہ وہ کام اخفاء کے
 ساتھ ہو ہی نہیں سکتا) رسول اللہ ﷺ وسلم (دوسری حدیث میں) فرماتے
 ہیں اذ وقع اللہ اجرہ علی قدر نیقہ۔ اللہ تعالیٰ اُس کو اس کی نیت
 کے موافق ثواب دیتے ہیں (نیت میں جس قدر غلوں ہو گا اُنسی قدر ثواب ہو گا)
 اپنی سلوک کو اس بات کی وجہ سے دوسروں پر فضیلت حاصل ہے کیونکہ وہ ہمیشہ
 اپنے اعمال میں ترقی کے پل پر نظر رکھتے ہیں خواہ نیت سے ترقی ہو یا بات
 سے ہو یا عمل سے ہو یا زمانہ کی برکت سے ہو یا جگہ (کی فضیلت) سے ہو یا

مہر کل صراط برکس ہے کہ سامنے تو بہت تعلیم ہے اور پیچھے اعتراض ہے۔ البتہ
 اہل نیت سامنے اور پیچھے یکساں رہتے ہیں مگر آج کل اہل نیت کمن؟ یقیناً ہاں!
 آج کل تو اکثر اہل علم ہیں۔ افاضاء اللہ۔

فت۔ ہمارے اکابر بھی ہی طرزِ حق کا جس مستحب کام سے لوگوں کا ہجوم زیادہ
 ہوتا اُس کو چھوڑ دیتے تھے۔ کیونکہ ہجوم میں پریشانی بہت ہے۔ اُنے دانوں کو بیکار
 خود کو بھی۔ اسی لیے حضرت عظیم انامتؒ بعد وعظ کے معاف سے گھبراتے تھے کاس
 میں ہجوم بہت ہوتا تھا۔ پھر اس سبب کے انجام میں کسی کی تکلیف کا خیال ہوتا ہے
 نہ راحت کہ بعض لوگوں کے چوتھ لگ جاتی ہے۔ اسی طرح حضرت نے ترقی پر بھی
 قرآن نہ بھی اکی لے چھڑ دیا تھا کہ حضرت کا قرآن سننے کو لوگ حذرِ قصہ سے آتے تو
 خانقاہ میں ہجوم بہت ہو جاتا تھا آخر عمر میں ختم قرآن بھر بھر کرتے تھے۔

(۲۰۵) اشارہ کنیہ سے بات کرنا خلافتِ تمذیب نہیں۔ حدیث سے
 اشارہ سے بات کرنا بھی جائز ہے اور یہ عیب میں داخل نہیں۔ نہ بزرگی کے صفات
 ہے نہ اُس سے بزرگوں کے درجہ میں کوئی نقصان یا غلط واقع ہوتا ہے نہ اس میں
 کوئی اعتراض کی بات ہے۔ دیکھو رسول اللہ ﷺ علیہ وسلم نے اپنی گردن مبارک پر
 اشارہ فرمایا اور بیان کیا ہے یہی مسلم ہوا کہ اعتبارِ صافی کا ہے۔ الفاظ کا استعمال
 اس میں اہل اشارات کی دلیل ہے۔ یہی حضرت عوفیہؒ کی کہ وہ جی اپنے کلام میں
 اشارات استعمال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اشارات ہی سے غنی اور تازک بات
 کو سمجھنا چاہیے (جس سے مخالفت تو مطلب سمجھنا ہے اور نہ اہل کو کچھ پڑ نہیں
 چلتا۔ تاہل کو ان باتوں سے دوسری رکھنا چاہیے)۔ وہ فیہ دلیلِ عقل و حکماء
 بالاشادۃ الخ۔ قولہ و ان لا یبلغ فیہا ضیاع فی حق۔

فت۔ حدیث میں تو اشارہ محسوس ہے مگر اس سے معنی میں و فقیہ پر اشارہ
 بھی جائز ہو گیا کیونکہ اصل غلت میں اشارت کرنا ہے اور معنی و کسے اشارت کی دلیل

کے جہاں شریعت نے جہر مشروع کیا ہے، لیکن چھتہ ذکر جہر معین ثواب کے لیے نہیں بتلاتے بلکہ ذکر کو قلب میں پیوستہ کرنے کے لیے بتلاتے ہیں اور بجز یہ ہے کہ یہ مقصود جہر کے جلدی حاصل نہیں ہوتا جیسے ایک شخص قرآن حفظ کرنے کے واسطے سبق یاد کر رہا ہو تو اس کا مقصود محض ثواب نہیں بلکہ ثواب کے ساتھ حفظ کرنا بھی مقصود ہے تو وہ اخفاء کے ساتھ سبق یاد نہ کرے گا بلکہ جہر سے کرے گا کیونکہ آہستہ چھتے سے یاد نہیں ہوتا یا سست دیر میں ہوتا ہے۔ پس نفس جہر میں خود کوئی ثواب نہیں جبکہ شرعاً جہر کا امر نہیں بلکہ وہ ذکر کو دل میں پیوستہ کرنے کا ذریعہ ہے۔ اور ذکر کا دل میں جمانا مطلوب و محمود ہے تاکہ کسی وقت اشتغال کے ساتھ خلعت نہ ہو اور قاصر ہے کہ مطلب کا مقدمہ بھی مطلوب ہوتا ہے اس طرح یا بواسطہ جہر بھی محمود اور موجب ثواب ہو گیا۔ جیسا حفظ کرنے والے کا جہر محمود اور موجب ثواب ہے اسی طرح تسبیح نامہ میں رکھنا خود کوئی ثواب کا کام نہیں بلکہ وہ دل کے لیے مذکر ہے۔ تسبیح پاتہ میں پہننے سے قلب ذکر یا نہ کوئی طرف متوجہ رہتا ہے اور توجہ الی اللہ مطلوب ہے تو اس کا مقدمہ اور ذریعہ بھی بواسطہ مطلوب ہو جائے گا۔ خوب سمجھ لو۔

ف۔ درس و تدریس اور وعظ و تقریر اور تحریر وغیرہ میں نیت درست کرنا ضروری ہے تاکہ ثواب سے محروم نہ ہو۔ درس و تدریس اور وعظ وغیرہ میں تبلیغ و مکالم کی نیت کی جائے۔ سامان کا دل کے لیے ملازمت کی جائے تو محض خواہ کی نیت نہ کی جائے کہ وہ توہر حال میں ملے گی۔ نیت یہ کی جائے کہ میں دین کی اشاعت اور تبلیغ کے واسطے یہ کام کر رہا ہوں اور تنخواہ اس واسطے لیتا ہوں تاکہ دل جمعی اور بے فکر سے اس فرض کو ادا کر سکوں۔

مجموعہ سے ہو۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کف بالعبادۃ شغلاً (امنان کے لیے) عبادت کا شغل کافی ہے اس شغل کے ساتھ دوسرے اشغال جمع نہیں ہوسکتے) کیونکہ اس کی وہی حالت ہوتی ہے جو دنیا میں نامہر کی ہوتی ہے۔ جس طرح اس کو ہر وقت مال کے بڑھانے کی کوشش ہوتی ہے اسی طرح اور فکر میں رہتا ہے کہ کس طرح مال کو بڑھایا جائے۔ اسی طرح اہل معاملات کی حالت اپنے مولیٰ کے ساتھ ہے۔ ان کو بھی رضا و حق کے ہوا کوئی شغل نہیں رہا اس کے بغیر ان کو یہیں آنا ہے۔ چنانچہ ایک بزرگ فرماتے ہیں۔ جس آنکھ نے آپ کو نہیں دیکھا اس نے کسی دل خوش کرنے والی چیز کو نہیں دیکھا اور میں آنکھ نے آپ کو دیکھ لیا وہ کسی ناگوار چیز کو نہ دیکھے گی۔ آپ کی بھلی جلال (کامشادہ) اس کی سر کو پورا کر دیتا ہے (یعنی کسی ناگوار چیز کے دیکھنے سے اگر غمی ناگوری ہوتی تھی ہے تو اس میں بھلا جلال بھی تو ہوتی ہے اور آپ کی ہر بھلی محبوب ہے خواہ بصورت جانی ہو یا بصورت جلال ہو۔

ان کو آج سے پیادہ رشتہ ہم کو قطعہ پر بیاد آتا ہے جیسے آسان کی بارش زمین کی شئی کو کھڑ کرتی ہے (تو اس کی حرکت اور کردار سب ہی گوارا ہوتی ہے) اسی طرح بھلی جلال سے زمین قلب کو جو زندگیاں شادانی نصیب ہوتی ہے وہ فانی ہری ناگوری کو گوارا بنا دیتی ہے) قسم ہے آپ کے علم کی حرمت کی جس کے سامنے میرا ضعف تھا ہر سہ کہ آپ کا لطف ہی میری برائی کی شکست کی کو چھڑنے والا ہے۔ قولہ وھما بحث وھولہ قال لاھل فھوھر اھملوا الخ قولہ جبر نہ وہب جاہلہا۔

فت۔ یہ مشہور دیکھا جائے کہ کوئی چھتہ ذکر جہر کی تعلیم دیتے ہیں۔ بعض دفعہ تسبیح پاتہ میں رکھنے کی کہتے ہیں حالانکہ ذکر آہستہ بھی ہو سکتا ہے بدون تسبیح کے بھی ہو سکتا ہے تو یہاں اللہ سے اخفاء افضل ہونا چاہیہ جب یہ ہے کہ اگر ذکر سے ثواب ہی مقصود ہو تو یہ نیت ذکر یعنی ذکر جہر سے افضل ہے جو ان مواقع

باب ہشت دیک

حدیث

تقدیم صلوة الفجر بالمزلة لفة يوم النحر

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی نماز بے وقت پڑھتے نہیں دیکھا سوا دو نمازوں کے - آپ نے (مزولفہ میں) مغرب و عشاء کو جمع کیا اور فجر کی نماز بھی وقت سے پہلے پڑھی اور یہ جمع کے موقع پر ہوا۔

ظاہر حدیث سے متبادر یہ ہوتا ہے کہ یہ دونوں نمازیں اپنے وقت پر نہیں پڑھیں ہوئیں مگر واقع میں ایسا نہیں کیونکہ سب کی نماز وقت کے وقت میں پڑھی گئی تھی لیکن جو پہلے وقت پر ادا کی گئی مگر چونکہ اس دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جمع ہوتے ہی پڑھ لی جو آپ کی عادت معروفہ کے خلاف تھا تو صحابہ نے اس کو بے وقت کہہ دیا مطلب یہ تھا کہ جس وقت کی عادت تھی اس سے پہلے نماز پڑھی (جیسا کہ حنفیہ نے استدلال کیا ہے کہ حضور کی عادت نماز فجر میں اس قدر تھی اور وہ جو بعض احادیث میں آیا ہے کہ آپ فجر کی نماز ظہر میں پڑھتے تھے اس کا مطلب یہ ہے کہ زیادہ اس قدر کرتے تھے بلکہ ایسے وقت نماز پڑھتے تھے کہ مسجد کا اندرونی حشر میں تاریکی اور بیرونی حشر میں روشنی ہوتی تھی)۔

(۲۰۷) مسائل دینی کا تذکرہ مکرر بھی دین ہے اگرچہ مسند مشہور ہی

بیان سے معلوم ہوا کہ دین کے احکام کا تذکرہ اور ان میں گفتگو کرنا کیوں نہ ہو بھی دین ہے۔ اگرچہ حکم یا ہر ہر سب کو معلوم ہو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس نماز کی کیفیت مشہور تھی آج تک سب ہی اسی کے موافق عمل ہو رہا ہے مگر پھر بھی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کا تذکرہ کیا۔ میں معنی بزرگوں سے ملا ہوں جو علم و عمل میں کامل درجہ پر فائز تھے جب کبھی وہ کسی مجلس میں جمع ہوتے تو ان کی بات چیت مسائل دین ہی میں ہوتی تھی وہ بھی مشکل مسائل میں نہیں نہ باقی مسائل میں گفتگو ہوتی تھی اس کے سوا اور کوئی بات نہ کرتے تھے۔ اسی طرح صحابہ اور سلفہ صالحین سے منقول ہے کہ وہ جب آپس میں ملے تو کتنے آؤ کچھ دیر ایمان کی باتیں کریں معنی مسائل دین میں گفتگو کریں کیونکہ دنیا کی ہر چیز کی حالت یہ ہے کہ اس میں جب زیادہ گفتگو ہوتی ہے تو بعض وقت دل آٹا جاتا اور پریشان اور تنگ ہو جاتا ہے۔ مگر ایمان اور اس کے فروغ اور ایمان کے حالات میں گفتگو سے اہل تحقیق کے نزدیک ایمان بڑھتا ہے (اس لیے وہ کسی وقت بھی اس سے دل ٹک نہیں ہوئے) جسے علم کو حنا جو خراب کروڑ بڑھا ہی ہے علم کے سوا دوسری چیزوں کو خراب کرو تو وہ گنتی ہے۔

پس تم ایسا داس المال (اور مہار) لے لو جو خراب کرنے سے بڑھتا ہے ترقی کرتا ہے اور دوسروں کو بھی اس سے فائدہ اور فضا حاصل ہوتی ہے اور تمہارا سرواں تو راجم کم ہو۔ اسی لیے معنی حکماء نے فرمایا ہے کہ علم ربانی عظیم ہے۔ علماء تم کو ایک چیز پسند کی ہو پوری دے دیتے ہیں اور ان کے خزانے میں اس سے کچھ کمی نہیں آتی کیونکہ جب کوئی تم کو علم دیتا ہے تمہارے پاس اس کے علوم و معارف سب ہی آجاتے ہیں مگر اس کے پاس جو علم تھا اس میں کمی نہیں آتی بلکہ اس میں کمی کی قسم کی ترقی ہو جاتی ہے کیونکہ علمی تذکرہ سے خود عالم کو بھی پہلے سے زیادہ خیر ہو جاتا ہے اور ثواب زیادہ عطا وہ ایک ماہ جو سب چیزوں سے بڑھ کر ہے۔

قوله فیه دلیل علی وجوب الدین ذکر الحکم فی الدین الی فی لہ الذی ہونہ فیہ من الکل۔

فت۔ موفیاد اور علماء کو چاہیے کہ اپنی مجلسوں کو علمی و اصلاحی تذکرہ سے خالی نہ کریں
 صلحت کا طریقہ یہی تھا۔ آج کل بعض علماء کی حالت یہ ہے کہ ان کی مجلس میں بجز بوسہ
 اور دھوکے بھڑوں یا سیاسی جھگڑوں کے اور کچھ نہیں ہوتا یہ حالت تنزل دین کی علامت ہے
 عارف کا تو یہ حال ہونا چاہیئے۔
 ماقضیٰ مکند و دارا نہ غلامہ ایم
 از باجز مکاریت ہر وہ خواہد پرس
 ہم نے اپنے اکابر کی مجلسوں میں بجز علمی و اصلاحی گفتگو کے فضول گفتے نہیں دیکھے الا
 نلوا و النادر کا لمعدہ۔۔۔

(۲۰۸) روایت ہی سے قطع بحث اور تسلی کامل ہوتی ہے یہاں سے
 بھی معلوم ہوا کہ احکام دین کا روایت کرنا قسم کی جہت کو زیادہ قطع کرنے والا ہے۔
 اگرچہ اس پر عملدرآمد ہو رہا ہو اور سب کو اس کا علم ہو کیونکہ روایت ہی سے تو یہ
 معلوم ہو گا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم رسول اللہ ﷺ و سید کی زبانی اسی طرح تھا جس طرح
 عمل ہو رہا ہے۔ پھر ایک دوسرے سے نقل و نقل ہوتا ہے تا کہ تو ساری امت کو
 قیامت تک یہ علم ہوتا ہے گا اگر امام عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس حدیث کو بیان
 نہ فرماتے اگرچہ اس عمل کے موافق ہو رہا ہے تو ہم کو کس طرح یقین ہوتا کہ رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہی ہے کوئی مخالفت اگر اس کا انکار کرتا تو ہم اس کو کوی جواب
 دیتے یا خود ہمارا دل حقیقت حال پر مطمئن ہونا چاہتا تو کیونکر تسلیم ہوتی یا کسی نے خوب
 کہا ہے کہ دین میں کو شش کشتہ رہا اور اس کو بدوں کسی اصل کے نہ لیا اور وہ
 کتاب اللہ ہے اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو ایک لفظ دوسرے لفظ سے روایت
 کرتا ہے اور اجماع اور قیاس بشرطیکہ تم شرعاً قیاس سے منع ہو اور ان کے
 سوا پانچوں کوئی طریق مشکل نہیں۔ قول و حنیہ من الفقہ الذہاب
 الی قولہ لیس طریقہ بالعدل۔

ایک مفسر نے بعد از حدیث اسریٰ بعد از حدیث المسجد الحرام
 الی المسجد الاقصیٰ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ معراج جہاں دعویٰ و بعض خواب تھا
 بلکہ ایک مہمانی کیفیت تھی جو نبوت کے ساتھ متعلق ہے جس کی حقیقت ہم بیان
 نہیں کر سکتے۔ مگر اس کو یہ مقلد نے آئی کہ جس وقت رسول اللہ ﷺ صلی اللہ علیہ وسلم نے
 واقعہ معراج کو مکہ والوں کے سامنے بیان کیا اور ان آیات کو پڑھا اس وقت

فت۔ یہاں سے موفیاد نہ مانے کو ملے لیا پہلی جہت جو علم کتاب و سنت و اجماع و
 قیاس حاصل نہیں کر سکتے اور کہتے ہیں کہ یہ تو علم شریعت ہے اور ہمارا علم طریقت
 سینہ بہ سینہ ہے۔ ان کو سمجھ لینا چاہیئے کہ سینہ بہ سینہ بجز نسبت باطن کے کچھ
 نہیں اور نسبت باطن بدین علم و دل کے حاصل نہیں ہوتی اور علم احکام سینہ بہ سینہ
 حاصل نہیں ہوتا بلکہ پڑھنے پڑھانے سے حاصل ہوتا ہے۔ بزرگوں کا ارشاد ہے۔
 ما اتخذہ اللہ من ولی جاہل۔ اللہ تعالیٰ کسی جاہل کو ولی نہیں بناتے اور
 میں موفیاد کو ان پرچہ کما جاتا ہے وہ جاہل نہ تھے بقدر ضرورت علم دین ان کو حاصل
 تھا خواہ کن بوسے یا صحبت علماء سے۔ اس کے بعد ہی ان کا عمل کامل ہوا اور عمل
 کامل سے نسبت باطن ان کے قلب پر فائز ہوئی۔ پس جو عمل کسی آیت یا
 حدیث یا اجماع یا قیاس سے ثابت نہ ہو اس کو رد کیا جائے گا احکام اللہ سینہ بہ
 سینہ حاصل نہیں ہو سکتے اور یہاں سے اُن علماء کی غلطی بھی واضح ہو گئی جو بدون شرط
 قیاس کے اپنے کو مجدد سمجھ بیٹھے ہیں۔ قیاس کے لیے علاوہ دیگر شرائط کے ایک
 بڑی شرط کامل ذوق عربیت ہے کیونکہ قرآن کریم عربی فصیح معجز میں نازل ہوا ہے۔
 جس کو سب سے زیادہ سمجھنے والے و جانتے خود رسول اللہ ﷺ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے
 سے قریب تھے کہ اس وقت تک ذوق عربیت پوری طرح محفوظ تھا۔ تفسیر صفت کو
 چھوڑ کر آج کل جو نئی نئی تفسیریں قرآن کی جاتی ہیں یہاں تخریب میں داخل ہیں۔

ایک مفسر کا رد جس نے واقعہ معراج میں تحریف کی ہے چنانچہ اس
 ایک مفسر نے بعد از حدیث اسریٰ بعد از حدیث المسجد الحرام
 الی المسجد الاقصیٰ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ معراج جہاں دعویٰ و بعض خواب تھا
 بلکہ ایک مہمانی کیفیت تھی جو نبوت کے ساتھ متعلق ہے جس کی حقیقت ہم بیان
 نہیں کر سکتے۔ مگر اس کو یہ مقلد نے آئی کہ جس وقت رسول اللہ ﷺ صلی اللہ علیہ وسلم نے
 واقعہ معراج کو مکہ والوں کے سامنے بیان کیا اور ان آیات کو پڑھا اس وقت

باب ہشت دوم

حدیث

الصدقة بجمال البدن و جلوه

حضرت علی کرم اللہ وجہہ روایت ہے فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ان آدمیوں کی جھولوں اور کھالوں کو صدقہ کر دوں جو (راج کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے) قربانی میں نحر کر کے گئے ہوتے۔

تفہم حدیث تو یہ ہے کہ قربانی کے آدمیوں کی جھولوں اور کھالوں کے صدقہ کا تشریح حکم کیا گیا۔ اس پر چند مسائل ہیں ایک یہ کہ یہ امر وجوب کے لیے تھا یا استحباب کے لیے؟ دوسرے حضرت علیؑ کے اس بات کے بیان کرنے میں کیا غلطی ہے؟ تیسرے اس میں کیا حکمت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؑ کو اس حکم کے لیے مخصوص کیا؟

پہلے سوال کا جواب تو یہ ہے کہ امر استحباب کے لیے ہے وجوب کے لیے نہیں۔ کیونکہ خود قربانی کے گوشت کا صدقہ کرنا واجب نہیں جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے تو جہول اور کھال اس سے بڑھ کر نہیں ہو سکتی۔ دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ حضرت علیؑ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس بات کو اس لیے بیان کیا کہ یہ مسئلہ معلوم ہو جائے کہ صدقہ کرنے میں کسی کو نائب بھی کر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ حضرت صحابہ کو اس سے خاص فرصت اور فخر ہوتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان

اہل کتبہ سے کیا سمجھا تھا؟ یقیناً سب نے قرآن کی آیات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان سے معراجِ جسمانی ہی سمجھا تھا اسی لیے تو استغناء اور مکرار کیا اور بیت المقدس کا نقشہ دریافت کیا اور ان خانوں کا حال پوچھا جو مکہ سے شام کی طرف گئے تھے اور جس وقت حضرت ابوہنیفہؑ سے ہرقل نے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عقل کے ہدے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ انہوں نے جواب دیا ہوا صاحب المرافیٰ فیما ظہر انا انکر ما عہد شتمنا کہ وہ پڑھے صاحب المرافیٰ ہیں لیکن اُن کی ایک بات ہم کو ادھر ہی معلوم ہوئی پڑھا وہ کیا؟ کہا وہ کہتے ہیں کہ میں ایک وقت مکہ سے بیت المقدس گیا وہاں سے آسمانوں پر گیا پھر مجھ سے پہلے گھر واپس آگیا۔ یہ بات ہماری عقل میں نہیں آئی اس پر بیت المقدس کے پادری نے کہا وہ پتا کہتے ہیں مجھے وہ رات معلوم ہے جس میں وہ بیت المقدس تشریف لائے تھے۔ تفصیل کے لیے طالعہ و میر و علیہ وغیرہ۔ غرض تو اُن سے یہ بات ثابت ہے کہ تمام مشرکین نے جو قرآن کے آدلی مخالفت تھے قرآن سے اور رسول اللہ کے بیان سے معراجِ جسمانی ہی سمجھا اسی وجہ سے کھلکھلا اسی لیے نہات دریافت کئے مگر معراجِ جسمانی کا دعویٰ نہ ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہی فرماتے جو آج جوہوں صریحاً یا مفتر کہتے ہیں کہ معراجِ جسمانی کا مجھے دعویٰ نہیں بلکہ یہ ایک غلط کیفیت ہے جو نبی کے ساتھ مخصوص ہے تم اس کو نہیں سمجھ سکتے؟ آپ کو بیت المقدس کا نقشہ بتلانے اور خانوں کی حالت بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ دنیا جانتی ہے کہ حضرت صدیق اکبر کو لقب صدیق اُمی دن ویا گیا جب انہوں نے معراج کی تعریف کی جبکہ بہت سے ضغفہ اس بات کو سن کر مرتد ہو گئے تھے۔ اگر اس نئے مفسر کی تفسیر کو صحیح مان لیا جائے تو اس کی تعریف میں کچھ کمال نہ تھا نہ ضغفہ نہ کورملاؤ کی نوبت آنے کی کوئی وجہ تھی۔ مشرکین کو اجتناب اور مکرار کوئی موقع تھا۔ مگر خدا اس کو رسالت مرحومیت کا آج کل کے دہروں کے احقرین سے غور و فکر جو کھانوں کے نئے مفسر قرآن ہی کو بدلتے گئے اور اس میں ایسی تحریفیں کرنے لگے جو قواعد عربیت کے خلاف اور اہل عرب کی فہم سے بہت دور ہیں۔

کو کسی بات کے ساتھ خاص طور سے خطاب فرمائیں۔ دیکھو حضرت علی کو اپنے سب ناموں میں نہ زیادہ محبوب اور تبار تھا کیونکہ یہ کنیت حضور نے دی تھی۔ نیز علی کی پہلی بھی مقصود ہے کہ یہ سلسلہ کسی کے واسطے سے نہیں بلکہ میں نے بلا واسطہ حضور سے سنا ہے اور بہت خود اُس کو معلوم کیا ہے۔

تیسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو اس حکم کے ساتھ اس لیے مخصوص فرمایا کہ اُن کو علم نہ زیادہ تھا اگر حضرت خلیفہ سہمی علماء سے تھے۔ لیکن حضرت علی کو جوہر غیر میں سے اس غیر میں فضیلت حاصل تھی چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے انا حدیثہ العلم وحلی باہا میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں۔ نیز یہ بھی وجہ تھی کہ حضرت علی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قربانی کے اوتھوں کے بخر کرنے میں نائب کیا تھا۔

(کیونکہ آپ نے اوتھوں میں ترسٹہ تو خود اپنے ہاتھ سے بخر کر کے بقیہ کو حضرت علی کے سپرد کیا تھا کہ وہ بخر کریں تو کمال اور اچھلوں کے صدقہ میں بھی اُن ہی کو نائب کروایا گیا۔ حدیث خلاصہ ما ذکرہ انشاء اللہ ۷۲ شرحہ)

(۲۰۹) اگر کسی کو کسی دینی کام میں نائب کیا جائے تو عالم اور

قربت دار کو مقدم کیا جائے اس سے معلوم ہوا کہ قربانی اور صدقہ وغیرہ میں اگر کسی کو نائب کرنے کی ضرورت پڑے تو مستحب یہ ہے کہ کسی عالم کو نائب کیا جائے کہ یہ بھی قربت کو کمال کرنے والا ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ جو نیک کام واجب نہ ہوں اُن میں مستحب یہ ہے کہ ضرورت نیابت کے موقع پر (اسے) عزیزِ قرب کو حکم دیا جائے۔ چنانچہ حضور نے حضرت علی کو بخر پوری اور صدقہ بھلا و جلود کا حکم دیا کیونکہ وہ حضور کے چچا زاد بھائی اور داماد تھے۔ اس نیابت سے اُن کو خوش کرنا مقصود تھا اگر حضور کسی دوسرے کو اس صدقہ کا حکم دیتے تو احتمال تھا کہ اُن کی خاطر میں توجہ پیدا

ہو جاتا۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو اپنی طرف سے صدقہ وغیرہ میں نائب کر دیا تاکہ اُن کا دل خوش ہو جائے اور شکستہ نہ ہو۔ قولہ و یقریب علیہ من الفقہ انہ المصعب فی النیابۃ الی قولہ ادعال مرید وجہ قلب۔

ف۔ یہ نیابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی معاملہ میں تھی اور ذاتی معاملہ ہی میں اہل قربت کو مقدم کرنا مستحب ہے جبکہ اُن کو علم بھی زیادہ ہو پس اس سے مشغول غفلت میں تقدم پر استدلال نہیں کیا جاسکتا کیونکہ وہ حضرت کا ذاتی معاملہ ہیں بلکہ عام مسلمانوں سے ملحق ہے اُس میں ایسی کو تقدم ہوگا جسے عام مسلمان مقدم کریں اور یہ بدیہی سلسلہ ہے جس میں زیادہ بحث کی جانا ضرورت نہیں۔ ایک تلم پر ہم بیان کر چکے ہیں کہ حضرت خلیفہ راشدین کی خلافت میں ترجیح کے واقع ہوئی ہے وہی میں نکلتا اور حضرت کے کو اولیٰ تھی۔

(۲۱۰) حسن معاشرت یہ ہے کہ جس نے کام شروع کیا ہو اُسی سے

ختم بھی کرایا جائے ایک وجہ حضرت علی کو اس حکم کے ساتھ مخصوص کرنے کی ختم بھی کرایا جائے یہ بھی تھی کہ حسن محبت (اور حسن معاشرت) کا مقتضایہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی کام کو شروع کرے اُس کی تکمیل بھی اُسی کے ہاتھوں سے کرائی جائے۔ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو کین کی طرف یہ مامور کیا کہ اُن سے قربانی کے اوتھ لائیں (چنانچہ وہ اپنے ساتھ لے کر آئے اوتھ کے موقع پر تھ پہنچے) تو حسن محبت کے قاعدہ سے اُن ہی کو آپ نے بقیہ فترہ بانی میں نائب کیا اور اُن ہی کو کمالوں اور چھلوں کے تصدق میں نائب کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیادہ تر حسن محبت کی دعا میں کرنے والا کون ہے ؟

دفعہ وجہ من حسن المحبة الی قولہ ومن احسن محبتہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

ف۔ جب اس تقدم میں وجہ نیابت متحد ہو سکتے ہیں تو کسی ایک وجہ پر ترجیح

منہیں کیا جاسکتا۔ پس اس سے مسئلہ خلافت میں تقدیم پر استدلال نہیں ہو سکتا اذا
جاء الاحتمال بطل الاستدلال -

ف - تحسین صحت وادب معاشرت بھی دین کا بڑا اہم مشہد ہے جس کی طرف سے
آج کل بہت غفلت ہے اور غیب تو یہ ہے کہ اس کے آداب کو قرآن و حدیث سے ملنا
بھی کم سمجھے ہیں۔ حضرت عیسیٰ السلام نور اللہ علیہ السلام کے بعد ہی کارناموں میں یہ
بھی بڑا کارنامہ ہے کہ آپ نے دین کے اس باب کو زندہ کیا اور اس کی تسلیم و
تفہیم میں بڑا اہتمام فرمایا۔

(۲۱۱) فتوحات اللہ کو بیان کرنا چاہیے حدیث سے معلوم ہوا کہ جب
احمد بن محمد بن فرادیس تو اس کو بیان کرنا چاہیے بشرطیکہ میں اپنے کتب و
اختیار کو دخل نہ دوں (معنی وہب و فضل ہو) کیونکہ جن امور میں کتب و اختیار کو دخل
ہے ان کو بیان کرنا تو اپنا تذکرہ (اور اپنے منہ سے اپنی تعریف ہے) اور (اس سے)
حق تعالیٰ نے منع فرمایا ہے چنانچہ ارشاد فرمایا ہے فلا تزکوا انفسکم (اپنی
تعریف خود نہ کرو) اور جو امور معنی وہب و فضل سے حق تعالیٰ عطا فرمائیں ان
کا بیان کرنا شکر میں داخل ہے بشرطیکہ نیت طلب جاہ سے سالم ہو چنانچہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں التحدث بالنعمة شکر فمتی کا بیان کرنا بھی شکر
ہے اور حق تعالیٰ فرماتے ہیں لئن شکرتم لا زید لکم الا کم شکرکم وگے تو
نیں تم پر اپنی نعمتوں کو بڑھا رہا ہوں گا۔

دیکھو حضرت علیؑ نے (اس حدیث میں) یہ بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے مجھے حدیث کا امرا فرمایا جس میں اس نعمت کا ذکر ہے کہ حضورؐ نے معنی وہب و
فضل سے ان کو اس نعمت کے ساتھ مخصوص فرمایا، چہرہ سادہ ہی یہی بتلا دیا کہ (اس
کے بعد) جو کوئی نہیں ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہرے کیا جس میں دوسلے
اور تذکرہ سے برأت کا اظہار ہے۔ جیسے کوئی کسی کو حدیث کرتے ہوئے دیکھے کہ وہ

کہہ دے کہ یہ حدیث واجہ ہے (عائد نہیں) اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس میں
میری تعریف کی کوئی بات نہیں۔ کیونکہ حضرات صحابہ اور پہلے زمانے کے مسلمانوں کے
تذکرہ واجبات کا ادا کرنا تعریف کا سبب نہ تھا کیونکہ واجب کا ادا کرنا تو لازم ہے
اور واجبات کے ادا کرنے میں سب ہی لوگ برابر رہتے (اس زمانہ میں فرائض واجبات
کو کوئی نہیں چھوڑتا تھا تو اس میں تعریف یا کمال کچھ نہ تھا) اسی لیے بعض عابدین نے
فرمایا ہے کہ کھانا تاکرین صلاۃ کو جزائے خیر نہ دے۔ انہوں نے (خود تو نماز چھوڑ دی اور)
ہم کو نماز پڑھتے دیکھا تو کہنے لگے یہ بڑے عابدین (یعنی ان کے ترک صلاۃ نے ہم
کو عابدین میں داخل کر دیا اگر وہ بھی نماز پڑھا کرتے تو ہمارا کچھ بھی کمال نہ تھا) اور
صحابہ (وچشمہ منیر) جو ان باتوں کا تذکرہ (کبھی بھی) کر دیتے ہیں جن کے ساتھ اللہ
نے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو منحوس فرمایا ہے اس کا منہ و معنی اپنی
خوشی کا اظہار اور نعمت کا شکر تھا وہ دعویٰ علی سے بری تھے۔

آج کل کے آدمیوں کی طرح نہ تھے جو واجبات کو بھی پوری طرح ادا نہیں کرتے
اور چاہتے ہیں کہ ان کو اپنی برکت میں شراکہ بنائے لوگ ان کو جبرگ اور
شیخ (بھیس) ایسے ہی لوگوں کے متعلق حق تعالیٰ نے فرمایا ہے و یجوز ان ان یصدق
بعالمہ یدفعوا (اور وہ چاہتے ہیں کہ ان کی تعریف کی جائے) ایسے کاموں میں جو
انہوں نے نہیں کئے، اس میں عوفیہ دیکھ لیں جو فرماتے ہیں کہ اہل طلبہ کو
چاہیے کہ حق تعالیٰ نے ان پر جس نعمت کو منظور کیا ہے اپنے دوستوں کے سامنے
بیان کر دیا کرے بشرطیکہ میں کوئی الجھن نہ ہو کیونکہ اس سے اہل طریق کا ایمان
قوی ہوتا ہے اور ایمان کی زیادتی سے اللہ تعالیٰ کا قرب جڑتا ہے نیز اس سے
ان کو نفس کے مقابلہ میں مدد ملتی ہے۔ خصوصاً اس زمانہ میں جبکہ اس طریق میں
صدق (دعویٰ) سے کلام کہنے والے کم ہو گئے۔ یہاں تک کہ بعض لوگ تو یہی سمجھ
بیٹھے کہ یہ (طریقہ تعویض) ایسی چیز ہے جس کا بہتر لیٹ دیا گیا ہے اب دنیا میں
نہ کہیں طریق کا وجود ہے (دہلی طریق کا) تو یہ خیال ان کو زرقی سے ہمت پست

کس نے کاسب ہو جاتا ہے اب اگر شائع طریق حق تعالیٰ کی اُن نعمتوں کو بیان کرتے ہیں گے جو اللہ تعالیٰ نے اُن پر مشورج کی ہیں تو اس سے سننے والوں کی ہمت بلند ہوگی وہ کہیں گے کہ اب یہی وہ حالت و مقامات حاصل ہو سکتے ہیں جو پہلے زمانے میں حاصل ہوتے تھے۔ مجھ سے ایک شخص نے جس کو طریق سے وابستگی تھی پھر کل میں سسٹ پڑ گیا۔ پھر اپنے زمانے میں ایک بزرگ کو دیکھا جس کے اندر اندر محلات مٹوینا و کا کچھ حصہ موجود تھا تو بارہ مجاہدہ اور خدمت میں مشغول ہو گیا اور تھوڑے ہی دنوں میں سکھو کا سب سے بزرگ ہو گیا۔ بیان کیا کہ واللہ میں کم کم کر کتا ہوں کہ میری سسٹ اور کاہلی کاسب مرث سے ہوگا کہ میں نے اپنے اندر کوئی بات نہ دیکھی اندر کی اپنے شخص سے ملاقات ہوئی میں میں وہ باتیں موجود ہوں جو صوفیہ کی کتابوں میں لکھی ہیں۔ میں نے کہا کہ اب اس طریق کا بستر پیٹ دیا گیا ہے تو میں نے کہیں خواہ مخواہ مہر مارا۔ پھر جب میں نے فلاں شخص میں کچھ وہ باتیں دیکھیں جو قوم کی کتابوں میں لکھی ہیں تو مجھے یقین ہو گیا کہ طریق تو باقی ہے لیکن سالک کم ہو گئے ہیں۔ اب میں پھر خدمت اور مجاہدہ میں لگ گیا جس کے بعد میری یہ حالت ہو گئی تو اب دیکھ رہے ہیں کہ کچھ اللہ تعالیٰ تعالیٰ سے کامیاب ہو گیا ہوں۔ تو فتوحات الہیہ کے بیان کرنے میں یہ فائدہ ہے کہ جو لوگ طریق کو دشوار اور محسوس سمجھ بیٹھے ہیں اُن کی ہمتیں بلند ہو جائیں گی اسی کے بارے میں کہا گیا ہے کہ جب تو اپنے حال میں پہنچا ہو تو تیرا بولن اور دیکھنا دہنا دیکھنے والوں کے حق میں فلاح ہی فلاح ہے۔ **وقل وہدیه ولیل حلق التحدیث بیہا فتم اللہ** بد علی العبد اقل قول لمن مکالم فلاح۔

فت۔ کتب صوفیہ میں بزرگوں کی کرامات و تصرفات اور کشیدت و حالات و کیفیات کا ذکر ہوتا ہے تو اُن کو دیکھ کر بعض لوگ اُن کی تحصیل کے طالب ہو جاتے ہیں اور جب حاصل نہیں ہوتیں تو مایوس اور بد دل ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ یہ امور اختیار سے باہر ہیں اور امور غیر اختیارید کے درپے ہونا پریشانی میں پڑنا ہے اور بعض

کتابوں میں مقامات و اطلاق تہیدہ کی تعریف ایسی تدقیق اور کاوش سے کی گئی ہے جسے دیکھ کر بہت لوگ یہ سمجھ جاتے ہیں کہ ان مقامات و اطلاق کا حاصل ہو جانا آج کل محال نہیں تو دشوار ضرور ہے۔ حالانکہ اُن کی تحصیل دشوار نہیں۔ دشواری محض مصنفین کے بیان میں ہے کیونکہ اطلاق تہیدہ کی تحصیل اور اطلاق رذیلہ کی اصلاح شرفاً مایوس ہے اور شریعت نے وسعت و طاقت سے زیادہ کامکلف نہیں کیا۔ **لا یکلّم اللہ نفساً الاّ دسعا و ما جعل حدیك حلف الدین من اخرجہ منہ** مرآۃ خال ہے۔

پس تصوف کا حاصل یہ ہے کہ امور اختیارید میں کوتاہی نہ کرے اور غیر اختیارید کے درپے نہ ہو۔ پھر اُس میں کچھ بھی دشواری نہیں۔ البتہ امور اختیارید میں غلو و صدق حاصل کرنے اور شائبہ نفس سے بچنے کے لیے کسی شیخ سے رجوع کی ضرورت ہے جس کی محبت اور تعلیم کی برکت سے قلب میں غلو و صدق جلد پیدا ہو جائے اور نفس کے مکائد پر نظر ہو جاتی ہے۔ یہ بات خود کتاب میں دیکھ کر جلدی حاصل نہیں ہو سکتی اس کی بالکل ہی مثال ہے جیسے کوئی مریض اپنے مرض کا علاج کتا ہے دیکھ کر کہہ کرے تو دیر میں شفاء ہوگی اور کتا ہے شفاء نہ ہو بلکہ بڑھ جائے اور کسی طبیب ملحق کے حوالے پہنچے کہ کوئی دوا شفا ہو جاتی ہے اسی طرح اسرار قلب سے شفا طبیب دوائی کے ذریعے جلدی حاصل ہوتی ہے۔ اس کے بعد نسبت باطن کے حصول کا درجہ ہے وہ تو کتابوں سے حاصل ہو ہی نہیں سکتی یہ دولت مشائخ طریق کی محبت ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ خوب سمجھ لو اور کچھ اللہ ہر زمانہ میں ایسے شائخ موجود رہتے ہیں جن کے وسیلے سے یہ دولت طالبین کو حاصل ہوتی رہتی ہے طلب اور تحقیق شرط ہے بدون تحقیق کے ہر کس و ناکس کے ہاتھ میں ہاتھ نہ دینا چاہیے۔

اسے بسا ایس آدمی دوسے بہت پسند دیتے نہ بدیداد دوست



اور جاکے آئندے کا حکم دیا اور کفارہ کا حکم نہیں دیا۔ کیونکہ اس کو یہ مسئلہ معلوم نہ تھا کہ احرام کی حالت میں خوشبو لگانا اور عبا پہننا منع ہے۔ جمہور کی طرف سے جواب گشت فقر میں مذکور ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔

(۲۱۲) تا اہل کو محض کتاب دیکھ کر فتویٰ دینا یا باطنی اصلاح کرنا جائز نہیں

یہاں سے معلوم ہوا کہ کتابوں میں کوئی روایت نہ دیکھ کر فتویٰ دینا پھر شخص کو جائز نہیں یہ کام اسی لوگوں کا ہے جو اس کے اہل ہیں اور فیصل شدہ بات کے جیسے دے اور مدلول کلام کے سمجھنے والے ہیں۔ اسی مسئلہ کو دیکھو اگر کوئی ناواقف آدمی عطا کا یہ قول دیکھے وہ تو اسی پر عمل کرنے لگے گا اور سمجھے گا کہ سب علماء کا یہی قول ہے دیکھو کہ یہاں کسی کا ظاہر مذکور نہیں ہے امام پر یہ صورت بات لگانے کا مجرم ہوگا اور وہ صرف کوئی دھوکہ میں نہ لے گا۔ چنانچہ ایک عالم کے متعلق جو مذہب مالک پر فتویٰ دیتے تھے ایک جماعت نے تجھ سے بیان کیا کہ وہ عطا کے قول پر فتویٰ دیتے (اور اسی کو مالک کا مذہب سمجھتے) ہیں حالانکہ مالک کا مذہب اہم اور پرستار ہے۔ یہی اگر وہ کسی جزو میں بھی عطا کے موافق نہیں نہ زبان میں نہ عمل میں) ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ہم کو معرفت علم کا صحیح راستہ دکھائیں اور اس پر اپنی رضا کے لیے عمل کی توفیق دیں۔ قولہ و یرقی علیہ من اللہ اللہ لا یجوز لہ ان یمزج ما بینہما بوجہ ان التعلیل فی قولہ اللہ سبحانہ

ف۔ ہر شخص کو یہ مسئلہ تصون کے مسائل سے نہیں ملے گی کی ضرورت عطا اور صفیاء اور دونوں کو ہے۔ ایک ہی عرض عام ہے کہ کتابیں اور ترجمے دیکھ کر حکم شرعی یا باطنی بیان کرنے لگتے ہیں۔ اور سنی قوم میں یہی عمل ہوتا ہے۔ حالانکہ کتابیں اور ترجمے دیکھنے سے علم حاصل نہیں ہوتا بلکہ پڑھنے پڑھانے اور علماء کے پاس حدیث سے رہنے سے حاصل ہوتا ہے۔

نہایتے بعباب نظر سے گو ہر خود را
چینی تو اس پشت بہند بن فرسے چند

حدیث

لبس المعرم المخیط

بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ عطا رحمہ اللہ نے فرمایا اگر کوئی (معرم حالت احرام میں) بیوی کو یا عورت سے خوشبو لگائے یا (بلا چوہا) کپڑا پہنے لے تو اس پر کفارہ نہیں۔

یہ عطا کا مذہب ہے۔ متفق علیہ نہیں۔ نیاں میں تو ایسا ہی شخصی ہی ان کے تصریح موافق ہیں اور ایام مالک کے نزدیک یہ بیان بھی ایک کفارہ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جس طرح نماز میں مسو سے مسجد معمول لازم ہے اور اس سے نقصان کا جبر ہو جاتا ہے اسی طرح احرام میں مسو و نیاں مسافرت میں بلکہ ہجر نقصان کے لیے کفارہ لازم ہے اور یہاں مسو و عہد و لوگوں میں کفارہ ہے۔ نماز میں صرف مسو سے مسجد معمول لازم ہوتا ہے عہد نہیں۔ باقی عمل کی ضرورت میں جہاں تک مجھے معلوم ہے کسی عالم نے عطا کی موافقت نہیں کی بلکہ بعض قرآنی حاسنہ اہل الذکر ان تحتہ لایطہون را کرتے ہیں جانتے تو جانتے والوں سے تو چوہا کہ ان کا ذکر رہا ہے۔ قرآن نے کسی کو عمل کی وجہ سے سفور نہیں قرار دیا اور اگر عمل عذر ہو جائے تو اس کا دبر علم سے بڑھ جائے گا جس کا کوئی بھی قائل نہیں۔ (بخاری ماحالہ اشراج فی شہرہ اس مسئلہ میں امام مالک کی دلیل ایک حدیث ہے کہ ایک شخص حالت احرام میں خوشبو لگائے عبا پہنے ہوئے مسجد کے سامنے آیا تو آیت نے اس کو خوشبو کے دھونے

حدیث

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے اور سب جاننے والے کا حکم دیا تو بنو نضله سے فرمایا اسے بنی بنجد (اس زمین کی قیمت کا معاملہ کرلو۔ انہوں نے کہا ہم اس کی قیمت اللہ تعالیٰ کے دیوانے سے نہیں لیں چاہتے تو آپ نے مشرکین کی قبروں کے مٹا دینے کا حکم دیا اور خراب زمین کو برابر کر دیا گیا اور کھجوروں کو کاٹ دیا گیا۔ پھر ان کو مسجد کے قبلہ کی دیوار میں آویسے رکھ دیا گیا۔

حدیث کا ظاہر قریب ہے کہ مسجد مدینہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منکسے شرح بنی النخعی ہے جبکہ آپ نے (مکہ) مدینہ کو ہجرت فرمائی اس میں چند چور سے کلام (کی ضرورت) ہے۔

(۷۱۳) ہدیہ قبول کرنے میں غلوں پر نظر کرنا ضروری ہے خصوصاً یہاں سے اگر کسی چیز کے متعلق اس کے مالک سے یہ درخواست کرنا کہ اس کو ہلاک یا تخریب دو جائز ہے۔ اگرچہ اس نے پہلے سے بیچنے کا خیال ظاہر نہ کیا ہو۔ دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے بنو نضله سے اس زمین کی قیمت لے لو۔ حالانکہ لوگوں نے اس زمین کو بیچنے کے لیے پیش نہیں کیا تھا۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ شخص

کسی صنعت یا پیشہ سے مشہور ہو چکا ہو یا اس کا خاندان مشہور ہو چکا ہو اس کو اس پیشہ کی طرف نسبت کرنا جائز ہے (مشرکین اس کو ناگوار نہ ہو) اور یہ ان القاب میں داخل ہیں جس سے منع کیا گیا ہے۔ دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یا بنی النضله (اے بنو نضله کی اولاد) یہ صنعت ان کے آباء و اجداد میں کسی نے اختیار کی تھی اس سے خاندان مشہور ہو گیا۔ آپ نے اسی مشہور نسبت سے ان کو خطاب فرمایا (کیونکہ یہ نسبت ان کو ناگوار نہ تھی)۔

نیز یہاں سے معلوم ہوا کہ اگر کسی چیز کو خریدنے کا ارادہ کیا گیا ہو پھر مالک اس کو ہدیہ کر دے تو اس کا قبول کرنا جائز ہے بشرطیکہ مالک پر ہاؤ ڈالنے کا قصد نہ کیا گیا ہو۔ دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کا ہدیہ قبول کر لیا حالانکہ پہلے آپ نے خریدنے کا قصد کیا تھا اور اس بات کی دلیل کہ مالک پر ہاؤ ڈالنے کا قصد نہ ہو۔ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا یہ فرمایا کہ مجھ سے اس زمین کی قیمت لے لو پھر چار دلی سے فرمایا تھا کہ کسی بیعت کے ہوا کچھ نہیں کہہ سکتے۔ وہ دیکھ لیا کہ کرتے ہیں اسی بات مہماں کہہ سکتے ہیں (ان کی مراد وہی ہوتی ہے جو الفاظ کا حقیقی مدلول ہے) جس کے دل میں اس کے خلاف کا دوسرا بھی ہو وہ بھی کی تحقیق کرتا ہے جو ہرگز جائز نہیں اور اگر زبان سے صحت ظہور اس کو ظاہر کرے گا قاتل کیا جائے گا۔

یہاں یہاں پر ایک مسئلہ قابل غور ہے وہ یہ کہ ہدیہ کرنے والے کے غلوں کی تصدیق ضمنی دعوے سے دیکھ جائے گی جب تک غلوں پر قرینہ قائم نہ ہو جو اس کو واضح کر دے جیسا ان معامیہ کا قول ہے لا نطلب ثمنہ الا ان اللہ ہم اس کی قیمت پس اللہ ہی سے طلب کرتے ہیں۔ اور ان کے اس قول سے یہ لازم نہیں آیا کہ وہ ہدیہ نہیں کر سکتے بلکہ صدقہ کر سکتے ہیں۔ کیونکہ صدقہ کرنے والے کی طرح ہدیہ کرنے والا بھی ثواب کا مستحق ہوتا ہے جبکہ اللہ کو اسحق کرنے کے لیے ہدیہ کو سے۔ صدقہ اور ہدیہ میں صرف اتنا فرق ہے کہ صدقہ تو صرف اللہ ہی

ف - ہدیہ میں غلوں اور محبت کی تحقیق ضروری ہے۔ ہر ہدیہ کو بلا تحقیق قبول نہ کرنا چاہیئے۔ ورنہ لوگ عریض اور دنیا دار مشرک گردیں گے جس سے فیض عام میں کمی ہو جائے گی اور اپنا نفس بھی عریض ہو جائے گا۔ اگر کوئی اور ضرورت تحقیق کی نہ ہو تو اپنے قلب سے رجوع کرنا چاہیئے۔ جس ہدیہ کو دل قبول کرے لے لیا جائے ورنہ رو کر دیا جائے۔

تحقیق غلوں کی ایک صورت وہ بھی ہے جو یہاں ایک بزرگ سے منقول ہے مگر یہ اس زمانے میں مفید بھی ثابت ہوئے تھے ورنہ کتنے تھے وہ قسم دینے کے بعد جھوٹ نہیں بولتے تھے۔ دعائے کہہ دیتے تھے کہ حضرت واقعی میرے ہدیہ کا قبول کرنا آپ کے حق میں اچھا نہیں۔ ابکل ایسے تھے مرید کہاں؟

یہاں اس پر بھی اشارہ ہے کہ جو شخص (۲۱۴) سعید اناری کو قندہ مفر نہیں ازل میں سعید ہو چکا ہے اس کو ان قندوں سے کچھ مفر نہیں ہوتا جو اس پر گردش دیتے ہیں۔ دیکھو اس قطعہ زمین کے لیے (جس میں مسجد نبویؐ بنائی گئی) یہ سعادت علمی مقدر ہو چکی تھی کہ رسول اللہ ﷺ صلی علیہ وسلم کی مسجد بنائی جائے گی اسی میں آپ کا نزول ہو گا اسی میں آپ کی قبر شریف ہوگی تو اس کو مشرکین کے قبضہ میں نہ بنے اور ان کی غفاب شرع حرکات کا مورد بنے اور ان کی قبر گاہ ہونے سے کچھ مفر نہیں پہنچا داسی لیے کہا گیا ہے) جب انجام اچھا ہو جائے تو ہر بڑائی مائی نہ بنتی ہے اور اگر انجام بُرا ہو تو ہر اچھی حالت بدل مائی ہے۔ - قولہ وھنا اشارة الی قولہ کل عول۔

ف - یہی وہ منزل ہے جس سے ہر عارف کھڑا نہ ترسا ہے سب کو عاقبت حسنی کی طلب ہے اور اس سے پہلے وہ اپنی کچھ حالت سے مطمئن نہیں ہوتے اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں حسن ختام اور عاقبت حسنی سے سرفراز فرمائیں۔ آمین!

(۲۱۵) ہر کام اپنی وسعت کے موافق کرنا چاہیئے عمل کی خوبی یہ ہے کہ

کے لیے ہوتا ہے بشرطیکہ دیا کو دخل نہ ہو اور ہدیہ کی بہت محدثیں ہیں جن کو کتب فقہ میں بیان کیا گیا ہے جن میں سے ایک قسم یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہوا میں ہدیہ والے کو بھی صدقہ والے کی طرح ثواب ملتا ہے اگرچہ ہدیہ کرنے والے نے ان صورتیں صحابہ کی طرح صاف صاف نہ کہا ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کے واسطے ہدیہ کرتا ہوں بلکہ اور کوئی قرینہ اس کے خاتم مقام ہو۔

بعض مؤلفین سے منقول ہے کہ جب ان کے پاس کوئی ہدیہ آتا اور ان کو کسی قرینہ سے معلوم نہ ہوتا کہ یہ کس قسم کا ہدیہ ہے تو وہ ہدیہ کرنے والے سے فرماتے ہیں تم کو اللہ تعالیٰ کا واسطہ دیتا ہوں کہ پچ بنگلہ ڈھارسے نزدیک میرا اسس ہدیہ کو قبول کر لینا اچھا ہے یا نہ کہ دینا اچھا ہے؟ وہ قسم کھا کر جو صورت بیان کر دیتا اس کے موافق عمل کرتے تھے اور ان کے اس فعل کا شائبہ دعوے سے بچنا تھا اگرچہ وہ بڑے صاحب کشف بزرگ ہوتے تھے، لیکن محض اپنے کشف کی بنا پر کسی کا ہدیہ رد کر دیتے تھے تاکہ دعوے کی صورت نہ ہو جائے بلکہ ہدیہ دینے والے کی قسم پر عمل کر دیتے تھے۔

قولہ منہاجنا طلب الاشیاء للبیہم الی قولہ وان کان علی مادوی حنہ من اهل الکشف والاطلاح۔

ف - رسول اللہ ﷺ صلی علیہ وسلم نے حضرت صحابہ کو سب سے تعلق کر دیا تھا جیسا واقعات صحابہ سے واضح اور روشن ہے۔ اس لیے آپ کسی چیز کو خود نہ چاہتے اور صحابہ اس کو ہدیہ کر دیتے تو اس میں خلافت غلوں کا شائبہ نہ ہوتا تھا۔ مگر آج کل مشائخ نے اپنے مریدوں کو سب سے تعلق نہیں بنایا وہ اگر کسی مرید سے یہ کہیں گے کہ اچھا فلاں چیز تمہارے ہاتھ میں ہے کہ دو اور وہ کہہ دے کہ نہیں حضور نبیؐ اس کو ہدیہ نہ کرنا ہوا تو وہ محض شرماتری ایسا کہتا ہے دل سے نہیں کہتا۔ اللہ ماشاء اللہ! پس ان کو اس حدیث پر عمل اسی وقت جائز ہے جبکہ مریدوں کو اپنے سے ولایت بھی ملے بنادوبی جیسا حضورؐ نے صحابہ کو بنادیا تھا۔

زہد اختیار کرے اور اپنی تمام ملکات کو حیرات کرنے کا ارادہ کرے تو جو چیزیں دین کے لیے ضروری ہیں وہ اس سے مستثنیٰ ہوں گی ان کو ملک سے نکالنا جائز نہ ہوگا۔ بلکہ قدر ضرورت کا رکھنا واجب ہے جیسے وغو کا برتن اور بدن چھپانے کے لیے کپڑا اور جائز وغیرہ۔ کیونکہ جن چیزوں کے نکال دینے سے دین کا کوئی کام دشوار ہو جائے ان کو ملک سے نکالنا جائز نہیں۔ دین تمام چیزوں میں اہم اور اقدم ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے تم دین کی فکر رکھو اور اُس کے سوا کسی چیز کی پرواہ نہ کرو کیونکہ انسان کی عزت دین ہی سے ہے اور کسی چیز سے نہیں۔

قوله وحیہ دلیل حلف انما احدہ عاقل المرأ المنظر فی امر دینہ الی قوله لا یما سوا ۛ

فت۔ شاید کسی کو شبہ ہو کہ آج کل تو دین سے عزت نہیں بلکہ دنیا میں مال سے عزت ہے جواب یہ ہے کہ اب بھی دین ہی سے عزت ہے بشرطیکہ دین ہو محض دین کی صورت نہ ہو۔ دین اخلاص کا نام ہے اہل اخلاص کی اب بھی عزت ہے اور ہر زمانہ میں رہے گی اور جن اہل دین کو تم ذلیل نہ سمجھتے ہو ان میں دین کی صورت ہی صحت ہے۔ اور وہ بھی ناقص۔ اگر ان میں حقیقی دین ہوتا ہرگز ذلیل نہ ہوتے۔ واللہ اعلم بقہ ولرسوله وللعلمین۔ ولكن المتأفین لا یعلمون۔



انسان اپنے ہر کام میں درست کے موافق عمل کرے اگر غلطی ہو تو خدا کے موافق عمل کرے۔ ملکات ہو تو تنگہ سستی کے موافق عمل کرے۔ دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ساجدین اپنے دین اور مالی کو چھوڑ کر دین پیسنے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد بنانے کی ضرورت ہوئی تو آپ نے اس وقت کی حالت کے موافق کام کیا کہ مسجد کو کچی اینٹوں سے بنایا۔ پھر یہ بھوکے کٹھن لگائیں اور بھوکے کڑیوں سے سون کاٹ کر ان ہی کو دیوار بنی اور پرتے لگوا دیا جیسا قصص النفل قبلہ امیر سے ظاہر ہو رہا ہے۔ کچی اینٹوں یا کھد وغیرہ سے نہیں بنایا نہ کسی قسم کا تکلف کیا جو آپ پر یا دوسروں پر گرانی کا سبب ہوتا۔ سنت کا مستحکم اور کسب اور کتب اللہ بھی اسی کی تائید کرتی ہے لیکن ذمہ صحت معنی ہر شخص کو اپنی درست کے موافق خرچ کرنا چاہیے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے خرچ میں انسان دو اشیا اختیار کرنا زیادہ کماتے سے بہتر ہے۔ قوله دلیل علی ان صحت حسن التمرن الی قوله من الزادۃ فی القلب۔

فت۔ حضرات موفیاء کا یہ خاص مذاق ہے کہ ہر حالت میں بہت اور صحت کے موافق کام کرتے ہیں اُس سے زیادہ کا تکلف نہیں کرتے دنیا و آخرت دونوں کی راحت اُسی میں ہے۔ مالی زیادہ ہو اور خرچ بے تنکا ہو تو راحت میں مل کچھ تاخر خرچ انداز سے ہو اور مدنی قلیل ہو تو راحت ہی راحت ہے۔ اہل عسکر کی حالت کا شاہدہ اس کی دلیل ہے کہ ان کے برابر دنیا کی راحت بھی کسی کو نہیں۔

(۲۱۶) انسان کو دین کا اہتمام زیادہ ہونا چاہیے یہاں سے علم ہوا اہتمام اپنے دین کا ہونا چاہیے۔ دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ بچ کر سب سے پہلے جس چیز پر نظر کی وہ مسجد تھی کہ اپنے مکانات بنانے سے پہلے آپ کو مسجد بنانے کا فکر ہوا (جو آخرت کا کام تھا) اور دینی ضرورت تھی۔ یہاں سے ان فقرہ کے قول کی دلیل بھی معلوم ہوگئی جو فرماتے ہیں کہ جب مردوش

باب ہشت دہم

حدیث

خروج الدجال و فتنہ

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دجال دین کے ایک سنگستان میں (مدینہ سے باہر) پڑاؤ کرے گا۔ اس وقت اُس کے پاس ایک شخص جو سب آدمیوں سے اچھا ہو گا یا فرمایا اچھے لوگوں میں سے ہو جائے گا اور (اس کے منہ پر) کئے گا نہیں کو آہی دیتا ہوں کہ تو دبی دجال ہے جس کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو دی تھی۔ دجال (لوگوں سے) کہے گا بھاؤ اگر میں اس کو مار دوں اور میرا زندہ کر دوں کیا اس کے بعد بھی تم میرے سامنے میں شک کرو گے۔ سب کہیں گے نہیں چنانچہ وہ اس کو قتل کر دے گا۔ پھر زندہ بھی کر دے گا۔ تو وہ شخص زندہ ہو کر کہے گا بھڑا کج سے پہلے مجھے تیرے سامنے میں اس قدر بصیرت نہ تھی جتنی اب ہے (میں پہلے سے زیادہ وثوق کے ساتھ کج پھر کہتا ہوں کہ تو کذاب ہے) دجال کے گا اچھا میں اس کو پھر قتل کرتا ہوں مگر اب میں کو اس شخص کے قتل پر مدترس نہ ہوگی۔

حدیث کا ظاہر ہر مضمون و دو باتیں ہیں ایک یہ کہ دجال کو جو غرق عادات و عطا شمع کے لئے گئے ہیں وہ خود اُس کے دعوے کی تکذیب کرتے ہیں۔ کیونکہ اُس کے غرق عادات اُس کے دعوے کو ٹوٹا کر سننے سے قاصر ہوں گے (چنانچہ وہ اس شخص کے دوبارہ قتل کرنے کا دعوے کرے گا مگر اُس پر مدترس نہ ہوگی اپنا

منہ لے کر رہ جائے گا) دوسرے اس شخص کی قوت ایمان معلوم ہو گئی جو دجال کے پاس جائے گا اور اُس کے منہ پر تکذیب کرے گا۔ دجال کا آنا بڑا فتنہ ہے کچھ غم نہ دے سکے گا۔ اس حدیث کے معانی پر چند رجوعے لکھ رہے ہیں۔

(۲۱۷) خرق عادت کی تقسیم اور معجزہ و کرامت اور شعبہ و محرمین فرق

حضرات علماء نے فرمایا ہے کہ غرق عادت کی چار قسمیں ہیں: ایک قسم وہ ہے جو دھوئے نبوت کی بچائی پر دلالت کرے۔ اس کا تو بستر ایٹ دیا گیا اب ایسی غرق عادت ظاہر نہیں ہو سکتی جو صدق نبوت پر دلالت کرے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں، مگر ہم اس کو ضمن معرفت کی غرض سے بیان کرتے ہیں کیونکہ اس کا علم بھی دین ہے۔ ایک قسم وہ ہے جو ولایت پھلکس کے تحقق پر دلالت کرے۔ ایک وہ قسم ہے جو ضمنی مجاہدات و ریاضات کا ثمرہ ہے اگرچہ مجاہدہ کرنے والا ناصحت اور کافر ہی ہو۔ اس قسم سے بہت لوگ بوجہ جہالت کے فتنہ میں پڑ جاتے ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جس کو سبیا کہتے ہیں جس کی حقیقت یہ ہے کہ بعض ارواح کو بھلیا جاتا ہے اور بعض ستاروں کو سڑکا جاتا ہے اس سے بہت لوگ گمراہ ہو جاتے ہیں (وہ ایسے لوگوں کو جبرگ سمجھنے لگتے ہیں حالانکہ اس کو نذرگی سے دور کا بھی واسطہ نہیں)۔

ان میں سے ہر قسم کی ایک علامت ہے جس سے پہچاننے والا پہچان لیتا ہے۔ مگر وہی پہچانا ہے جس کے دل میں تصور ایمان ہے اور ان اقسام کو جاننا ہے۔ چنانچہ پہلی قسم کی نبوت پر دلالت کرنے والی ہے علامت یہ ہے کہ اُس کے ساتھ قدی بھی جوتی ہے یعنی غرق عادت ظاہر کرنے والا یہ وثوق کرتا ہے کہ میں نبی ہوں اور میری نبوت کی دلیل یہ ہے کہ میں ایسا ایسا کر سکتا ہوں جو دوسرے کو نہیں کر سکتا اگر کسی کو نبوت میں شک ہو تو میرا عقاب کر کے دکھائے اس کے بعد جب اُس نے دھوئے کیا تھا اُس کے مطابق تصور ہو جائے (اور کوئی اُس کا مقابلہ نہ کر سکے) مگر

کے لیے) ان حاجوں کو ستر میں پھینک دینا چاہیے۔ گیہوں کو بچا لینا چاہیے کہ اس کا ہم سے مطالبہ ہوگا۔ یہ بات ابن بزرگ کے کہان میں پہلی جب آپ نے دیکھا کہ ان لوگوں نے یہ بیان نہ کر لیا ہے تو حجاز والوں سے فرمایا کہ تم (جماؤ کو ہٹا کر کے لیے) گیہوں پھینک دو۔ اس (کے پھینک کر کے) کا میں دوزخدار ہوں چنانچہ انہوں نے جتنی مقدار کم کرنا چاہی ستر میں پھینک دی جس کو اللہ جی جانتا ہے۔ پھر ستر کو سکون ہو گیا اور منزل مقصود پر سلامتی سے پہنچ گئے تو اب ابن بزرگ سے گیہوں کا مطالبہ کیا فرمایا وہ شہادت نکالو جس میں گیہوں کی مقدار لکھی ہو تو یہ اس کے بعد بقیہ گیہوں کو یہ یاد سے ناپ رہتا تھا کہ جو اس کا میں عناصر ہوں چنانچہ پناہ سے فلانا پا گیا تو اس مقدار سے زیادہ ناپ رہتا تھا جو شہادت میں لکھی ہوئی تھی اور بزرگ کو چھوڑ دیا گیا۔

اس وقت انہوں نے اپنے دوستوں سے فرمایا کہ واللہ میں نے یہ کرامت محض ضرورت کی وجہ سے ظاہر کی ہے کہ کشتیاں ان کی جان کا بچاؤ لازم تھا تو ایسی ضرورت میں ولی کو کرامت کا دعویٰ بمانز ہے) اور اگر کوئی شخص ان ضرورت کے کرامت کا دعوے کرے وہ اہل طریق کے نزدیک اولیا دین سے نہیں بلکہ ان لوگوں میں سے ہے جن کے متعلق ارشاد ہے مستند جمعہ من حیث لایظہرون۔ ہم ان کو اس طرح آہستہ آہستہ پکڑتے ہیں کہ ان کو معلوم بھی نہیں ہوتا کہ دیکر کرامت پھلنے والے لطف میں بلکہ قہر ہے اسی کا نام استدراغ ہے) اللہ تعالیٰ کے بیان ان کا حقہ بھی ہے (کہ چند کرامات کا ان سے غور ہو گیا) حضرات موصوفائے تعریف کی ہے کہ جو شخص اس لیے پناہ دے کرے کہ اس سے کرامت ظاہر ہوں یا اس کی دعا قبول ہونے لگے یا دنیا میں اسی کا درجہ بلند ہو جائے بزرگ مشہور ہو جائے تو یہ ان لوگوں میں سے ہے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت ایک کدہ پر کھڑے ہونے لگتے ہیں (ان کو ہارنگ رمانی نہیں ہوتی۔

اور تیسری قسم جو عبادت کی وجہ سے ہو کہ وہ عبادت و ریاضات سے بھی

اب کسی کو اس قسم کا دعوے کرنے کی گنجائش نہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لاناہی بعدی (کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں) اور یہ حدیث قوت سے ثابت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سچائی ہونا دلائل عقل و فہم سے ثابت ہو چکا ہے تو صفحہ کے بعد جو کوئی بھی دعوے نبوت کرے یہ یقیناً جھوٹا ہے اور اس دعوے کے بعد اس کے ہاتھ سے کوئی فنی عادت ظاہر نہیں ہو سکتی بلکہ جن چیزوں کو وہ فرق عادت قرار دے گا اسی سے ان کا جھوٹا ہونا ثابت ہو جائے گا (جیسا جناب میں ایک مدعی نبوت اسی قریب زمانہ میں ہوا تھا اور اس نے اپنی پیشین گویاں سچا ہونے کو معجزہ قرار دیا تھا مگر دنیا جانتی ہے کہ اس کی حد پیشین گوئیوں غلط ہوئیں اور جن لوگوں نے اس کے مقابلے میں پیشین گوئیاں کیں ان کی اکثریاں سچ ہوئیں)۔

دوسری قسم جو حدیث ولایت پر دلالت کرتی ہے وہ ولی کے ہاتھوں مدون تعدی اور دعویٰ کے ظاہر ہوتی ہے اس کی شریایہ سب سے اس شخص کی حالت ثنوت کے موافق ہو اتباع سنت کا ہتمام کرنا ہو کیونکہ حق تعالیٰ کسی بدعت کو ولی نہیں بناتے چنانچہ ارشاد ہے قل ان کنتم تحبون الله فاتبعونی یہی سبب اللہ۔ فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو واللہ تعالیٰ تم سے محبت کریں گے اور اگر ولی کسی وقت بوجہ ضرورت کے کرامت کا دعوے کرے جب و پندار شامل نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے دعویٰ کو پورا کر دیتے ہیں کیونکہ ولی کی کرامت تصدیق نبوت کی برکت ہے۔ جو کرامت کسی بھی ولی سے ظاہر ہوتی ہے وہ اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے کیونکہ یہ غیر اس کو حدیث اتباع سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ اس کی مثال میں ایک واقعہ کا ذکر کرنا سبب ہے کہ ایک بزرگ (یعنی اللہ سے) سمندر (میں جہاز) پر سوار ہوئے ان کے ساتھ اور بھی حاجی سوار ہو گئے اس جہاز میں بادشاہ کا گیسوں بھرا ہوا تھا ایک سمندر میں طوفان اٹھ گیا جہاز والوں نے باہم مشورہ کیا کہ غلطی تو شہادت کے درجہ ناپ تولی کر رہ گیا ہے اور یہ حاجی اپنے اختیار سے سوار ہو گئے ہیں ہمارے اوپر ان کی ذمہ داری نہیں تو جہاز کو ہٹا کر

خوارق عادت کا ظہور ہونے لگا ہے۔ مگر وہ نافذ نہیں ہوئیں (یعنی ان کا اثر کمزور
دلی کی طرح کامل نہیں ہوتا) اُن سے اس شخص کی وہ عظمت و صولت ظاہر نہیں ہوتی
جو کرامت دلی میں ہوتی ہے) اور نہ اُن کا کشف نگاہ کی مسافت سے آگے بڑھتا
ہے یہ قسم کا فردوں میں پائی جاتی ہے کیونکہ یہ تو محض مجاہدہ کا اثر ہے۔
نفس مجاہدہ دریا بہت سے بھی باطن منور ہو جاتا اور قلب صاف شفاف آئینہ کی
طرح ہو جاتا ہے جس میں ہر چیز منقش ہو جاتی ہے جو اُس کے سامنے آجائے اور
بھاسنے مٹانے وہ منقش نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ ایک بڑے بزرگ کا واقعہ ہے کہ
وہ سفر میں ایک گرجا پر گزرتے جہاں بہت سے ماہب رہتے تھے۔ انہوں نے
اُن کے مجاہدات کو دیکھا تو دل میں خیال آیا کہ یہ لوگ خوب مجاہدہ کرتے ہیں یہ خیال
آتا تھا کہ ماہبوں نے فخرِ خادم سے کہا کہ آپ کی خاطر کچھ اور بھی طریقہ بیزبانی کرو اور
عبادتِ خدا میں جہاں بہت رکھے ہوئے ہیں ٹھہراؤ۔

اُس نے ان بزرگ کو بہت غامض میں پہنچایا تو دل میں ان لوگوں کی حماقت اور
نادانی کا خیال آیا کہ سارے مجاہدے ان جنوں کی پرستش کے واسطے کر رہے ہیں۔
یہ خیال آتا تھا کہ وہ فقیر سب راہب چلائے اس کو نکال دو اور ہر کرو و بیان بہت
ٹھہراؤ۔ بزرگ کو بڑی ہمت ہوئی کہ یہ لوگ اتنی جلدی دل کی غفرو پر غلط ہو گئے
مگر ان لوگوں کا مکاشفہ نگاہ کی مسافت سے آگے نہیں بڑھتا اور اگر ایمان و اتباع
مست سے ساتھ مجاہدہ کیا جائے تو عرش اور عرش کے نیچے تک کا کشف ہونے
لگتا ہے (بیشک کشف سے منابت ہو کہ جو بعض علماء کو کشف سے منابت میں
ہوتی تو اُن کو اصل کشف نہیں ہوتا غراہ کہتے ہی مجاہدہ کریں۔ جیسے معنی لوگوں کو
خواب سے منابت نہیں ہوتی تو ہزار تہ پیروں سے بھی خوب نہیں آتا خوب کچھ
لوہ متع سلف مجاہدہ کرے تو ساری دنیا اُس کے نزدیک ایک قدم کے برابر
ہو جاتی ہے جس میں وہ جس طرح چاہے تعریف کر سکتا ہے جتنا بھی حق نہ کہے
اُس پر مدعا نہ کوئی دیں۔

چوتھی قسم جس کو سب سے کہتے ہیں جس میں ادوار کو ماحرک یا جانا یا بعض ستاروں کو
مسخر کیا جاتا ہے اُس کی بھی چند مثالیں ہیں۔ جو لوگ ستاروں کو مسخر کرتے ہیں ان میں
ہر ستارہ کی پرستش کرنے والے کی ایک علامت ہے جس سے اس کو پہچان سکتے ہیں۔
مثلاً جن جن ستارہ زحل کی پرستش کرتا ہے اُس کا لباس خراب گندہ ہوتا ہے۔
اُس کی زندگی اور نشست و برخاست بھی گندری ہوتی ہے؛ واقعہً آدمی اُس کی حالت
دیکھ کر کہتے ہیں کہ بڑے زہاد نہیں ہیں۔ وہ اُس سے نفور ہیں حالانکہ اس میں زہد
اور کمال داخل نہیں۔ یہ حالت صرف اُس ستارہ کی وجہ سے ہے جس کا وہ پرستش
کرتا ہے اور جب تک اُس کے مسجود کا دورہ نہ رہے گا جو ان کے خیال میں بہت سی سال
ہے اُس وقت تک اسی حالت پر رہے گا۔ اس میں کمی نہیں کر سکتا۔ اگر ایک ساعت
بھی اُس میں کمی کرے گا سارا دنیا کی باطل بر باد ہو جائے گا۔ اسی طرح ہر ستارہ کی
پرستش کا ایک نشان ہے مگر ستارہ زحل کا عبادان کے نزدیک سب سے زیادہ مخموس
حالت میں رہتا ہے۔ اور جو شخص ادوار کو ماحرک کرتا ہے اُس کا حال اس کے
برعکس ہوتا ہے اُس کا لباس بھی عمدہ صاف ستھرا ہوتا ہے اور ہر حالت میں انشراح و
انقباض سے رہتا ہے۔ اس کی نشست و برخاست بھی عمدہ عسے ہوتی ہے۔
مگر ہر حالت میں ان سب کا مقصد صرف نفس اور طلب جاہ اور دنیا فتنہ منہ اور
بدعت کا بکھار ہے جس کے ذریعے عوام کو اپنی طرف مائل کرے اور اس کو طریق
حکمت و معرفت اور ریاضت و مجاہدہ بتلائے ہیں حالانکہ یہ سب اس کے برعکس
طریق ظلمات و جہالت میں داخل ہیں۔ خلاصہً کو اس سے بچنا ہے۔

افزون میں فرق عادت کے ساتھ اتباع شریعت کی حکومت مدعو ہر صحت
سے نافذ نہیں ہوتی (صرف ایک جست سے نافذ ہوتی ہے) اور جب اُس کے
مقابلہ میں صاحبِ حقیقت آجائے تو اُس کے سامنے اُس کی کچھ نہیں بچتی۔ اُس
کا دل دشوار ہو جاتا ہے کہ چنانچہ جیسے صاحبِ حقیقت کی ایمانی قوت ہوگی
اسی قدر اُن کے خلاف قوت بھی۔ اسی لیے یہ لوگ غولنا جاہلوں سے

موس ہوتا ہے۔ انسان کرتا رہتا ہے ایسا رسانی کم کرتا ہے بلکہ میں کرتا ہر چیز اس سے
عزت کرتی ہے۔ حتیٰ کہ وہ زمین کی جہی پر چلتا ہے اور آسمان بھی جو اس پر سایہ کرتا
ہے۔ اسی طرح زمین و آسمان کی مخلوق سے بھی۔ آسمان والے اس کو زمین والوں سے
زیادہ بہانتے ہیں۔ وہاں یہاں سے زیادہ مشہور ہوتا ہے۔ غیبت مانی نہیں گئی۔ نہ
بڑی باتیں سنتا ہے۔ اس کو گنہگار کی محبت سے بھی تکلیف ہوتی ہے جیسے
خود اس نے گنہگار کیا ہے۔ نیک آدمیوں کی طاعت سے ایسی خوشی ہوتی ہے جیسا
کو اس کا ٹواہٹے گا۔ ظاہری صورت میں آدمی ہوتا ہے مگر باطن میں فرشتہ
نورانی مقدس ہوتا ہے۔

اس کے اوصاف کہاں تک بیان کئے جائیں اس کے لیے تو دفتر بھی کافی ہیں۔
اللہ تعالیٰ ہم کو بھی اپنے فضل و کرم سے وہ نعمتیں عطا فرمائیں جو اپنی رحمت سے ان
کو عطا فرمائی ہیں اور ان کے طہیل میں ہم بھی رحم فرمائیں۔ وعلیہ السلام علی محمد
نبیہ وعلیہ السلام۔

غرض جو کچھ اکثر لوگ اپنی طرف سے ذرا اذیت ہیں۔ جن غالب ہو رہا ہے اس لیے
میں سے بھی کوئی فرقی علت دیکھتے ہیں خواہ کسی قسم کی ہو اس کو بزرگ کئے گئے ہیں یا ان
مسندوں کے شاگرد کی باتیں سنتا ہے تو اپنی حقیقت پر بھی ضمن کرنے لگتا اور ان کی
کلمات کو بھی شہدہ اندر فریب کئے لگتا ہے اس طرح ان کی برکت سے محروم ہو جاتا
ہے کیونکہ یہ حال سے خالی نہیں مگر یہ امتیاس سے کمال ہے تو ان کی حالت کو محض کہے گا۔
ذکر معلوم یہ کہ امتیاس یہ بیان کو اپنی فاد میں داخل کرے گا۔ اس صورت میں
حوالہ کے ساتھ قرار بھی ہو گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کو اپنے دوستوں کے لیے بہت مغفرت آتی
ہے (وہ ان کے بُرا بھلا کئے والوں کو سخت سزا دیتے ہیں) چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے واسطے سے قتل کی کار شاد ہے من احسان طے و لیا فہد باردنی بالعبادۃ۔
جس نے میرے دل کی اعانت کی اس نے مجھے اعلا میں جگہ دی ہے۔ قولہ فاما غرقہ الخلفۃ
قد نکلتہا اعدا وادلیہ وحوئی اعدا وادلیہ قولہ فقد باردنی بالعبادۃ۔

زیادہ ملتے جلتے (اور ان ہی کو اپنے مال میں چانتے ہیں) اپنی علم و اپنی صلاح سے
قد رہتے ہیں کیونکہ ان کے سامنے ان کا علم نہیں چلتا، اور میں شخص کو اپنا بیعت
کے ساتھ غرق عادت چلتا ہوتا ہے وہ شاہد حالت میں رہتا ہے کسی میل اور کسے
یا کسی مادی اور غیر مادی طاقت سے اس کو طوط نہیں کیا جاسکتا۔ اس کی حالت روز و
قرنی پذیر ہوتی ہے کشتی نہیں۔ تمام آدمی اور سارا عالم وجود اس کے غرق کی ایک حد پر
ہیں (وہ سب کو لٹائی اور ناقابل اعتبار رکھتا ہے کسی سے اللہ تعالیٰ کے جواہر ہوتا)
جس طرح چاہتا ہے میں چیز میں چاہتا ہے تعریف کرتا ہے مگر دھولے نہیں کرتا۔ مگر
کبھی دھولے کرتا ہے تو اپنی طاقت و وقت سے بیرونی ظاہر کے اللہ کی طاقت و وقت
پر مجبور کر کے دھولے کرتا ہے۔ اس کو سب سے زیادہ اپنے آپ پر اندیشہ ہوتا ہے
ذکر باد اور بار حق سے مراد وہ جو باطن میں ہیں جب اس کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف
سے بشارتیں آتی ہیں (اس وقت غرض ہوتا ہے) اس کی طاقت یہ ہے کہ سب سے
زیادہ متاثر ہوتا ہے اور سب سے زیادہ لوگوں کا قدر قبول کرتا ہے مگر جبکہ دین
کا معاملہ ہو تو اس وقت تو اس سے کام نہیں لیتا بلکہ سیاست سے کام لیتا ہے۔ مگر
دل میں اپنے کو دھروں سے گھبراتا رہتا ہے۔ تو ظاہر میں حکومت و سیاست کرتا نظر
آئے (وہ سب سے زیادہ مخلوق ظاہر شغف کرنے والا ہوتا ہے اپنے کو کھتر جانا
ہے۔ اس کے پاس جو غیر مجاہد ہے (خواہ کرامات ہیں یا کلمات) سب کو اللہ تعالیٰ
کی عطا اور احسان سمجھتا ہے اپنا کوئی استحقاق نہیں سمجھتا۔

لوگوں کو اپنا بیعت کی ترغیب دیتا ہے (اور خود بھی سنو کا احکام کرتا ہے)
خاکوش زیادہ رہتا ہے ضرورت کے وقت بولتا ہے۔ بہت ہوشیار ہوتا ہے لوگوں
سے علی نہیں رکھتا۔ آخرت کا خیال ہر وقت دل کے سامنے رہتا ہے۔ کسی چارہ کوئی
حق نہیں سمجھتا۔ دھروں کے حقوق اپنے ذمے بہت سمجھتا ہے ہلکے بھی اور پیچھے بھی
بشریک اہمیت یا ان موجود ہوں صفی ایمان کی وجہ سے وہ ہر شے مان کا اپنے ذمہ حق
سمجھتا ہے (مدح و ثناء سے بے جا گستاخ ہے) مغفرت کرتا ہے (تعمالی اور ضرورت سے

ای طرح حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب داندوری اور حضرت مولانا حکیم الامتہ متانوی کے سامنے بھی ہو گئے اور شیعہ باندوں کی کچھ نہیں ملتی تھی اور پھر ہر ایک انہیں ماننا پڑتا تھا کہ یہ لوگ اپنی حق ہیں ان کی باتوں میں خرافیت ہے۔ مجھ سے خود بعض ہندوؤں نے ان حضرات کے کمال کا تذکرہ کیا اور اسلام قبول کیا۔ بعد ازاں حضرت کے خدام میں اب بھی ایسے لوگ موجود ہیں جن کے سامنے اپنی بات کے تقریبات نہیں چل سکتے اور ان کو مغلوب ہر ایک اپنی حق کے کمال کا اعتراف کرتا پڑتا ہے کہ مذکورہ ہندو ریاضت کا اتنا اثر ضرور ہوتا ہے کہ وہ انصاف سے حکم لیتے ہیں محبت میں لوتے۔

۴۔ تیسرا سنت صاحب کرامت کی جو علامات یہاں بیان کی گئی ہیں الحمد للہ ہم نے اپنے اکابر میں ان کا تصور بدرجہ اتم پایا ہے۔ دنیا ان کے اتباع سنت و دین اور تقویٰ اور خشیت و شفقت علی الخلق سے واقف ہے۔ حضرت حکیم الامت قدس صرف کے دیکھنے والے ہندوؤں لاکھوں کو جو وہ ہیں وہ اس کی شہادت دیں گے۔ اس نسل میں ان اوصاف کمال کی جامع ہستی حضرت ہی کی ذات ہی نور انشراحہ۔

(۲۱۸) جس کا ایمان قوی ہوتا ہے وہ بدعات کا تحمل نہیں کر سکتا

یہاں سے معلوم ہوا کہ جس شخص کا ایمان قوی ہوتا ہے وہ بدعات کا تحمل نہیں کر سکتا۔ نہ نیکو نہ برکت کر سکتا ہے۔ دیکھو جن شخص جس کے لیے دہلی و مغل شاہیہ و مسلم نے بشریت ہونے کی شہادت دی ہے حالانکہ جانتا تھا کہ دجال دین کے اندر نہیں آ سکتا اور یہ بھی جانتا تھا کہ وہ تنہا اس کے مقابل کی طاقت نہیں رکھتا۔ پھر بھی قوت ایمان نے اس کو دجال کے پاس جاسنے اور اس کی چاہت میں موجودگی میں اس کو جھوٹا سمجھنے پر مجبور کیا۔ اگرچہ وہ یہ بھی نہ جانتا تھا کہ ایسا کرنے کے بعد جگہ آئے گا یا نہیں بوقت ایمان کا تقاضا یہی ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے حکم پر قائم رہے اگرچہ تنہا ہی رہ گیا ہو۔ جیسا کہ بکر صمدی نے دہلی و مغل شاہیہ و مسلم کی وفات کے بعد کیا۔ جبکہ بعض لوگوں نے نیکوئی دینے سے انکار کر دیا اور دھما بکی دھما لہانے یہ آئیں کہ

۴۔ یہ جو کہ ایک ہے کہ نفس مجاہدہ سے بھی باطن مغز ہو جاتا ہے اور قلب، مثل صفت شطارت آئینہ کے ہو جاتا ہے۔ یہاں حضرت شارح نے لفظ باطن اور قلب کو نفی صفت میں استعمال کیا ہے۔ وہ قلب اصطلاحی کو بدوہ ایمان کے نواسبت نصیب نہیں ہوتی۔ نفس مجاہدہ سے صرف لطیف نفس کی صفائی ہوجاتی ہے جو مادی ہے اور قلب و روح اور سر و دماغ و غیر مادی کو ظاہر ہیں بدوہ ایمان کے تحت نہیں ہو سکتے۔ حضرت مجدد الصفا ثانی رحمہ اللہ علیہ نے اپنے کتبوبات میں اس کی تصریح فرمائی ہے۔ یہ لفظ غیر مادی بدوہ معرفت حق کے منور نہیں ہوتے اور معرفت حق بدوہ اسلام کے نہیں ہو سکتی خوب سمجھ لو۔

۴۔ یہ جو کہ ایک ہے کہ اپنی حقیقت کے سامنے اپنی بات کی کچھ نہیں چلتا ہم نے اپنے اکابر میں اس کا مشاہدہ کیا ہے۔ ایک دفعہ سلطان اور اربوں میں مناظرہ تھا ہندوؤں کی طرف سے ایک جوان کی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا جس وقت مسلمانوں کی طرف سے مناظرہ کے لیے کوئی عالم کھڑا ہوتا وہ جوانی سر فٹکھٹا اور مسلمان عالم کی تقریر کو زور ہو جاتی اس کیفیت کو ایک صاحب دل نے مہربان لیا اور سید صاحب حضرت مولوی غلام صاحب قدس انشراحہ کو اطلاع دی۔ اب حضرت نے بھی اپنا سر فٹکھٹا لیا۔ تھوڑی دیر نہ گزرتی کہ وہ جوان کی کرسی چھوڑ کر بھاگا پھر جلسہ میں آخر تک نہ آیا۔ اور دھارم اسلام کی تقریر نہ زور دار ہونے لگیں۔ نقد کے مناظر مغلوب ہو گئے اور مسلمان غفلت و غمور واپس آئے۔

ای طرح ایک جوان نے ریل میں حضرت مولانا موصوت کے ایک سر پر تصرف کیا جس سے اُن کے دل میں وسوسہ شیطانی آنے لگے اور وہ اس قدر پریشان ہوئے کہ چلتی ریل سے کودنے کا قصد کیا دفعہ حضرت مولانا کی محنت سامنے نظر آئی کہ فرما رہے ہیں کہ جو حسبنا اللہ و فطرتہ الیکسل۔ یہ کہنا تھا کہ تمام وسوسہ کا فخر ہو گئے اور جوانی کا تصرف باطل ہو گیا وہ خود کوئی نہ لگا کہ تنہا داپہ بڑا کامل ہے اب تو انہوں نے جوانی کو بہت برا بھلا کہا اور وہ نام ہو کر خاموش ہو گیا۔

کوسن معان کنا پہننے۔ قوت کھلو۔

ق۔ یہاں سے یہ ثابت ہوا کہ اہل بدعت قوت ایمان سے محروم ہیں۔ گو اہل بدعت میں بعض اہل نسبت بھی ہیں۔ مگر ان کی نسبت میں وہ خد نہیں ہوتا جو نسبت نسبت صاحب نسبت میں ہوتا ہے۔

(۲۱۹) مسلمان کی بھلائی قوت ایمان کے موافق ہے یہاں سے معلوم ہوا کہ مسلمان کی بہتری راہ

اچھا: قوت ایمان کے موافق ہے (یعنی ایمان قوی ہو گا اسی قدر بہتری ہوگی جو اہل ایمان قوی ہوتا ہے۔ قوتیں کے ساتھ جان لیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ دیا ہے وہی بیش آنے لگا۔ چاہے بیچارے یا حرکت کرے پس مناسب یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بات کا حکم دیا یا ترغیب دی ہے اس کو قبول کیا جائے چنانچہ ارشاد ہے قل ان یعیبنا الا ما کتب اللہ لنا هو ما لنا وعلی اللہ یشیئ کل المؤمنون قولوا یحییٰ کہ ہم کو اس کے سوا کچھ بیش نہ آنے لگا جو اللہ تعالیٰ نے کچھ دیا ہے وہی ہمارا مددگار ہے اور اللہ ہی پر ایمان والوں کو بھروسہ کرنا چاہیے۔ چنانچہ یہ شخص جس کا حدیث میں ذکر ہے) تنہا کر دجال کی تکذیب کرے گا کہ میں گواہی دیتا ہوں تو وہی دجال سے جس کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو دی ہے) میں تو خدا نہیں جیسا کہ تیرا دعویٰ ہے بلکہ تو جھوٹا کذاب ہے اور یہ بہت بڑا عہدہ ہے کہ حق بات کہہ دی اور اس کی پرواہ نہ کی کہ ایمان کیا ہوگا؟

آج کل میں لوگ جو علماء اور دیندار کلاستے ہیں حق بات کہتا اس خیال سے چھوڑ دیتے ہیں کہ اُس سے تو نبوی ضرور پہنچے گا اندیشہ ہوتا ہے۔ ان لوگوں کی حالت کا مشاہدہ کر کے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بدترین لوگ ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بھی ہر خبر دی ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا جس میں لوگ کوادی مومن ہوگا شام کو کافر ہو جائے گا، شام کو مومن ہوگا شام کو کافر ہو جائے گا اپنے دین کو دنیا کے سامان کے بدلے بیچ دے گا یہ ضرور

اس وقت ان لوگوں سے چشم پوشی کی جائے نہ کی جائے کیونکہ وہم وہ فساد کا محور ہے موجود تھا) مگر صدیق اکبر نے اپنے فطریہ فرمایا کہ میں ان سے ضرور مقابلہ کروں گا مگر جو میرے ساتھ ہوا اہل کلمہ کے جو (یہ لفظ دہر کرنا ضروری ہے اور معنی ہے اُس کو قتل نہ سے نہ چاہے جس کے معنی نہ ہو یعنی ہمیشہ کے ہیں) حضرت صدیق نے یہ بات پوری ہی داک کی کہ نام سبھ بڑا سے (یا بھروسہ) مگر جی۔ یہاں تک کہ سب لوگ جیسے باہر نکلنے پر مجبور ہو گئے۔ حضرت عمر فرماتے ہیں کہ جب میں نے حضرت صدیق سے یہ بات سنی تو سمجھ گیا کہ اُن کی رائے حق ہے اور قرآن نے مجھے بھی اسی رائے پر شرع صادر عطا فرمایا جس پر حضرت صدیق کو شرع صادر ہو چکا تھا اور یہاں سے معلوم ہوا کہ قوت الہی قوت ایمان کے موافق ہوتی ہے (جس قدر ایمان قوی ہوگا اسی قدر نصرت قوی ہوگی)۔ قولہ و فیہ دلیل حلف ان من قوی ایمانہ الی قولہ الا بقدر قوۃ الایمان۔

ق۔ جب کسی بدعت اور منکر پر یکسر نہ ہو تو قوت ایمان کا متعلق یہ ہے کہ اس وقت یہ نہ دیکھے کہ میں تنہا ہوں، تنہا کیونکہ انکار کو اس کی سرانکار سے کیا جائے گا ہوگا؟ اس وقت بدعت اور منکر پر ضرور انکار کیا جائے گا کہ حق ظاہر ہو جائے تو ہلاکت کا اندیشہ بھی ہو کیونکہ اگر کسی نے بھی انکار نہ کیا تو تمام مسلمان گمراہ ہو جائیں گے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس وقت مسئلہ خلق قرآن کا تقدیر ماموں کے زمانے میں پہلا اور بعض علماء کوئی بات کہہ کر چھوٹ گئے، بعضوں نے تفسیر کے طور پر ماموں کی موافقت میں جواب دیا یا تو مجھے بھی خیال ہوا کہ گول مول بات کہہ کر چھوٹ جاؤں کہ دفعہ مجھے معلوم ہوا کہ ان کو مسلمان عدلیہ سے باہر وادع قلم بے کوشہ ہیں کہ احمد بن حنبل جو کچھ کہیں گے اُسی پر اہل حق و کلمہ گئے تو میں نے غم نہ کر لیا کہ حق کو صاف صاف کہنا کہ آیت اگر ایسی میں مبتلا نہ ہو چاہے میرا کچھ ہی مشر ہو مگر غرض جب بدعت اور منکر پر صاف صاف نیکر کرنے والا کوئی نہ ہو اس وقت صاحب حق کو اپنی جان کی پرواہ نہ کرنا چاہیے حق

نہیں کہ اس سے بالکل ہی کافر ہو جائے بلکہ بعض تو بوجہ ماہیت کے فاسق ہو جائیں گے اور فاسق کو کبھی بھی زبردست کر دیا جاتا ہے اور بعضے دنیا کی طرح میں اسلام سے مرتد ہی ہو جائیں گے اعاذنا اللہ من ذلک کلہ اور یہاں جس شخص کا ذکر ہے وہ اس حدیث کا مصداق ہے لا تزل لظلمة من استحق الحق ظاهراً انی قیامہ الساعة لا یغیر جمہ من ظالمہ۔ میری اُمت میں کچھ لوگ حق پر غلبہ کے ساتھ جھے رہیں گے۔ قیامت آنے تک ان کو کسی مخالفت کی مخالفت ضرور دے دی۔

اور یہاں سے معلوم ہوا کہ ایمان دین والوں میں قسب کا اگرچہ بعض ہی کچھ گروہ بھی ہو کیونکہ دجال کی منہ پر حق بات کہنے والا دینہ ہی کا آدمی ہوا۔ اگر اور کسی جگہ بھی دوسرا ایسا ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی بھی خبر نہ دیتے۔ قولہ و فیہ دلیل علی ان الخبیثۃ حی بقدمہ لکما یصلی انی قولہ لا تجزئہ صلاۃ علیہ وسلم۔

ف۔ بہت سے علماء کا قول یہ ہے کہ دجال کے منہ پر حق بات کہنے والے یہ بزرگ حضرت خضر علیہ السلام ہوں گے کیونکہ بعض روایات میں یہ لفظ بھی آیا ہے فیخرج الیہ دلیل معن قد اُف کہ دجال کے پاس ایک شخص میرے دیکھنے والوں میں سے جائے گا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دیکھنے والوں میں سے ہجر خضر علیہ السلام کے اور کوئی زندہ نہیں وہی اس وقت تک زندہ رہا کہ اللہ تعالیٰ اعلم۔

خضر علیہ السلام کا نام بلیمان بن ملکان ہے کنیت ابوہ العباس ہے عقبہ خضر ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ جو ان کا اور ان کے باپ کا نام اور ان کی کنیت اور لقب معلوم کرے اس کا خاتمہ اچھا ہوتا ہے۔ حدیث میں ان لوگوں کے لیے نسی ہے جو اللہ تعالیٰ کی توفیق سے حق پر قائم ہیں۔ اگرچہ سارا زمانہ ان کا مخالفت ہو ان کے لیے نصرت الہی کی مشیت ہے۔ کیونکہ ہم چیز کی وجہ سے اس بزرگ کی نصرت کی گئی وہ علت یہاں بھی موجد ہے یعنی قوت ایمان اور اللہ کی رضا دیکھنے ہی کو ظاہر کرنا۔

(۲۲) ایمانی طاقت ضرورت کے موقع پر صرف قدرت پر

معمودہ کرتی ہے حکمت پر نظر نہیں کرتی اور یہاں سے معلوم ہوا کہ ایمان تھا قدرت اللہ پر جھروسہ کرتی ہے۔ قانون حکمت کو کام میں نہیں لاتی گول میں قانون حکمت، اصرار قدرت دونوں کی تصدیق ہوتی ہے۔ چنانچہ اس شخص نے قانون حکمت سے عدول کیا کہ ایسے کام کے لیے نکل نکلا ہوا جو اس کی طاقت سے باہر تھا اور شریعت جو قانون حکمت ہے اس سے منہ کرتی ہے چنانچہ ارشاد ہے ولا تظنوا بادیہکم الخ التھلکۃ اپنی جانوں کو طاقت میں نہ ڈالو۔ اور قدرت اللہ کا مقتضی یہ ہے دعاھد بظانہ من بہ من لحد اکما باذن اللہ اور وہ (ملاح) کا لڑ خوسمی کو کہہ ضرور میں دے سکے۔ مگر اللہ کے حکم سے تیر اس کا مقتضی یہ بھی ہے قتل لمن یحبہنا الا ما کتب اللہ لنا۔ کہہ دیجئے ہم کو دیکھ پیش آنے کا جو اللہ نے ہمارے واسطے مقدر کر دیا ہے۔ چنانچہ سب سے بڑی مصیبت قتل ہے مہا اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو مار ڈالا تو قتل سے اس کو کچھ ضرر نہ ہوا اور جب دوبارہ اس کے قتل کا ارادہ کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے شخص اپنی قدرت کا ملاحہ کرنے کے لیے جہاں کو اس کے قتل سے روک دیا تاکہ سب کو معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

دہا کہ پھر پہلی مرتبہ اس کو قتل پر قدرت کیوں دی گئی تھی اس میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت مجید کو ثابت کر دیا۔ اگر پہلی بار ہی قتل سے روک دیا جاتا تو کوئی کہہ سکتا تھا کہ دجال نے اس کو کیا دعا دیا تھا یا دیکھا تھا جس کی نگاہ سے غائب ہو گیا۔ اور کرامت اولیاء میں شہرہ کیا جاتا کہ وہی اپنی کرامت سے غائب ہو گیا۔ اگر غیب نہ ہوتا دجال ضرور مار ڈالتا مگر جس سے اللہ تعالیٰ نے کرامت ظاہر کی وہ بہت ہی عجیب و غریب ہے کہ دجال کو ایک بار اس کے قتل پر قدرت دے دی اور دوبارہ قدرت دہی کر دے اپنا سامنے لے کر رہ گیا۔

قولہ و فیہ دلیل علی ان قوۃ الایمان عند الحزم و قوۃ تعول علی القدرۃ

یہ جو دھا ائی قولہ وما اظہر من اجل له من الزکوة ارفع اعظم ۔

فت۔ میں آپ پر بتا چکا ہوں کہ جب بدعت و فکر پر غور کرنے والا کوئی نہ ہو اس وقت اپنے کو غور میں ڈال کر بدعت پر انکار کرنا جائز بلکہ بعض مورد میں واجب ہے بلکہ حکمت سے اس کے گمراہ ہونے کا اندیشہ ہو۔ یہی بدعت اگرچہ ایک قانون حکمت کے خلاف تھا مگر دوسرے قانون حکمت کے موافق تھی۔ حدیث میں ہے اعظم المجاہد کلمۃ حق۔ ہندو سلطان چارٹر۔ بڑا جادو حق بات کہہ دینا ہے قلم بادشاہ کے سامنے۔ اس کو بڑا جادو اسی واسطے کہا گیا ہے کہ اس میں جان کا فطرہ غالب ہے چنانچہ بہ کثرت علماء حق ایسے گزرتے ہیں جنہوں نے سلاطین کے سامنے نام بالمردود اور حق من ظلم کر کیا اور جان دے دی کیونکہ اس میں اُمت کو بدعت اور شک سے بچانے کا فائدہ تھا گو غلط کو نفع نہ پہنچا ہو۔ جان کو ظلم کی میں ڈالتا ہوں نہ ہے جہاں کوئی نفع نہ ہو نہ مقابل کو کوئی ضرر پہنچے تو بے فائدہ جان کیوں دی۔

(۲۷۱) ایمان کے ساتھ فتنہ مضر نہیں ہوتا۔ یہاں سے معلوم ہوگا کہ ایمان دینا بلکہ فتنہ سے ایمان اور زیادہ مضبوط ہو جاتا ہے۔ دیکھو اس شخص کو سخت ابھڑا پیش آیا کہ قتل کیا گیا پھر زندہ کیا گیا مگر اس سے اس کی قوت ایمان (کم نہ ہوئی بلکہ) زیادہ ہوئی کیونکہ پہلے تو اس کو درجال کے مجرماً ہونے کا علم یقین تھا اب میں یقین ہو گیا اور میں ایقین علم یقین سے اعلیٰ ہے۔ جیسا حضرت ابراہیم سے جب کہا گیا اللہ تو سب (کیا تم کو اس کا یقین نہیں کہ اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کرے گا) تو عرض کیا میں دیکھتا ہوں کہ ان کے قتل کیوں نہ ہوتا لیکن میں ایمان قلب چاہتا ہوں (یعنی علم یقین سے ترقی کر کے میں ایقین چاہتا ہوں اور وہ مشاہدہ ہی سے ہوگا) اسی لیے وہ درجہ علمت کے مستحق ہوئے اس میں ایک دوسری حدیث کی بھی تائید ہے جس میں رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے فرمایا ہے کوئی پر فتنے کے بعد دیکھو گے آتے دہشتے ہیں جس پر وہ بدعت ہو گئے اس میں زیادہ واضح

پیدا کر دیتے ہیں اور جس دل میں بدعت نہ ہوئے اس میں سفید چمکتا ہوا نشان پیدا کر دیتے ہیں جو ہمیشہ برصا نہا ہے۔ یہاں تک کہ دل عاف (آئینہ کی طرح) ہو جاتا ہے پھر اس کو کوئی فتنہ اس کے بعد ضرر نہیں دیتا۔ چنانچہ یہ شخص رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے ارشاد کی تصدیق کرتا تھا اللہ و رسول کے سامنے میں مجاہد بن کر نکلا تو اس کو قتل سے بھی کو ضرر نہ پہنچا بلکہ ایمان میں ترقی ہی ہوئی اور دجال کی کائنات سے واضح ہو جانے لگا کہ اس کے غوار کی عادات خود اس کی ٹنگریب کریں گی کیونکہ وہ اپنے آدھیں سے کہے گا بتلاؤ اگر میں اس کو قتل کر کے پھر زندہ کروں کیا پھر بھی میرے متعلق شک کر دو گے؟ (اس کا یہ سوال ہی بتلا نہ ہے کہ وہ دھوٹے خدا فی میں جھوٹا ہوگا) اگر اس کا دھوٹے خدا فی سچا ہو تو لاگوں کے دلوں کو اپنی تصدیق پر غور مان کر دیتا کیونکہ قلوب تو اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں (وہ جس طرح چاہیں ان کو پھیر سکتے ہیں) پس دجال لاگوں سے اپنی تصدیق طلب کرنا خود اس کی کدوری پر ولایت کر تب ہے (اور خدا اقلے کے حق میں کمزوری محال ہے) پھر بڑی کدوری یہ ہوگی کہ وہ دوبارہ اس شخص کے قتل کا دھوٹے کرے گا مگر قادر نہ ہوگا اپنا سامنے لے کر دہ جائے گا۔ قولہ و فیہ دلیل علی ان الفتنۃ لا تضر مع ایمان الی قولہ و هذا حق من الیوبیۃ محال۔

فت۔ حضرت شاعر نے یہ جو فرمایا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے علم یقین سے میں ایقین کی طرف ترقی کے لیے اعیان موقی کی کیفیت دیکھنا چاہی اس میں کلام ہے کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ بدون مشاہدہ حق سے میں ایقین حاصل نہیں ہو سکتا اور مشاہدہ سے پہلے ابراہیم کو میں ایقین کا دھیرہ حاصل نہ تھا مگر حضرت شاعر کی مراد میں ایقین سے اصطلاحی معنی نہیں بلکہ لغوی معنی ملا ہیں تو یہ مقدمہ مسلم ہے مگر اس کو علم یقین کے مقابل میں لانا درست نہیں کہ اس سے معنی اصطلاحی کا شبہ ہوگا۔ یہ حقیقت ہے کہ حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام میں ایقین و میں ایقین دونوں سے کام لیا ہے جب اولیاء کالین کو یہ دونوں درجے حاصل ہوتے ہیں تو انہیں دو کا کسی

ایک سے خالی ہونا کیونکہ ممکن ہے اُن کو وحی اور نبوت کے ساتھ ہی عین یقین پہنچا
حاصل ہو جاتا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ بدون مشاہدہ کیفیت کے دل کو ایک کیفیت
پر قرار نہیں ہوتا بلکہ وہ ہن نقشے بننا ہوتا ہے جیسے ہم کو عین کامل ہے کہ دنیا میں
خدا کو نہ موجد ہے مگر جب تک مشاہدہ نہ کر لیا جائے تو ہم کو ایک خودست پر
قرار نہیں ہوتا بلکہ مختلف عقوبتیں اور عین اس آفت میں ہی کہہ کر ایسا ہے یا ایسا ہے
دیکھنے کے بعد ایک صورت پر قرار ہو جاتا ہے کہ اس ایسا ہے اس کا نام اطمینان
ہے اور لفظ اس کو عین یقین کہہ سکتے ہیں اصطلاحاً نہیں۔ اسی کو حضرت ابراہیم نے
طلب کیا تھا اور یہ مقاصد میں سے نہیں بدون اس کے بھی ایمان اور یقین کامل حاصل
ہو سکتا ہے۔ جیسے ہم کو بدون دیکھے خدا کو کہہ کے وجود کا پورا یقین ہے۔ حضرت
ابراہیم علیہ السلام نے اطمینان کی طلب اس لیے کی کہ اُن سے ایمان مونی میں ضرور
سے متاثر کیا تھا اُن کو خیال ہوا کہ شاید پھر کوئی اس باب میں مناظرہ کرنے لگے تو
میں اُس کی کیفیت کا مشاہدہ کر لوں تاکہ مشاہدہ کے بعد قوت کے ساتھ گفتگو کر
سکوں کیونکہ قاعدہ ہے کہ صاحب مشاہدہ کے کلام میں وہ قوت اور شوکت
ہوتی ہے جو صاحب مشاہدہ کے کلام میں نہیں ہوتی جس سے بچ نہ کر لیا ہے۔
وہ جس قوت اور شوکت کے ساتھ مسائل میں گفتگو کر سکتا ہے بچ نہ کرنے والا
نہیں کر سکتا جیسا کہ ظاہر ہے۔

پس ہر شخص کو دنیا میں طلب اطمینان کی اجازت نہیں نہ ضرورت غالباً
ہیں انوار والہ جہاد اطمینان تو آخرت ہی میں حاصل ہوگا ہاں طلب یقین لازم ہے۔
اور اُس کا ہر درجہ دنیا میں حاصل ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اولیا کا میں اُس سے کامیاب
ہیں کہ حضرت علیؑ کا ارشاد ہے لَوْنَكُنْتُ الْفَخْرَ مَا اَزِدْتُ يَقِيْنًا اَكْبَرَ
اَتَمَّ جَانِسَ جب بھی میرے یقین میں نہ بڑائی نہ ہوگی تو اطمینان کی کیفیت ضرور
پیدا ہوگی لیکن الخبس کا علاج ہے۔ سمجھنے اور دیکھنے میں فرق ہوتا ہی ہے
مگر اُس کا نام اطمینان ہے۔ اولیاء کو یقین کامل بدون اس کے بھی حاصل ہوتا

ہے اور انبیاء علیہم السلام اس میں سب سے زیادہ کامیاب ہیں (سمعتہ من
سیدی حکیم الامتہ نور اللہ مرقداً دلدہ دلا من حکیم)۔

ن۔ یہ جو کامیاب ہے کہ قوت سے ایمان قوی ہوتا ہے اس کی ایک صورت تو
ہے کہ کئی محنت پر حال میں برحق ہے خواہ اُس کی وجہ سے کئی ہی تکلیف پہنچے اور کئی
عقبت ہی کا نام ایمان ہے والدائم "امواشا دعا اللہ۔ جس نے عشاق کو کیا
ہے وہ جانتا ہے کہ کسائیت دشمن سے عشق کی آگ زیادہ بھڑکتی ہے۔

نہ ساز و حقیقہ را کج سلامت

خوشا رسوائی کو سنے سلامت

عاشق کا ذائقہ یہ ہوتا ہے

نہ شود نصیب دشمن کہ شود ملاک تیغ

مرد و ستان سلامت کہ تو خیر آزمانی

ہاں بلا سے جان نکلے تو گھر نکلے نہ آہ

ہو شیار لے لے دل کہ وہ صبر آنا ہو کج ہے

دوسری وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے قیامت کی علامات تفصیل
کے ساتھ بیان فرمادی ہیں۔ جب یوں کے سامنے وہ نقشہ آتے ہیں جن کی خبر رسول اللہ
صلی علیہ وسلم نے دی ہے تو اُس کے ایمان میں ترقی ہوتی ہے وہ ان کو دیکھ کر
بے ساختہ پکار اٹھتا ہے لقد صدق رسول اللہ صلی علیہ وسلم۔ بیشک
ہمارے رسول نے سچ فرمایا تھا۔ جس وقت میں نے اپنے رسالہ الوطر الوردی فی
ذکر المسیح والہدی میں یہ حدیث لکھی ہے و یطووا القلوع و التجار و کما قیامت
کے قریب ظلم اور تجارت بہت پھیل جائے گی۔ یعنی کھینے پڑھنے کا رواج زیادہ
ہوگا۔ تجارتیں ترقی کریں گی۔ تو میں نہیں بیان نہیں کہ مجھ پر کسی وجہ کی کیفیت
ظاہری ہوئی۔ واقعی حضور نے سچ فرمایا۔ تم دیکھ رہے ہو کہ آج کل ہر قوم کو ترقی
تعلیم اور ترقی تجارت کی کس قدر فکر ہے۔ گاؤں گاؤں میں اسکول کھولے جا

پہلے گا مگر بدوں کسی ظاہری سبب کے اس کے قتل پر قاعدہ نہ ہوگا۔ اب اس پر اور اس کے پیروں پر برحق کو مان لینا لازم تھا کیونکہ اس کے دعوے اور دلیل کو باطل کرنے والی چیز تکمیل خلا سب کے سامنے آئی جن میں کا کوئی جواب اُن کے پاس نہ ہوگا۔ مگر بات یہ ہے کہ دلائل اور مواضع صلاحت کے ساتھ ہی بھی پیش دیتے ہیں اور سختی اور انتقامات شقاوت کے ساتھ ہی مزہ پکاتے ہیں۔ ہم اندر دجل مالک عربی حکیم سے درخواست کرتے ہیں کہ ہیں شقاوت اور بخوشی اور متوں اور آرائشوں سے دونوں جہاں میں پچائیں اور اپنے فضل سے داری کی سعادت سے مرزا فرمائیں۔ اللہ کے سوا کوئی رب نہیں۔ وصلی اللہ علی محمد وآلہ۔ قوله فقیہ دلیل علی اظہار قدرہ اللہ عزوجل الخ قوله محمد وآلہ۔

ف۔ یہی وہ مقام ہے جس میں عارفین کو نواز رکھا ہے کسی کو معلوم نہیں کہ اس کی تقدیر میں کیا ہے گو ظاہر حال سے انہماک نہ کرنا چاہئے مگر قطعی فیصلہ مرنے سے پہلے نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے فرماتے ہیں۔

غافل مگر مکرکب مردان مردوا در سنگلاخ بادیه پیا بریدہ اند
نوسید ہم رہائش کردن باغوش ناگاہ یکے خوش بختی زیدہ اند

مگر رشک کند فرشتہ بر پا کئی ما

گہ غنہ زندہ یوزنا پا کئی ما

ایمان چو سلامت بہ لب غور برسم

احسن بری پستی و چالا کئی ما

ہر شخص کو حسن خاند کا اہتمام کرنا اور اُس کے لیے دل سے دعا کرتے رہنا چاہئے۔

وَدَقَاتُ اللَّهِ وَآيَاتُكَ حُصْنُ الْخَاتَمِ بِحِرَّةِ الشَّيْءِ دَالَهُ وَاصْبَابَهُ أَكْثَرُ لِحَالِ اللَّهِ

تَعَالَى عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمْ اِنْ يَحْمِلِ الْغِيَاضَ وَالْجَبَدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔

یہی سلطنتوں کی بنیاد محبت پر قائم ہو رہی ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی دیکھو کہ باوجود اس قدر ترقی تعلیم کے علم تاہم ہے اور جن ترقی پر ہے۔ علامت قیامت میں حضرت نے یہ بھی فرمایا ہے یَقْبَعُونَ الْعَقْدَ وَيَكْثُرُ الْجَهْلُ وَيَكْثُرُ الْمَرْجُوعُ الْقَتْلُ۔ علم سبٹ جلتے گا اور جہل غالب ہوگا اور گروہ برائیوں میں بڑی زیادہ ہوگی۔ سو دہائی اس زمانے میں کھینچنے کے لیے ترقی ہے مگر علم کو تزلزل ہے کیونکہ کھینچنے پر تزلزل کا زیادہ حصہ دینا اور مادی منفعت کے لیے ہے خدا تعالیٰ یا نہ سب سے واقف ہونے کے لیے نہیں اور ایسے لکھنے پر تزلزل کا نام علم نہیں بلکہ مصلحت جہل ہے اس کی جن قدر ترقی ہوگی جہل ہی بڑھتا جائے گا۔

لکھ کر رہے تھے نہ نایہ جمالت مست

یہی وجہ ہے کہ اسی طرح کلم کو بھی ترقی اور جہل ہے اسی قدر دنیا میں خدا اور غلوں میں بڑھ رہی ہے۔ یہ خدا کرنے والے اُن پر جہل نہیں بلکہ تعلیم یافتہ مگر بکوش ہیں وہی کسانوں میں مذہبوں کو سبز باغ دکھا کر دینا میں خدا پھیل رہے ہیں۔ ان واقعات کو دیکھ کر مومن کا ریا کیا ہوتا اور تصدیق رسول میں برابر ترقی ہوتی ہے کہ واقعی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا تھا دیا ہو جو پورا اور پاس ہے۔

اِنَّهُ صَلَّى وَسَلَّمَ وَبَدَّلَ عَلَى هَذَا النَّبِيِّ لَكِنْ يَحِبُّ اخْفِضْ صُلُوَاةَ وَاَرْكَ تَقْلِيحَ وَالْجَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔

حدیث میں قدرت الہی کا بھی بیان ہے کہ جس کے

(۶۶۲) تقدیر کا بیان ہے مگر اسی مقدمہ پر چوکی ہے اُس کو جہتیں اور

نصیحتیں کچھ بھی پیش نہیں رہیں۔ دیکھو دجل دعوے کرے گا کہ میرے خدا ہونے

کی دلیل یہ ہے کہ میں اس شخص کو مکر پر زندہ کر دوں گا۔ سو ایک دفعہ وہ ایسا

کہ دے گا پھر رجب وہ شخص زندہ ہو کر کہے گا کہ اب تو مجھے پہلے سے بھی زیادہ

بعیرت کے ساتھ معلوم ہو گیا کہ تو دجال کذاب ہے) وہ دوبارہ اُسے قتل کرنا

اب ہشت و ششم

حدیث

حراستہ مکہ والمدينة من الدجال

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (دُنْیَا کا) کوئی شہر ایسا نہیں جس میں دجال نہ پہنچے بخیر لکھا اور مدینہ کے کہ ان کے دانتوں میں سے کوئی ناستہ ایسا نہ ہوگا جس پر فرشتے صفت ہانڈے ہوئے اُن کی صفات مارکتے ہوں۔ پھر مدینہ میں تین دفعہ زلزلہ آئے گا تو ہر کافر اور منافق (مدینہ سے بھاگ کر) دجال کی طرف چلا جائے گا۔

شرح حدیث کا ہر ہی مضمون یہ ہے کہ دجال زمین کے تمام بلاد میں پہنچے گا بجز مکہ اور مدینہ کے اس پر مزید وجہ سے کلام ہے ایک تو یہ کہ اس میں دجال کے ظہور کی تحقیق ہے کہ وہ ظاہر ہوگا اور تمام فوسے زمین کا دودھ کسے گا۔ مکہ مدینہ کے پاس بھی پہنچے گا مگر رُسُلِ کُلم کُلم صفت ہانڈے ہوئے ان دونوں مقدس شہروں کی حفاظت کرتے ہوں گے اس لیے اندر نہ پہنچے گا مدینہ کو تین بار زلزلہ آئے گا۔ کافر و منافق اس زلزلہ کو دجال کا تعارف سمجھیں گے اور اس کے پاس پہنچنے میں جھگڑیں گی اس لیے ایک حدیث میں کہا گیا ہے کہ مدینہ کی ایسی مثال ہے جیسے بھٹی کے جس طرح اس میں سوسے چاندی کا نیل پہل نکل جاتا ہے اسی طرح مدینہ نبیوں کو اپنے اندر سے نکال دیتا ہے۔

(۲۱۳۳) مکہ اور مدینہ فضیلت میں برابر ہیں مگر فضیلت میں مکہ اور مدینہ دونوں برابر ہیں کیونکہ دجال تمام زمین کو پھال کر سہاگن کر دو (مقدس شہروں میں نہ پہنچے گا) تو معلوم ہوا کہ یہ دونوں فضیلت میں برابر ہیں اس کی تائید دوسرے دلائل قیاس سے بھی ہوتی ہے کیونکہ اگر مدینہ میں یہ ضرورت ہے کہ وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف اور مسجد مبارک ہے اور حضورؐ نے وہاں قیام فرمایا ہے تو مکہ میں یہ ضرورت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت یا کرامت مکہ میں ہوئی وہاں آپؐ بڑھتے سے مرفراز ہوئے اور وہیں آپؐ کا قبلہ ہے اور نبوت کے بعد حضورؐ کا قیام مکہ میں بھی مدینہ کے برابر ہی ہوا (بلکہ نہ زیادہ) مشہور قول یہی ہے کہ مکہ آپؐ نے نبوت کے بعد مکہ میں تیس سال قیام فرمایا اور مدینہ میں دس سال مہینے اُنساب رسالت کا مطلق حکم ہے اور غریب مدینہ ہے۔ قوله وذا ظہا هذا الحدیث یطیئ الترویۃ میں ماخلف الفضل الى قوله وخرجا بالمدينة۔

ف۔ ہر چند کہ یہ مسئلہ فقہوں کا نہیں مگر حنفیہ نے اس سے بحث کی ہے اس لیے ترجمہ کر دیا گیا۔ اس باب میں پہلے اس کا بار فیصلہ یہ ہے کہ جیسا کہ میں اچھا اور مر تا مدینہ میں اچھا۔ کیونکہ مکہ میں اہل مال کا ثواب مدینہ سے زیادہ ہے کہ مسجد اہرام کی ایک ناز ایک لاکھ نازوں کے برابر ہوتی ہے اور مسجد نبویؐ میں ایک ناز پچاس ہزار نازوں کے برابر ہے۔ پس زندگی مکہ کی افضل ہے اور جب قریب نبوت کا احساس ہونے لگے اس وقت مدینہ پہنچنا مانا افضل ہے کیونکہ حدیث میں ہے:

عہ فقہاء میں سند میں اختلاف کیا ہے کہ مکہ ملک اہل ان کے عقلمند مدینہ کو مکہ سے افضل فرماتے ہیں۔ امام شافعی اور اُن کے عقلمند یہ کہ مدینہ سے افضل کہتے ہیں مگر اس پر صحابہ اتفاق ہے کہ جو زمین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مہینے قبر شریف میں جس کے جوئے میں مدینہ کے تمام حضرات سے افضل ہے اور ان میں جلیل جلیل نے تو قس کو مرشد و گری سے بھی افضل کیا ہے کہ کذا فی حق مع العشیۃ ۱۲۔

دوسری عرق عادت پہلی حدیث میں گھر تکھی ہے کہ وہ ایک شخص کو قتل کرے گا پھر زندہ کرے گا۔ ایک یہ کہ وہ زمین میں داد ڈالے گا تو اسی وقت تک بھی اُسے گا۔ پاک بھی جائے گا کھٹ بھی جائے گا۔ ایک یہ کہ اُس کے ساتھ دونوں کے ہمارے ہوں گے۔ ایک یہ کہ اُس کے ساتھ جنت اور دوزخ کا فوہ ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھا کہ جو اس کی جنت میں داخل ہوگا وہ دوزخ میں ہوگا اور جو اُس کے دوزخ میں داخل ہوگا وہ جنت میں ہوگا۔ ایک یہ کہ وہ کاسے کے ناکھ میرا کہنا مان لے وہ انکا کرے گا تو اس شخص کا مال دجال کے ساتھ ہونے کا۔ اب وہ شخص بھی اپنے مال کی وجہ سے دجال کا پیرو ہو جائے گا۔ غرض دجال کے کفر کا انداز اس کی جیسے لوگوں کے کافر ہونے کا بڑا سبب یہ عوارق عادت ہی ہوں گے جو اس امین کو دینے جائیں گے۔ اس کے طور سے پہلے سات ماہ ایسے گزریں گے جن میں نہ آسمان سے ایک قطرہ بارش کا نازل ہوگا نہ زمین سے کوئی داد اُسے گا (مگر اُس وقت امام ہدی علیہ السلام موجود ہوں گی جن کی برکت سے مسلمان بچنے کے دوزخ میں گئے۔ اس وقت مسلمانوں کے لیے دکر اللہ اور تسبیح قضا کا کام دیکھا۔ اُن کے غور و تجسس سے بڑے بڑے شکم تلے ایک دم گھر پڑیں گے دجال کے پاس تو جمعہ ہی ہوں گے۔ حضرت امام کے پاس اللہ تعالیٰ کی فرمت سے بڑی بڑی کراہت ہوں گی جن سے مسلمان کے دل طمأن اور مضبوط ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کی عادت یہی ہے کہ ہر فرعون کے ساتھ ایک کوئی اور پھر نہر کے ساتھ تریاق بھی پیدا فرمادیتے ہیں جلتے گا۔ چنانچہ اس وقت مگر ہی تھکے ہوئے ہیں۔ مگر یہ کہ تدریسے اوقات ناز کا پتہ ملنا ہے گا اور اس سے پیام کی گتھی بھی سہے گی جس سے مدافن کا معلوم ہوگا اس میں مدد بھی ملے گی کہ شہزادے تک لیا جائے گا۔ پانی یہ ضرور ہے کہ اس وقت مسلمانوں کو ایام کی شمار کرنے کا حکم ہے کہ ان کوئی اور سپر ہیڈ میں دن کا شمار کرنا ہوگا۔ اسی سے مدافن کا علم بعد کے لیے اور نیز عالم کا علم ماسے لیے ہوگا اور ان کے پاس اس وقت اللہ تعالیٰ کے مسلمانوں کو علم اوقات کا کوئی اس سے بھی زیادہ آسان طریقہ نکلا دیں۔ دجال کا علم اوقات بجز یہ - ۵۷ -

مہم استعلاج حکمہ انصوت مانیۃ تغلیف اذک قال - جس سے یہ ہوئے کہ مدین میں اُس کو موت آئے اُس کو ایسا کرنا چاہیے :-

دوسری حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پہلے دو لوگ ہوں گے جبریلین الفز (قبرستان مدین) میں مدفن ہیں۔ پھر آپ کے دونوں کا انتظار فرمائیں گے اور ان سب کو ساتھ لے کر میدانِ محشر میں نشرینے لائیں گے۔ اور قہار ہے کہ جو لوگ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ قریب ہوں گے وہ آپ کی شفاعت سے زیادہ کامیاب ہوں گے۔ اللہ اعلم بالحق شہادۃ فہ سبیلک واجعل حق بیلد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم - آمین -

(۲۲۴) دجال کو توارق بہت دینے جائیں گے پس توارق کو عطا

قبول نہ سمجھا جائے جب تک اجتماع مُنت نہ ہو کہ اس میں (مردود

دجال) کو عوارق عادت بہت دی جائیں گی جن میں سے ایک تو یہی ہے کہ وہ تمام دوسرے زمین کا فوہ کرے گا حالانکہ (دو حق الویست کے بعد) اُس کا قیام زمین میں صرف چالیس دن ہوگا اس سے زیادہ نہیں اللہ ان ایام میں پہلا دن سال پھر کے برابر ہوگا اور دوسرا مہینہ کے برابر اور تیسرا ایک مہینہ کے برابر اور چوتھا بیات عام دنوں کے برابر چھوٹے بڑے ہوں گے۔ حضرات صحابہ سے سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ان لیے دنوں میں ہیں ایک ہی دن کی نماز کافی ہوگی یا نہیں ان میں ہر نمازوں کے لیے وقت کا اعلازہ کر لیتے۔

حق یہاں سے حضرت صحابہ کی فکر دیکھ کر انکا ازارہ ہو گیا ہوگا انہوں نے ان پادرسے متفق ہو کر یہ پیش کرنا کا علم کیا کہ صرف وہی پریشانی کا حل صیانت کی پھر وہ مجتہد ہو گیا کہ وقت کا اعلازہ کیونکر کریں؟ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ جب دنوں کا علم صلی اللہ علیہ وسلم نے انداز کر سنے کا حکم دیا ہے تو اس وقت کوئی حکومت نہی پیدا ہو جائے گی جس سے اندازہ کرنا آسان ہو (الحق باری)

طلب کرو۔ نمازیں، عبادت قرآن میں، ذکر اللہ میں۔ اگر ان میں رقت پاؤ (تو غمیر) ورنہ جان لو کہ دوزخ بند ہے (پس ایمان اور اعمال صالحہ کی یہ برکات تو مطلوب ہیں)۔
برکات و خورق عبادت مطلوب نہیں (اسی طرح اور جو حقوق (شرعیہ) ہیں (وہ ان کا) بہتم کرتے ہیں) ان ہی سے ان کا حال درست ہوتا ہے۔

قوله وفيه دليل على كثرة ما يصلي هذا المصلح من خرق العادة الى قوله وفيه اصلاح حاله۔

فت۔ رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے عین چیزوں میں رقت قلب کی طلب کا حکم دیا ہے مگر آج کل بعض مدعیان تقویٰ صالح اور قرآنی میں رقت قلب کی تلاش کرتے ہیں مگر وہ یاد رکھیں کہ اہل صالح کو نماز اور تلاوت قرآن اور ذکر اللہ میں رقت حاصل نہیں ہوتی اور جس کو ان سے رقت حاصل نہ ہو اس پر دوزخ ہند ہے۔ جیسا رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ بزرگان دین نے جو سنا سننا سنا ہے وہ ابکل کا سنا سنا صحیح ہے کہ رقت نہیں تھا اور جیسا بھی تھا بطور غذا کے نہ مٹا بکدوا کے طور پر تھا۔ جب تک یہ فیض طاری ہوتا تھا اس وقت باہر علاج کے اس کو استعمال کرتے تھے مگر ابکل لوگوں نے خدا کو غذا بنالیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ نماز اور تلاوت و ذکر میں ان کو رقت و عبادت نصیب نہیں ہوتی جو حدیث کے موافق محدودی کی علامت ہے۔

فت۔ آج کل پنجاب میں ایک اور مدعی پیدا ہوئے ہیں جن کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ اہل اکبر پیدا ہو چکے ہیں اور وہ مرزا غلام احمد قادیانی تھا۔ اس میں شک نہیں کہ مرزا قادیانی بھی وہ دجالوں میں سے ایک تھا مگر وہ اہل اکبر نہ تھا۔ اس میں وہ اہل اکبر کی علامات موجود نہیں۔ بڑی علامت تو یہ ہے کہ اس کا خود زبانا ممدی علیہ السلام میں ہو گا اور اب تک حضرت امام کاظم رضی اللہ عنہ کی علامت وہ ہیں جو حقیقہ اس مقام میں مذکور ہیں مگر پنجاب کے مٹانے ان خوارق میں عجیب ہے کہ ان کی تاویلیں کی ہیں اور بعض کے مکتوبوں کو بے وقوف چھاپا ہے مگر اس کو ان شعور نہیں کہ قرآن

کا کہ صاحب بن مگر ای سے محفوظ رہیں اور جو وہی گمراہ ہو تا چاہے اس کا کوئی علاج نہیں (اسی لیے اہل تحقیق ان خوارق عبادت پر نظر نہیں فرماتے جو ان کے ہاتھوں سے ظاہر ہوتا ہے) اگر وہ کسی ہی زیادہ ہوں (کیونکہ خوارق عبادت و حال سے بھی ظاہر ہوں گے تو ان پر نظر کرنا اور ان کو نہایت کی علامت قرار دینا غلطی ہے) جب تک ان خوارق کے ساتھ کمال و بہار مست اور تقویٰ اور محبت حق موجود نہ ہو بعض بزرگان دین تو ان خوارق سے ڈرتے اور اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتے تھے کہ ان کو اس سے صاف کیا جائے۔ چنانچہ ایک بزرگ سفر کر رہے تھے راستہ میں دریا آ گیا جس سے پار ہونا بدوین ششی کے دشوار تھا ان کے پاس کچھ خاتونیں جو کشمی والے کا کہیے دے دیتے یہ سوچ میں پڑ گئے کہ کیا کروں نصرتہ ان کی نظر دریا پر پڑی کہ اس کے دونوں کنارے اس قدر قریب ہوئے ہیں کہ ایک ہی قدم کا فاصلہ دیکھا ہے یہ دیکھ کر گھبرا گئے اور عرض کی عطا دے اگر یہ کرامت ہے تو اس کو آخرت کے لیے میرے واسطے ذخیرہ کرلو۔ پھر صوفیوں نے کہیے اور اگر سفید صوفیوں کی طرف سے (کوئی شہدہ) ہے تو اس کو مجھ سے وٹ کر دیجئے۔ دریا تو جیسا تھا دیکھا ہی ہو گیا اور بزرگ نے اپنے بھروسہ میں سے ایک پتھر ششی والے کو دیا جس کے بعد (کہا یہ دے کر) پار ہو گئے۔

بزرگوں سے اس قسم کی حکایات بہت ہیں (جن سے معلوم ہو کہ یہ کچھ خوارق عبادت سے خوش دہستے تھے بلکہ ڈرتے تھے) پس ان کو تو اپنے اعمال اور ایمان کی تحقیر و تنجیل کا بہتام تھا اور ان ہی کی برکات کی طلب تھی۔ جیسا رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص چالیس دن تک اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے اعمال میں (اخلاص) کا (بہتم) کرے صحت کے چٹے اس کے دل سے زبان پڑ جائے پھر آگے ہیں (یعنی اولیٰ اہل اسلام کی برکت سے دل میں معلوم حکمت کا اظہار ہو کہ یہ پھر اس کی زبان سے حکمت کی باتیں نکلتی تھیں۔ یہ حدیث صوفیاء کی پتھر ششی کی اصل ہے) نیز رسول اللہ صلی علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ رقت (قلب) کو تین چیزوں میں

حدیث کے کچھ دالے وہی الگ تھے جو زمانہ نزول وحی میں موجود یا انہی کے قریب تھے۔
جس شخص کو خلافت و خلافت اور اعجاز قرآن کی ہوا بھی دہلی ہو قرآن وحدیث
سے کافی ذوق ہو اس کو فہم قرآن وحدیث کا دعویٰ ہونا نہیں۔ اگر اس طرح
حدیثوں میں سے کئی تا دہائیں کی جائیں گی اور روایا یہ حدیث کو بہ وقوع بتایا
جاسے گا تو ایسا شخص خود متر و جانوں میں سے ایک وہاں ہوگا۔

یہ ایک کتنا کہ یہ باتیں عقل میں نہیں آتیں تو قیامت کی علامات کا شمار عقل میں
آنا ضروری نہیں۔ صرف حدیث کا صحیح ہونا ضروری ہے۔ قیامت کی کیفیت عقل میں نہیں
آسکتی تو اس کی علامات کا عقل میں آنا کیا ضروری ہے؟ اور اب کو سانس نے بہت سی
ابہاد و قیاس باتوں کو قریب کر دیا ہے۔ پہلے کسی کی عقل میں یہ بات آسکتی تھی کہ یثیور
کے ذریعہ لیلہ کی تقریر ہندوستان میں بھی جاسکتی ہے۔ مگر آج سب محسوس ہے
ہیں۔ یہی انتظار کرو انتظار اشد متعجب وہ وقت بھی آجائے گا جب علامات قیامت
سب کی سب تباہی مخلوق سے قریب ہو جائیں گی۔ اس مدحی نے ایک کمال تو یہ کیا
ہے کہ کلمہ ممدی کا اقرار کیا ہے مگر نزول وحی علیہ السلام سے انکار ہے۔ حالانکہ علم
میں بعض ایسے تو گزرے ہیں جنہوں نے خود ممدی سے انکار کیا ہے اور حدیث ان
ماہر لا ممدی انانیت کی وجہ سے ممدی اور صحیح کا مصداق یعنی علیہ السلام ہی کو
قرار دیا ہے مگر ایسا کوئی نہیں ہوگا جس نے نزول وحی سے انکار کیا ہو۔

امت مسلمہ کا متفق علیہ قول یہ ہے کہ ممدی اور عیسیٰ علیہ السلام الگ الگ دو
شخص ہیں اور حدیث ان ماہر کو ضعیف کہتا ہے۔ ہر حدیث صحیحہ متواترہ کو رد نہیں کر
سکتی۔ یعنی علیہ السلام زمانہ ممدی میں آسمان سے نازل ہوئے ہوں گے اور وہاں ان کو
اپنے ہاتھ سے قتل کریں گے۔ اس وقت چونکہ وہاں کا مقابلہ ہو گا جس کے پاس
خوارق عادات بہت کچھ ہوں گے اس لیے عیسیٰ علیہ السلام سے بھی بہت خوارق عادات
ظاہر ہوں گے۔ میں یہ شبہ لکھ رہا ہوں کہ عیسیٰ علیہ السلام سے ایسے معجزات ایسی بڑت
کے دالے میں تو ظاہر نہیں ہوں گے اب زمانہ محمدیت میں میں ظاہر ہوں گے؟ جواب

دیا ہے کہ اس وقت وہاں انہی کا مقابلہ ہو گا جس کے برابر اہل باطن میں کوئی بھی مناسب
خوارق نہیں ہوا۔ ایک مشہور یہ کہ ہے کہ جب عیسیٰ علیہ السلام کے سانس سے مارے
کا فریاد ہو جائیگا تو وہ چند ہی دن کے لیے تین دن واصل کسی کی کریں گے؟ جواب یہ
ہے کہ یہ خفایت ان کے سانس میں ان کے وہاں سے مقابلہ کے وقت ہوگی کہ اس کے
ساتھ پوری دل کا فریاد ہوئے اور ممکن ہے اس کے پاس میدان جنگ میں پھٹرنے کیلئے
گیس وغیرہ بھی ہوں ان کے گیس کا جواب عیسیٰ علیہ السلام کا سانس دے گا۔ ان کا گیس
تو دوست دشمن سب ہی کو ہلاک کرے والا ہوگا محمد صلی علیہ السلام کا سانس صرف کافروں
کو ہلاک کرے گا۔ مسلمانوں کو قوت و فرصت بخشنے گا۔ اس طرح وہاں کے قتل و کشت بہت
سے کافر ہلاک اور بہت سے فرار ہو جائیں گے اور میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہے گا، تو
اس کے بعد عیسیٰ علیہ السلام کے سانس سے کفار ہلاک نہ ہوں گے۔ چنانچہ خروج باجورج و
ماجورج کے وقت عیسیٰ علیہ السلام کو حکم ہو گا کہ مسلمانوں کو ملے کر کوہ طور پر چلے جائیں۔
اگر عیسیٰ علیہ السلام کے سانس میں یہ خفایت دہلی ہوئی تو ان کو کوہ طور پر جانے کا
حکم کیوں ہوتا؟ بلکہ یہ حکم دیا جائے گا کہ اپنے سانس سے باجورج و ماجورج کو بھی ہلاک کر
دیں۔ اس سے مسلم ہوا کہ ان کے سانس میں یہ خفایت صرف اسی ایک میدان میں
ہوگی جہاں وہاں سے مقابلہ ہوگا۔ اسی طرح اس نے اور بھی شہادت لکھنے پڑھنے
کا مشاء و معنی تمام اور غلبہ ایمان ہے جس کو اللہ کی قدرت پر پورا ایمان ہے وہاں سے
شہادت نہیں کر سکتا خوب سمجھو۔

بیان
(۷۲۵) حرمت مکان سے ایمان ہی کے ساتھ نفع ہوتا ہے مسلم
نہا کہ مکان کی حرمت ایمان کے ساتھ ہی نشہ دیتی ہے کہ کوہ نزول اللہ صلی علیہ وسلم
فرماتے ہیں کہ وہاں کی طرف (مدینہ سے) ہر کافر اور منافق نکل کر پڑے گا جس سے مسلم
ہوتا ہے کہ اس وقت مدینہ میں کفار اور منافق بھی ہوں گے حالانکہ اس وقت وہاں
نفاق ظاہر نہیں۔ مدینہ میں کوئی کافر مقیم ہے نہ وہاں جاسکتا ہے تو اس وقت عالم

میں اس وقت ہی زیادہ ہوگا کہ کفار و منافقین مدینہ میں آباد ہوں گے حضور نے
عامی اور لائق نہیں فرمایا (بلکہ کافر و منافق فرمایا ہے تو یہ لوگ باوجود مدینہ میں رہنے
کے فتنہ و جال سے محفوظ دور رہیں گے کیونکہ بدولت ایمان کے صورت مکان سے کچھ قطع نہیں
ہوتا۔ مدینہ کے مومن قوسب اس کے فتنہ سے محفوظ رہیں گے غرض مکتی ہوں یا غیر مکتی۔
کیونکہ ایمان کے ساتھ برکت مکان سے سب کو قطع ہو جاتا ہے) اسی لیے امام باک نے

اپنے ایک دوست کو لکھا (میں) یہ ہے کہ حضرت ابوالدرداء سے حضرت سلمان فارسی کو
لکھا تھا جبکہ انہوں نے بیت المقدس کی طرف جانے کا ارادہ کیا کہ زمین کسی کو پاک نہیں
کرتی بلکہ انسان کو اس کا عمل پاک کرتا ہے۔ ایک بزرگ کا قول ہے کہ اپنے لیے ایسی
چیز کو تلاش کرو جو تم کو پاک کر دے خواہ تم علم اور یا حسن عمل کیونکہ بخدا مصلحت بہت
بازگ ہے۔

وفیه دلیل خلاف ان معنی البیوم الا یوم ان ایمان الذی قولہ قال عمر
وہذا خطر -

فت - حضرت شارح کے زمانے میں تو یہ بات کسی مسلمان کی عقل میں نہ سکتی تھی
کہ مدینہ میں کفار و منافقین بھی رہ سکتے ہیں۔ مگر اب نکل بھاری نکلیں دیکھ رہی ہیں کہ
امریکہ کی کمپنی کو جاز کے محلان اور پٹرول کا ٹینک دے دیا گیا ہے اور یہ لوگ یہ بگھٹ
لکھ دینے کے اس پاس موٹر بنائے پھرتے ہیں۔ کیا عجیب ہے کہ یہی وقت اُن کو مدینہ میں
مکان بنا کر رہنے کی بھی اجازت دے دی جائے۔ سلطان نجد و حجاز کا یہ فعل قسم
مسلمانوں کے دلوں میں کاسنے کی طرح ٹھیک رہا ہے کہ انہوں نے لکھا کہ اس قسم کا
ٹینک دے کہ جہاز میں رہنے کا موقع کوئی نہ دیا؟ اگر ممدان کی کوشش ہے تو پہلے
اپنے انہیں کو یورپ و امریکہ کی کام کی تہذیب دی ہوتی پھر ان کی تہذیب یا فتنہ مسلمانوں سے
یہ کام لیا ہوتا۔ مگر اصل ہمارے سلاطین کو جو کوئی ہے انہی ہی کو سمجھتی ہے۔ روایات
سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود قوسب کے سب وہاں کے ساتھ ہوں گے وہ تو اس کو اپنا
بادشاہ اور فرما لیں گے۔ لیکن یہ کہ کچھ نصاریٰ یہود کی عداوت کے سبب وہاں کو نہ

(۲۲۷) دعویٰ کی حقیقت امتحان کے وقت کھلتی ہے یہاں سے معلوم

کی حقیقت امتحان ہی کے وقت کھلتی ہے۔ وہاں کے قفسہ میں دیکھو کہ بہت لوگ ایمان
کی ایسی تہذیب کو ملامت کرتے ہیں جو کہ وہاں کے آئے پر یہ دعویٰ کچھ بھی نہ
ٹھہرے گا۔ بار جن کا ایمان واقعی (سچا) ہوگا اور ایمان کے عقیدے پر عمل بھی کرتا ہو
گا (وہ ثابت قدم رہے گا) یہی ہے جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان
فتنوں کا ذکر فرمایا اور صحابہ نے آپ سے دریافت کیا کہ اگر یہ زمانہ ہمارے سامنے
آجائے تو آپ اس وقت کے لیے ہم کو کیا حکم دیتے ہیں؟

آپ نے فرمایا ایلھ الدالی الایمان والاعمال المصلحت۔ ایمان و اعمال
مصلحت کی پناہ حاصل کرو۔

حالانکہ یہ حضرات سب مؤمن تھے پھر بھی ایمان و اعمال مصلحت کی پناہ لینے کو فرمایا
تو مطلب یہ ہے کہ ایمان کو مضبوط کر کے کی کوشش کرتے رہو۔ اور اعمال مصلحت بھی
ایمان کو قوت دینے والے ہیں کہ اس سے ایمان میں کمی اور زیادتی ہوتی ہے۔

اور اس میں شخص کو تہذیب
ہر شخص کو اپنی حالت میں خود کرنا چاہیے کیونکہ یہ ہے کہ ہر زمانے میں

ہیں (اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے لفظ کے ساتھ پہلی دستگیری فرمائیں زمین و ملاقا
عقلیٰ عائد الذہن سیدنا محمد وآلہ و صحابہ و اہل بیت علیہم السلام)۔

فت۔ حق بات کو چھپا نہیں جاسکتا ہر زمانے میں صدی کے شہوت پر اللہ تعالیٰ
اس امت میں مجتہد پیدا فرماتے ہیں جو دین کی اصلی شہادت کو مسلمانوں کے سامنے
دراجت کر دیتے اور حق کو باطل سے جدا کر دیتے ہیں اور اہل غلو کو اعتراف ہے کہ
اس صدی کے مجتہد حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی فراموش نہ
ہوتے۔ یہیں مسلمانوں کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تالیفات و مواظبہ و رسائل کا مطالعہ
کرنا اور حق و باطل کو ان کے ارشادات سے معلوم کرنا چاہیئے۔

حضرت کے وہ خدام ابھی تک زندہ ہیں جن کے سامنے حضرت اقدس نے ایک
دو بار میں بلکہ بار بار فرمایا ہے کہ مشرک گاندھی اس زمانے کا دجال ہے اسی لیے
حضرت کو کانگریس سے نفرت تھی اور اس میں شرکت سے مسلمانوں کو منع کرتے
تھے۔ اب بعض متفکروں کی ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ جو بڑے مشرک کانگریس کے لیے
حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا وہ خونریز پیش کرتے ہیں جو
دیرِ تقدیر صحت نسبت کہ ہنوز اسی میں کلام ہے) حشر اللہ کا لکھا ہوا ہے جب کہ
کانگریس میں کانگریس کا وجود بھی نہ تھا اٹھ تو کیا خاک ہوتا۔ اور حضرت حکیم الامت نے
شرکت کانگریس سے اس وقت منع فرمایا ہے جب مشرک گاندھی کا نام کانگریس
اور کانگریس کا نام گاندھی ہو گیا اور وہ مشرک گاندھی سے ملنا گاندھی بن گیا تھا۔
اہلِ عقل سیاست و ان طبقہ نے تجربے کے بعد حضرت حکیم الامت کے ارشاد کے
موافق عمل انھوں نے دیکھ لیا کہ واقعی یہ شخص دجال ہے جس کا ظاہر صلح اور باطن
شہین اسلام ہے۔ دل کی دشمنی نہیں مادی کی دشمنی ظاہر ہو رہی جاتی ہے۔
قد بددت البغضاء من افراہمہ وعاثتہ صدورہ ص ۱۱۱ کتبہ

بينا لکھ لايات ان کتہم تعقلون ۵

زیادہ افسوس اُن علماء پر ہے جو اب تک کانگریس کا دم چمک رہے ہوئے

اپنے نفس کی وکھ بھال کر تار ہے۔ کیونکہ کوئی زمانہ بھی دجالوں سے خالی نہیں ہوتا۔
(حدیث میں ہے کہ میرے اور دجال اکبر کے درمیان کچھ اور ستر دجال ہوں گے) یہیں
ہر شخص کو اپنی حالت میں نظر کرنا چاہیئے۔ مبادا وہ دجال کے متبعین میں سے ہو یا
خود ہی (ستر دجالوں میں سے ایک) دجال ہو۔

معیار امتحان کتاب و سنت کی میزان ہے بشرطیکہ تفسیر سلف صالح کے
موافق ہو میزان سے تول کر دیکھا جائے اور کتاب و سنت کی تفسیر سلف صالح
کے موافق کرنا ہے (سمان اللہ کی بات فرمائی ہے جس نے ہر دہل و فریب کا
غیر بند کر دیا کیونکہ بعض لوگ اپنی حالت کو کتاب و سنت کے موافق تو لاہر کہتے ہیں مگر
کتاب و سنت کی تفسیر اپنی تفسیر سے کرتے ہیں اس طرح اپنے کو بھی دھوکہ دیتے ہیں
اور مخلوق کو بھی۔ اگر کتاب و سنت کی تفسیر سلف صالح کے موافق کر کے اپنی حالت کو
اس کے موافق نہ پاسے (اور میری مثال کال گاندھی ہوں) تو یہ شخص مستحق ہے اور اس کو
پتہ بھی نہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا صدق ہے مستند و جامع من
حيث لا يعلون۔ ہم ان کو اُستہ اُستہ پکڑیں گے کہ ان کو خبر بھی نہ ہوگی۔
اسی صحن کی طرف نزول اللہ صلی علیہ وسلم نے اس ارشاد میں اشارہ فرمایا ہے۔
حاسبوا قبل ان تحاسبوا۔ اپنا حاسب خود کرتے رہو اس سے پہلے کہ قیمت
میں) تم سے حساب لیا جائے گا اور (ہر وقت) اسب اور عفت کو اپنے اوپر لازم کیجے
کیونکہ بخیر معاملہ نہ کیجئے۔ اور آج ہم ایسے زمانے میں ہیں جس میں بھلائی کے
نشان بدل گئے اور راستہ مختلف ہو گئے ہیں۔ بھلائی کی طرف بلائے والے اور چلنے
والے کم ہیں زیادہ مشرک کی طرف بلائے والے اور مشرک کے راستہ پر چلنے والے

باب ہشت و ہفتم

حدیث

من استطاع منكم الباءة فليتزوج

محمد راشد (رحمہم اللہ) رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ (ابن ابی شیبہ) ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ آپ نے فرمایا جو تم میں سے بھوی کے نان و نفقہ کا مقول ہو اس کو نکاح کرنا چاہیے کہ وہ نگاہ کو زیادہ محفوظ کرنا اور شرمگاہ کو زیادہ پاک دامن بنادیتا ہے اور اس کا نکل نہ ہمسکے وہ روزہ کو اپنے اوپر لازم کرے کہ وہ زیادہ شہوت کو کم کرنے والا ہے۔

شرح: ہر مرد پر یہ ہے کہ اس میں نکاح کا امر ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صریحاً خلیفہ تہجد فرمایا ہے جو امر کا صیغہ ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ روزہ کا عہد شہوت کو کم کر دیتا ہے۔ اسی لیے دوسری روایت میں روزہ سے کا حکم جو انہوں کے ساتھ مخصوص ہے کہ چونکہ بوجھوں میں یہ زیادہ خودی کو کم ہو جاتا ہے اور وہ آسانی سے اس کے تقاضے کو دے کر سکتے ہیں۔ جو ان آدمی اس کے تقاضے کو آسانی سے دے نہیں کر سکتا تو اس کو روزہ کا حکم دیا گیا، اگرچہ وہ ہمت کرے تو بہ دن روزہ کے بھی یہ تقاضا دے ہو سکتا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اغضی للرب صریحاً احسن للشرع فرمایا ہے کہ روزہ نگاہ اور شرمگاہ کو زیادہ محفوظ کرتا ہے یعنی حفاظت کا ایک درجہ بغیر اس کے بھی قدرت میں رہتا ہے۔ اسی لیے ہر شخص کو ہر حالت میں نگاہ اور شرمگاہ کی حفاظت کا شرفا امر ہے خواہ اس میں کئی ہی زیادہ

اور مسلمانوں کو اس کے ساتھ وابستہ رہنے کی تعلیم دے ہے جس کا حکم لاگرس کی اسلام دشمنی اب بالکل مایا ہو چکی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ گھڑو کی مشینیں اس نے اپنی دشمنی کا ایسا غور نہیں ملاحظہ کیا ہے جس کی نظیر ہندوستان کی تاریخ میں ہندو مسلمانوں کے درمیان نہیں مل سکتی۔ مسلمانوں کو ان نام نہاد علماء کی باتوں میں نہ آنا چاہیئے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ارسا و گروہی کو مشعلی راہ بنا کر اس دجال سے اور اس کی جماعت سے دور ہی رہنا چاہیئے۔
دوراد جال اسس نہ لےنے میں مرزا غلام احمد قادیانی خا جو بہت سال پہلے گزر چکا مگر اس کی جماعت باقی ہے مسلمانوں کو اس جماعت سے بھی دور رہنا اور اس کے دہل و فریب سے بچتے رہنا چاہیئے۔

۵۳۸

سموت ہو، کیونکہ انکس نیچ کر لین اور شرنگھ کو حاکم سے بچانا قدرت سے باہر کی دقت بھی نہیں اگرچہ جہان کو اس میں بڑا بھاپہ کرنا پڑتا ہے اور جب تک وہ دین میں مضبوط رہے جو اس قدرت کو حاکم میں نہیں لاسکتا (مگر بھاپہ اور شفقت لازم آنے سے قدرت سے خارج ہونا لازم نہیں آتا) یہ اور بات ہے کہ اسباب سموت پر عمل کرنے کے بعد زیادہ آسانی ہو جاتی ہے۔ اسی لئے جہانوں کو روزے کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ زیادہ روزہ رکھنے سے اس ہاڈے کا تقاضا شدید نہیں رہتا (حفظ لفظ صافہ حاذکہ الشارح صفحہ ۵۴۰)

(۲۲۶) انسان اسباب سے کام لینے کا مامور ہے ہوا اور فضا

سے کام لینے کا مامور ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت (سموت) دینے کرنے کے لیے سبب سے کام لینے کا حکم فرمایا ہے کہ شادی کرنے اگر اس کی قدرت نہ ہو تو روزہ رکھے۔ اسی طرح جو بی بی اور عورت جو انسان کو اس کے دینی یا مادی کی سبب کو کام میں لانا چاہتی ہے، جس طرح بھی شریعت کے موافق اسے قدرت ہو یا تو اس حدیث کا مدلول تھا، لیکن قدوسی حدیث اس کے معنوں میں (یعنی) ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر چیز پر دینی اور دنیائے دینی کا کیم جہان ہوں اور مجھے اپنے اوپر نیتا میں بے شکا ہونے کا خطرہ ہے اور جو قوس سے شادی کرنے کی قدرت نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نیت کرنا شروع نہ ہے تو انہوں نے کئی مرتبہ ایسی بات کو نہ فرمایا۔ تیسری دفعہ آپ نے فرمایا جو کچھ تم کو پیش آنے والا ہے کلمہ (تدبیر) اس کو لکھ کر خشک ہو چکا ہے سبب ملے اس پر لکھا کرو یا (پریشانی) بڑھانے دو۔

یہاں حضور نے ترک اسباب اور رضا برحق کا حکم فرمایا اور جس حدیث کی ہم شرح کر رہے ہیں اس میں اس حالت کے زوال کی تدبیر اور اسباب زوال میں کوشش کرنے کا حکم ہے۔ دونوں میں تطبیق یہ ہے کہ ابوہریرہ اصحاب معذ میں سے تھے جن کو اکثر غلو کی توبت پیش آتی تھی اور حضرت ابوہریرہ تو جو کچھ کی شدت

پس انسان کو چاہیے کہ اسباب شرعیہ میں اپنی کوشش پوری کرے جن کے اختیار کرنے پر عبادۃ النیروں ہی جاری ہے کہ ان سے نفع حاصل ہوتا یا ضرر دینے ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد اسباب پر نظر نہ کرے۔ یہ نہ سمجھے کہ ان ہی سے نجات ہوگی۔ بلکہ قضاء الخلق کے سامنے گردن جھکا دے اور سمجھے کہ یہاں بعض فضل سے ہوگی اس کے مل سے نہ ہوگی۔ جیسا ابراہیم علیہ السلام نے اولیٰ تواریک کی تحقیق میں پوری کوشش صرف کی (اپنی قوم کی کٹ جھٹی کا پھندے کی طرح جواب دیا) مگر اس پر بھروسہ نہیں کیا بلکہ (ساتھ ساتھ) یہ بھی فرمایا (و لا اخافت ما نثر کونہ)۔ اہل ان یثاؤ دھب شمشاد و سم دلی کل شئی عذسا۔ نہیں کہہ سارے ان مجھ سے محبوب ہیں سے اسلاف میں دوتا (میرے لیے) نہیں بگاڑ سکتے، یاں میرا روزگاری کچھ چاہے (خداوند بات ہے) میرا رب ہر چیز کو اپنی وسعت علم سے محیط ہے جیسا ابراہیم علیہ السلام مشیت پر بھروسہ کرنے والے تھے (اسباب پر نظر کرنے والے نہ تھے) اسی طرح ایک دفعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پاڈا کی چوٹی پر کھڑے تھے کہ شیطان ملعون آپ کے سامنے آیا اور کہنے لگا میں نے تم سے عیناً (تبارا قول یہ ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تقدیر میں لکھ دیا ہے وہی سامنے آتا ہے) تقدیر کے نفع میں نہیں ہو سکتا، تو اپنے کلاس پاڈا

لوگو کہ شخص اللہ کے نزدیک قبول اور مقرب ہے، تم کو اس کی کیا خبر، ان جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے خبر دے دی ہے ان کا تذکرہ کر سکتے ہو، اس حدیث کا شان بیان یہ ہے کہ ایسا شخص کا انتقال ہوگا تو صحابہ نے اس کی تعزیت کی کہ اسے غلام مجاہد کو مت مبارک ہو، مجھے کو خدا کا قرب مبارک ہو۔ اس وقت آپ نے فرمایا کہ اللہ کے نئے کسی کا تذکرہ نہ کرو، پھر فرمایا میں یوں لوگو! میرا مکان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو مقام قرب عطا فرمایا ہوگا، میرے خیال میں تو شہادت سے کا مایاب ہوا ہے مثلاً اور یہ حدیث اسی حدیث کے معارض میں ہیں رسول اللہ ﷺ نے علم نے فرمایا ہے اذ انما یصلہ الرجل وطلب المسجد فاشہد والہ بالیہما۔ جب تم کسی کو دیکھو کہ مسجد کو نکال دیتا ہے تو اس کے متعلق مومن ہونے کی شہادت دو۔ کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو حالت شہادت سے سامنے ہے اس کی شہادت دو۔ رہا باطن اور ان کا نام کا حال تو اس کو تم کی جانو؟ یہ معاملہ اللہ کے سپرد ہے وہی جس کو چاہیں گے اپنے فعل سے اچھا کر دیں گے اور جس کو چاہیں گے اپنے عدل سے عذاب دیں گے۔ حق تعالیٰ نے اپنے رسول کی طرف سے ارشاد فرمایا ہے وما ادریٰ مما یعمل فی واد بکرم، مجھے کیا خبر کہ میرے ساتھ کیا معاملہ ہوگا؟ اور تمہارے ساتھ کیا؟ ایت میں معاملہ آخرت مراد نہیں کیونکہ انبیاء علیہم السلام کا آخرت میں کا مایاب ہونا یقینی ہے جس کا علم خود انبیاء کو بھی یقین کے ساتھ ہوتا ہے بلکہ مراد دنیوی معاملہ ہے کہ مجھے معلوم نہیں کہ دنیا میں مجھے غلبہ ہوگا یا تم کو اور مجھے غلبہ ہوگا تو جلدی ہوگا یا دیر میں اور اللہ میں دہشتے ہونے لگا یا ہر جا کہ ہوگا وغیرہ وغیرہ۔

نیز حق تعالیٰ کا ارشاد ہے لایسئلہ احد، اللہ تعالیٰ سے کون کے انحال کے متعلق کوئی پوچھ نہیں کرے وہ نہیں۔ اس آیت کے سامنے گزریں جبکہ میں اور بڑے بڑے اہل ایمان والے اس آیت کے خوف سے بہت ہو گئے۔ میں بخدا اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم ہی پر موقوف ہے مل یا بشر میں پر ہار نہیں

ہاں یہ ضرور ہے کہ عمل سے مومن کو بشارت (اور خوشی) ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مراد کی کو توفیق دی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے فینسب الہ للسرعی (جو شخص نیک اعمال ایمان کے ساتھ بچا کرتا ہے) ہم اس کو آسان راستہ کی (یعنی سہولت جنت کی) توفیق دیتے ہیں نیز ارشاد ہے وسنبصر الہ للعصری (جو شخص بڑے اعمال کرتا اور اچھے بات کو بظلمت کے معنی غفلت اختیار کرتا ہے) ہم اس کو مصیبت کے راستہ کی (یعنی دہری جہنم کی) توفیق دیتے ہیں۔ تو جس شخص کو نیک اعمال کی توفیق ہو رہی ہے اس کو خوشی ہوتی ہے اور اللہ کے فضل کی قوی امید ہو جاتی ہے جو اس آیت میں مذکور ہے حق تعالیٰ شہد اُن لوگوں کا ذکر فرما کر جو نیک اعمال کی توفیق دی گئی ہے ارشاد فرماتے ہیں اولئک، میں جہنم دحہ اللہ، یہی لوگ اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں جس میں رہا لوگوں کو ان کا ساتھ قرار دیا گیا ہے جن میں اعمال مذکور ہوئے ہوں اور یہ اوصاف اللہ ہی کے ہیں جن کو اعمال جنت کی توفیق دی گئی ہے۔ اور جس شخص کے لیے اہل شہادت کے اعمال آسان کر دیئے گئے اس کو بھی یاد چاہیے کہ اسے جہنم کی طرف آہستہ آہستہ لے جایا جا رہا ہے۔ اس پر لازم ہے کہ اس راستہ سے جلدی نہ اپنے دہک کی طرف رجوع کرے۔ تو یہ استغفار کی کثرت کرے اور اللہ تعالیٰ سے مدد چاہے آئید ہے کہ وہ اس کو قبول فرمائیں گے اور شہادت کے راستہ سے ہٹا دیں گے اور اپنے فعل و کرم سے نیک اعمال کی توفیق دے دیں گے۔

اس تقویٰ سے دونوں حدیثیں صحیح ہو گئیں (اور کوئی تعارض باقی نہ رہا) مطلب یہ ہے کہ اسباب سے کام لیتے چاہیے مگر ان پر غور نہ کیا جائے۔ اعمال کے بعد بھی اللہ تعالیٰ نے اس کے فضل و احسان پر نظر نہ کر کے جس سے ان اعمال کی توفیق ہوئی اور اس سے اس کی طبیعت کے دفع اور نعمت کے تمام و کمال ہونے کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف التماس و دعا و استغاثہ بھی کرتا ہے اور تقدیر الہی کے سامنے گردن تسلیم ٹھہرے کہ یہ غیر ہو یا شر شیر ہو یا نوح یا نوح (سب پر سلامتی ہے) لیکن یہاں تسلیم و رضا میں (ایک) امید

بندہ کے لیے پسند میں رکھتا ہے۔ بندہ بھی اُسی کو اپنے لیے پسند میں کر سکتا۔

قرآن و سنت حد و دلیل علیٰ الامراء ما عاهد لعلل المسباب الی قوله

فلما مضى العہد لفضله۔

ف۔ یہاں سے اُن لوگوں کی غلطی واضح ہوگئی جو کہتے ہیں کہ مسئلہ تقدیر نے مسلمانوں کی بہتیں پست کر دی ہیں۔ وہ اعتقاد تقدیر کی وجہ سے تدبیر سے کام نہیں لیتے اُن کو معلوم ہونا چاہیے کہ اسلام نے اعتقاد تقدیر کے ساتھ تدبیر کا بھی حکم دیا ہے۔ اب جو لوگ تدبیر کو چھوڑتے ہیں اپنی جماعت کی وجہ سے چھوڑتے ہیں اسلام کی تعلیم میں مسئلہ تقدیر پر سب سے زیادہ چست اعتقاد حضرت صالح کا تھا۔ پھر کیا کسی نے اُن کے برابر بلند بہت کوئی قدر دیکھی ہے یا ان سے بڑھ کر دہراؤ و تنگم کوئی جماعت بھی دیکھی گئی ہے؟ عقیدہ تقدیر کا فائدہ یہ ہے کہ اگر کسی وقت تدبیر کا رد نہ ہو، اسباب و وجہ گئی ہے؟ عقیدہ تقدیر پر ایمانی سے بڑھ کر کسی نہ ہو یہ سمجھ کر تسلی کر لے کہ تقدیر ہی تھا ہی خیر کامیابی کے بعد تکبر و مغرور میں مبتلا نہ ہو بلکہ دس کامیابی کو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا نتیجہ سمجھے۔ اللہ کی حالت میں اعتدالیوں ہی پیدا ہو سکتا ہے۔

ف۔ یہ تو یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت غیب پر غالب ہے اور یہ بھی یقینی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے خلاف نہ کریگا؟ اس میں بھی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اختیاری ہے جہن میں اور وعدہ کر لینے سے اُن کی قدرت سلب نہیں ہوگئی۔ اگر وہ کسی نیک کو عذاب نہ کرنا چاہیں یا بد کو بخشنا چاہیں تو کسی حال میں کہ اللہ تعالیٰ سے بد پر کس کر سکتے ہیں شان قدرت ہے جس کے سامنے جبر و انبیاد و اولیاد کی گزریں ٹھکی ہوئی ہیں گو اُن کو اس کا بھی یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی نیک کو بلا وجہ عذاب نہ کریگا لیکن کسی نے اُن کو مجبور بھی نہیں کیا نہ کر سکتا ہے یہی حقیقت ہے اس مسئلہ کی جس کو اسکا لکھنا کذب کے عقوبات سے بیان کیا جاتا ہے۔ یہ عقوبات اپنا نہیں مگر سنو ان پائلٹ میچ ہے وہ اللہ تعالیٰ کا چھوڑا۔ پانچ ہزار آدم آئے گا حشا للہ وہ بہت کے متافی اور لایسبل حال فعل کے

ناتانی کی ضرورت ہے (وہ یہ کہ کوئی بات میں توقیر و شرف و فخر سے راضی رہے اور شریفیت میں نیک اعمال سے خوش اور نیک عمل سے رغبت نہ کرنا چاہئے) کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں المؤمن قسراً حساناً و تقواً لا یستأثرہ مؤمن کو اپنی نیکیوں سے خوشی ہوئی ہے اور نیک ہوں سے دلچسپی ہوتا ہے (محرر دیکھ لینے سے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے نہیں ہوتا) کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو نیک ہوں پر مجبور نہیں کیا۔ ہر شخص اپنے ارادہ و اختیار سے نیک ہے اگر اسے اور جس سے بلا ارادہ کسی کی ذمہ داری عطا یا اپنی بھول پر نیک ہے اگر اسے وہ معاف ہے لعلل المسباب دفع عن الحق الحظاظ و النسب ان دعاء استکبر حوا علیہ) پس اس میں (و فیات میں) ہمیشہ قضا و قدر کے سامنے گردن ٹھکائے جو چاہے یا پیش آئے اُس پر لڑائی بہت ہے اور جس حالت میں اللہ تعالیٰ شہر ادیں اُس کے سوا کا غالب نہیں ہوتا اُس کو بدلتا چاہتا ہے یہاں تک کہ حق تعالیٰ خود ہی اُس کو بدل دیں۔

ایک نکتہ یہ ہے کہ جسے چھوڑا کہ نہ یہ وجہ تبتے پایا؟ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جس مقام پر پہنچایا میں نے اُس سے منتقل ہونا پسند نہ کیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اُس سے (مجھے) منتقل کر دیا۔ اسی حقیقت پر نضر کے کاہر ہائے دالے کامیاب ہو گئے اور نفع حاصل کر سنے والے ٹھوکر ہوئے پھر (یہ مضمون) یہی ہے کہ ہمیشہ اپنی حالت کا تقصد رکھے (اُس پر نضر کرتا ہے کہ) اگر کسی نیت یا جدت میں اس کو جتنا کر دیا گیا ہو تو اُس سے لاف نہ ہو کیونکہ موسیٰ کی عظمت یہ ہے کہ اُس کو گناہ یا جدت سے خوش نہ ہو اُس وقت اس کو اللہ تعالیٰ سے دریافت کرنا چاہیے اور اس راستہ سے جتنا چاہیے میں پرہیز کرتا ہے اور پوری کوشش کے ساتھ اس سے غلامی پانے کی تدبیر کرے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرنے کے لیے کیونکہ حق سبحانہ فرماتے ہیں ولا یوحی لعلل المسباب اللعظ اللعظ اپنے بندوں کے لیے کفر کو پسند نہیں کرتے (اور ہر معیت و مخالفت کو کفر ہی کی شان ہے) اُس کو بھی اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتے اور میں چہر کو نکالتا ہے

علائق ہے۔ اسی شان سے نیازی نے اچھے اچھوں کے چنے پائی کر دیئے ہیں جس پر حضرت
علیق شان کشف ہوئی ہے اسی قدر نازن ترسنا دہتا ہے۔
مغرباں را پیش بود حیرانی

(۲۶۸) سوال سے پہلے ہی مسئلہ بتلا دینا واجب ہے چنانچہ کمالیہ پر
واجب ہے کہ سوال سے پہلے ہی تعلیم کرے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں
کو اس کے سوال سے پہلے ہی بتلا دیا کہ ان کو کیا کرنا چاہیے۔ لیکن اس کے معارض اعرابی
کی مشورہ حدیث سے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طلب سے پہلے تعلیم
عین دی دونوں میں تطبیق یہ ہے کہ مخاطب کی حالت میں نظر کیا جائے۔ اگر یہ معلوم
ہو کہ وہ بات نہ مانے گا یا اس وقت تو مان لے گا پھر چھڑے گا یا بھول جائے گا
اس کی تعلیم لازم نہیں جب تک وہ خود سوال نہ کرے جیسا حضور نے اعرابی کے ساتھ
کیا اور اگر یہ معلوم ہو کہ جو کچھ اس سے کہا جائے گا قبول کرے گا اس کو سوال سے پہلے
ہی تعلیم کر دی جائے۔ جیسا اس حدیث میں مذکور ہے۔ قلہ وفيہ دلیل علی ان
العالم بحسب علیہ ان یصلح فی السوال الی قولہ کیا فعل الخبج حیثہ
علیہ وسلم فی هذا الحدیث۔

فت۔ یہ تو صحیح ہے کہ تعلیم کا قبل از سوال واجب ہونا یا نہ ہونا مخاطب کی حالت
اور موقعہ و مقام پر موقوف ہے مگر یہ دعویٰ مشکل ہے کہ حضور نے اعرابی کو قبل از سوال
اس کی تعلیم نہیں دی کی کہ اس کی تعلیم نہ کر لے یا چھڑ دینے کا اندیشہ تھا کیونکہ اعرابی
صحابی تھا اور صحابہ کی شان سے یہ بعید ہے کہ حضور کی بات کو قبول نہ کریں یا سن کر
چھڑ دیں فان الصحابة کلہم حدود۔ لہذا یہ ہے کہ جب اس نے نماز خود
شروع کر دی تو تعلیم کا یہ وقت نہ تھا کیونکہ ظاہر ہے کہ جو شخص بدعتی سوال کے عمل
شروع کرتا ہے وہ اس کا طریقہ جانتا ہے مگر حضور کی نماز کو نہ دیکھتے وہ جب
اس نے بدون تجدید اگر کمان کے نماز پڑھی حضور نے اس کا انتظار کیا کہ قنات سے فارغ

ہو کر مجلس میں اسے تو تعلیم کی جائے تاکہ سب کو معلوم ہو جائے کہ بدعتی طریقہ کمان
کے نماز ناقص رہتی ہے۔ چنانچہ وہ مجلس میں آیا اور سلام کیا تو آپ نے فرمایا ارجع فصل
خلف لہ فصل۔ واپس جاؤ نماز پھر پڑھو کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی۔ حضور نے اس
مفسدہ شادہ پر اکٹھا کیا تاکہ وہ خود کہے کہ میں نے کیا غلطی کی؟ جب دو عین دفعہ نماز کا
اعادہ کر کے بھی وہ اپنی غلطی کو نہ سمجھا تو اس نے دریافت کیا کہ تجھے بتلایا جائے۔
اس وقت آپ نے تفصیل سے بتلایا کہ نماز اس طرح پڑھنا چاہیے اس واقعہ میں
اجمالی تعلیم تو اس کے سوال سے پہلے ہی کر دی گئی تھی تفصیلی تعلیم طلب کے بعد ہوئی کیونکہ
اجمال کے بعد تفصیل زیادہ فوثر ہوتی ہے۔ تعلیم کا یہ نہ ایک طریقہ ہے کہ کوئی اجمالی تعلیم ہو
پھر تفصیلی بلکہ اجمالی سے مخاطب خود سمجھنے کی کوشش کرے۔

چونکہ نماز یا میل ہے حرارت دن میں یا پچ دفعہ فرض ہے اس کے طریقہ سے
تا واقعہ ہونا معمولی بات نہیں بہت سخت بات تھی اس لیے پہلی بار تفصیل کی حاجت
نہیں تھی مگر اجمال پر اکٹھا کیا گیا کہ ایسے عمل کی کوتاہی کو ادنیٰ اشارہ سے انسان
سمجھ سکتا ہے جب تیس دفعہ کے اشارہ سے بھی وہ نہ سمجھا اس وقت تفصیل کے
ساتھ تعلیم دی گئی اور جس مسئلہ کا اس حدیث میں ذکر ہے جس کی ہم شرح کر رہے
ہیں وہ نماز کے برابر غیر الواقع نہیں۔ نہ ہر شخص کو اس کی حاجت اسی لیے اس کو
پہلی ہی بار تفصیل سے بیان کر دیا گیا۔ ہذا ما عندی واللہ عندہ
صیحانہ وقطاع۔

(۲۶۹) انسان کو اپنے تمام افعال پر نظر کر کے ان اعمال کو اختیار
کرنا چاہیے جن کو قرب میں زیادہ دخل ہو کو اپنے تمام افعال میں
نظر کر کے اس عمل کی طرف بہت کرنا چاہیے جس کو قربت میں زیادہ دخل ہو۔
اوپر کی چھڑ دینا چاہیے۔ دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجوعوں کی اولیٰ نماز

یہاں سے معلوم ہو گا کہ انسان

کا حکم دیا ہے۔

قول دہیہ دلیل خلاف ان المرأعہ اور ان یظن فی کل اتصالہ ما ہا قریب الحدیثہ انی قولہ وانی امرعہ بالعموم۔

فت۔ ایک عالم نے خوب فرمایا کہ ہمارے اعمال صالحہ میں کوئی عمل ایسا نہیں میں پر دل کو یہ اطمینان ہو کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم اس سے خوش ہوں گے کیونکہ ہر عمل میں انصاف کے کم ہوئے یا نہ ہونے کا شبہ اور اس کی آمیزش کا احتمال رہتا ہے۔ بس نکاح ہی ایک ایسا عمل ہے جس کے بعد اولاد نصیب ہو جائے تو دل کو اطمینان ہو سکتا ہے کہ اس سے یقیناً رسول اللہ صلی علیہ وسلم خوش ہوں گے۔ اسی بے تحقیق تخوف کو نکاح کا ہوشیار اہتمام دیا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم کو خوش کرنے کا یہ آسان طریقہ ہے کہ مسلمانوں کا سلسلہ پیدائش زیادہ ہو اور اولاد مسلمان اور سنی مسلمان ہو اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ مسلمان غریبی نماز روزہ وغیرہ کی پابندی کریں اور اپنی اولاد کو بھی پابند بنائیں۔

فت۔ یوری سے بہتری میں یہ نیت تو بڑے درجہ کے لوگوں کا حق ہے کہ اگر یہ نیت نہ ہو بلکہ قناعت و شغوت ہی کی نیت ہو پھر بھی معرفت کو ترقی ہو سکتی ہے کیونکہ اس میں انسان کو اپنے مجرماں شاہدہ ہوتا ہے اور اپنے مجرم کے مشابہ سے بچا معرفت برحق ہے (قالہ ستیدہ حکیم الکلیعہ فود اللہ صریحاً)۔

فت۔ فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ جس شخص کو بدن نکاح کے فرائض مبتلا ہوئے گا اور بیشہ ہو اس پر نکاح واجب ہے جبکہ نان و نفقہ کی قدرت ہو اور جس کو یہ اندیشہ نہ ہو اس کے بدلے میں اعتقاد ہے کہ اس کو فرائض میں مشغول ہونا افضل ہے یا نکاح کرنا افضل ہے؟ حنفیہ کے نزدیک نکاح کرنا افضل ہے اس کی وجہ سے فرائض طاعت میں کمی کی ہو جائے اور شافعیہ کے نزدیک فرائض طاعت میں مشغول ہونا نکاح سے افضل ہے مگر یہ حدیث حنفیہ کی دلیل ہے جیسا محضر شراح کی تقریر سے ظاہر ہے۔

کا حکم دیا ہے جو ثواب و قرب میں روزہ سے بڑھا ہوا ہے۔ پہلے روزہ کا حکم نہیں دیا جب تک یوری کے نان و نفقہ کی طاقت محفوظ نہ ہو کیونکہ نکاح میں بڑا ثواب ہے۔ رسول اللہ صلی علیہ وسلم فرماتے ہیں تناسلو ایماہ بکلمہ الامم حیدم القیضۃ۔ نکاح کرو نسل کو بڑھادیں قیامت کے دن تمہاری (کثرت سے) دوسری امتوں پر فخر کروں گا کہ میری امت سب سے زیادہ ہے) اور نکاح اس نیت سے ہو کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم کی امت بڑھے اور آپ خوش ہوں گے، قیامت کی فضیلت میں یہ مشابہ ہے؟ رسول اللہ صلی علیہ وسلم فرماتے ہیں لعلایہ ففیہ السلام میں وہ بیانیہ میں کہ محرموں سے الگ رہا جائے، اگر محرموں سے الگ رہے (اور نکاح نہ کرے) اس میں فضیلت ہوگی تو شریعت اسلام میں اس کا ضرور حکم ہوتا۔ کیونکہ جملہ آدمیان صحابہ میں اسلام ہی سب سے بہتر دین ہے (جب اسلام میں رہیانیست نہیں تو معلوم ہوگا کہ نکاح ہی افضل ہے)۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے کہ میں محرموں سے نکاح کرنا بولن حلال کہ مجھے ان کی حاجت نہیں اور ان سے ہم بہتر ہی ہونا جو ہم حلال کہ مجھے ان کی شغوت میں۔ لوگوں نے دریافت کیا یا امیر المومنین؟ پھر آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ فرمایا۔ معنی اس امید پر کہ شاید اللہ تمہارے میری پشت سے کوئی بچہ پیدا کرے جس سے قیامت کے دن محمد صلی علیہ وسلم دوسری امتوں پر فخر کریں اور جب اس نیت سے بہتری کی جائے گی تو وہ شغوت بھی پیدا ہو جائے گی جس پر بہتری کو فوٹ ہے مگر وہ شغوت حیوانی نہ ہوگی بلکہ انسانی اور روحانی ہوگی، ہر حال کیونکہ نکاح کو کھتر اعمال و تسبیح پر فضیلت ہے اس لیے حضور نے اس کو پہلے بیان کیا اور روزہ پر مقدم فرمایا اور یہاں سے معلوم ہوا کہ انسان کسی عمل کا مکلف ہے جس میں برائے قدرت ہو اور تکمیل کر سکے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے ان لوگوں کو جو نکاح پر قادر نہ ہوں روزہ کا حکم دیا ہے یہ نہیں فرمایا کہ نکاح کی تدبیر کرے اور جس طرح بھی ہو اس کی کوشش کرے کیونکہ نکاح افضل ہے بلکہ آپ نے اس محدث میں صرف روزہ

اُن کا ہم مخلوق کے ساتھ تھا اور روح و قلب اللہ کے ساتھ اور اُس کی تمام ترتیب و تدبیر
تحت حق اور نیت کی درستی اور نیت پر چار ہونا اگر یہ بات نہ ہوتی تو وہ اور دوسرے
لوگ ثواب وغیرہ میں برابر ہی ہوتے مگر صبح نیت نے دونوں میں زمین آسمان کا
فرق کر دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، انما الاعمال بالنية وانما عمل
اس ما اذ نوى، یعنی اعمال کا مدار نیتوں پر ہے اور شخص کو وہی مقصد ہے جو اُس
کی نیت ہوتی ہے۔ اس حقیقت کی وجہ سے یہ حضرات حق تعالیٰ کے اس ارشاد کا
مصدق بن گئے، وقربى الجبال تحسبها جامدة ذهب تمسروا الصعاب
صعد الله المذبح اتقوا كل شيىء، اور تم رقیامت میں پہاڑوں کو دیکھ کر یہ گمان
کو گئے کہ وہ اپنی جگہ پر جمے ہوئے ہیں حالانکہ وہ بالوں کی طرح چلتے ہوں گے۔ یہ
کارنامے اُس خدا کا ہیں جس نے ہر چیز کو اپنی طرح بنایا ہے۔

اسی طرح عالمی شخص ان بزرگوں کو دیکھ کر بھی کاروبار میں مشغول یا اس سے محبت کی
باتیں کرتے ہوئے اور اندرونی و بیرونی معاملات میں گفتگو کرتے ہوئے دیکھ کر یہ گمان
کرتا ہے کہ وہ بہت اُس کے ساتھ ہیں حالانکہ وہ اندر میں عین بلکہ مرن اُن کا ہم اُس کے
ساتھ ہے اور قلب دروج حکومت کی سر میں مشغول ہیں۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ
وہ اپنے دوستوں سے باتیں کرتے اور دل لگی کرتے ہوئے بہت مقامات ملے کہ
یہیے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اُن کے واسطے مقدر فرمائے ہیں۔ مگر یہ مدت اہل بہت اور
صاحب نہیں کو حاصل ہوتی ہے جو اپنے حالات میں بہتہ ہو گئے ہیں جس نے اُن کی
فعل و فہم کے پردے اٹھا دیے ہیں۔ اب وہ اللہ تعالیٰ کی ہر بات کو سمجھتے ہیں اور
اللہ تعالیٰ نے اُن سے کہنا چاہتے ہیں پھر اُن کی تعمیل پر سبقت کرتے ہیں۔ یہی ہیں
جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی میرا سزا دہائی سے نوازا تھا طلبہ کیونکہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کئی چہ پڑ آپ کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے،
جاذا حق باصر و حاطے۔ آپ کی نگاہ نہ (مقدسہ) مائل ہوتی نہ حد سے
کچھ بڑھی اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں تمام عین حق و کلام ظہن

سے بجز معنی کے اور سب کی نفی ہو رہی ہے (یعنی کون ان الفاظ کا بنا پر ہے جو حضرت
شارح نے روایت کئے ہیں۔ مگر طبرانی اور ابوالخیر کے الفاظ میں تو مکتب تصریح ہے
کہ اُن کا کفارہ نہ نماز سے ہوتا ہے نہ روزہ سے نہ حج سے) تو اب (خون کے) سب
کام آخرت ہی کے لیے ہو گئے تو نیک کے لیے نہ رہے جبکہ اُن مشرور کی رعایت کی جائے
جن کا آپڑ ہو (کہ اعمال و نیوی مشروریت کے موافق جائز ہوں اور ان میں نیت
میں جو کہ دنیا کا کام اس لیے کیا جائے کہ اس سے دین میں مدد ملتی ہے) اس حقیقت
پر نظر رکھ کے اور نیت کو درست کر کے ہی عوفی، کرام بزرگ کے درجہ کو پہنچنے اور
ادھر دوسرے) نماز ہو گئے۔ بلکہ درجات اور فضیلت میں سبقت ملے گئے، اگرچہ
ظاہر میں وہ اور دوسرے لوگ اعمال میں برابر نظر آتے ہیں مگر اُن کی ہر حرکت اللہ
کے لیے اور اللہ کے (حکم کے) ساتھ ہوتی ہے۔ وہ دیکھتے ہیں کہ جو بات عین زبان سے
نکلے ہیں قرب الہی کا سبب ہوتی ہے کیونکہ وہ ان چیزوں پر نظر رکھتے ہیں جن پر
ہم نے اشارہ کیا ہے۔ اُن کے وہ خصلت اس پر شاہد ہیں۔

چنانچہ ایک بزرگ کا واقعہ ہے کہ شدت غم کی وجہ سے لوگوں کو استفادہ کی
ضرورت ہوتی تو اُن کے پاس ایک دوست کا پیغام آیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر
خاص وسیلہ سے دعا کریں شاید مخلوق پر رحمت ہو جائے پیغام لانے والے نے دیکھا
کہ یہ حضرت اپنے نیوی کاروبار میں مشغول ہیں رات کو گھر آتے ہیں اور دن کو کاروبار
میں جاگ جاتے ہیں اس کو قہر ہوا کہ شخص نیوی کاروبار میں مشغول ہے وہ اس فائق
کہاں کو اُس سے باتیں کیے دعا کرانی چاہے کہ شخص عین دن اُن کے پاس رہا۔
پھر لٹنے کا ارادہ کیا تو پیغام کا جواب لینا چاہا۔ فرمایا میرے دوست سے کہ دنیا کے اگر
تم کو یہ معلوم ہو کہ میری کوئی سائنس بھی اللہ (کی یاد) کے بغیر نکلا ہے تو میں کسی وقت اپنے
کو جان سے مار ڈالوں گا۔

اللہ کے ساتھ اُن کا معاملہ یہ تھا مگر عام لوگ اُن کی حالت دیکھ کر یہ گمان کرتے تھے کہ
بس دنیا میں تنہا ہیں حالانکہ وہ دنیا سے الگ تھے دلی دنیا کے خیالات سے خارج تھا۔

ہم شوقاً کے فضل و احسان کے واسطے درخواست کرتے ہیں کہ ہم کو
ان بزرگوں کی برکتوں سے محروم نہ فرمائیں اور جو کچھ اپنے فضل سے اُن کو عطا فرمایا ہے
ہمیں بھی عطا فرمائیں آمین۔ وحف ہذا اہل عمل ان الفضائل فی الاعمال لا تنظر
من جهت ما انعم جہتہ علمہا الی قولہ وانما یعمت علیہا
من بہ علیہ۔

ف۔ یہ تحقیق آپ زندہ رکھنے کے قابل ہے کہ کسی عمل کو افضل یا مغضول اس
وقت کہا جائے کہ جب دونوں پر تقدیر ہو ورنہ جس پر تقدیر ہو وہی افضل ہے۔
جست لوگ اہل ملک ہیں سے اس کو نہیں جانتے اور پریشان ہوتے ہیں یا بدگمانی میں
بٹکتا ہوتے ہیں۔ مثلاً اپنے کو شیخ کی طرح متزلزل تارک اسباب بنانا چاہتے ہیں اور
یران کی تقدیر سے باہر ہے تو پریشان ہوتے ہیں کہ ہائے ہیں باطنی دولت نصیب
نہ ہوئی وہ اس کو باطنی دولت سمجھتے ہیں کہ ترک اسباب کہ جسے عطا جائے یا شیخ کے
اسباب میں جس کو تنہا اسباب نہیں دیکھتے اس سے بدگمان ہوتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے
کہ تعجب نیت کے ساتھ اعمال دنیویہ مہاجر دین ہو جاتے ہیں جس کو وہ دنیا میں
مشغول دیکھتے ہیں کیا حجب ہے اُس نیت سے کہ وہ صرف اس کے اعمال دنیویہ کو
دین بتایا ہو اور اس کا تجزیہ پاس رہ کر ہی ہو سکتا ہے ورنہ کہ نہیں ہو سکتا۔
پس جب تک پاس رہ کر کسی کا غالب دُنیا ہونا محقق نہ ہو بدگمانی جائز نہیں۔

ف۔ یہ حدیث اہل عرف و اہل اسباب کے لیے بڑی شدت ہے کہ بعض
گنہ آئیے ہیں جن کا کفارہ نہ نماز ہے نہ سوا کے نہ روزے سے
اُن کا کفارہ طلب محاش کی تکلیف ہی سے ہوتا ہے بشرطیکہ حرّ اور شغل معاش
شریعت کے موافق جائز ہو۔

ف۔ ہر حالت اور ہر زمانہ میں حضورِ حق سے کامیاب ہونے کا طریقہ کثرتِ ذکر
تعلیٰ اور شغلِ پاسِ افلاس ہے۔ اس شغل میں دُعا کے بعد سوتے ہوئے بھی مجلس
سے ذکر ہوتا رہتا ہے بشرطیکہ اس کا شغل متنت اور خود بھی پابند ذکر ہو۔ ورنہ محض

(نہندک وج سے) میری آنکھیں تو قویٰ ہیں مگر دل بیدار رہتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نہند میں بھی غافل نہ ہوتے تھے اور جب اللہ تعالیٰ آپ کو ان چیزوں پر مطلع فرماتے جن
پر مطلع فرمایا ہے (یعنی ملکوت و جنّت و طہر) تو آپ کو یہ چیزیں (اللہ تعالیٰ سے)
غافل نہ کرنے پائیں نہ (ادبِ عبودیت و بندگی) سے ہٹا سکیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیسیوں بچوں سے مزاج بھی فرماتے ان کے کھلے سلاتے
دل کوئی فرماتے اُن کے ساتھ مل کر اُن کے کلاموں میں حصہ بھی لیتے تھے محراب کا پائل
سیر ملکوت میں مشغول ہوتا تھا جہاں اللہ تعالیٰ پہنچانا چاہتے۔ ان جو گونے میں کا
ذکر ابھی پُورا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حالت سے جڑا حشر لیا تھا مگر حضور کے مقام
خاص تک کسی کی رسائی نہیں ہو سکتی رہیں اتنا جس کی برکت سے اس مقام کی جتنی اور فیض
کا درود اُن پر ہوتا ہے، چنانچہ ایک بزرگ سے منقول ہے فرماتے ہیں کہ ایک
دفعہ مراجع میں اُن کی روح مقامِ قربِ قوسین تک پہنچ گئی تو ایک آواز سنائی دی کہ
اس مقام پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدس کو پہنچا یا گیا تھا جہاں تمہاری
روح کو پہنچا یا گیا ہے اور زبانِ حال پکارا رہی تھی کہ تائب اور متوب میں دی لڑی ہے
جو اتنا جس کی وجہ سے تائب اور متوب میں ملو اگر تائب ہے رکنا تائب تو صرف روح و قلب
کے ذریعہ اس مقام کی سیر کر سکتا ہے وہاں قرار نہیں پاسکتا اور نسبتاً رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم اپنی ذات سے اُس مقام پر پہنچے اور آپ کو درود و شہادت حاصل ہوا
اسی کے مشابہہ واقعہ ہے کہ ایک دفعہ ابراہیم بن ادوم رحمہ اللہ علیہ مسجد میں کھڑے
تھے اور اُن کا ایک مہر کوہ پُورا نماز پڑھ رہا تھا ایک بزرگ نے جہاں موجود تھے
و شیطانوں کو مسجد سے باہر دیکھا کہ ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے مسجد میں چلو نکلو اس
نمازی کے دل میں دو کوسہ ڈالیں۔ دوسرے نے کہ مجھے اس سونے والے کا سامنا
جلائے گا ہے۔ دیکھو اُس نے اس نمازی کی پرواہ نہیں کی بلکہ حضرت ابراہیم کے
سامنے سے خوف سے مسجد میں نہ آسکا کہ وہ اس کو بچھ تک دے گا۔ اس کا سبب اس
کے سوا کیا تھا کہ یہ حضرت ہر حالت اور ہر وقت میں حضورِ انبی سے کامیاب ہوتے تھے۔

اس بات پر اس لیے تنبیہ کر دی کہ شاید کوئی شخص ان دو طریقوں سے عاجز ہو یا دونوں پر عمل کر کے بھی اس کو حفاظت نگاہ میں کامیابی نہ ہو تو وہ یہ کہنے لگے کہ میں نے حدیث پر عمل کر لیا (پھر بھی نگاہ محفوظ نہیں ہوتی تو) میرے ذمہ اس سے زیادہ کچھ نہیں اب وہ اپنے نفس کو آواز چھوڑ دے (اور یہ تاویل کہ اسے نگاہ کی حفاظت میری قدرت سے باہر ہے میں اس کا مکلف نہیں رہا) یہ ہرگز جائز نہیں (اگر کسی کو ان دو طریقوں سے کامیابی نہ ہو یا ان دونوں پر عمل نہ کر سکے کہ نگاہ پر قدرت ہو نہ روزہ کی طاقت ہو تو وہ دو طریقوں سے نفس کا علاج کرے اس کو نیک اور نیکو دھرم سے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ بندہ کو حکیم الہی کے بہالانا کا سامان کرنا چاہیے وہ اس کا مامور ہے (اور مثال کے طور پر دو طریقے بتا دینے یہ مطلب نہیں کہ جو ان دونوں پر قادر نہ ہو یا ان سے کامیابی نہ ہو تو وہ حکم الہی کا مکلف نہیں رہا)۔ قولہ و فیہ دلیل علیٰ انما للموجب للنظر علیٰ قیۃ شیعۃ الجماع الخی قولہ و فیہ دلیل علیٰ انما للموجب للنظر علیٰ علی التنبیہ فی توفیۃ ما موبہ العبد۔

ف۔ سبحان اللہ! بڑی قیمتی تحقیق ہے درود الہی کا یہ تو عام طور پر یہ سمجھتے ہیں کہ حفاظت نگاہ ان ہی دو طریقوں میں منحصر ہے مگر اس سے کامیابی نہ ہو تو انسان معذور ہے۔ حضرت حکیم الامت نور اللہ قادریؒ نے بعض دفعہ یہ علاج تجویز فرمایا ہے کہ ہر نگاہ ہر کے بعد نفس کو مایا بدنی نمرادی جاسے اور نفس سے کہہ دیا جائے کہ جب نقرہ کا درختاب کرے گا یہی نمرادی جاسے گی۔ بدنی نمراد تو یہ ہے کہ ہر نظر بد کے بعد یہیں رکعت نفل پڑھے جائیں اور مالی نمراد یہ ہے کہ آٹھ آنہ یا ایک پیسہ یا چھنی مقدار سے نفس پر گرائی ہو صدف کو دیا جائے جب ہر نگاہ بد پر نفس کو یہ نمراد دیکھائی چھوڑ دینا درست ہو جائے گا۔

(۲۳۳۲) بھڑہ اور نکاح اس معنی کا علاج بھی ہے اور فی نفسہ خاصیت بھی ہے تو سمجھیں کہ اس پر قدرت ہو کہ طاقت کے ذریعہ علاج کر سکے یہ سب

مشق ہی مشق ہوگی ذکر حقیق حاصل نہ ہوگا۔

(۲۳۱) یہاں سے معلوم ہوا کہ نقرہ (بد) کا سبب قوت شہوت جماع ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نگاہ کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ نگاہ کویت کرنے والہ ہے (اور نگاہ ہر کے کہ نگاہ سے قوت شہوت بھی منتقل ہو جاتی ہے۔ اسی سے نگاہ پست ہو جاتی ہے) اس کی تائید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے و ذلنا العبدین النظار والفرج یصدق ذلک او یکذبہ انکم کما زنا نظریں ہے اور شرم نگاہ اس کی تصریح کر دیتی ہے یا نکذبہ (یعنی اگر نکر کا شرافت ہے تو وہ زنا میں شام ہے ورنہ نہیں یا مطلب یہ ہے کہ یہ سب مقدمات زنا مسکے ہیں مگر اس کے بعد فرج سے زنا ہو گیا تو یہ مقدمات واقعی زنا کے مقدمات تھے (اور اگر فرج سے نہ نہ ہو بلکہ خوف خدا سے چھوڑ دیا تو یہ مقدمات بھی ممانعت ہو جاتے ہیں) ہر طریقہ مانع نہ ہو۔

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نگاہ کا پست کرنا آیات قرآنی سے مامور ہے تو جو شخص اس کی حفاظت پر قادر نہ ہو اس کو وہ اسباب اختیار کرنے چاہئیں جن سے یہ قدرت حاصل ہو جائے۔ اس جگہ ایک سوال ہے وہ یہ کہ نگاہ کی حفاظت ان ہی دو طریقوں میں منحصر ہے (نگاہ یاد رہے) اس کے سوا اور کوئی طریقہ نہیں؟ جواب یہ ہے کہ اور طریقوں سے بھی چوکنا ہے مگر یہ دو اعلیٰ درجہ کے ذریعے ہیں مثلاً کوئی اپنے چہرہ پر نقاب ڈال لے تو کسی کو بھی بد دیکھ سکے گا یا شدت نعمت کا غلبہ ہو یا سخت تکلیف نفس کو دی جائے تو اس سے بھی نگاہ کی حفاظت ہو جاتی ہے۔

اہم مسئلہ اور ڈرنگ سے غفلت ہے کہ جب اللہ کے دل میں طبعی کاغذ آتا وہ اپنے آپ کو ایک نگاہی سے ماستہ تھے۔ بعض دفعہ ایک دن میں کئی نکلے اپنے آپ پر توڑ ڈالتے تھے۔ اس کے سوا اور بھی طریقے ہو سکتے ہیں مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے طریقے ہم کو بتلا دیے جب سب سے اعلیٰ اور آسان ہیں تو حدیث میں اعلیٰ سے اعلیٰ پر تنبیہ ہے (یہ مطلب نہیں کہ اس کے سوا اور کوئی طریقہ نہیں) ہم نے

باب ہشت و شستم

حدیث

توقیت السحور

زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے (دفعات میں) رسول اللہ ﷺ کو سحور کے ساتھ سحری کھائی پھر آپ نماز کے لیے کھڑے ہو گئے (راوی کہتا ہے) میں نے پوچھا کہ افذان اور سحری کے درمیان کتنا (وقف) تھا فرمایا انور پچاس آیت پڑھنے کے (یعنی تقریباً چار منٹ)۔

شرح ظاہر حدیث بتلا رہا ہے کہ سحری آخر وقت میں کھانا سنت ہے کیونکہ سیدنا رسول اللہ ﷺ علیہ السلام نے سحری کھانا اور فجر کے طلوع ہونے میں ایک قدر پچاس آیت پڑھنے کے وقفہ پڑا جس کی مقدار چار یا پانچ منٹ ہے اور ہمیں تو ثابت ہوگا کہ حضور نے بالکل صبح کے قریب سحری کھائی تھی حضور کے اٹنے اور صبح کی حکمت یہ تھی کہ آپ بیٹھ انت پر آسانی کرنا چاہتے تھے چنانچہ سحری کھا کر ابھی انت پر نطفہ ہی تھا اگر آپ سحری نہ لیتے تو ابل فضل آپ کی اتباع میں بھی سحری نہ کھاتے اور یمن کو اس سے مشقت لاحق ہوتی کیونکہ ہر شخص بدن خرا کے روزہ رکھنے پر قادر نہیں ہوتا۔ پھر حضور کا صبح کے قریب سحری کھانا یہ طریق طبع ہے کیونکہ رات کے درمیان میں سحری کھانے سے انت کو ایک درجہ سردی پہنچاتی رہتی ہے کہ عادت کھانے کے بعد نیند کا غلبہ ہوتا ہے۔ ہر شخص کو کھانے کے بعد یہ یاد رہنا آسانی میں اور کھانا کھاتے ہی سو رہنا بدن کے لیے مضر ہے۔ لہذا اس سے

اجتناب ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے داود اور سنا کہ بالصدقہ و دفعہ اللہ بالصدقہ۔ اپنے پیادوں کا علاج صدقہ سے کرو یا کو صدقہ سے ٹالو۔ یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ حفاظت کا حکم ان ہی دو اعطاء کے ساتھ خاص نہیں (نگاہ اور شرمگاہ) بلکہ تمام اعطاء کی حفاظت مطلوب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ ان المسبح والمہر والغزاة کل اولئک کل عنہ مسلکواہ کائنات اور انکھ اور دل ان سب کے متعلق باز پرس کی جائے گی۔ رسول اللہ ﷺ علیہ السلام نے ان دو پر اس لیے تنبیہ فرمادی ہے کہ جس کے یہ دو عضو محفوظ اور مستقیم ہو جائے یہ تو غالب ہے کہ بقیہ اعطاء بھی محفوظ ہو جائے ہیں اور جس کے یہ دو عضو محفوظ نہ ہوں اس کے بقیہ اعطاء کا محفوظ ہونا ممکن نہیں۔

قرآن و ضیہ فائتہ الخیری اللہ دوام و هو فی نفسہ قربة الی قوله فلا یمکن استقامۃ باقی الجوارح۔



نفع کے لیے تجارت کرتے ہیں اور مومن کا دامن المال عمر ہے تو اس کو وہ نفع حاصل کرے کہ اس کی بہت ضرورت ہے کہ اسی طرح وہ زیادہ نفع حاصل کر سکا ہے تو مومن زیادہ سونے اور فضلت کا شکار ہونے سے بہت بچتا ہے اور جب اس سے بچے گا تو اعمال صالحہ بجالانے کی طرف سبقت کرے گا۔ قرن کریم میں اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا ہے کہ کسی لوگ اصلی تاجر ہیں۔ فرماتے ہیں :-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا احْذَرُوا الْبَيْعَ الْمُعْصَىٰ
تَجَارَةً تَنْجِيكُمْ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ
تُحِبُّونَ بَيْعًا بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ
فِي صَعِيلٍ إِلَهُكُمْ وَأَنْتُمْ
فَلَكُمْ عَيْنٌ لَكُمْ فَنَ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ
يَغْفِرُ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَيدْعُكُمْ مِنْ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا أَنَّكُمْ
تَجَرَعْتُمْ مِنْ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا أَنَّكُمْ تَجَرَعْتُمْ
طَبِيعَةُ الْفِتْنَةِ جَعَلَتْ صَدَقَاتِكُمْ
الْفُتُونَا الْعَظِيمِ -

اے ایمان والو! کیا تم کو ایسی تجارت
بتلاؤں جو تمہیں دردناک عذاب سے نجات دے؟
(طحاوی) وہ ہے کہ تم اپنے آپ کے رسول
پر ایمان لکھو اور اللہ کے راستہ میں اپنے مال
جانب سے جہاد کرو۔ (تجارت) تمہارے لیے سب
سے بہتر ہے اگر تم بھوکا رہو گے اس سے بہتر نہائی
تمہارے گناہ مسامح کر دیں گے اور ایسے باغیوں
میں داخل کریں گے جن کے پیچھے سے نہریں نکلتی
ہوں گی اور اپنے گھر پر دیکھ کر ہنسنے والے
بھائیوں میں سے بڑی کامیابی۔

اور یقیناً تجھے جنت سے کامیاب ہو گیا ہو جس سے نجات پائی اللہ عزیز خدا کا ملوک
سے اس کو نفرت حاصل ہو گئی۔ وہ سب سے زیادہ نفع پانے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ
نے تہجد میں دعاؤں میں اسلام کی طرف وحی بھیجی کہ اے داؤد! جو میرے ساتھ تجارت
کرتے وہ سب سے زیادہ نفع پانے والا ہے۔ تو جو شخص اپنی بیداری میں
خفتوں سے احتراز نہ کرے وہ سونے والے کے برابر ہے۔ کیونکہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

حَتَّىٰ تَعْلَمُوا أَنَّكُمْ تَجَرَعْتُمْ مِنْ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا أَنَّكُمْ تَجَرَعْتُمْ
يَذْكُرُ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا أَنَّكُمْ تَجَرَعْتُمْ مِنْ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا أَنَّكُمْ تَجَرَعْتُمْ
يَذْكُرُ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا أَنَّكُمْ تَجَرَعْتُمْ مِنْ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا أَنَّكُمْ تَجَرَعْتُمْ

نجات دہانہ پر چڑھتے ہیں جس سے بیماری پیدا ہونے کا خطرہ ہے اور اگر ان کے دوسروں
کو بھی لگا کر بہت تکلیف دے تو پھر ابھڑے گا کہ نہ پانے کے لیے بچنے کے بعد نیند کا
تھکا ہوا ہوتا ہے۔ اب اگر یہ شیخ تک بیدار ہو تو تجارت کے وقت لیٹا رہے گا کہ نیند کا غلبہ
ہوگا جس سے ناز میں حضور قلب نہ ہو سکے گا (اور زیادہ تو یہ ہوگا کہ رات کے بیچ سحری
کھانے والے پر نیند ہی غالب ہوگی اور یہ شیخ کی ناز سے وہ جانتے گا کہ رات یا تو جماعت
فوت ہوگی اور نہ وقت سستی کے بعد ناز نہ پڑے گا یا آفتاب طلوع ہونے کے بعد ناز
خفا نہ رہے گا) اور اگر اسی رات کے بعد بھوکا نہ ہو تو ناز میں حضور قلب حاصل نہ ہوگا۔
ان وجوہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سحر کو کھانے کے قریب تک تو فرمایا کہ اس وقت
سحر کی کھانے سے ناز نہ ہوگی۔ کیونکہ سحر اور ناز میں انسان ہی وقف ہوگا کہ
اُدی ناز کے لیے تیار ہی کرے۔ اس صورت میں شیخ کی ناز صورت عکس سے ادا ہوگی کیونکہ
کھانے کے بعد نیند کا غلبہ فوراً نہیں ہوتا بلکہ کچھ دیر کے بعد ہوتا ہے جبکہ تجارت کے
سے رات کی طرف پڑھ لکھیں اور اب احتیاط نہ ہوگا (دوسرے کھانے کے بعد تجارت
کا معور پلے پھرنے سے توقف ہو جاتا ہے تو جب سحر کی بعد فوراً استغنی اور
دعا اور تمسک میں جانے کے لیے چل پھرنا ہوگا دماغ تجارت سے محفوظ رہے گا)
پھر ناز سے فارغ ہونے کے بعد دن نکل آئے گا تو انسان اپنی ضروریات اور
ذخاقت وغیرہ میں لگ کر نیند سے بچا دے گا جس سے صبح پر صبحی ہے کہ نیند
بھی ایک قسم کی موت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَحَالِ الذُّعْبِ يَقُولُ فَكَيْفَ بِاللَّيْلِ
وہی ہے جو تم کو رات میں وفات دیتا ہے اس میں نیند کو وفات لگا دیتا ہے تو نیند
کا کم ہونا عمر میں زیادتی کا سبب ہے (بیشریک مقدار رحمت)۔ تم کم نہ ہو اور حامل
اپنی عمر کو بڑھانے کی کوشش کرنا ہے چاہے ایک ماں ہی کیوں نہ ہو کیونکہ کاجر
کو اس وقت تک لوگ تاجر نہیں کہتے جب تک وہ دامن المال کی حفاظت نہ کرے
اور تجارت سے طریقہ سے واقف نہ ہو اور حقیقی تاجر مومن ہی ہے۔ کیونکہ باقی
رہنے والے فائدہ کے لیے تجارت کرتا ہے اور دنیا کے تاجروں ہونے والے

بڑی ہوئی ہے۔ دوسرے اس وقت حری کہاں سے دن کو روزہ رکھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔
کیونکہ صبح کے وقت عمدہ غذا سے پُر ہوگا۔ کھانے کا تقاضا دن کے آخری حصہ میں ہوگا
جبکہ انتظار کا وقت قریب ہوگا جو کوئی ضرور انتظار آسان ہے دشوار نہیں۔ یہ خصوصیت
ہر عبادت میں حضور ناب رہے۔ کاسیاب ہوگا۔ کھانے پینے کے وسعت اور اشتہاء اور
قتا سے محروم ہوگا۔ بخلات اُس کے چاٹری نہیں کھاتا یا رات کے درمیان میں کھاتا ہے۔
وہ خود بھر مشقت اور مجاہدہ نفس میں مشغول رہتا ہے۔ کیونکہ صبح کو اس کا عمدہ غالی ہوتا
ہے اور بیکہ آدمی کو کھانے کی خواہش یا بار ستانی ہے اور شیطان کو دھوکے ڈالنے
کا بھی زیادہ موقع ملتا ہے اور عین برصغرا غلبہ ہوتا ہے تو بے ہوشی طاری ہو
جاتی ہے کیونکہ صغریٰ و مزاج کو کھانے کا کھلی تپیں ہوتا تو اُس کو رمضان میں روزہ انتظار
کرنے کی اوجہ آجاتی ہے (غرض حری کھانے سے روزہ میں مدد ملتی ہے اور دوسرے
دور ہو جاتے ہیں) اور اسی حقیقت کی غرض رسول اللہ ﷺ صلے و سلم نے اپنے اس راہ
میں فرمایا ہے :-

من اذی مکتد امرنا تعجبہ
فلکات اہلہ فان الذی معہا
مثل الذی معہا او کما قال۔
مگر کوئی کہی اجنبی عرت کو راجا کما دیکھ لے اور وہ
اکون ہا بنے تو اسی وقت پتی ہوئی کے پاس پہنچ
جلے اور اس سے ہمہ تن کرے۔ کیونکہ اس کے پاس رہی
دیکھ کر حیرت میں آسکتا ہے۔

کیونکہ اجنبی عورت کو دیکھ کر شہوت کو ہش ہوتا ہے جو اس کو دل میں گناہ کے
دوسرے ذائقہ ہے۔ اب اگر یہ اپنی بیوی کے پاس پہنچ جائے تو وہ جوش فرو ہو جائے
گا اگرچہ وہ اجنبی عورت حسن و جمال میں اس کی بیوی سے زیادہ ہی ہو پھر بھی بیوی سے
ہمہ تن رہے۔ یہ نفس میں وہ عجبان نہ رہے گا جو پہلے متاثر ہو کر مایوس ہو رہا تھا اُس
کو آسانی سے دشا کر سکے گا۔

اسی طرح صبح کے قریب حری کھانے سے اُس کو غذا کی زیادہ خواہش دن بھر
رہوگی اور بخوشی ہی ہوگی تو اُس کو آسانی سے دلچ کر سکے گا اور اگر حری نہ کھائے گا

تو پتہ لے غافل کو مرنے سے تشبیہ دی ہے اگرچہ وہ بیدار ہی ہو کیونکہ کر اُس کا
وقت اللہ تعالیٰ کے عبادت سے غافل رہا ہے اس المال پر یاد ہو رہا۔ ہے اور
اس کو پتہ بھی نہیں یہاں تک کہ جب عمر ختم ہو جائے گی اُس وقت چہنچے گا اور کہے گا
ادجو فی اعلیٰ اعمل ما انا فیما ترکنا (کلا) مجھے تو دنیا میں واپس کر دو تاکہ میں کچھ نیک
کام کروں تو جواب دیا جائے گا ہرگز نہیں اور شخص رات کے پہلے صبح میں ضرورت
کی وجہ سے سوتا ہے جس سے انسان کو چاہہ نہیں اُس کی نیند مروت ہے اور سر سر
خیر ہے اُس کا سونا اور نماز پڑھنا اور ذکر کرنا ثواب میں ایک ہی درجہ پر ہے جس پر
حضرت ساذ اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کا واقعہ دلیل ہے کہ ان دونوں صاحبوں
کو رسول اللہ ﷺ صلے و سلم نے دین کی تعلیم دیے اور احکام اسلام کے مطابق فیہ کو لے
کے لیے (یعنی کی طرف) بھیجا تھا دونوں اپنے اپنے کام پر روانہ ہو گئے پھر ویک (وکیل کی)
مقام پر جمع ہوئے تو ایک نے دوسرے کا حال پوچھا۔ ابو موسیٰ اشعری نے فرمایا کہ
میں تو رات بھر بے نیٹھ لیٹا ہوا تھا جسے اور لیٹ کر قرآن پڑھتا رہتا ہوں بالکل
نہیں سوتا۔ حضرت عاصی نے فرمایا کہ میں تو رات کے پہلے صبح میں سوتا ہوں کچھ حصہ
میں اٹھتا ہوں اور دوسرے میں بھی ویسا ہی خواب کھتا ہوں جیسا جاتے اور نماز پڑھنے
میں کھتا ہوں۔

جب دونوں حضرت رسول اللہ ﷺ صلے و سلم کے پاس واپس آئے تو آپ کے
سامنے ہر ایک نے اپنا اپنا طریقہ بیان کیا جس سے ابو موسیٰ اشعری نے فرمایا کہ وہ
تم سے زیادہ فضیلت میں یعنی حضرت معاذؓ اور انہی ہر سے کہ رسول اللہ ﷺ صلے و سلم
کسی کو زیادہ فضیلت کسی وقت فرماتے ہیں جبکہ اس کا طریقہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک
زیادہ پسند اور زیادہ موجب قرب ہو یہ تو اُس نیک اندک حکم ہے جو ضرورت بشریہ
کی وجہ سے ہو جس سے چاہہ نہیں اس کے سوا جو نیند ہے وہ عمر کو نقصان پہنچاتا
والی ہے۔

اب سمجھ میں آگیا ہوگا اس وقت (یعنی صبح کے قریب) حری کھانے میں بہت

تو وہ حال ہو گا جو اوپر بیان کیا گیا اور یہ بڑا نقصان ہے خصوصاً رمضان میں جس کی فضیلت معلوم ہے (اس ناقص حالت سے بچنا چاہئے) انسان کو رمضان میں سبک خفا کر کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف دل سے توجہ ہونا چاہئے۔ مبادا اس کا ایک دن ضائع ہو جائے جس کی مانند دوسرا دن میسر نہ ہو۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے اصحاب کے ساتھ سحری کھانا آپ کی تواضع پر دلیل ہے۔ کیونکہ آپ کی جو شانیں وسیع تھیں، معلوم ہے مگر پھر بھی آپ تواضع اصحاب کے ساتھ کھانا کھاتے تاکہ اُن کی دلجوئی ہو جائے۔

(تنبیہ) شرح حدیث کا مضمون عجیب تھا اس لیے ہوتا ہے کہ دیکھا گیا اگر غرض کیا جائے گا تو اس میں تقویٰ کے بہت سے مسائل پر توجہ معلوم ہوئی نہیں ہے حضرت سیدی مولانا فیض احمد صاحب قدس سرہ کو (اسی) حدیث کے موافق عمل کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ حضرت بالکل بیچ کے قریب لڑنا غریب سے چادہ پانچ منٹ پہلے سحری سے فارغ ہوتے تھے۔ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سحری کھانے کے بعد فوراً نماز کے لیے کھڑے ہو گئے۔ بظاہر اس سے عجب کی نماز مراد ہے مسجد مراد نہیں۔ کیونکہ ماویٰ حدیث بتلاتے ہیں کہ سحری سے فراغت اور عبادت کی آذان میں چادہ پانچ منٹ کا وقفہ تھا اور یقیناً حضرت کا مسجد اس سے بہت طویل ہونا تھا خصوصاً رمضان میں تو آپ بہت زیادہ مجاہد فرماتے تھے۔

پس میرے نزدیک رمضان میں غنیہ کو نماز فجر اس حدیث کے موافق غس میں پڑھنی چاہئے۔ اس قدر ذکر کرنا چاہئے۔ کیونکہ رمضان میں اس قدر کرنے سے سحری کے بعد لوگ سو جائیں گے اور صبح کی نماز باجماعت فوت ہوگی اور سحری آخر وقت میں کھائے سے سب نمازی بیچ کی آذان کے وقت بھار ہوں گے تو آذان کے بعد جلدی نماز پڑھنے سے کسی کی نماز باجماعت فوت نہ ہوگی۔ میرے خیال میں احادیث غس اور احادیث اسفار میں تطہیر کی بہترین حکمت یہ ہے کہ احادیث غس کو رمضان پر اور احادیث اسفار کو غیر رمضان پر معمول کیا جائے کیونکہ

غیر رمضان المہک میں اسفار کے افضل ہونے کی جو علت بیان کی جاتی ہے کلاس میں کمترین جماعت ہے وہ علت رمضان میں اسفار پر مادی نہیں آتی بلکہ غس پر مادی آتی ہے جہاں آپ جلد پایا ہے۔

(۲۲۳) حضرت مجاہد کا زمانہ کی مقدار کو یہاں اس آیتوں کی تلاوت ہے انداز کرنا یہ بتلانا ہے کہ ان حضرات کے اوقات عبادت بھی میں مستغرق تھے۔ اگر (تلاوت قرآن اور) عبادت کے سوا کوئی اور عبادت ان پر غالب ہوتی تو اسی سے زمانے کا انداز بتلائے مگر جو کہ ان کے اوقات انوار و انقسام کی عبادت میں مجھے ہوئے تھے۔ اُن کے دلوں کو اسی سے لگاؤ تھا تو انہوں نے تلاوت قرآن سے وقت کی مقدار بتلائی۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ حضرت مجاہد عبادت ہی میں رہتے تھے اگر وہ کسی اور فعل میں بھی مشغول ہوتے تو دل ان کا جوا رہتا تھا اس فعل سے نہیں۔ تاہم یہی ہے کہ جو بوشل رمضان پر غالب ہوتا ہے جس سے دل کا راز ہوتا ہے زمانے کی مقدار کا اُسی سے انداز کرنا ہے کہ یہی اُس کو آسان بھی ہوتا ہے۔

جو لوگ قرآن نہیں پڑھتے اگر اُن کے سامنے زمانے کا انداز قرأت قرآن سے بیان کیا جائے اُن کو اُس سے کچھ فائدہ نہ ہو گا کیونکہ وہ اس سے کچھ بھی اندازہ نہ کر سکیں گے۔ بشرط اس سے اُن کی کچھ کے موافق ہیں گفتگو کی جاتی ہے تاکہ اُن کو فائدہ پہنچ سکے۔ سب سے ایک طریقہ اس کا یہ کہ انہیں کیا کھانا کھانے پر مصلحت ہے مثلاً اگر ہم کو یہ معلوم ہو کہ مخالف دوزی کا کام کرتا ہے۔ یا برعکس ہے تو اس سے یہ کیا جائے گا کہ جتنی دیر میں تم غس کیڑا (کرتہ یا فوطی) ہی لیتے ہو یا جتنی دیر میں تم اپنی مقدار کھڑی پیر لیتے ہو یا جتنی دیر میں یہ فائدہ ہو گیا یا اگر وہ کپڑا لٹے یا نہ لٹے تو اس سے کیا جائے گا کہ جتنی دیر میں تم اپنا کپڑا لٹے ہو یا جتنی دیر میں یہ کام ہو گا، اسی طرح یہاں مجبور کہ حضرت صاحب کے نماز

باب ہشت دہم

حدیث

من افطر یوما فی رمضان من غیر عذر

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص رمضان المبارک میں ایک دن بلا عذر اور بدون مرض کے روزہ نہ رکھے اس کی قضا نہ پھر کے روزہ سے بھی نہیں ہو سکتی اگرچہ وہ عمر بھر روزہ رکھے۔ حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہی قول ہے۔

ظاہر حدیث بتا رہا ہے کہ جو شخص رمضان میں عذر بلا عذر کے افطار کرے اس شرمناک عمل کا کفارہ کچھ نہیں کیونکہ حضور فرماتے ہیں کہ اس کی تلاقی سلسلہ نہانہ کے روزے سے بھی نہیں ہو سکتی اگرچہ وہ عمر بھر روزہ رکھے اور ظاہر ہے کہ عمر بھر کا روزہ تو بڑی قضا ہے اس سے بڑھ کر قضا کیا ہوگی جب یہ بھی اس کی ایک دن کی تلاقی نہ کر سکا تو اس کا کفارہ کیا فائدہ دیں گے؟ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ کفارہ سے پہلے سے اگر رمضان کا روزہ افطار کیا جائے تو اس سے نہیں تو اس میں کفارہ ہے یا نہیں؟

امام شافعی رحمہ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ اس پر کفارہ نہیں اور یہ حدیث ان کے قول کی تائید ہے۔ مگر وہ قضا کو واجب کہتے ہیں اور یہ حدیث ان کی اس بات کو رد کر رہی ہے کیونکہ آپ فرماتے ہیں نہ یقیناً صیام اللہ کے ساری عمر کے روزے اس کی قضا نہیں کر سکتے۔ پھر ایک دن کی قضا سے کیا ہوگا؟ اور امام

بہنوں پر عہدیت غالب تھی تو وہ کسی کام کے وقت کا اندازہ اسی سے بٹلنے لگے کہ اتنی آیت پڑھنے یا اتنی رکعتیں پڑھنے کی مقدار وقت چڑھا۔

قرآن و تفسیر محمد الزمان جلد سوم آیت فیہ دلیل علی ان الصیام بامنی اللہ عنہم ہانت اوقاتہم مستغرقۃ فی التعلیٰ فی قرآن و تفسیر کذا اللہ کلان قرآن۔

ف۔ بات تو یہی ہے مگر اس لفظ سے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریر اور افغان میں بقدر یکا کس کی تلاوت کے وقت میں اس مسئلہ کی طرف توجہ نہ کی گئی ہو تاؤ فیہ ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ علماء کا یہ کہ یہ استنباط و شمار ہیں۔ و فہم فضل اللہ یونتیہ من یشاء۔



(اور فقہاء) سے گناہ معاف ہو جائے گا مگر اس خسارہ کی تلافی نہ ہو سکے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جس کام میں جو فضیلت رکھ دی ہے جندہ اس کی جگہ اس کے بدلہ میں کتنا ہی کام کرے گا اس کا ثواب کتنا ہی زیادہ ہو وہ خاص فضیلت حاصل نہ ہو سکے گی۔ مثلاً کوئی شخص قربانی کے دن میں قربانی نہ کرے اور ہزار دہم یا ہزار دینار اس کے بدلہ میں خرچ کرے تو اس سے کہا جائے گا کہ قربانی کی فضیلت اور اس کا ثواب تم کو حاصل نہیں ہوا اگرچہ تم نے ہزار دینار خرچ کر کے میں قربانی کے عمن کا قصہ کیا مگر اس عوض سے قربانی کا ثواب نہ ہو گا اور اگر تم ایک دینار سے ایک بکری خرید کر ذبح کر دیتے وہ ان ہزار دینار کے مقابلے میں کیونکر رسول اللہ ﷺ کے مقابلے میں ہو کر قربانی کے دن میں انسان کا کوئی عمل بھی قربانی سے افضل نہیں۔ اور تم اپنی لئے سے اس چیز کو فضیلت دینا چاہتے ہو جس کو شارع علیہ السلام نے فضیلت نہیں دی۔ سو یہ معاملہ تمہارے خیال کے موافق نہیں یا کبھی نہ ہو گا اور تم اپنی امانت سے شلوث کی تبدیلی نہ ہوئی فضیلت کے مقابل دوسری شے میں فضیلت ثابت کر سکو اسی لیے امام مالک رحمہ اللہ طبر مسافر کو سفر میں روزہ کی ترفیہ دیا کرتے تھے اگرچہ شرفاً اس کو انتظار جائز ہے اور امام مالک بھی اس کو جائز فرماتے ہیں مگر وہ بھی یہ فرماتے ہیں کہ ایام رمضان کی فضیلت دوسرے ایام میں نہیں پائی جاتی۔ انھوں نے غالباً اسی حدیث پر نظر کر کے یہاں فرمایا ہے اور زیادہ احتیاطاً اسی ہے۔

ف۔ یہاں سے اس فقہ کا حال معلوم ہو گا جو مالک نے ہندوستان میں برپا ہوا تھا کہ بعض علماء نے سلطنت ترکی کی امداد کے لیے فتویٰ دیا تھا کہ اس سال مسلمان ہندوستانی موقوف کر کے اس کی رقم سلطنت ترکی کو بھیج دیں۔ ان لوگوں نے حدیث کو قربانی کا قائم مقام قرار دیا۔ مگر ہم اسے اکارنے اس کی سخت مخالفت کیا اور فرمایا کہ ایسی امانت کسی عمل کو قربانی کا قائم مقام بنانا غلط ہے۔ لہذا ہمارے اکابر کے علوم سلطنت عمار کے علوم سے موافق ہیں۔ یہی حضرات ہیں جن کے متعلق حدیث میں وارد ہے لایزال طاقتہ منہ اسحقی ظاہر ہیں علی الحق میری امت میں

مالک رحمہ اللہ کے نزدیک کفارہ (اور فقہاء) واجب ہے انھوں نے اس انتظار کو ہمارے انتظار پر قیاس کیا اور اس میں شارع علیہ السلام نے قصر بنا کفارہ کو واجب فرمایا ہے تو کفارہ پہنچنے میں بدتر اونی کفارہ ہونا چاہیے اور عمار پر ہے شارع علیہ السلام کہ یہ حدیث ان دونوں حضرات کو نہیں پہنچی۔ اگر پہنچی ہوتی تو ضروری تھا کہ اپنا مذہب بندتے یا اس میں کچھ تاویل فرماتے۔ جب ان دونوں باطل میں سے ایک بھی نہیں تو غالب گمان یہی ہے کہ ان کو حدیث نہیں پہنچی۔ بالخصوص امام مالک کے کا طریقہ قویہ ہے کہ وہ بہت سی حدیثیں کو روایت کرتے ہیں اور عمل متواتر کر دیتے ہیں اور عمل نہیں کرتے تو اس حدیث کا نقل کرتا ان پر بہت زیادہ ضروری تھا کیونکہ یہاں کے مذہب کے معارض اور خلاف ہے (اس غالب یہ ہے کہ حدیث ان کو نہیں پہنچی) اور ظاہر قیاس یہ چاہتا ہے کہ رمضان میں عمار بلکہ عمار اذکار کرنے کا کفارہ نہ ہو۔ جیسے بین غموس کا رمی یعنی جوئی قسم کا جزدانہ مانے کے متعلق فقہاء جان بوجہ کر کھائی جائے کفارہ نہیں ہے اور یہ حدیث اس قیاس کی توثیق ہے۔

مگر روای کا یہ کہنا کہ عبد اللہ بن مسعود کا یہی قول ہے، بظاہر ہے کہ ان کے سوا بقیرا صاحب کا یہ قول نہیں اگر کسی اور کا فرق میں بھی حدیث کے موافق ہوتا تو بادی حروف ان کا نام لیتا نہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث مشہور تھی اور سب کو معلوم تھی مگر اس کے باوجود ہر بخیر ابن مسعود کے اور کسی نے عمل نہیں کیا ان کو دوسری حدیث کی ترجیح دینے ہو سکتی تھی جس بدعت کے ساتھ انتظار کرنے پر کفارہ واجب کیا گیا ہے اور اب ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ حدیث ائمہ فہمہ کو بھی پہنچی ہوگی مگر انھوں نے کسی مصلحت سے اس کو روایت نہیں کیا یا اس پر کچھ کلام کیا یا تو اس لیے کہ یہ حدیث منزوک العمل ہے اور کفارہ میں سے بجز کفارہ کے کسی نے بھی اس کے ظاہر یا مضمون پر عمل نہیں کیا یا اور کوئی وجہ ہو اور ممکن ہے کہ یہ نزدیک اس حدیث کا مطلب یہ ہو گا کہ ایام اللہ ہر اس دن کی فضیلت کی قدر نہیں کر سکتے۔ لہذا ہمارے روزہ سے اس دن کی فضیلت جو غرض ہو گئی ہے حاصل نہیں ہو سکتی اگرچہ کفارہ

ایک جماعت پیشین پر رہے گی اور غالب رہے گی۔

(۲۳۴) عبادات میں سب افضل اتباع سنت ہے زیادہ مشقت مطلوب نہیں

حدیث سے معلوم ہوا کہ عبادات میں سب سے افضل اتباع ہے زیادہ مشقت میں فضیلت نہیں، دیکھو ہر روزہ رکعت بہت مشقت طلب ہے مگر وہ رمضان کے ایک روزہ کے بھی برابر نہیں (اور وہ جو ایک حدیث میں آیا ہے، افضل الاموال احسنھا اور اشقھا کہ مال میں زیادہ افضل وہ ہے جو نفس پر زیادہ شاق ہو۔ یہ اس مقام پر ہے جہاں عمل کے ہر پہلو میں اتباع (سنت) موجود ہو جیسے رمضان کے سفر میں روزہ رکعت اور انکار کرنا دونوں میں اتباع سنت ہے مگر روزہ رکعت زیادہ شاق ہے تو یہی افضل ہے اور جہاں کسی عمل کے ایک پہلو میں اتباع ہو دوسرے میں اتباع نہ ہو جو کثرت زیادہ ہو وہاں اتباع ہی افضل ہے۔ جیسے ساری رات جاگ کر نماز پڑھنا اور رات کے پہلے صبح میں سونا کچھ صبح میں اٹھ کر نماز پڑھنا۔ یہاں دوسری صورت افضل ہے کیونکہ اسی میں اتباع سنت ہے۔ پہلی صورت میں تو مشقت زیادہ ہے مگر افضل نہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تمام رات جاگنا ثابت نہیں قائم، اس میں صرف رات کی ہی دلیل ہے جو فرماتے ہیں کہ عبادت کی طاقت تو عام کی تعمیل سے اور جاہلی کی طاقت طہورت کے تابع ہے (مطلب یہ ہے کہ عبادت صرف تعمیل حکم کے لیے عبادت کرنا ہے کسی کیفیت یا کمات و کشف یا لذات یا ہمنی کے لیے نہیں کرتا اور جاہلی تعمیل حکم کے سوا دوسری افرام کے لیے بھی عبادت کرتا ہے اس لیے جب کوئی کثرت اور شدت نہ ہو ذکر و شغل وغیرہ جو بڑھتی ہے)۔ دیکھو شہادت ہی نو روزہ میں ہزار نماز پر براہین گرتی ہے (تو جاہلی صورت نفس کا اتباع کر کے، ذرا وقفہ دیتا ہے) مگر اس کے بدلہ میں نفاذ دیتا ہے جو نفس پر شاق ہے اور عبادت کو تعمیل حکم رکھا کہ ہم ادب کے التزام پر براہین گرتا ہے کہ ہم کو پوری طرح ایمان چاہیے اس کا اور کچھ مقصود نہیں۔ قولہ وفیہ دلیل علی ان افضل العبادات هو الاتباع الی قولہ

علی التزام الادب ف توفیق الاھل لافعیہ۔

ف یہی وہ بات ہے جس کے فقدان سے اہل ملک پریشان ہو سکتے ہیں۔ بہت لوگ اور دوسری نعمت سے دوسری افرام یا اپنی کیفیت کے طالب ہوتے ہیں جب وہ حامل نہیں ہوتیں سب کام چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ یہ لوگ اصل حقیقت سے جا مل نہیں، عبادت وہ ہے جو مرتقلہ میں کام کے لیے کام کرے اور کوئی طرف نہ ہو اسی کا نام اخلاص ہے۔ اور صاحب اخلاص بھی ناکام نہیں ہوتا۔ ان شاء اللہ العلیضیجر اجر المحسنین۔

(۲۳۵) توبہ سے اس گنہ کی تلافی نہیں ہو سکتی جو گنہ اس سے ہو چکا

یہاں سے معلوم ہوا کہ حقیقتی عبادت (یعنی ہے گو وہ معاف ہو جاتا ہے مرتبہ گنہ، کرنے والا گنہوں میں کتنی ہی فضیلت ہو جو اس نقصان کی تلافی نہیں کر سکتا، جو معینیت سے ہو چکا ہے اگرچہ وہ توبہ بھی کرے اس کی دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے وانا عامہ (اگرچہ وہ مگر ہر روزہ دے) کیونکہ ظاہر ہے کہ ہر ہر روزہ دیکھنے والا توبہ ضرور کرے گا۔ عام شائق فرماتے ہیں کہ اس شخص کے ذمے توبہ ہے اور ایک دن کا روزہ غرض توبہ اور ایک دن کا یا ہر ہر روزہ بہت سے بہت عذاب (اور گناہ) کو مٹا کر سکتا ہے۔ لیکن گناہ سے بچنے کا جو نتیجہ ہے وہ حاصل نہ ہوگا اور انسان کے جو نقصان پہنچے ان کی تلافی نہ ہو سکتی گی، یہاں حق تعالیٰ کا فضل جو بھائے قواعد بات ہے ورنہ ظاہر رکازوں پر روشنی نہیں ٹوٹ سکتا۔ اور یہ حدیث میں آیا ہے الحق یہ قیام ماقبلہا کہ توبہ پہلی حالت کو ختم کر دیتی ہے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ گناہ اور عذاب کو توبہ ختم کر دے یہ قیام اس لیے دیا کہ تا کہ خطا و اجتہاد سے اجتناب ہو جائے نیز ان گناہوں سے بھی بچا کہ وہ توبہ کا ثقیل نہ ہے قطع نہیں کر سکتا اور اولیٰ میں تو نقصان ہی نہیں ہوتا اور دوسری صورت میں نقصان ہوتا ہے مگر اس کی تلافی اعمالِ صالحہ ہو جاتی ہے۔ جو بھائی

روز اگر رات محمد و پاک نیست
تو بدای اسے آگے جز تو پاک نیست

اس میں شک نہیں کہ یہ بھی فتنہ ایک بڑی فضا ہے کہ انسان سے
غیر جو گناہ کا ارتکاب پاگل نہ ہو مگر یہ لازم نہیں کہ گناہ کے توبہ نہ لے لے اس سے
وہ بچے جس وجہ سے آگے نہ بڑھ سکے۔ حضرت عباسؓ میں بھی وہ ہیں زبان سے نہ لے
اور شرب شراب کا ارتکاب ہو جائے مگر توبہ کے بعد وہ اُس مقام پر نہ جہاں کوئی دلی
اور غصہ و غضب نہ رہتا ہے۔ بلکہ یہ ضرور ہے کہ انسان اس نقصان کی کٹافی خود
نہیں کر سکتا جرم صحت سے اُس کو پہنچا چکا ہے۔ لیکن توبہ خالص کے بعد اللہ تعالیٰ
کٹافی فرادیتے اور ایسے بلند مقام پر پہنچا دیتے ہیں جہاں اس گناہ سے پہلے نہیں
پہنچا تھا۔ پس حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ دروغان کے آیام کی برابر دوسرے آیام میں
ہیں۔ دروغان کے ایک دن کا روزہ یا قدر کے عدا توڑنا اتنا سنگین جرم ہے جتنے کہ
انسان عشر عمر کے روزہ کے بعد سے بھی اُس کی کٹافی نہیں کر سکتا۔ وہاں یہ کہ توبہ کے بعد
اللہ تعالیٰ اس نقصان کی کٹافی کر دیتا ہے یا نہیں؟ یہ حدیث اس سے ثابت ہے
اور دوسرے ضروری امید دلاتی ہیں۔ واللہ اعلم غفرلہم غفرنا ورحیمنا
عزیزنا محمد علیٰ قلیہن علیٰ ما شاء والسلام۔



دی جی ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ گناہ سے جو خیر فوت ہو چکا ہے اُس کی کٹافی ہو جائے گی۔
اسی لیے صحابہؓ ماحلت (یعنی موفیاء کرام) نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے کوئی
کے دو دانے پر غرہ کر لے اور اسے اور ایک ساعت غفلت کر جائے تو اس ایک ساعت
میں جو خیر اُس سے فوت ہوگئی وہ اس سے بڑھ کر ہے جو غرہ میں اُس نے حاصل
کی۔ کیونکہ ممکن ہے وہ ساعت لغو (الغیر) (الغیر) کے خاص عبادت کی ساعت ہو
اور جہاں سے یہ عبادت فوت ہو جائے دوسری اُس کے قافہ مقام میں ہو سکتی۔ اگرچہ
اس کو دوسری ساعت لگائی نصیب ہو جائے کیونکہ جو ساعت عبادت فوت ہوگئی
اُس سے توجہ نہ ملے۔ وادباً من غفلت من غفلت من باب ہو لا اُس شخص کی بڑی
معیبت ہے جو اپنے کوئی کے دو دانے سے ہٹ گیا۔ قولہ وغیرہ دلیل علیٰ
ما یفیع من الخلفۃ حقیقۃ الخ قولہ من غفلت من غفلت۔

۱۰۔ مگر ایک حدیث میں آیا ہے ان شب من الغضب کمون کا ذنب لہ
ثنا سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسا اُس سے شہ ہوا، یہی اُن اور کرتا ہے
الا من تاب وامن وعمل عمل صالحا غدا یثاب بہ علیٰ افعہ سبیلنا تہجدتہ
مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لے آیا اور نیک عمل کرے گا اللہ تعالیٰ اُس کے گناہوں کو
کوئی گناہ سے بدل دینا ہے۔ پھر روایت میں توبہ اور اسلام کا ایک ہی درجہ بتلایا
گیا ہے کہ جس طرح اسلام سے کفر و شرک سابق کا ارتکاب پاگل دکانی ہو جائے۔ اسی طرح
توبہ سے گناہ کا اثر باطل ناکانی ہو جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ بعض دفعہ وہ لوگ جو
پہلے کفر و شرک میں مبتلا تھے بعد میں ایمان لائے اُن کو دوسرے بڑھ جاتے ہیں۔ ان
سے کبھی کفر و شرک نہیں کیا۔ چنانچہ امام حضرت عمرؓ رضی اللہ عنہما حضرت علیؓ اور حضرت
مصعبؓ اور عبد اللہ بن عمرؓ رضی اللہ عنہم سے انھیں ہیں حال کہ ان حضرات نے کسی
وقت بھی کفر و شرک نہیں کیا اور حضرت عمرؓ بعد شرک سے اسلام لائے تھے۔ اس طرح جو
سکتا ہے کہ ایک شخص گناہ سے توبہ کر کے اپنے بلند درجہ پر پہنچ جائے جہاں وہ نہیں
پہنچ سکتا تھا۔ یہ بھی گناہ نہیں کیا ہے

گنیپنا ہے۔ مگر تمام سختیاں و فضاں کا احاطہ دشوار ہے۔ اس لیے عمل کرنے والے کی حالت کے مناسب کسی عمل کو ترجیح دی جاسکتی ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے سب کو ایک ہی عمل کی وصیت میں کی بلکہ ہر ایک کے لیے جدا عمل تجویز فرماتے تھے۔ جہاں کی اس میں (زیادہ) اہمیت تھی اور مطلب یہ ہوتا تھا کہ (احمال) مستحقہ اور فضاں میں اس کا اہتمام زیادہ کیا جائے۔ یہ مطلب یہ تھا کہ اس کے سوا اور اعمال مستحبہ کو بالکل نہ کیا جائے۔

و وصیت تو اقول در جہر کی کرنا چاہیئے اور زیادہ کی ترغیب دی جاسکتی ہے۔ مگر یہ کہ حضرت نے ان اعمال میں اول درجہ کی وصیت کیوں کی زیادہ کی کیوں نہ کی؟ تو اس کی وجہ ہم بتا چکے ہیں کہ اگر زیادہ کی وصیت کی جاتی تو ندرتِ عطا کہ وہ اس کا احترام کر لینے (اور کسی وقت دشواری پیش آتی اس لیے زیادہ تو ان کی اہمیت اور ندرت پر محصور رہ گیا۔ دوسرے جہان سے حضور ﷺ نے وصیت کی ندرت سے یہاں کہ تاکہ تو اقل درجہ کی ہی فرماتے پھر زیادہ کی ترغیب دیا کہ تھے چنانچہ آپ کا ارشاد ہے کہ جو شخص سورۃ بقرہ کی آخری دو آیتوں کے ساتھ قیام کرے (یعنی عشاء کے بعد دو رکعتوں میں ان کو پڑھ لیا کرے) تو یہ اسے کافی ہیں پھر اس کے بعد زیادہ کی ترغیب دے گا اور ہر ایک مقدار کا انگ انگ ثواب بیان کیا۔ یہاں تک کہ (آخر میں) فرمایا کہ جو شخص ہزار آیتیں قیام میں پڑھے اُس کا لقب آسمانوں میں مفسطر ہوگا (یعنی جیسے خزانے والا) اور رات کے آخر تک تہائی حصہ کی بہت فضیلت بتلائی تاکہ لوگ قیام میں ہر آیت کی قدر میں جو شہادہ کے بعد شروع ہو جاتا ہے بلکہ تمہید کا اہتمام کریں جس کا بہترین وقت رات کا پچھلا حصہ ہے اور خود آپ رات کو اتنی لمبی نماز پڑھتے تھے کہ پیر ویا پر وہم آ جاتا تھا (علیہ السلام) منہ منہ الحق انظر لاہ الی ابن اشکنت قد ماہ العزیز (دور ۱۷) اسی طرح آپ نے اس وصیت میں عمل کیا (ماہشت کی) دو رکعتوں

احمال کی خوراک کو بیان فرمایا جو ان کے لیے زیادہ موجب قرب ہیں اور زیادہ کو ان کی بہت و قدرت پر چھوڑ دیا۔ آپ نے کم سے کم درجہ بتلایا بلکہ زیادہ سے سخت فرمایا (دہا یہ کہ ہر شخص کے لیے قرب کا اندیہ مختلف کیوں ہے؟ سب کے لیے ایک ہی راستہ کیوں نہیں تو) بات یہ ہے کہ اعمال صالحہ میں سب کی حالت یکساں نہیں ہے۔ ایک شخص کے لیے عبادت میں مشغول ہونا مناسب ہو تاکہ سب کے دوسرے کے لیے علماء کی نصرت میں رہ کر پڑھنا پڑھنا ہنر ہو تاکہ کسی کے لیے سفر کرنا اور جہاد کرنا ادا ہی ہے وغیرہ وغیرہ۔

جس کو اس سے ماہست ہو اس کے حق میں مشغلی علم ہی بہتر ہے۔ کیونکہ علم تمام اعمال سے افضل ہے۔ پس ارشاد علیہ السلام کے ارشادات سے معلوم ہوتا ہے۔ تو اس کے لیے عبادت میں مشغول ہو کر مشغلی عمل کو چھوڑ دینا موجب نقصان ہے خصوصاً اس زمانے میں تو جس کو علم سے ماہست اور اہمیت حاصل ہو اُس پر علم میں مشغول ہونا واجب ہے۔ کیونکہ دونوں اہلِ علم و علم نے فرمایا ہے جب دین میں بہترین داخل ہونے لگیں دین پر آفت آجائے گی۔ اُس وقت محامدین کو مضبوط پکڑ لو اور ان سے رزق طلب کرو؟

صحابہ نے کہا یا رسول اللہ! معامدین سے کیا کرنا ہے؟ فرمایا مطلق و حرام دینان کرنے کی گنجائش تو اس زمانہ میں علم (شرعی) تمام اعمال سے زیادہ موجب قرب الہی ہے بلکہ ہم کہتے ہیں کہ (جس کو علم سے ماہست ہو اُس پر) اُن ہی میں مشغول ہونا واجب ہے۔ دلیل یہی حدیث ہے جہاں سے بیان کی۔ پھر جس شخص میں علم کی اہمیت نہ ہو اُس کو عبادت میں مشغول ہونے کا حکم کیا جائے گا کیونکہ اگر یہ ہے کہ وہ عبادت میں مشغول ہو کر اپنے کو بھی نفع دے اور دوسرے بھی اُن کی دعا سے نفع حاصل کریں یہ اسی طرح تمام اعمال میں خود کیا جائے جس شخص کے مناسب جو عمل ہو اُسے دوسرے اعمال پر مقدم کیا جائے۔ بعض عمل کی فضیلت کو نہ دیکھ جائے بلکہ عمل کرنے والے کی حالت کو دیکھنا چاہیئے (ثواب کے کام کو بہت ہیں جس عمل کے بھی ثواب کو دیکھو وہی اچھا طریق

آنا کام کرنا جس پر دوام نہ ہو سکے تغفل کا سبب ہو جاتا ہے اور غفلت کا سبب غفلت
ہمیشہ ہوتا ہے کہ تو ان میں اس کی مقدار بہت ہو جاتی ہے۔ غفلت غفلت ہم غفلت
قرآن و دینا فقد کانت علیہ اسلام یہ ہے نکل غفلت بحسب ما یقتضیہ
حالہ علی قولہ فی کلک لہ انساب اکثر۔

ف۔ متفقین مشائخ کا یہی طریقہ ہے کہ سب کو ایک شاخ میں ہاتھ پیر غفلت کو
اس کے تمام سبب کا حال کا بتلاتے ہیں۔ اگر طالب کو شیخ پر احرام رہے وہ اس کے
بتلاتے ہوئے کام پر دل نہیں سے مدد دے کر بتاتا اور کہتا ہے کہ میری کامیابی
کامیابی راستہ ہے کہ میں دیکھنے سے جو مختلف اعمال کی طرف دل چلتا تھا کہ یہ
مروں یا وہ کروں یا سب کروں تو مجھے کہوں اس انجمن سے اس کو نجات مل
جاتی ہے اور حصول قرب میں دلچسپی کی بڑی ضرورت ہے اور طریق میں اہتمام شیخ
پر اسی لیے زیادہ زور دیا جاتا ہے کہ اس کی تعلیم سے انجمن زور ہو جاتی اور معرفت
قلب کی دولت نصیب ہو جاتی ہے۔ مگر ضرور ہے کہ شیخ متقی بتیج سنت ہو ورنہ
انجمن زور نہ آوے بلکہ پریشانی پڑے گی۔

کلام مرادوں روشنی و گرمی است

کلام و دامن حیل و بے ثمری است

روشنی سے مراد طہارت و نورانیت قلب ہے اور گرمی سے محبت و عشق ہے

دولت مراد کامل ہی کے پاس ملتی ہے۔

ف۔ حضرت شامی کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے حضرت جوہر رحمہ کے لیے طریق عبادت اور شمار عبادت کو اختیار فرمایا تھا۔ مگر
میرزا علی یہ ہے کہ حضرت شامی کے لیے طریق علم کو اختیار فرمایا تھا۔ ان کا کام
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام باتوں کو شہنا اور یاد کرنا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان
سے زیادہ روایت حدیث کرنے والا صحابہ میں کوئی نہیں مگر اس کے ساتھ ہی حضرت
نے یہ بھی بتلادیا کہ علمی شغل والوں کو کسی قدر عبادت ماننا کا بھی اہتمام کرنا چاہیے

کی وصیت فرمائی۔ پھر خود آجہ کہ نہیں پڑھیں۔ ایک روایت میں یادہ رکست بھی وارد
ہے اور فرمایا جو شخص چاشت کے وقت یادہ رکست پڑھے اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے
جنت میں عالی شان محل تیار کر دی ہے۔ اس طرز کا استناء اس پر شفقت اور
مہربانی تھی کہ مبارک وصیت کے التزام میں مشقت لاحق ہو وہاں بدوین وصیت کے
آپ زیادہ عمل کی ترغیب دیا کرتے اور ثواب بیان کیا کرتے تھے اس کی تائید سند
درول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوتی ہے واصلہ ان عیالہ کلک
الصلوۃ۔ (اور جان لو کہ تمام سے اعمال میں سب سے افضل نماز ہے) مطلب یہ ہے
کہ اعمال صالحہ پر بے حد زور ہو ان کو گنتی سے یا تخمینہ سے محدود نہ کر و بلکہ میں قدر بھی ہو
سکے زیادہ کام کرو۔ زیادہ کی رویت کرو (مجھے معلوم کیا جائے کہ یہ تفسیر حدیث
کی صحیح نہیں حدیث میں ولا تحصوا ہوتا تو یہ جتنی بن سکتے تھے مگر آپ دیکھ وہے
ہیں کہ اس میں ولی غصوا وارد ہوا ہے۔ اس کا مطلب وہی ہے جو احقر نے بیان
التوسیع ترجمہ میں واضح کر دیا ہے کہ استقامت کے ساتھ کام کئے جاؤ تم سے
سب اعمال کا احاطہ ہو گا نہ ہو سکے گا۔ یعنی فراغ و اداجہت کے بعد اعمالی استحباب
میں احتیال سے کام نہ لو اتنا عمل کرو جس کو سمجھ نہ پاؤ کہ یہی استقامت ہے۔

اس حدیث میں بکثرت عمل کا امر نہیں ہے بلکہ استقامت اور عبادت کا امر ہے)۔
مفسر جانتے ولا احصوا بالتقصیر۔ الاداء کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ دیہان
قیامت کا ذکر ہے اور غرض لوازم سے قیامت میں اپنے کو طاعت کرنے والا غرض
مراد ہے اور قیامت میں ہر شخص ہی اپنے کو طاعت کرے گا۔ خواہ مومن ہو یا
کافر کیونکہ کفار جب کفر کا عذاب دیکھ گئے گا اپنے کو طاعت کرے گا کہ نہیں مومن
کیوں نہ ہو؟ اور مومن گنہگار مومن ہی کی سزا دیکھ کر اپنے کو طاعت کرے گا کہ
نہیں نہ دنیا میں اعمال کیوں کئے تھے اور مومن نیکوکار نیک اعمال کا ثواب دیکھ
کر اپنے کو طاعت کرے گا کہ نہیں نے زیادہ کام کیوں نہ کیا تاکہ ثواب زیادہ ملنا
دیکھ کر زیادہ عمل کرنے کا طریقہ استقامت اور عبادت ہی ہے طاقت سے زیادہ

صرف فرائض و واجبات و سنن پر ہی کلامیت نہ کرنا چاہیے اسی لیے چاشت کی دو رکعتیں بتلائیں اور ہر مہینہ میں تین روزے اور بے کھوٹے سے پہلے تہجد پڑھ لیا کریں۔ وتر سے مراد صرف نماز وتر میں بلکہ تہجد و وتر سے کوئی تہجد وتر پر حضور ﷺ وسلم نے بھی انہیں فرمایا۔ بلکہ اُس سے پہلے یا پیچھے کچھ نوافل بھی ہوتے ہیں۔ صحابہ عام طور پر وتر کا اطلاق نماز تہجد پر کرتے ہیں کہ وتر سے مل کر سب ہی وتر ہو جاتی ہے۔ چونکہ حضرت ابو ہریرہؓ غزوہ بدر کے بعد دن بھر کی سختی ہوئی حدیثوں کو یاد کرتے تھے جس کی وجہ سے دیر میں سوتا ہوتا تھا۔ اسی لیے حضور نے ان کو یہ وصیت فرمائی کہ سونے سے پہلے تہجد پڑھ لیا کرو۔ پس ابلی علم کو ان دنوں پر پابندی سے کھد بند ہونا چاہیے کہ اس سے زیادہ کی ان کو فرصت نہیں ملتی و اللہ عزوجل اعلم ۱۰ اس حدیث میں امام نیکت لا اور امام ابو حنیفہؒ کے مذہب کی دلیل بھی ہے کہ نفل دو رکعت سے کم نہیں ہو سکتے (اگر اس سے کم ہو سکتے تو حضور ﷺ وسلم اس مقام پر کسی کو بیان فرماتے کیونکہ آپ نے کم سے کم مقدار میں بتلائی۔ مگر اس پر اشکال یہ ہے کہ روزہ نفل اور کھانا تین سے کم ہو سکتا ہے اور یہاں تین سے کم میں بتلایا نہیں گیا تو انا پڑے گا کہ حضور نے وقت کے ساتھ فضیلت پر ہی نغز فرمائی ہے اور چونکہ ایک رکعت نفل کو چار رکعتیں ہیں وہ بھی دو گنا فضیلت کے (آئی ہیں)۔

صرف فرائض و واجبات و سنن پر ہی کلامیت نہ کرنا چاہیے اسی لیے چاشت کی دو رکعتیں بتلائیں اور ہر مہینہ میں تین روزے اور بے کھوٹے سے پہلے تہجد پڑھ لیا کریں۔ وتر سے مراد صرف نماز وتر میں بلکہ تہجد و وتر سے کوئی تہجد وتر پر حضور ﷺ وسلم نے بھی انہیں فرمایا۔ بلکہ اُس سے پہلے یا پیچھے کچھ نوافل بھی ہوتے ہیں۔ صحابہ عام طور پر وتر کا اطلاق نماز تہجد پر کرتے ہیں کہ وتر سے مل کر سب ہی وتر ہو جاتی ہے۔ چونکہ حضرت ابو ہریرہؓ غزوہ بدر کے بعد دن بھر کی سختی ہوئی حدیثوں کو یاد کرتے تھے جس کی وجہ سے دیر میں سوتا ہوتا تھا۔ اسی لیے حضور نے ان کو یہ وصیت فرمائی کہ سونے سے پہلے تہجد پڑھ لیا کرو۔ پس ابلی علم کو ان دنوں پر پابندی سے کھد بند ہونا چاہیے کہ اس سے زیادہ کی ان کو فرصت نہیں ملتی و اللہ عزوجل اعلم ۱۰ اس حدیث میں امام نیکت لا اور امام ابو حنیفہؒ کے مذہب کی دلیل بھی ہے کہ نفل دو رکعت سے کم نہیں ہو سکتے (اگر اس سے کم ہو سکتے تو حضور ﷺ وسلم اس مقام پر کسی کو بیان فرماتے کیونکہ آپ نے کم سے کم مقدار میں بتلایا۔ مگر اس پر اشکال یہ ہے کہ روزہ نفل اور کھانا تین سے کم ہو سکتا ہے اور یہاں تین سے کم میں بتلایا نہیں گیا تو انا پڑے گا کہ حضور نے وقت کے ساتھ فضیلت پر ہی نغز فرمائی ہے اور چونکہ ایک رکعت نفل کو چار رکعتیں ہیں وہ بھی دو گنا فضیلت کے (آئی ہیں)۔

(۲۳۷) منقطع الدنیا کو زیادہ عمل کی ضرورت نہیں قدر ضروری اور قدر

یہی حال اُس کا ہے جو بیت بھر کر کھاتا ہے کیونکہ اُس کا بدن عبادت میں شستگی کرتا ہے وہ بیت بھر کر آرام کرنا چاہتا ہے تو اُس کو اس کی خد کا حکم دیا جاتا ہے کہ شب بیلاری زیادہ کرے تاکہ کھانے کا شغل دور ہو جائے اور عبادت میں نشاط حاصل ہو کیونکہ دل کی حالت یہ ہے کہ ہفتہ پروں سے جو کام کیا جاتا ہے اسی کا طوف اُس کا میلان زیادہ ہوتا ہے اور صوفیہ کا قاعدہ یہ ہے کہ وہ ہمیشہ دل کی تعمیر کا اہتمام کرتے ہیں تو جو لوگ اسباب میں مشغول ہوتے ہیں ان کو زیادہ عبادت بتلاتے ہیں تاکہ کسبِ معاش کے شغل سے

فیل مستحبات پر قناعت کی اجازت ہے یہاں ایک اور بھی عجیب بات ہے جس پر عمل کو چاہیے غور کرنا چاہیے وہ یہ کہ ابو ہریرہؓ رضی اللہ عنہ سے پاس دنیا کا کوئی سامان نہ تھا نہ دنیا کا نہ میں مشغول تھے (بلکہ اصحابِ بدر میں شامل تھے) تاکہ مقصد صرف حضورؐ کی خدمت میں رہنا آپ کی باتوں کو سنا اور علم حاصل کرنا تھا تو ان سے فیل

عبادت بڑھ جائے اور قلب کا میلان اعمال صالحہ کی طرف نہ زیادہ ہو جبکہ باطنی چیزوں سے عبادت زیادہ ہو جائے گی دل کا میلان بھی اس کی طرف زیادہ ہو گا اور جو شخص عبادت کے لیے غافل ہو چکے اس کو مشغول اسباب سے کچھ واسطہ نہ ہو گا تو اس کو زیادہ اعمال کی ضرورت نہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک شخص کو جس کے قریب سوتا ہوا پایا لیا اسے شخص کھڑا ہو جا کہ عبادت کی توجہ سے آگے بڑھ گئے۔ اُس نے کہا اے رسول اللہ! مجھے (اسی حال میں) چھوڑ دیجئے کیونکہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت میں طرح کر رہا ہوں کہ جو سب سے زیادہ اُس کو محبوب ہے۔ پوچھا وہ کیا طریقہ ہے؟ اُس نے کہا میں دنیا سے بے رغبت ہو چکا ہوں۔ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا سوتا رہ تو عابدین سے فرقہ گیا اور رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ اُس نے فرمایا ہے کہ دنیا سے بے رشتی قلب اور بدن دونوں کو راحت دیتی ہے۔ اس میں بھی اُس ممنون پر اشارہ ہے جو ہم بیلوں کے دھبے ہیں۔ قلب کو راحت دینے کا مطلب یہ ہے کہ زیادہ کے دل کو اسباب دنیا میں ٹکڑے تدبیر سے راحت ملتی ہے اور جب دل اس سے خالی ہو گا تو وہ راحت تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر آباد ہو جائے گا۔ کیونکہ دل کسی خیال سے بخلی کبھی نہ ہو گا ایک نہ ایک خیال مفرور اس میں ہو گا خواہ دنیا کا یا آخرت کا ایک نہ ہو گا تو دوسرا ضرور ہو گا۔ یہی ایسا ہی ہوتا ہے کہ دونوں کا خیال ساتھ ساتھ ہو گھر اپنا نادر ہے۔

قولہ وحیدہ مصحف رافق الی قولہ لکن ذلک اللہ -

فت - یہاں سے غافلانہ کو مقصد معروف معلوم ہو گیا ہو گا کہ اس طریق کا منہا سے متصور یہ ہے کہ دل میں اللہ کے سوا کچھ نہ ہو یہی وہ نسبت موفیاد ہے جس کو کیفیت کہتی کہا جاتا ہے۔ جلد کار و اشتغال و اذغافل اسی کے حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں لیکن اگر یہ مقصد اتنا باریک نسبت کے ساتھ حاصل ہو تو نسبت متبادلہ مندرہ ہے بدعات کے ذریعے حال ہو تو نسبت غیر متبادلہ منظمہ ہے۔

دل ہو وہ جس میں کچھ نہ ہو بلکہ اس کے سوا میری نظر میں غافل بھی جام جہاں نہا نہیں فت جو لوگ مشائخ کی خدمت میں دنیا کے دکھار سے غافل ہو کر جا پڑتے ہیں اُن کو زیادہ محنت و مشقت کی ضرورت نہیں ہوتی صحبت شیخ کی برکت ہی سے یہ نسبت اُن کو جلد حاصل ہو جاتی ہے بشرطیکہ صحبت سے مقصود خلوص قلب کے ساتھ صرف یہی ہو کہ تعلق مع اللہ حاصل ہو جائے۔ کوئی ذریعہ مقصد حصول جاہ وغیرہ نہ ہو نہ فی الدنیا نہ فی الدنیا کی محبت سے دل کا غالی ہو جانا تقویٰ کا پہلا قدم ہے اگر یہ حال نہیں تو صحبت شیخ نافع نہیں۔

(۲۳۸) انسان اپنے دوست کے طریقے پر ہوتا ہے جو طریقہ پر نہ

ہو وہ دوستی کا دعویٰ نہیں کر سکتا یہاں ایک اور بات بھی یہ ہے یہ ہوگا اور فائدہ کو اپنے اختیار سے پسند کیا۔ اسباب (معاشر) میں اشتغال بکوترک کیا رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ کسی خدمت میں رہے کسی وقت آپ سے جدا نہ ہوتے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے ہوگا اور فائدہ پر مابہر ہو گئے۔ یہاں تک کہ بعض فیہ ہوگی کی شدت سے ہے جو شخص ہو جائے اور کسی کو اُن کے حال کی خبر نہ ہوتی۔ اس حالت میں اُن کو (ایک گونہ) رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ بہت حال میں کیونکہ حضور نے بھی اختیار فرمایا کہ توبہ و توبہ کی توجہ اور آپ بعض دفعہ ہوگی کی شدت میں اپنے پیٹ پر تین تین پتھر باندھتے تھے تاکہ کمر سیدھا نہ ہو اور کسی کو فائدہ کی خبر نہ ہو اور فرماتے تھے کہ ادب حکم نفسہ وہ لہا بہین - میں لو! بعض آدمی اپنے نفس کا اگر کم کرے تا کہ اسے حالانکہ حقیقت میں وہ اس کو ذلیل کرتا ہے اور کہا قال علیہ السلام (غالباً مطلب) ہے کہ بعض لوگ فقر و افلاس کے وقت لوگوں سے سوال کر کے اپنی ہوگی پس اس کی نفس کی خواہش کو پورا

کرتے ہیں جو بظاہر نفس کا اکرام ہے مگر واقعہ میں اس کو ذلیل کرتا ہے، غرض پوچھو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جم کر رہ چکے تھے اور اسی حالت کو اختیار کئے ہوئے تھے جو حضور نے اپنے واسطے اختیار کی تھی، اس لیے حضور نے مصیبت کے ساتھ ان کو یہ وصیت کی۔ اور اسی بنا پر ابھر رہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا مصلحت کیا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ شخص اپنے دوست کے فریضہ پر جاتا ہے۔ پس دیکھ لو تم کس سے دوستی کر رہے ہو؟ (اس لیے) ابھر رہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا مصلحت کیا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دوستی (اور محبت) کا دھوکے کرنے کا حق حاصل ہو گیا۔ یہ اشکال دیکھا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو فرماتے ہیں کہ اگر میں کسی کو اپنا مصلحت بنا تو ابوبکر کو بنا یا کیونکہ خدا یہ مطلب نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ابھر رہا ہے کہ اپنا مصلحت بنا یا۔ مگر آپ کے مصلحت نہ بنانے سے یہ تو لازم نہیں ہوتا کہ میری کوئی مصیبت نہ پہنچے بلکہ یہی یقین ظہین سے ہوتا ہے کہ ایک ہی غرض سے ہوتا ہے کہ اپنی کوئی غلطی ہو اور دعویٰ کو ادنیٰ سے نہ ہو، غلطی کی شرط وہ ہے جو آپ پر ایمان کی گئی کہ انسان اپنے نبیل کے طریقہ پر ہو اور یہ شرط حضرت ابوبکر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود تھی تو ان کو دھوکے غلط بنا کر تھا۔

قوله وفيه معصية من ادنى قوله فاسلم له اعداء الفتن كجبل وادى

فتن۔ مصلحت کا ترجمہ عام طور سے درست کیا جاتا ہے مگر ان کے مصلحت وہ ہے جس کی محبت ہو اور عقب میں جا کر یہ ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات پر تلقین فرماتا ہے کہ خدا سے متواضعی نہ کرنا، خدا پر دشمنی نہ کرنا، بہت محبت کا شرط حضرت حسینؑ ازواج مطہرات خصوصاً حضرت عائشہ صدیقہ کے ساتھ بہت تھا، لیکن یہ سب محبتیں اطاعتِ قلب میں ہیں، قلب کے اندر اللہ کے ہوا کی طرح نہ تھا۔

عذرا العواذ حول قلب الله وهو العاجز قهقهة في الله

(۶۳۹) زندگی کی لمبی امیدیں نہ باندھنا چاہیئے۔ (ابن مسعود) میں ان کو چاشت کی دورگت اور ہر مہینہ میں تین روزہ۔ یہ اور سونے سے پہلے وتر پڑھنے کی وصیت پر کیوں اکتفا کیا؟ تو چاشت کی دورگت تو اس لیے کہ اس سے کم نہیں۔ آپ نے اولیٰ درجہ پر کھڑے کیا کہ اور ہر ماہ میں تین روزہ اس لیے کہ یہ بھی اولیٰ درجہ ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہر نیکی دس نیکیوں کے برابر ہوتی ہے اور مہینے کے تیس دن ہوتے ہیں تو اسی کو چاہیے کہ ہر مہینے میں دس روزہ، دس روزہ کے تیس دن ہوتے ہیں تاکہ پورے مہینہ کے روزوں کا فواید مل جائے اور یہ شخص عالمِ الدہر کے حکم میں ہو جائے اور کلام ہے کہ اس سے مراد رمضان کے علاوہ دیگر مہینے ہیں کیونکہ رمضان میں تو پورے مہینہ کے روزے فرض ہیں اور یہاں فرض کی وصیت مقصور نہیں بلکہ فرائض واجبات و سُنن کے علاوہ چند مستحبات کی وصیت مطلوب ہے، یہ رہا سونے سے پہلے وتر پڑھ لینے کی وصیت اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ ان کو اعمال میں بہت تنگی کا تکیہ فرماتے ہیں مبادا موت آجائے اور کام نہ جائے، کیونکہ اگر دتر کے بغیر سو گئے تو شاید سوتے ہی میں رات کو موت آجائے (غیر بھی تو ایک قسم کی موت ہے تو دتر کا ثواب رہا جاتا۔

اگر کوئی یہ کہے کہ آپ نے سونے سے پہلے وتر کی وصیت اسی لیے کی ہے کہ وتر پڑھنا نہ ہو جائے مبادا میری تمکین نہ کیے اور میرے بعد وتر پڑھا جائے حالانکہ وتر کلمات میں پڑھنا افضل (اور غنیہ کے نزدیک واجب) ہے تو جواب میں کہا جائے گا کہ یہ بات میں سے کہ حضور کا ارشاد ہے رفع القلوب عن الناس فذلك الله حق یستقیضہ کہ میں شخصوں سے ظلم فرماتا ہوں تو یہ کہ میں اسے ایک سونے والا ہے میں تمکین کا بعد پڑھتا ہوں تو اگر زندگی دوسرے روزہ نہ ہو جائے کہ گناہ نہ ہو گا اور میرے بعد وتر پڑھنے سے وہی ثواب ہو گا جو رات میں پڑھنے سے ہوتا، بلکہ رات

مہ ہر ایک شخص نے جانے کا ہوا، یہ بھی کیا ہو۔ ۵۰ -

بڑا تقویٰ ہوتا ہے۔ وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ انسان کی قدس سے اتنی عبادت باہر ہے اور اگر یہ ممکن ہے اس حقیقت کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان کے پیش نظر ہے تو ان کے پاس بھی دیے ہی اعمال ہوتے جیسے صوفیاء کے پاس ہیں۔ کیونکہ یہ بات معلوم ہے کہ جس کو ہر سانس پر یہ گمان ہو کہ شاید یہی آخری سانس ہے تو یقیناً اس کو غفلت نہیں ہو سکتی جب تک کہ یہ حال قائم رہے۔ ان کو حیرت اس لیے ہوتی ہے کہ یہ لوگ مولیٰ الہی کی وجہ سے دنیا کی تدبیر اور کسب معاش میں مشغول ہیں۔ ایسا شخص اگر کچھ کتنی ہی قوت اور تکیہ والا ہو مگر وہ اپنے رب سے کسی قدر غافل ہو کر اپنے کاموں کی تدبیر کرتے گا۔ کیونکہ مولیٰ الہی کا نقص نقصان ہے اور حضرات صوفیاء کی حالت اس کی ضد ہے وہ تو جب کوئی لباس پہنتے ہیں گمان ہوتا ہے کہ شاید یہی آخری لباس ہو جس کو ان کو قبر میں جانیں۔ جب کوئی نقرہ کھاتے ہیں گمان ہوتا ہے کہ شاید یہی آخری زرق ہے جو دنیا میں ان کے لیے مقدر کیا گیا ہے۔ جس شخص کا یہ خیال ہو اگرچہ وہ سب سے زیادہ کمزور ہو۔ غفلت اور تسبیح اس کے پاس بھی نہیں آسکتی۔ اس لیے ان صحیحوں کے بارے میں کہا گیا ہے الوقت سیف۔ وقت ایک خور ہے (جو کھا کر رہتا ہے اس کا دار خالی نہیں جانا یا تمباکھ واسطے دار کرے گا۔ اگر اس کو کبھی میں گزار دیا یا تمباکھ اور پر دار کرے گا اگر مصیبت یا غفلت میں گزار دیا)۔

مطلب یہ ہے کہ اپنے وقت کی ہر ساعت پر نظر رکھو کہ اس وقت تم پر کیا لازم ہے اس کو بچاؤ اور وقت کو عمل میں گزارو تاکہ عمل سے پہلے دفعہ موت نہ آجائے یا (اگر ایسا نہ کیا تو) مائیکہ کی وجہ سے وقت تم کو کٹا کر دے گا۔ اگر موت نہ بھی آئی کیونکہ تم کو وقت پھر آتا نہیں۔ انسان کی عمر کا جو دن بچاؤ گزرتا ہے اس کی جگہ دوسرا دن نہیں لے سکتا اور گئے وقت کو کوئی مائیکہ نہیں سب اگر وقت اس حال میں گزرے کہ تم نے اس میں کوئی نیک عمل کر لیا ہے تو کلامیاتی ہے اور اگر نیک عمل سے غالی گزر گیا تو فسادہ۔ یہ اس کی جگہ دوسرا وقت

وہی ہے کہ شاید موت آجائے اور دوسرا دن بھی فوت ہو جائے اس کی تائید دوسری حدیث سے ہوتی ہے کہ ایک شخص نے حضور سے وصیت کی کہ اگر موت کی طرف یا اصل میں مروج غلام اس طرح پڑھو جیسے دنیا کو الوداع کہنے والے پڑھتا ہے۔ آپ نے اس شخص کو قہراً مل کر ترغیب دی کہ زندگی کی اپنی امید نہ باندھو کیونکہ یہ بات ہمیشہ نظر کو شاید یہیں نفس لٹس واپس ہو۔ اسی حقیقت پر مشتبہ کرنے کے لیے آپ نے حضرت ابوبکرؓ کو سولہ سے پہلے وتر کی وصیت فرمائی کہ یہ امید نہ باندھو کہ شاید ایک زندہ رہو گے) اس کی تائید ایک دوسری حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مسلم سے حضرت عمارؓ سے پوچھا کیف اصبحتم۔ تم نے کس حال میں تیرے؟ انہوں نے کہا اصبحتم مؤمنینا۔ حقا کہ میں نے سچے لوگوں کی طرح صبح کی۔ حضور نے فرمایا ہر صبح کی ایک حقیقت ہوتی ہے تو قبائے ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ (دیانہ کرو) کہا یا رسول اللہ! میں نے اس حال میں صبح کی ہے کہ ہر قدم پر یہ گمان ہوتا ہے شاید دوسرا قدم نہ اٹھا سکوں (اور موت آجائے) اور گو یا قیامت میرے سامنے ٹھہری ہے۔ ہر آنہ تو میں کے تانہ حال کی طرف لپکا جا رہا ہے جتنی جنت میں راحت کر رہے ہیں دوزخی دوزخ میں عذاب دینے جا رہے ہیں حضور نے فرمایا حینئلا لطف اللہ تم کو یہ علم ملے گا کہ ہو۔ قولہ لکن یحجب بھٹ الی قولہ حینئلا لطف اللہ۔

(۲۴) صوفیاء کے یہاں اپنی ذات کے لیے کوئی وقت نہیں ان کا ہر وقت عبادت میں گزرتا ہے ان ہی امادیث کے معنی اور متغایہ نظر کر کے حضرات صوفیاء کے یہاں اپنی ذات کے لیے کوئی وقت نہیں بلکہ ان کی ہر صبح ہمیشہ قسم کی عبادت میں مشغول رہ کر قیامت ہوتی ہے کیونکہ ان کو (عمل کے) وقت ہو جائے اور موت آجائے گا نہ شے لگدہ ہوتا ہے اس لیے وہ اعمال کی طرف سبقت کرتے اور یہ گمان کرتے ہیں کہ شاید یہی عمل آخری عمل ہو اس لیے جب دوسرے ان کی عبادت کو دیکھتے ہیں ان کو

باب ۹۰

حدیث

الامیر بترك مالہ یسم علیہ من الصید

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ میں اپنے (شکاری) گنے کو چھوڑا ہوں اور بسم اللہ کھانا ہوں، پھر اس کے ساتھ شکار پر رد کر آیا کیا ہوں جس پر میں نے بسم اللہ نہیں کی اور مجھے معلوم نہیں کہ دونوں میں سے کس نے شکار کو پکڑا ہے، فرمایا اس شکار کو رکھاؤ، کیونکہ تم نے اپنے گنے کو بسم اللہ کے ساتھ چھوڑا ہے اور پھر بسم اللہ نہیں کی۔

ظاہر حدیث ظاہر ہے کہ شکار پر بسم اللہ کھانا واجب ہے۔ اگر بسم اللہ نہ کی شرح جائے تو شکار کے کھانے کی کوئی محنت نہیں کیونکہ جب ممان نے حضور سے عرض کیا کہ مجھے معلوم نہیں اس شکار کے پکڑاؤ آپ نے باوجود شکار کے کہ اس شکار کے چھوڑ دینے کا حکم دیا اور کھانے سے منع فرمایا، تو جس پر بایقین بسم اللہ نہیں کی گئی بلکہ عذر بسم اللہ کو نہ کیا گیا جو اس کا حرام ہوتا بدرجہ اولیٰ معلوم ہو گیا۔

فت۔ یہی نام ابو حنیفہ کا مذہب ہے کہ جس شکار یا جانور پر بسم اللہ ترک کر دی گئی اس کا کھانا ناجائز نہیں۔ نام شامی سے روایت ہے کہ اس کا کھانا جائز ہے کیونکہ ایک حدیث میں ہے کہ بسم اللہ شرائط کے ولی میں ہے مگر یہ حدیث ضعیف ہے

حق یہ ہے اس نیت سے لدا کہ یہ ہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا حق واجب کیا ہے تو یہ بھی نفس کا ذلت نہ ہو بلکہ حکم الہی کی تعمیل کا وقت ہو جو بسم اللہ عبادت ہے اسی طرح بیوی بچوں کا حق بھی اسی نیت سے ادا کر جئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا حق واجب کیا ہے۔ تجارت اور زراعت اور زراعت بھی اس نیت سے کرتے ہیں کہ کس ابدال فریضۃ بعد الفریضۃ، حلالی روزی حاصل کرنا میں فراتع کے بعد ایک فریضہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرض کیا ہے تو ان کا یہ وقت بھی حکم الہی کی تعمیل میں گزارا ہے جو کہ عبادت ہے۔

اور یہاں سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی اور بارہ نیت سے غفلت کی بنا پر ہوا ہے اگر وہ نماز، مباحات، اپنی نیت و درست رکے تو اس کے ساتھ اوقات عبادت پر مشغول ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ مباحات کو کسی نہ کسی درجے میں دیکھ کر سے متعلق ہوتا ہے۔



باب ۱۲

حدیث

النہی عن الصرف الا یذابید

حضرت برادر بن عازبؓ اور زید بن ارقمؓ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیع صرف کو رد یافت کیا (بیع صرف چاند نہ سونے کی خرید و فروخت کو کہتے ہیں) حضرت نے فرمایا اگر ہاتھ در ہاتھ ہو تو کچھ حرج نہیں اور اگر گٹھار ہو تو درست نہیں۔
 شہر کا ہر حدیث سے بیع صرف کا ہوا مسلم ہو گا کہ جب ہاتھ در ہاتھ ہو اور نہایت معلوم ہوئی جبکہ اُدھار ہو چاہے قصوری ہی ہو اور کا اُدھار ہو چنانچہ حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے اگر بیع صرف میں ایک شخص تم سے اتنی ملت مانگے کہ گھر کے اندر باکرہ پیرے لے لے تو اتنی ملت بھی نہ رو (بلکہ بیس بیچ ہی میں تبادلہ ہو جاتا ہے)۔

ف۔ شادی نے یہاں بھی کون سا عقوف کا استنباط نہیں کیا۔ میرے خیال میں اس سے بھی مقصود وہی ہے کہ اسبابِ معاش میں مشغول ہونا خلافِ توکل اور خلافِ وقایت نہیں۔ کیونکہ یہ دونوں سماجی چاندی سونے کا کاروبار کرنے سے تیار اور حضورؐ کے لئے اُن کو منع نہیں کیا اور صحابہ سے بڑھ کر متوکل اور صاحبِ ولایت کون ہو سکتے ہیں؟

اور حبیب ذبیحہ پر بسم اللہ نہ لکھی گئی ہو اُس کا حرام ہونا قرآن میں مخصوص ہے دیکھنا ظوا
 محالہ یہ ذکر اس حدیث کے ساتھ دانتہ لفسق ۵۔

اور یہ حدیث صحیح بھی اُس کی حرمت کو بتلا رہی ہے اس لیے اس بات میں حنفیہ اور مالکیہ کا مذہب قوی ہے۔

ف۔ اس حدیث سے شہر ۵۔ نے کوئی مسئلہ تعقوف کا استنباط نہیں کیا میرے خیال میں وہ یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اسبابِ معاش کا اختیار کرنا توکل کے خلاف نہیں۔ کیونکہ صحابہ سے بڑھ کر متوکل کون ہو گا؟ اور اگر صحابہ نے اسبابِ معاش کو اختیار کیا ہے۔ سب حضرت ابو ہریرہؓ کی طرح سادہ اسباب نہ تھے پس حج اولیاء اسبابِ معاش کی مشغولی ہوں اُن پر اعتراض نہیں ہو سکتا۔



حدیث

الحث علی العمل وفضل صل الید

حضرت مقداد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اس شخص سے بہتر (محل) نہیں کہنا چاہتا جو اپنے ہاتھ کے عمل سے (کما کر) کھانا پو اور اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کے عمل سے (کما کر) کھاتے تھے (وہ نوبہ کی زبردست عمدہ بن گئے جو لڑائی کے وقت فوجی پینے ہیں) اور اسی کو بیچ کر اپنی گزر گرتے تھے (داد جو عظیم شان سلطنت کے شاہی خزانہ سے کچھ دیتے تھے وہ سب کامیاب پر فروغ ہوتا تھا ۱۲ مترجم)۔

ظاہر حدیث بتلا رہا ہے کہ بہترین غذا وہ ہے جو انسان اپنے ہاتھ کے صبر عمل سے لکھا ہے اور اسی کے عمل میں کسب پر ترقیب بھی ہے جس کی چند شرطیں ہیں (جو آگے بیان ہوں گی)۔

(۲۴۲) اسباب معاش کا اختیار کرنا سنت ہے اور اس میں حکمت ہے

اس خیریت (اور بہتری) سے کیا مراد ہے؟ اور یہ فضیلت یوں دکا قریب کو عام ہے یا محسوس کے ساتھ خاص ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف داؤد علیہ السلام کی مثال کیوں بیان فرمائی حالانکہ اکثر انبیاء علیہم السلام اپنے ہاتھ سے کام کرتے تھے؟ جواب یہ ہے کہ اگر بہتری کی علت یہ ہے کہ اپنے ہاتھ سے کام کرنے

وہ دوسروں سے مستغنی ہو سکتا ہے اور کسب کی وجہ سے کسی پر اس کا بار نہیں ہوتا کیونکہ (مثلی مشہور ہے کہ) جس کی طرف تم کو اختیار ہو وہ تمہارا ہمارا ہے اور جس سے تم مستغنی ہو تم اس کے مراد ہو۔ اگر خیر ہونے کا یہ مطلب ہے تو اس میں مومن اور کافر سب داخل ہیں اور یہ جو ہم نے کہا ہے کہ اس میں کسب کی ترقیب بھی ہے درست ہے لیکن اس کے لیے چند شرطیں ہیں۔

ایک یہ کہ ذریعہ کسب شرعاً جائز ہو۔ دوسرے یہ کہ اس کا عمل بھی شریعت کے موافق ہو کیونکہ اگر بعض دفعہ ذریعہ کسب تو جائز ہو تاہم اگر عمل شریعت کے خلاف ہو تا ہے (مثلاً سنا کر کاپیٹل شریعتاً جائز ہے مگر مال کے وقت سنا کر خالص سونے میں کھوٹ ملانے لگے تو اس کا عمل شریعت کے خلاف ہو گا۔ اسی طرح دزدی کے پیشے کو اور پریشے کو بھیج لیا جائے ۱۳)۔

اور اگر خیر ہوئے کا مطلب یہ ہے کہ ذریعہ معاش میں کام کرنے پر ثواب ہوتا ہے اور اس کی خیر حسد ہی ہوتی ہے (کہ دوسروں کی بھیج دکر تاہے غریبوں محتاجوں پر صرفہ کرے) (جیسا ایک حدیث میں ہے من بات تعبا ما من طلب الخصال بات معقولہ لہ واصلہ واصلہ فاضل حدیث)۔ جو شخص کسب محال سے محکم کر دات گزارے اس کی مغفرت ہو جاتی ہے اور مع کو اس حال میں اکتفا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہوتے ہیں۔ اس صورت میں یہ فضیلت مشعلانوں کے ساتھ خاص ہوگی اور مشعلانوں کو کسب معاش پر ترقیب دینے کا مطلب یہ ہے کہ شریعت کے موافق کامانے کا ذریعہ اختیار کریں۔

یہ بھی احتمال ہے کہ خیر ہونے کا یہ مطلب ہو کہ پیشہ درکار مذق بوسطہ اس کے عمل کے خیر ہے یا آہ ہے۔ یہ بات کسی پیشہ کے ساتھ خاص ہے جو ہاتھ سے کیا جاتا ہے دوسرے اسباب کسب اس میں داخل نہ ہوں گے۔ اسی وجہ سے حضرت داؤد علیہ السلام کی مثال بیان کی گئی۔ دوسرے انبیاء کی نہیں ایک حدیث میں آیا ہے کہ صنعت در وقت ہاتھ تھانے کے غرضانوں میں سے ایک خزانہ ہے جس سے صاحب

عنہ: فرمایا کرتا ہوں ہے۔ اس خصوصیت میں وہ حدیثِ تعلیمِ حضرت کا ترفیع جسے ری ہے کہ یہی سنت ہے اس میں کچھ عارضیوں کو کہہ جس کام کو نبی و اعلیٰ عظیم اسلام میں کسی کفری لکھا کہ ان میں عارضیوں ہو سکتا۔

یہ بھی احتمال ہے کہ بغیر ہونے کی علت یہ ہو کہ ہا۔۔۔ سے پیشہ کرنے میں نادمی کا کوئی حق واجب نہیں ہوتا۔ مذکورہ اسباب معاش میں حق امتداد واجب ہو تاکہ ہر نفسی پھولارنا ہو جائے اور کبھی قصداً یا بلا قصد پھلکا یا ہمنے سے رو جا آئے تو اور اسباب معاش میں ذلکا اور دیگر حقوق واجب ہوتے ہیں اور اعمال رہنما ہے کہ وہ ادا ہوئے یا نہیں؟ اور ہاتھ سے جو پیسے کئے جاتے ہیں اگر شریعت کے موافق کام کیا جائے تو فرض میں کوئی حق امتداد یعنی طریقہ پر واجب نہیں ہوتا اور تو اس میں کوتاہی کا بھی احتمال نہیں) اور جس میں کوتاہی کا احتمال نہ ہو اس سے سترے جس میں اعمال ہو۔

یہ بھی احتمال ہے کہ غیر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ باغی کی صنعت و معرفت میں دوسرے ذرائع معاش سے زیادہ برکت ہوتی ہے، پھر یہ برکت کبھی حتیٰ ہوتی ہے بھی معنوی، مرکب حیثیت تو یہ ہے کہ کھانے میں معنوی مقدار زیادہ مقدار کے نام و مقام ہو جائے اور برکت معنوی ہو ہے کہ اسی کھانے سے قوت و نشاط دوسرے افراد سے زیادہ حاصل ہو۔

اور یہی احتمال ہے کہ غیر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ معاش کے لیے کوئی ذریعہ اختیار کر نہ سکتے ہیں اس میں منت کا اتنا سہ ہے کہ وہ کہ اس میں حکمت (انہی) کا ایک نشان ہے۔ اسی لیے جب حضرت ابو بکر صدیقؓ فرماتے ہیں غنیمت ہنسی ہے جو لوگوں نے اُن کو تلاش کیا تو بازار میں بھرتے رہتے ہوئے تھے۔ لوگوں نے کہا کہ غنیمت ہونے کے بعد بھی تجارت؟ فرمایا تو کیا نہیں اپنے اہل و عیال کے ذریعہ معاش کو چھوڑ دوں؟ (اس کے بعد اُن کی تحفہ بیت المال سے متعلق لکھی ہوئی جمل کے باب سے علاوہ یہ پانچوں بابوں کے قریب ختمی)۔

اس بنا پر مطلقاً اسباب معاش کا اختصار کرنا باعث برکت ہے بشرطیکہ شریعت کے موافق ہو خواہ صنعت ہو یا تجارت یا تجارت وغیرہ سب ہی میں برکت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی طرح اس دنیا کے آبادی کا ارادہ کیا ہے۔ وحکمت الخیر کا یہی تقاضا ہے کہ لوگ اسباب کے ذریعہ معاش طلب کریں بغیر اسباب کے شاندار جسمانی کوریج مٹی ہے) اسی لیے میرے ایک شیخ جو تہذیب و علم دونوں کے جامع تھے کویس و تدبیر سے فارغ ہو کر اپنے باپ سے اپنے باغ میں کام کرتے تھے۔ بعض دفعہ تدبیر کے ساتھ سمجھا دے (دور یا صنعت) بھی کہتے۔ پھر بھی پناوڑ سے کام کرنا نہ چھوڑتے اور فرماتے تھے کہ دوسروں نے بڑا یا تھا ہم نے کیا یا ہم بدین گئے تو دوسرے کہا میں گئے تاکہ اللہ تعالیٰ کی حکمت ظاہر ہو جس وقت کہ باغ تیار ہو گیا انتقال فرما گئے (دعہ اللہ تعالیٰ)۔

اب ہم ان اعتراضات کو بیان کرتے ہیں جو اس مقام پر وارد ہوتے ہیں اور ان کا جواب بھی دیں گے۔ اوپر لکھا گیا ہے کہ کسبِ معاش کے ذریعہ لوگوں سے استغنا ہو جاتا ہے۔ اس پر قرآن و حدیث سے اعتراض وارد ہو جاتا ہے۔ قرآن کی تو یہ آیت ہے رجال کا تلہیہ ہمہ جملہ و کلا یم عرب ذکر اللہ و اقام الصلوٰۃ و ایتا مال الزکوٰۃ ۔ وہ ایسے لوگ ہیں جو تجارت اور پیشہ انداز کی بات سے اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے سے غافل نہیں کرتے۔

اور حدیث میں دخول اللہ صراط علیہ وسلم کی حالت اور اپنی صفائی کی حالت وارد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ حاشیہ لاکھوں درمیان اقصیٰ میں کیا بلکہ ہرگز اسباب تھے اور یہی حالت اپنی صفائی تھی اور حضور نے اپنی صفائی کو اسے حال پر قائم رہنے دیا بلکہ یمن و فغان کو کہ وہ دونوں پر ترجیح دیتے تھے۔ قرآن کی آیت کاغوبہ جواب ہے اور کسی کا یہ مطلب نہیں کہ وہ لوگ شہادت اور بیعت و شہر و زمین کرتے بلکہ مطلب یہ ہے کہ یہ کام ان کو اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہیں کرتے وہ بدن سے کعبہ حاشیہ کرتے ہیں اور دل اللہ تعالیٰ کے ساتھ وابستہ رہتا ہے۔ چنانچہ

کما تقریباً من الماسد۔ کوٹھی سے بیٹھا ہوا گویا شیرے جھلگے ہو۔

اور خود آپ نے مجھ کو م کے ساتھ ایک برتن میں کھانا کھایا اور یہ دعا پڑھی
بسم اللہ قل من یحبنا لا یماتنا اللہ لنا۔ اللہ کے نام سے کھانا کھانا ہونا کہو
کہ ہم کو ہرگز کوئی مصیبت نہ آسکتی۔ ہوا اس کے جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے
واسطے مقدر کیا ہے بعد آپ نے (دوسروں کے لیے) آسان اور سہل طریقہ مشروح
فرمایا کہ چونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے واجعل علیکم طین الدن من حرج۔ اللہ
نے تمہارے اوپر دین میں اور بھی تسکین بھی نہیں کی اور اپنی حالت زاد و مل سے اپنی
قوت کے لیے (جن کے دل تعلق سے اللہ سے مربوط ہو چکے ہیں) اعلیٰ درجہ کا اختیار
کرنے کا اشارہ بھی فرمایا۔ مثلاً مزدوم ہی کے مسئلہ میں دوراستے ہیں جس کا نفس
ضعیف ہو اس کو سنت کا اتباع کر کے مجھدوم سے بھاگنا چاہیے اس میں اس پر
کوئی گناہ نہ ہوگا اور اگر نفس قوی ہو تو اس سے بے اور اس کے ساتھ کھائے اور
اس میں وہ آپ کے مال کا متبع ہوگا۔ چونکہ اہل مدغ نے زواران کے بعد توفیق و
نعمت کے بعد حالت کو اختیار کیا (وہ حضور کی طرح تنگ اسباب ہو گئے اور توکل کا اعلیٰ
درجہ لیا) تو حضور ان کو دوسروں پر ترجیح دیتے تھے۔

اوپر گائی ہے کہ کسب معاش کے ذریعہ اسباب اختیار کرنے میں ثواب ہے
اس پر ایک حدیث سے (بظاہر) اعتراض وارد ہوتا ہے کہ حضور نے فرمایا ہے:
لو انکم تکلکون علی اللہ حق فکلہ لمدک لکم کما یرزق الطیور فخذ و
نعماصوا و قد یطمان۔ اگر تم اللہ تعالیٰ سے پُر پوری طرح توکل کر گے تب توکل کا
حق ہے تو اللہ تعالیٰ تم کو اس طرح مدد دے دیتے ہیں کہ تم پر خداوندی کو دوزی
دیتے ہیں کہ وہ تم کو کھجور کے جاتے بہا اور دشنام کو پٹ بھرے واپس ہوتے
ہیں (جس سے معلوم ہوتا ہے کہ توکل کا اعلیٰ درجہ ترک اسباب ہے اور جب
اعلیٰ درجہ ہے تو ثواب بھی اس میں زیادہ ہے کیونکہ اعمال میں فضیلت ثواب
بھی کثرت و کثرت سے ہے) جو اب یہ ہے کہ دونوں میں کچھ تعارض نہیں قطعاً

اس آیت کے شان نزول میں یہاں کیا گیا ہے کہ صحابہ میں ایک حدیث کی علت تھی کہ
افان کے وقت اگر کپڑے میں ٹوٹی ہوئی آٹا کھانا دیا جاتا تھا اور نکال چکنا تو پھر کپڑے
میں نہ لگتا بلکہ فز (کھڑا) ہوتا اور نص ادا کرنے سے چلا جاتا۔ اسی طرح لوگ اگر کپڑے میں آٹا
تھی کہ اگر کھڑا نہ تھا تو ان کی آواز کان میں آ جاتی تو اس کو بے پروا نہ مانتا بلکہ
ہاتھ سے پھینک دیتا اور اگر ہار چکے کے بعد اذان مست ہو پھر نہ آٹا بلکہ فز (کھڑا)
آفت (غناز وغیرہ) کے لیے کھڑا ہو جاتا، یہاں سے یہ بات معلوم ہوتی کہ بندہ سے
ضرورت کو مطلوب یہ ہے کہ اس کا دل اسی کے ساتھ وابستہ رہے جس کے پاس
جانے والا اور پہنچنے والا ہے۔ اگرچہ ہاتھ پاؤں کسب معاش وغیرہ میں لگے ہوں۔
مجھ سے ایک بزرگ نے بیان کیا کہ افریقہ میں ایک گھاس کو بے دلا حاصوں
کے لیے گھاس لانا تھا اور وہ اپنے وقت کے بڑے اولیاء میں سے تھا جب کہ
نماز سے فارغ ہو کر دوپہر کے قریب تک یہ کام کرتا۔ پھر دوپہر (یعنی میں
گھاس کھڑتا) آتا دیتا اور عام میں جا کر غسل کرتا دوسرے کپڑے پہنتا اور جو کچھ
مزدوری ملتی اس میں سے تھوڑی مقدار اپنے واسطے لے کر فقراء عابدین اور مسکین
کو باقی رقم تقسیم کر دیتا۔ خود نہ بھر بھڑہ رکھتا اور سب کے وقت میں غفلت و غفلت سے
افغان کرتا جرات اپنے واسطے رکھتی تھی۔ جسے صاحب احوال رفیعہ اس کو بڑے بڑے بزرگ
بھی پہچانتے تھے کیونکہ اپنے حال کو لوگوں سے چھپاتا تھا۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل بیت علیہم السلام کی حالت سے جو اعتراض کیا گیا ہے، تو
اس کا جواب یہ ہے کہ یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت سب سے بڑھ کر ہے
آپ کے نفس کو دنیا کی طرف اصلہ تفریح دیتی (تو جس کی یہ حالت ہوئی کہ بے حضور
کی طرح تانک اسباب ہونا ہی بہتر ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ
(دوسروں کے ساتھ) نری کرتا ہے۔ کیونکہ بعض جگہ اکثر لوگ ضعیف ہیں (وہ حضور کی
اس حالت کا اتباع نہیں کر سکتے) تو ان کے لیے آپ نے اسباب معاش کو اختیار کرنا
مشروع کیا (جیسا مجھدوم کے بارہ میں (دوسروں کو تو آپ نے یہ فرمایا ہے) لیکن

اور اگر اس شخص کو کسی نے دوسرے سے غیر مشروع بیعتی بلکہ یہ آن لوگوں میں سے ہے
جس کو خرق عادت (اور کرامت) کے طر پر (خلا وسطیٰ) فتوحات پہنچی ہیں اس کو
چاہئے کہ ان فتوحات کو اللہ تعالیٰ کی طرف حمد و ثناء بن کر شکر کے ساتھ لے اور
اپنے کو اس کا اہل مذہب کے اب کو طوطا دے اور اپنے دل کو اس کرامت سے
وابستہ نہ کرے اگر وہ کرامت ربانی ہو اور اللہ ہی کی طرف سے ہو اس کے
تصرف کو (اس میں) اضافہ نہ ہو چہر بھی اس پر توجہ نہ کرے) مگر نہ یہ بھی شغل خاطر
کاسب ہو گا۔

نیز تصرف کے وقت اپنی احتیاج کو پیش نظر رکھے اور اللہ تعالیٰ سے دعا
کرے کہ اس کو ایسی جگہ فرج کرنے کی ہدایت فرمائیں جو اس کی مرضی کے موافق ہو
اور اپنے حال کو چھپائے کسی سے (یعنی فتوحات کا) تذکرہ نہ کرے مگر یہ کہ اس
کو اظہار کا حکم ہو تو حکم کے موافق ظاہر کرے اور کوئی دریافت کرے تو فتوحات
کا انکار نہ کرے کیونکہ یہی غیر مفتوحوں کے (بڑی نعمت) ہے اور نعمت کا انکار
مناسب نہیں کہ ناشکر ہے (اور اگر کوئی دریافت نہ کرے تو اس کا تذکرہ نہ کرے
اور جب کوئی دریافت کرے تو حراختہ خبر نہ کرے سوا اس کے جس سے (مراحتہ)
ذکر کرنے کا حکم کیا گیا ہو کیونکہ یہ (یعنی فتوحات) قدرت کے امر میں سے ہیں
اور جو شخص امر یا قدرت کو بغیر اجازت اور ہرودت سے ظاہر کرتا ہے وہ بہت
کم اس کے پاس دہشتی ہیں اور بہت کم باقی رہتی ہیں۔ ضرورت کی صورت یہ
ہے کہ اظہار پر مجبور ہو جائے چھپنے پر قادر نہ ہو۔

مجھ سے ایک فقرے بیان کیا کہ ایک مبلغ کے اہل و عیال بہت تھے اور اس
کے پیشہ کی آمدنی کافی نہ تھی دیر سے واسے بچے جو کچھ لاتے وہ اس کے خرچہ کیلئے
کافی نہ ہوتا اس کا ایک بھائی بڑا مالدار تھا مگر وہ اس کی خدمت نہ کرتا تھا
اور اس نے اپنے بھائی سے یا کسی سے اپنا مال ظاہر نہیں کیا تھا تو اللہ تعالیٰ
نے فرق عادت (یعنی کرامت) کے طور پر یہ صورت جاری کر دی کہ دونوں جب

یہ سہ کجس کو توکل حقیقی حاصل ہو (اس کے لیے ترک اسباب ہی افضل ہے) اور توکل
حقیقی کی شان یہ ہے کہ اس شخص کا دل کسی مخلوق سے وابستہ نہ ہو اور اس کو کسی
کے ہاتھ سے کوئی غیر حاصل ہو تو اس کا دل اللہ تعالیٰ ہی سے وابستہ رہے۔
کسی دوسرے سے وابستہ نہ ہو۔ اور جو چیز بظاہر نفس کے پاس ہے اس کے لئے اول ثمریت
پراس کو چاہئے اگر ثمریت کے لحاظ سے درست ہو تو پھر ثمریت کی دوسری دیکھے مگر
اس پر بھی شک۔ اُسے اب اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ اس کو بہترین صورت کی
ہدایت کریں کہ اس کو اسے یا چھوڑ دے (یہ ہم قبول کرے یا نہ کرے) جب اس کو
بہترین صورت کی توفیق ہو جائے تو اگر لینے میں غیر ہو لے اور اس شان سے
لے کہ دل اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ وابستہ ہو اس کے بعد اس کی ضرورت ہے
کہ حق تعالیٰ سے دعا کرے کہ اس کو اچھی جائگہ صرف کرنے کی توفیق ہو اور
تمام حالات میں کسی کے ساتھ دل کو تعلق نہ ہو۔ دیکھو ذیل بمعرفۃ
غیرہ فی الذم صرف فی ذلک بھاریہ عالی اللہ قربا مدی حالہ حسنا
(اس عبادت کے ترجمہ و مطلب میں شرح صدر میں ہوا) پھر اس تمام معاملہ میں
اللہ تعالیٰ کے احسان کا مشاہدہ کرے اور اتباع سنت کی بنا پر اس شخص کے
احسان کا بدلہ دے اگر یہ نہ ہو سکے تو اس کے لیے دعا کرے جس کو حق تعالیٰ
نے اس کے لیے سخر کیا (اور اس کے ہاتھ سے غیر پہنچائی) ہے اور دعا (و طریقہ)
بھی بعض اتباع امر کے لیے ہو اس سے زیادہ کچھ نہ ہو۔

حدیث میں ہے من والا کث معروفہ ذکا فکفہ فاک لہ تجدہ فلاح اللہ
لہ حق فکفہ اللہ قد کا فاک فہ (جو شخص تم پر کوئی احسان کرے اس کا
بدلو اگر یہ نہ ہو سکے تو اللہ تعالیٰ سے اس کے لیے دعا کرو یہاں تک کہ دل
نوازی دیکھ لے کہ تم نے اس کا بدلہ کر دیا) نیز ایک حدیث میں دعا کی حدیث بتا
دیکھی کہ جب تم نے احسان کرنے والے سے یہ کہو یا جازا اللہ عیوہ اللہ تجھے جازانے غیر
دے۔ تو تم نے اس کی توفیق میں مبالغہ کر دیا۔

اور اگر یہ فریضہ معاشیں اس نیت سے اختیار کیا ہو کہ اس سے طاعت میں مدد ملے تو اس صورت میں خیر زیادہ ہو جائے گی اور اپنے عبادتی مقصد کی بنا پر اس کے دل میں تواضع و کبر پیدا ہوگا اور (کچھ کے ساتھ) میں تو دنیا دار ہوں) بیوقوفانہ طور سے آگے بڑھ گئے ہیں تو اس کا ثواب بڑھتا رہے گا کم نہ ہوگا) اور خبردار دل میں یہ خیال نہ آئے ہائے گریہ! ان لوگوں سے منتقل ہوں جو اپنے مولیٰ کے ساتھ معاملہ رکھتے اور اس کے عہد کو جو زندگی کی مخالفت میں کیا ہے سمجھتے اور اس کی عبادت میں جہاں کا حکم دیا گیا ہے اسباب معاش کو جو ضرر کر مشغول ہو گئے ہیں کہ یہ تو بایں جہاں تدبیر کو چھوڑ کر تھک رہے ہیں۔ دوسروں کے محتاج ہیں ہم دوسروں کے محتاج نہیں بلکہ اپنا بھی خرچ اٹھاتے ہیں اور دوسروں کی بھی مدد کرتے ہیں۔ اگر ایسا خیال دل میں لایا گیا تو یہ بدترین حالت ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

فَلَا تَقُولُوا لِمَا كُنَّا عَمِلُا غَيْرَ نَفْعٍ (اپنے نفع سے) اپنی تعریف نہ کرو اور اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ نفع کی کون ہے؟ اور یہاں سے معلوم ہو کہ ہر شخص کے مناسب حال صورت پر نظر کرنا چاہیے (سب کو ایک لاکھی نہ دیکھنا چاہیے) اسی کو نفع مال کہتے ہیں اسی سے نفع زیادہ ہوتا ہے اور چونکہ اکثر لوگ نہ نفع ہی غالب ہے تو حکم دیا گیا بھی اکثر کے مناسب حال ہے۔

قوله فَلَئِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ الْفَلْسَافَةَ وَتُحِبُّونَ الْعَالَمَ الدُّنْيَا فَتَرْكُوا سَبِيلَ اللَّهِ فَسَوْفَ يَجْعَلُ لَكُمْ فِتْنَةً مِمَّا تَكْتُمُونَ فَتَلْقَوْنَ فِيهَا كَلْعًا بَهِيمًا يُضْلِلُ كَثِيرًا مِمَّنْ ظَهَرَ لَكَ الْإِيمَانُ وَلَمْ يَكُنْ فِي الْقُلُوبِ مَعَهُ فَحَسْبُ الْفِتْنَةِ إِنَّهُ يَخْلِقُ مَا يَشَاءُ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ (اگر تم اپنے فلسفہ اور دنیا کی خواہش سے اپنے لیے اعلیٰ حال کو اختیار فرماؤ یا کہ ترک اسباب

کے ساتھ قول کیا۔ یہاں سے ان لوگوں کا جواب ہو گیا جو صوفیہ متاثر ہو کر اسباب پر اعتراض کیا کرتے ہیں کہ ان لوگوں نے اسلام میں رہنا نیت داخل کر دی۔ حالانکہ اسلام میں رہنا نیت نہیں کیا بلکہ اگر ترک اسباب معاش کا نام رہنا نیت ہے تو وہ جتنا کہ دوسروں کو بلکہ اللہ تعالیٰ کے واسطے کہ وہ صوفیہ متاثر ہو کر دنیا فرمایا تھا؟ اگر آپ کا ذریعہ معاش کچھ نہ تھا بجز اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے کے تو گویا سب سے پہلے

وہ کتب کھول کر ان کے اسلئے پڑھنے اپنی دعوت میں اپنی دہم موجود پاتا جو اس دن کے لیے کافی ہوئی اس طرح اس کی حالت درست ہوگئی اور انخلا سے نجات مل گئی) ایک مدت اسی حال میں گزر گئی تو اس کے بھائی کو تعجب ہوا کہ کتب کی آمد نہ تو اس کو کافی نہ ہوتی تھی دھیرے دھیرے خوشحالی کہاں سے آئی؟ یا ان کا فہم نے دریافت کیا کہ تیری آمد کہاں سے ہوئے گی تو اُس نے اس سے ساری حقیقت بیان کر دی۔ اس کے بعد یہ فتوحات بند ہو گئیں (یہ تو اس کا منہ ہے جس کا توکل قوی ہے اور ایسے ہی لوگوں کے بارہ میں وہ حدیث وارد ہے) لَوَ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ (اے اللہ تعالیٰ تو کلمہ الم)

اور جس کا توکل ضعیف ہو اس کو اسباب معاش کا اختیار کرنا ہی بہتر ہے اس میں حکمت یہ ہے کہ جس کا توکل قوی ہے اس کا ایمان قوی ہے وہ ہر حال میں اپنے رب سے لائق رہتا ہے بندگی پر جہاد رہتا اور کسی وقت بھی (اللہ تعالیٰ پر) اور اس کی تقدیر پر (احقر) میں نہیں کرتا نہ کسی چیز کی طرف نظر اٹھاتا ہے اور جس کا توکل ضعیف ہے اس کا ایمان ضعیف ہے۔ اس کا دل (ہر حال میں) اللہ تعالیٰ سے خوش نہیں رہتا گویا بے کھم نہ کہے اس کا نفس ادھر ادھر نظر رکھتا ہے۔ بعض چیزوں کی تمنہ بھی کرتا ہے اور کبھی بعض باتوں پر دل میں (احقر) میں بھی آتا ہے (کو غمنا ہو و سوسہ ہی کے طور پر ہو) اور یہ عین ہلاکت ہے تو اس کے لیے اسباب میں مشغول ہونا ہی رحمت ہے۔ کیونکہ اس کا دل اسباب میں غور و فکر کر کے اللہ تعالیٰ سے لائق رہتا ہے۔ اگر اس کی مراد کے پورا ہونے میں کچھ نقصان بھی ہوا تو اس کو یہ فکر ہوتی ہے کہ کس طرح کام کرے جس سے امید بڑھے نقصان کو اپنی تدبیر کے نفع ہو جس کی طرف منسوب کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب نہیں کرتا) اس صورت میں اس کے لیے بھلائی کی امید کا ساقی ہے جو کچھ اس نے اپنے مولیٰ کے خوف سے اپنے نفس کی تجویز پر مقدم کیا ہے (جبکہ مشرعوں کی پابندی کے ساتھ اسباب معاش میں کام کر رہا ہے) غلبہ شریعت سے بچنے کا (اہم کام ہے)

ہیں اور بغیر حق تعالیٰ کے حکم کسی پر جبر و قہر کرنا جائز نہیں۔ یہی عاملوں کا اپنے اس غلط تسبیح کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی تسبیح پر قیاس کرنا غلط ہے کہ وہاں جنات کو اذیت دینے کے لئے ایسا کیا تھا مگر کوئی نے اجازت دی کہ اس طرح اُن کو تائب بنائے۔ واللہ الا ان یكون الجنى كافرا من المجردين فیجوز تسبیحہ کہدجوز تسبیحہ انکار الخرج من الکاف من ادعوا صلی علیہ و آلیہ وسلم مقتضی القواعد و لا یجوز اخذ الخراج منه الا بعد التبیح یا نہ لایاخذ من احوال المسلمین و الا من احوال اهل الذمة قافہم ۱۲ مترجم۔

بقیہ اعتراضات کا جواب جو اس مقام پر وارد ہوتے ہیں
 اوپر لکھا گیا ہے کہ معرفت و معرفت کے بہتر ہونے کی یہی وجہ ہے کہ یہ شخص
 بواسطہ معرفت کے غیب سے روزی لیتا ہے۔ اس پر حضرت یحییٰ علیہ السلام کا
 واقعہ وارد ہو گا کہ انھوں نے آسمان سے بارش (خون) نازل کرنے کی دُعا کی
 تھی اور یہ بلا واسطہ غیب سے روزی تھی (اگر یہ معرفت افضل نہ ہوتی تو حضرت
 یحییٰ علیہ السلام اُس کے لیے کوئی دُعا کرتے۔ جواب یہ ہے کہ یحییٰ علیہ السلام نے
 یہ دُعا خود نہیں کی بلکہ اپنے قوم کی درخواست پر کی تھی جو انھوں نے بطور سبب و تعلق
 رسول کے واسطے کی تھی۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ معرفت افضل حق میں تیرے واقعہ
 بھی وارد ہوتا ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو گھر سے نکلے حضرت
 علیؓ بھی آپ کے پاس پیچھے۔ چوچام کہ اُس وقت گھر سے نکلے کی کیا ضرورت پیش آئی
 کہا ہو گی کہ وجہ سے نکلا ہوں، حسن اور حسینؓ بھی ہو گئے کہ وجہ سے مدد ہے ہیں۔ رضی
 اللہ تعالیٰ عنہم۔ فرمایا میں چرتے تم کو گھر سے نکالا اُس نے مجھے نکالا ہے، اسی بھی
 ہو گا کہ میں، میرا آپ کے پاس چند صحابہ اور بھی آئے وہ بھی ہو گئے کی شکایت کر رہے
 تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ دیکھو اُس مجھ کے معرفت
 کے پاس جانور اور یہ زمانہ مجھ کرنے کا نہ تھا، مومن غم ہو چکا تھا (اور اُس سے کو

آپ نے اسلام میں رہبانیت کو داخل فرمایا ہے اور اس کا قلعہ ہونا کاغذ پر ہے اور اگر یہ رہبانیت نہیں بلکہ نکاح و ذکر ہے اور اہل و عیالی و ذکر کے کا نام رہبانیت ہے تو مشرکوں نے یہ طریقہ کب اختیار کیا ہے؟ جس قدر مفید و ناکارہ اسباب ہوتے ہیں صاب بھری جھین والے تھے۔

رہا یہ حق کہ صوفیاء، متوکلین اور مریدانہ کے سلسلے پر دہشتہ ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے صوفیاء کو نہیں دیکھا۔ مکتاروں کو دیکھا جو کچھ جو توفان کا جھوٹا دھوئے کرتے والے ہیں تو ایسے مکتار ہیں جن کے اندر موجود ہیں، علماء میں بھی اور علماء و علماء اور تافہین اور اسفندہ میں بھی۔ امراء و حکماء اور وزراء میں بھی۔ سلاطین و خلفاء میں بھی۔ اگر ان مکتاروں کی وجہ سے کئی جماعت کو بدنام کیا جاسکتا ہے تو کوئی جماعت بھی ایسی نہیں کہ جس جاسکتی اور اس کا عین حقائق ہونا ظاہر ہے۔ جہان نے صوفیاء کو دیکھا ہے وہ جانتا ہے کہ یہ حضرت دُوروں کے سمارے پر نہیں جوتے بلکہ سلاطین و علماء سے زیادہ سستی جوتے ہیں بڑے بڑے پایا کو جو شریعت اور طریقت کی کھوئی پر پڑے دُائریں ٹھکرا دیتے اور واپس کر دیتے ہیں۔ ہزاروں لاکھوں روپیوں کا واپس کر دینا کچھ آسان کام نہیں جو علماء یا دانش خیال لوگ صوفیاء پر اتریں کر رہے ہیں اگر ان کے سامنے بڑی بڑی تفسیر پیش کی جائیں تو کسی دھکی تار سے نہ فدا قبول کریں گو وہ دہشتہ طریقت کے طائفہ ہی کریں جو ۱۲ مرتبہ۔

فت کے کرامت کا وہ نہیں ہیں ایک وہ ہیں صاحب کرامت کے قصہ وارادہ اور تصرف کو احاطہ میں نہ ہو یہ رہائی ہے ایک وہ ہیں اس کے ارادہ و تصرف کو عمل وجودہ روحانی ہے۔ مگر تصرف وہ ان ذوالہی کے ذکر کا چاہیے کہ غلطی و توجہ اور غلط کمال معترف ہے اور جس کو ان کی وسبب غیب کہنا ہے، وہ کرامت میں دین غیبی وہ رہائی ہے دروہانی بلکہ شیطان کے کئے کو جس کا طریق ہے کہ عمل کی ناقص کے درپے جنت کو تائب کیا جاتا اور ان سے روہیہ نکلیا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ جنت خوشی کے سایہ میں ہوتے بلکہ وہ دوسرے جہنم ہوتے

ملا کہ اس نے سب شریں پوری نہیں کیں۔ اب اگر کسی وقت اس کو کوئی ناکوار صورت پیش آتی ہے، شہر خاں سے پھر (الزام اور) محنت لگتا ہے، تو کو خوارم جو بیادوسر کے ہی ہو، اور یہ بڑی خطرناک حالت ہے، یا سرحد پکڑی ہو، تو دھوکہ میں پڑ جاتا ہے، دلپے کوئی اور قلب و خوش سمجھنے لگتا ہے، اور یہ بھی بڑا خطرناک حال ہے، پس ایسے لوگوں کے لیے صفت و حرمت ہی افضل ہے کہ اس طریق میں سلامتی (افضل) ہے۔ جیسا غنا کے بارے میں حضور کا ارشاد ہے کہ انسان کا اپنے نہیں غنا پر غنا، افضل ہے سوائے فرض غنا کے، و کہ وہ مسجد میں افضل ہے،) کیونکہ اگر کسی غنا میں زیادہ و غیرہ کی آمیزش سے سلامتی زیادہ ہے اور سلامتی کا طریق ہی افضل ہے، اگرچہ دوسرے طریق کا فائدہ بڑا ہے۔ مگر اس فائدہ کے ساتھ خطرات بھی لگے، جو سنے ہیں جن سے بہت کم لوگ بچ کر نکلے ہیں۔ اسی لیے بعض بزرگوں کا ارشاد ہے کہ میں سلامتی کے برابر کسی حالت کو نہیں سمجھتا۔ مقابلہ عالیہ کے لیے دوسرے حضرات ہیں، جہاں ہی کے لیے یہ بڑے کئے گئے اور ان ہی کے موافق عمل کرتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ اولیاء کالمین کے لیے جہاں کامیاب اور توکل قوی ہو، تو مرکب اسباب افضل ہے، اور ناقصین کے لیے اسباب کا اختیار کرنا افضل ہے، اور بعض دفعہ اولیاء کالمین بھی خطرات سے سلامتی کے لیے اسباب کو اختیار کرتے ہیں۔ جیسا کہ مشاعرہ کے حالات سے ظاہر ہے اور جو کہ نبیاً علیہم السلام خطرات سے محفوظ ہیں، اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور بعض انبیاء و اراک اسباب تھے (ماہر مجرم)۔

اوپر لکھا گیا ہے کہ عصمت و حرمت دینا کہو تو حق اللہ تعالیٰ میں اس لیے وہ عصمت
اب اس حالت سے جی جی حق اللہ واجب ہے، کیونکہ اگر احتمال ہے کہ کوئی خدا
کے احکام کو نہیں مانتا، مگر یہ بھی ہوتا اس پر یہ، احتساب میں ہو سکتا ہے کہ بعض
وہ وہ حصے بہا بہا سنا سن میں بھی کوئی کا احتمال نہیں رہتا۔ جیسا ایک تاجر کہ
حکایت ہے کہ وہ محمد میں، زبانِ جنت لے کر، جا رہا تھا کہ نماز قوت گیا ہے بھی
وہ سے سنا روئے کہ ساتھ پانچ سے ابھر یا تو ایک شخص نے کہا آؤ اس آواز میں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تازہ گھوڑہم کو دو اور کسی وقت گھوڑہ پر تازہ چل گیا اور حضرت علیؓ (بعثت مقدار) گھوڑہ لے گئے جب حضرت نے کھانی اور پیہن شخص اپنے غور والوں کے سامنے پیش کیا نہ کھا نہ پی بلکہ کچھ زیادہ لے گیا۔ جواب یہ ہے کہ یہ بھی بطور تجویز ہے کچھ اور بھی کچھ یا نہ کھا یا نہ پیا ہوتا تھا دوسرا جواب حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام کے قصہ سے ظاہر ہو گا کہ یہ دونوں حضرات جب باہم ملے اور ساتھ ساتھ چلے جب اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بیان فرمایا ہے تو زمین والیاں ہم سے کہیں کہ دو لوں کو بھوک لگی تو ان کے پاس (جیسے) بکری کا کچھ آجیاں کا آدھا حصہ تو جتنا بھی تھا وہ آدھا حصہ کچا گوشت تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے جتنا جو کھا گوشت کھانا چا کر خضر علیہ السلام نے فرمایا یہ آپ کے طریق کے مناسب نہیں کیونکہ آپ اسباب سے کلام پیتے ہیں اور میرا طریق تو زمین سے (میں تارک اسباب ہوں) قرآن مجید لکھ لیا میں سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ گوشت کو بھجنا کر کھائیے۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے ایسا کیا اور خضر علیہ السلام نے جتنا جو کھا کیا یہ روایت نظر سے نہیں گزری اور غالباً ضعیف ہے۔ قرآن میں جو قصہ مذکور ہے وہ تو یہ ہے کہ دو دونوں حضرات ایک بستی میں پہنچا اور بستی والوں سے ضیافت کا کھانا طلب کیا اور انہوں نے سناغاری سے انکار کیا وہاں ایک دیوار ٹھکی ہوئی بڑھیا کھڑی تھی جو کھانے کے قریب تھی خضر علیہ السلام نے اس پر ہاتھ پھیر دیا تو ایسی ہو گئی۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر تم چاہتے اس پر مزدوری ملے سکتے تھے۔ ایسے جے ہودہ لوگوں کی دیوار کو کھٹ سیدھا کرنا کیا ضرور تھا اور اگر یہ روایت تسلیم کر لی جائے تو اس سے یہ معلوم ہو گا کہ ترک اسباب افضل نہیں بلکہ اسباب کا اختیار کرنا افضل ہے کیونکہ اقل طریقہ خضر ہے اور دوم طریقہ موسیٰ علیہ السلام اور تیسرا موسیٰ علیہ السلام خضر علیہ السلام سے افضل واقعی ہیں تو ان کا طریقہ بھی افضل ہو گا حدیث قرآنی و علم۔

اور حقیقت یہ ہے کہ یہاں کسی شخصیت کی افضلیت عام نہیں۔ فضیلت تو ان کی میں ہے جو نیریت کے مشورہ کیا ہے۔ کیونکہ یہ حالت دفعہ اول میں ہی بلا واسطہ مثبت نجات میں کھواصل ہوتی ہے معنی دفعہ یہ بحث ہے کہ میں نے اس کی شرح میں نوید کی کہ وہی

پہنچایا خود ہی فرمایا کہ میرے بے کار دہار میں نے اختیار کیا کہ اس میں اس کو دھوکہ دینے کا موقع نہیں ملتا مگر ایک شخص میں جو وہ دہار میں موجود تھا اس نے غریب میں غلطی طے کرنا تو سنا مگر غریب ہو جاتا ہے۔ غفلت اور چوروں کے گناہ میں دھوکہ چل جاتا ہے جب میں نے دیکھا کہ زینت کے تیل میں دھوکہ نہیں چل سکتا اور اس سے مالی میں نقصان ہو جاتا ہے تو میں نے اسی کا کاروبار اختیار کیا۔ کیونکہ اہل توفیق نفس کے فوائد اور ضرورت سے بے فکر نہیں رہتے اگرچہ ان کے نفوس پر بکارت (اور پاکیزہ) ہوتے ہیں۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے (یوسف علیہ السلام کی طرف سے) ارشاد فرمایا ہے وہاں جو نفسی نفسی اہل اللہ کے ملاوٹ والے سوء الکاماد حریف اور میں اپنے نفس کو بری نہیں سکتا کیونکہ نفس کو (اپنی غفلت سے) برائی کا حکم دینے والا ہے۔ ہاں جس پر میرا چند فکر رحمت نازل فرمائے (وہ اس کی ضرورت سے بچا رہتا ہے)۔

ادھر کہ آگیا ہے کہ معرفت و معرفت کی لذت میں دیگر ذرائع معاش سے زیادہ برکت ہے تو اگر یہ بات قیاسی نہیں محض نقلی ہے جس کی علت معلوم نہیں تو بحث کی ضرورت نہیں اور اگر علت یہ ہے کہ اس میں حکمت الہی کا اظہار ہے تو یہاں وہی گفتگو ہے جو گذر کر گئی اور اعتراض کا جواب بھی وہی ہے جو اوپر دیا گیا۔

پہلے آگیا ہے کہ اسباب معاش کا اختیار کرنا سبب (انبیاء) ہے اس کے اختیار کرنے میں سبب کا ابتداء ہے کیونکہ شریعت نے اسباب معاش اختیار کرنے کی کو بتلایا ہے تاکہ اس کو یہ گمان نہ پڑے کہ اس سبب معاش کے ساتھ عبادت نہیں ہو سکتی۔ شریعت نے اسی قسم کے خیالات کو داخل کرنے کے لیے صفت و معرفت لازم دیکر اسباب معاش کی ترغیب دی ہے اور بتلایا ہے کہ عابد بننا ترک اسباب پر موقوف نہیں۔ اگر عابد بننے کے لیے ترک اسباب ضروری ہوتا تو کوئی بھی عبادت سبب معاش اختیار نہ کرتا اور بالانفاق انبیاء علیہم السلام سب سے بڑھ کر عابد تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے اسی علت کو ذکر کر کے لیے داؤد علیہ السلام کی مثال بیان فرمائی کہ بالانفاق وہ بہت بڑے عابد تھے اور ان کے عابد ہونے

پہلیں جو یہاں سے قریب (نظر آ رہی) ہے کہ ان میں تو دھوکہ دے دے ہوں گا جب تک میرا مال باہر نہ آئے۔ ساتھی نے اس کو بے وقوف بتایا (کہ جہاں سے دھوکہ دے دے بھی نہیں ملے خود بخود باہر نہ آئے) پھر وہ اس کے ساتھ گھیر بیٹھ کر کھڑے ہو بیٹھا کہ دھوکہ دینے کے لیے وہ اس کا ایک نظریہ یا پھر چینی دیکھا تو اس پر اس کا نام لکھا ہوا تھا اسی طرح ایک ایک کر کے اس کا تمام سامان باہر آگیا سمندر میں کچھ بھی دریا تو ساتھی نے پوچھا۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تیرا کیا معاملہ ہے تو تمام سامانوں میں سے مجھے ہی اس کرامت کے ساتھ خاص کیا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جو بھی حکم دیا میں اس کو بھالا یا پھر مجھ سے وہ چیز کو نہ کر لے سکتا ہے جو مجھے عطا فرمایا ہے حالانکہ اس نے مجھے اپنے احکام بجالانے کی توفیق عطا فرمائی ہے اس بات کو نہیں ہو سکتا۔ جواب یہ ہے کہ (دیگر اسباب معاش میں) یہی صحت شاذ و نادر ہے اور حکم غالب حال پر مبنی ہو سکتا ہے و غالب حال یہی ہے کہ معرفت و معرفت میں کوتاہی کا احتمال نہیں اور دوسرے اسباب معاش میں کوتاہی کا احتمال رہتا ہے۔ جیسا جعفر اہل صفت بھی اپنے پیشہ میں اختیار کرتے ہیں جس سے وہ بدترین پیشہ ہو جاتا ہے مگر معرفت و معرفت میں ایسا شاذ و نادر ہے اور اگر کوئی کوٹ ملانا بھی ہے تو چھپا نہیں رہتا جیسا دوسرے ذرائع معاش میں چھپا ہوتا ہے کیونکہ اس سوال میں نکتہ واجب ہے اور اس کے سوا دوسرے حقوق بھی ہیں جیسے بیعت میں غیروا ہی واجب ہے، دھوکہ بازی اور غیانت سے امتزاج لازم ہے اور بہت سی باتیں ہیں جو بکتبہ نقد میں مذکور ہیں جن کو بہت سے چھپا جاتے ہیں نہیں ان پر عمل تو کیا کریں گے۔ اسی لیے صفت و معرفت ان سے بہتر ہے کہ اس میں ایک ہی احتمال ہے کہ معرفت میں کاری گری کا احتمال پورا نہ کرے مگر ایسا کرے گا تو اس کا عیب ظاہر ہو جائے گا جو پسند نہ کرے گا۔

اسی لیے ایک عالم باعمل زینت کے تیل کا کاروبار کرتے تھے پھر انہوں نے

پر تمام پہلے کتاب کا اتفاق ہے اس پر وہ اسبابِ معاش میں بھی مشغول تھے بادشاہت کے (فرائض بھی ادا کر سکتے تھے)۔

یہاں سے ایک ایسی سسکو پر معلوم ہوا کہ عالم جب اسکا حکم بیان کرے تو اپنے قول کو واضح و دلائل شرعیہ سے مؤید کرے اگرچہ اس کے علم و معرفت میں کسی کو شک بھی نہ ہو کیونکہ اس سے نفوسِ راسخین پر بات نہ زیادہ واضح ہو جاتی اور اسکا حکم کو کھینچنا حاصل ہوتی ہے۔ دیکھو رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کی خدمت و معرفت کی کیفیت بیان کر کے داؤد علیہ السلام کی حالت کو بطور رحمت کے پیش فرمایا۔

یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پہلی شریعتوں کے جو احکام ضروری نہیں ہوئے وہ چار کی شریعت میں داخل ہیں (جیکہ رسول اللہ سے ان کو بلا انکسار کے بیان فرمایا جو ممکن تو نہ تھا) انجیل میں مذکور ہونا کافی نہیں کہ ان میں تحریف ہو چکی ہے۔ قرآن و حدیث میں کسی بات کے خاکہ ہونے سے اطمینان ہو جائے گا کہ اس حکم میں تحریف نہیں ہوئی۔

یہ حدیث ان لوگوں پر جو اسبابِ معاش میں مشغول ہیں بہت ہے کہ وہ اس شکل کی وجہ سے عبادت چھوڑنے کا ارادہ نہ کریں۔ جیسا کہ لوگوں کو کہتے ہوئے دیکھا گیا ہے کہ مشغولِ معاش عبادت سے مانع ہے اور قرآن کی یہ آیت دلچسپ اور مستطابہ من قبلہ
وَجَعَلْنَا الْهَاجِرَ وَاجِدًا وَذُرِّيَّةَ (ہم نے آپ سے پہلے بھی مسرت سے رسول بھیجے ہیں سب کے بیویاں بھی ہیں اور بچے، عیال و داران پر رحمت ہے۔ وہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ اہل و عیال اور ان کے لیے کسبِ معاش عبادت سے اور کسب میں تقویٰ کی رعایت سے مانع ہے۔

بعض لوگوں کو جب نصیحت کی جاتی اور عبادت کی ترغیب دی جاتی ہے عبادت کہ دیتے ہیں کہ اگر تم اسے بھی مال پہنے ہوئے تو ہم سے اس قسم کی باتیں نہ کرنے اور نہ تم دیتے ہوئے جیسے اب ہو دیکھو ہم جیسے ہی ہوتے ہیں ان لوگوں کی جہتیں اس آیت سے ختم ہو گئیں کیونکہ (انہما علیہم السلام) جو اس سے افضل اور سب سے بڑھ کر عبادت تھے عیال و دار بھی تھے تو اب کسی کو بہانہ نہ کرنے کا کیا موقع ہے؟ (اللہ تعالیٰ نے دلوں کو

نور بنا کر ہی تو بھیجا ہے نقد کان لکھ خف و حولی اللہ لم یؤت حسنة۔ تو اب یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ صاحبِ دلوں کی کیا بات ہے ان کی دہیں کون کر سکتا ہے؟ اگر رسول اللہ کی دہیں نہ کی جاتے تو میری کسی دہیں کی جاتے گی؟ کیا خدا تعالیٰ نے ان کو لغوئی بھی بھیجا ہے؟ ہرگز نہیں ان کو اسی لیے بھیجا ہے تاکہ مخلوق کے سامنے ایک نور ہو جس کے موافق اپنے کو بنانے کی کوشش کریں و ما اسما صاحب دلوں الامان طاع بآذن اللہ اس تقریر کے بعد (نصوص و احادیث میں) کوئی بھی قصور باقی نہیں رہا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ یہ حکم سب کے لیے عام نہیں بلکہ ہر شخص کی حالت کے مناسب جواز حکم ہے نکاح ہی کو اسے نوکر نہ ہر شخص کے لیے ترک نکاح مستحب ہے نہ ہر ایک کے لیے نکاح کرنا مستحب ہے۔ جب تک قدرت نہ ہو اور اس سے اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت میں مدد اور رعایت قلب حاصل نہ ہو اور اگر کسی کو بوجی کے نان و نفقہ اور ضرر پر قدرت نہ ہو اور نکاح سے عبادت میں اجماع قلب حاصل ہونے کی امید نہ ہو بلکہ پریشانی کا خطرہ ہو اس کے لیے نکاح مستحب نہیں بلکہ کثرت سے روزہ رکھنا مستحب ہے تاکہ ثبوتِ قلوب میں رہے۔

چنانچہ ایک گمانی سے روایت ہے وہ فرماتے تھے مجھے یہ پسند نہیں کہ میرے دروازے پر میری دکان ہو جس میں تجارت کرنے سے حاجت کی ناز بھی فوت نہ ہو اور ہر دن مجھے ایک دنیا کا نفع ہو جسے اللہ تعالیٰ کے راستے میں صدقہ کر دیا کروں میں اس حالت کو فقیر سے بہتر نہیں سمجھتا۔ یہی لفظ عامل ہے کہ ہر شخص کو اس کے حال کے مناسب کام بتایا جائے تو ممکن ہے ان صحابیوں کو لوگوں سے اشتغال کرنے میں جبرِ قلب حاصل نہ ہوتی ہو یہ خاص دولت و امتیاز میں قوت ہو جاتی ہو اگرچہ دکان کرنے اور صدقہ کرنے سے (نفعِ مادی حاصل ہو جائے کیونکہ نفعِ خاص مقدم ہے جیسے جان بچانا پہلے اپنی لازم ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں وحي احييها فانها اميا الناصح جيعها (اور میں نے کہا) جان کو بچایا گیا گویا اس نے قیام نہیں کیا کونہ نہ کر دیا) تم کو یہ حکم نہیں دیا گیا کہ دوسروں کے بچانے

اور اپنے آپ کو ملاکت میں ڈالنے کا قصد کر دے۔ جماد کے سوا کسی وقت اس کی اجازت نہیں اگر ایسا کر دے گا مگر ہوسے (اللہ جہاں میں ہے جائز ہے کہ وہ سب سے مسلمانوں کو پہلے کے لیے تم دشمن کے مقابلے میں آئے پھر جاذب یا دوسروں کی پاس نہ بھانے کے لیے خود پانی نہ پڑے پلے سے ہو اور ان کی جان بچاؤ جیسا بعض صحابہ سے منقول ہے) یہی حکم لفظ کا ہے کہ پہلے تم اپنے لفظ کے سبب سے ہر چیز کے ہر درجہ کے اگر تم مارے پاس ایک روٹی ہو تو تم پر کسی کا لفظ واجب نہیں۔ اگر وہ مٹیاں ہوں تو اہل و عیال میں سے ایک کا لفظ لازم ہو گا جن میں مقدم وہ ہے جس کا لفظ نقص سے (ثابت ہے کہ تم مارے اختیار سے ساتھ ان میں ہو سکتا ہیں اولاد پر لازم کارزم ہو گا پھر خود عیال زیادہ ہوں اسی ترتیب پر لازم کو مقدم کیا جائے گا اگر جن انسان کو سب سے پہلے اپنی خاص حالت کا لحاظ ضروری ہے۔ اپنی تکمیل و صلاح کے بعد دوسروں کی فکر جائز ہے نفع لازم نفع متعدی سے مقدم ہے۔

حضرت عظیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کو ایک بزرگ نے حجت کی فتح کو دوسروں کی ضروریوں کی حفاظت میں اپنی گھڑی کو خانے نہ کر دینا ان کا یہی مطلب تھا کہ اپنی تکمیل کی فکر دوسروں سے پہلے کرنا چاہیے۔ پس اگر کوئی شخص منت (و عزت) ہوا یا سبب معاش میں مشغول رہو کر عیبت قلب حاصل نہ کر سکے ہو اور یہ خاص حال ہے اس طرح یقیناً نہ ہو سکتا ہو تو اس کے حق میں اس قسم کی کوشش مناسب نہ ہوگی۔ ہمارا مطلب ہے کہ خدمت کے ساتھ نہ کر کو اسباب کا طریق اختیار نہ کرے بلکہ عبادت کے ساتھ شغل معاش کو بھی جمع کرے لیکن وہ راستہ اختیار کرے جو شریعت کے موافق قرب الہی حاصل کرے میں اس کے لیے زیادہ بہتر ہو۔ اگر خدمت ہی نہ ہو تو اس وقت اس کے حق میں شغل معاش کا اختیار کرنا منوع ہو گا۔ میں نے دیکھا ہے کہ شیخ جلیل الدین ابن جہان کی خدمت میں ایک فاضل حاضر ہوا جس کے اہل و عیال بہت تھے جن کے لیے وہ کچھ شغل معاش بھی کرتا تھا جو اس کے خرچ کو کافی نہ ہوتا اور یہی خود بھی کمزور تھا کہ شغل معاش اور عبادت دونوں کو جمع کرنے سے عاجز تھا۔ عیال کی ترغیب جن کی وجہ سے مشغول

بھی زیادہ تھی تو شیخ ابو الباقی نے جو علم احوال و دونوں طریق کے جامع تھے اس سے فرمایا کہ تم پر شغل معاش کا اختیار کرنا حرام ہے۔ پس تم علم میں ہی مشغول رہو تم و دستار اہل و عیال اللہ تعالیٰ کے بند نہیں۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ پھر قس کی یہ حالت ہوئی کہ سبب میں دو ادب جیسوں کا اس نے گھر میں خرچ ہوتا تھا اور اس وقت ایک عزیز کیسوں کی قیمت دیکھ دینا ریا اس سے بھر زیادہ تھی اس کے علاوہ پھر سے وغیرہ کا اور اہل و عیال کا اور بھی خرچ تھا اسب غیب سے پورا ہوا اور وہ کسی سے کچھ نہ مانگا، علم اور عبادت ہی میں مشغول رہتا تھا یہ فقر حال ہے جس کو وہی سمجھ سکتا ہے جو ان بزرگ جیسا ہو کہ کس کے لیے کون سا طریق مناسب ہے چنانچہ ایک درویش نے علاء وقت کے سامنے ایک فتویٰ پیش کیا (جس کا مضمون یہ تھا) کیا فرماتے ہیں حضرت علاء دین اس درویش کے بارے میں جو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہے اس پر شغل معاش کا اختیار کرنا واجب ہے یا نہیں؟ اختلافاً یجزمکہ اللہ۔

تم علاء نے اس کے جواب سے پہلو تھی کی طرف ایک فقیہ نے جواب دیا جس کو اللہ تعالیٰ نے نور بعیت عطا فرمایا تھا۔ اس بابرکت بزرگ نے لکھا کہ اگر یہ شخص ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہتا ہے جس میں کسی وقت غور نہیں آتا تو اس پر شغل معاش کا اختیار کرنا حرام ہے اور اگر کسی وقت اس میں غور بھی ہوتا ہو تو کب معاش واجب ہے۔

اس جواب کی خوبی میں غور کرو کہ کیا عجیب جواب ہے اس کی تاثر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہر روزی ہے ان اللہ تعالیٰ یزین خلق طالب العلم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو گواہی میں ایک روز ہے جس کو وہی سمجھ سکتا ہے جس کا فتویٰ ان بزرگ جیسا ہو جن کا آؤ پر کر ہوا۔ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ہر مادی مخلوق کے ذوق کا ذرا کیا ہے چنانچہ ارشاد ہے و ما من دابة فی الارض الا علی اللہ و ذمہ ان زمین میں جتنے بھی جاندار ہیں سب کی روزی اللہ کے ہوتے ہے۔ نیز ارشاد لا تساءلوا دقا عین ذوق و العاجلہ للفقوی

حضرت عظیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کو ایک بزرگ نے حجت کی فتح کو دوسروں کی ضروریوں کی حفاظت میں اپنی گھڑی کو خانے نہ کر دینا ان کا یہی مطلب تھا کہ اپنی تکمیل کی فکر دوسروں سے پہلے کرنا چاہیے۔ پس اگر کوئی شخص منت (و عزت) ہوا یا سبب معاش میں مشغول رہو کر عیبت قلب حاصل نہ کر سکے ہو اور یہ خاص حال ہے اس طرح یقیناً نہ ہو سکتا ہو تو اس کے حق میں اس قسم کی کوشش مناسب نہ ہوگی۔ ہمارا مطلب ہے کہ خدمت کے ساتھ نہ کر کو اسباب کا طریق اختیار نہ کرے بلکہ عبادت کے ساتھ شغل معاش کو بھی جمع کرے لیکن وہ راستہ اختیار کرے جو شریعت کے موافق قرب الہی حاصل کرے میں اس کے لیے زیادہ بہتر ہو۔ اگر خدمت ہی نہ ہو تو اس وقت اس کے حق میں شغل معاش کا اختیار کرنا منوع ہو گا۔ میں نے دیکھا ہے کہ شیخ جلیل الدین ابن جہان کی خدمت میں ایک فاضل حاضر ہوا جس کے اہل و عیال بہت تھے جن کے لیے وہ کچھ شغل معاش بھی کرتا تھا جو اس کے خرچ کو کافی نہ ہوتا اور یہی خود بھی کمزور تھا کہ شغل معاش اور عبادت دونوں کو جمع کرنے سے عاجز تھا۔ عیال کی ترغیب جن کی وجہ سے مشغول

لا تذکرہ ہوتا ہو (حدیث کا مطلب یہ ہے کہ رزق کے لیے کسب معاش میں مشغول ہونا تم کو طلب علم سے دوڑ دھڑکنا بدعات و جہل کی وجہ سے مٹ جائے گا۔ اس وقت علم (دین) میں مشغول نہ ہو (پرستے پڑھاتے رہو) اور اللہ تم کو رزق دے گا۔ جب وہ عالم میں آئے (ان کا علم حاصل کیا ہے (یعنی علم دین) آخرت کے اسباب میں مشغول ہے کہ اسباب آخرت میں سب سے بڑا وسیلہ علم ہے جبکہ وہ اللہ کے لیے (اور اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات و احکام سے متعلق) ہو اور قاعدہ کے موافق ہو (وہ بے قاعدہ نہ ہو) تو اللہ تعالیٰ لکھے۔ یہ بلاد اسباب کے رزق کو آسان کر دیتے ہیں اور اس کو موقوف نہیں سے کسی کا بنی عوام نہیں بناتے (بلکہ مخلوق اس کی محتاج ہوتی ہے) اس سے صاحب علم کا رزق بہت آسان ہو جاتا ہے۔ اگر وہ آخرت کا طالب ہو اور قاعدہ کے موافق مشغول علم میں لگا ہوا ہو تو یہ کہہ سکتے ہیں اے تمام اوقات اور فوجی عمر کو علم میں مشغول کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو طلب رزق اور اسباب معاش کی فکر سے مستغنی کر دیتے ہیں اور اس قسم کی احادیث پر قدرت و اعتماد کی وجہ سے بھی بعض علماء اور طلباء پریشان کیا یا تا یہی ان کی عمریں خسارہ میں ہیں نہ وہ دنیا کے لیے نہ آخرت کے بھگتے۔ ہم اللہ جل جلالہ سے درخواست کرتے ہیں کہ ہم کو اپنی کج عمارت کے اور اس پر عمل کی سعادت و توفیق دے۔ اس کے چوا کوئی پروردگار نہیں۔

قوله واما لا عقل ابن علی الوجبة الثالث الذبح الخيرية فيه
فكونه ياتنا من الغيب بواسطة الصنعة التي قوله لا ادب سواه -

ف - کاش چہارے زمانہ کے علماء و طلباء (ان احادیث پر شوق و اعتماد کر کے) اپنی دنیا سے مستغنی اور اللہ پر متوکل ہو جائیں تو ان کی تمام پریشانیاں و دُورِ جانیں - تجھے ملو - ہوا ہے کہ تقسیم ہند کے بعد سے مدارس ہندوستان کی حالت ناگتہ بہ ہے اندکی کم اور خیر نہ زیادہ ہے حضرت علماء و مدارس کو ان احادیث

(اسے مخاطب) ہم تجھے روزی نہیں مانگتے۔ ہم خود تجھ کو روزی دیتے ہیں اور چھا (ہمام تقویٰ کا ہے) اور جب ابراہیم علیہ السلام نے حق تعالیٰ سے عرض کیا کہ اجعل هذا البلد آمنا وارزق اهلہ (اسے پروردگار! اس شہر کو بچاؤ جس کے باشندے اور اس کے باشندوں میں برائے شائے پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھے) اس کو ہر قسم کے پھل اور نیکوئی مرحمت فرما۔ تو حق تعالیٰ نے جواب میں فرمایا وھن کھڑ قائمہ قلیطہ - کہیں تو کافروں کو جو کھوئی نیا کی (تعلیل مذمت تک ماست و آم دوں گا) چران کو نہ بروستی جنم کے عذاب میں داخل کر دی گا۔ جب اللہ تعالیٰ نے تم کو جہنم کی روزی کا ذکر لیا ہے تو وہ کون سی رحمت ہے جس کی طالب علم (دین) اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس سے زیادہ کفالت فرمائی ہے؟ اگرچہ ہم اشارہ اس کو بتلا چکے ہیں لیکن حالت کاغذی یہ ہے کہ اس کو دوبارہ تفصیل سے بیان کر دیا جائے تو خود کہ جس رزق کو اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے دیا اور بندوں کے لیے مقدر فرمایا ہے اس کی دو قسمیں ہیں۔

ایک وہ جو سبب کے ذریعے حاصل ہوتا ہے جس کو بندہ سبب ہی سے حاصل کر سکتا ہے اور ایک وہ جو بلا سبب کے حاصل ہوتا ہے جیسے کس نے کوئی چیز بہر کموی (یا بدیم کردی) یا میراث میں مالی زچاؤ و مکان وغیرہ مل گیا۔ پھر ہر قسم کی غفلت و غیبت میں (یعنی کوئی غفلت فراغت کی وجہ سے) کچھ دیتا ہے کبھی کوئی بخت و عقیدت سے (یہ دیتا ہے) اور ہم نہیں جانتے کہ کس کو سبب سے رزق حاصل ہوگا اور کس کو بلا سبب۔ تو رسول اللہ ﷺ وسلم نے اپنے اس ارشاد میں اس کو بتلایا اذا ابتدع الخ (الدين) بدعة كيد الدين فليترك جماع المراءى وطلبوا من الله البذل قالوا واما معال المراءى قال معال الله لا فاعل امر جب دین میں بدعت داخل ہو جائے دین پر امت اسے گائی کی تو اس وقت (دین کے) نشانات کو چھوڑ دے اور روزی اللہ تعالیٰ سے طلب کرو و محاسبانہ عرض کیا دین کے نشانات کیا ہیں؟ فرمایا محال و حرام کی مجلسیں (مجلس انکام شریعہ)

حق میں بھی اور ان کے متبعین کے حق میں بھی دیا ہی ہیں۔ کیونکہ ان کے علوم کی بنیاد طلب کو نیا اور طلب جاہ پر ہے (رسی ان کا اصل مقصد ہے اور اس حالت میں انہیں علم عقلی کے حقیقی علم حاصل نہیں ہو سکتا اور جس کو علم حقیقی حاصل نہ ہو وہ شریعت کے مقاصد و مصالح کو پوری طرح نہیں سمجھ سکتا۔ اب وہ خود بھی گمراہ ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتا ہے) اور یہی اصلی خسارہ ہے اور بڑی بد قسمتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اپنے فضل و کرم سے اتباع سنت بلکہ تمام سنتوں کے اتباع کی توفیق دے اور خسارہ سے بچائے۔ ایک بابرکت بزرگ نے کہا ہے۔

تعب دنیا و تعب اخری جیدان فی القلب کا بچھٹکانا

دنیا سے بھی محبت کرے ہو اور آخرت کی محبت بھی چاہتے ہو۔ دو محبوب ایک دل میں بھی نہیں رہ سکتے۔

ایک فارسی شاعر نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے۔

ہم خدا خواہی و ہم دنیائے دوں

ایں خیال است و حال است و جنوں

قوله وفاتنا خلا للحدیث انه لا یصح کسب ما تقبہ الا بمعرفۃ المسنة
الی قوله فی القلب کا بچھٹکانا۔

فت۔ آیت کل علم کے دل میں بہت پیدا ہو گئے ہیں۔ اسی طرح تعویذ کا دوسرے کہنے والے بھی بہت ہیں اور ان دونوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر رکھا ہے۔ خواہ پریم ہے کہ جس طرح وہ اچھے طبیب اور ڈاکٹر کو ملا رہے کے فاضلے کا شمس کرتے ہیں اور ہر دلی کا علاج عین کہنے اسی طرح بہتے غامد اور جھوٹا روکتی کریں۔

سچا عالم وہ ہے جو بالمشیت سنت ہو۔ بقا حدہ محقق غلام سے علم حاصل کیا ہو۔ جو نیا کار چین نہ ہو۔ مولود اور عذرا کر مرور پر نہ لیتا ہو۔ وہ ہے کہ نرسے نہ دیتا ہو اور سچا صوفی وہ ہے جس کی تسلیم اور محبت سے اللہ تعالیٰ کی یادوں

پر امتداد کرنا اور اپنے دلوں میں غلوں پیدا کرنا چاہیے۔ اگر وہ غافل فی وجہ انہ قدرت دینی میں مشغول رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ غیب سے ان کی امداد فرمائیں گے۔ اور مسلمانان ہندوستان اند پاکستان کو بھی بکھرینا چاہیے کہ ہندوستان میں اسلام کی بقاء کا دار و مدار مدارس اسلامیہ پر ہے کی بقاء پر ہے۔ اگر۔ مدارس مٹ گئے تو اسلام کے مٹ جانے کا خوف ہے۔ خدا را سب مسلمانوں کو پہلے سے زیادہ ان مذکر کی خدمت پر توجہ کرنا چاہیے۔ دہندہ آخرت میں باؤ پرس کا اندیشہ ہے۔ حکومت پاکستان کو چاہیے کہ اکثر مدارس ہندوستان کی امداد اسلامی دیانتوں کے وظائف سے ہوتی تھی جواب غائب بند ہو گئی ہیں تو ان وظائف کو حکومت پاکستان جاری کر دے اور مدارس کو کھولے نہ دے تاکہ اسلام ہندوستان میں قائم نہ ہو۔ فافہم واللہ یقنی ہذا۔

۲۴۳) کسب معاش اور عبادت دونوں کے لیے علم دین کا حاصل

کرنا ضروری ہے اس حدیث کا تاثر یہ بھی ہے کہ کسب معاش اور عبادت دونوں کے لیے شریعت کا علم ضروری ہے بغیر اس کے نہ کسب معاش درست ہے نہ عبادت۔ جس میں علم کی صلاحیت ہو وہ عالم بننے کی کوشش کرے اور جس میں اس کی صلاحیت نہ ہو وہ احکام شریعہ (مطالعہ کتب اور علماء کی محبت میں رہ کر ان سے دریافت کر کے معلوم کرے اور ان کا اتباع کرے بشرطیکہ وہ علماء واقعی علمدار ہوں بعض دعویٰ آتی دعویٰ نہ ہو۔ کیونکہ دعویٰ سے بہت لوگ تباہ ہو گئے اور اپنے ساتھ ایک بڑی جماعت کو بھی برباد کیا۔

جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آخر زمانہ میں بہت لوگ جہنم کی طرف بٹلنے والے ہوں گے جو ان کی بات ماننے کا اُس کو جہنم میں جھونک دیں گے۔ بعض لوگ علوم میں کمال کا دعویٰ کرتے ہیں حالانکہ وہ علوم ان کے

باب ۹۴

حدیث

البيعان بالخيار ما لم يتفرقا

حکیم بن حرام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا
 بائع مشتری (دونوں) کو اختیار ہے جب تک وہ متفرق نہ ہوں میں اگر دونوں نے
 سچائی سے معاملہ کیا اور (بیع و من کی اصل حالت کو) بیان کر دیا تو ان کی بیع (وشراء)
 میں برکت دی جائے گی اور اگر (اصلی حالت کو) چھپایا اور جھوٹ بولا تو بیع کی
 برکت مٹا دی جائے گی۔

شروع کا ہر حدیث بتا۔ بائع کے بائع و مشتری دونوں کو (قرآن سے پہلے اختیار پہلے
 شروع برکت سچائی کے ساتھ ہے۔ خیانت اور جھوٹ سے برکت ہاتی نامی ہے۔
 یہاں انفرق سے کیا مراد ہے؟ بات چیت سے (فارغ ہونا اور ایجاب و قبول کا کرنا)
 یا ہر دین سے آگ۔ الگ ہو جانا رکھ کر بیس بدلے کے تو اختیار نہ ہے گا۔ مجلس دہلے
 سے پہلے دونوں میں ہر ایک کو اختیار ہے کہ بیع کو باقی رکھے یا سچا کر دے کیونکہ منفذ
 انفریق کتاب اللہ میں دونوں معنی میں استعمال ہوا ہے۔ انفریق بالاجان تو اس آیت میں
 ہے وان يتفرقا يخطئ الله كلامه معته اگر میان بی بی الگ ہو جائیں گے تو
 اللہ شمس ہر ایک کو اپنی وسعت ازرقی کے معنی کر دے گا اور انفریق بالاقوال
 اس آیت میں ہے ولا تكلوا مما ذكرنا بقرآننا وانتم تعلمون بعد ما جاءهم
 البينات والادان فكلوا کی طرف نہ ہونا جو الگ الگ راستہ پر چلے گئے اور واضح

میں پڑھتی ہو۔ ولی کو سکون و اطمینان ہوتا ہو۔ بقدر ضرورت علم شریعت آئے حاصل
 ہوا بیع سنت ہو اور کسی معنی صوفی کی خدمت میں حدیث تک نہ ہو۔ صوفیہ زمانہ
 اُس کی ولایت کو تسلیم کر سکتے ہوں۔ یعنی وہ صوفیہ جن کو کسی وجہ سے اُس کے
 ساتھ حسد نہیں ہے اسے مانتے ہوں اور اس کی طرف نہ پارہ ترددین دادوں کا دھڑ بھڑ
 ٹوٹا داروں کا دھڑ بھڑ نہ ہو۔

خوب سمجھو کہ محض کسی حدیث کی سند اور ستر مل جلنے سے آدمی عالم میں
 بن جاتا نہ چند جاہلوں کو ٹھیکہ کرنے اور شبہ بے دھلا نے سے صوفی ہو جاتا ہے۔
 علم اور تصوف کی علامات وہ ہیں جو اوپر بیان کی گئیں۔ جو ایسی میاں پر پکڑا دیتے
 اُس سے دور رہنا چاہیے۔

والسلام



میں (مسلما) حالانکہ میں نے اس کو نقل کیا ہے اس کے ثبوت پر اتفاق ہے میں
کچھ نہیں اور وہ ابو یوسف بن راشد بن ابی جابر اور ابی اسحاق بن علی بن
انہی نے اس حدیث کو حدیث میں ذکر کیا ہے جو حدیث میں ان کا شمار کرتا ہے۔

۴۔ اگرچہ یہ حدیثوں کا نہ تھا مگر اس کا ذکر اس کے بارے میں ہے جو حدیث
ہے اور حدیث سے جھڑپ نہ لیں گے جانے ہیں اس لیے میں نے اس کا ترجمہ کر دیا
کہ علماء کے کام کی بات ہے۔ ۴۲۴

(۴۲۴) مسلمان کی دنیا بھی آخرت کے میں مٹی کی مانند ہے اور دنیا بھی
آخرت کے میں مٹی کی مانند ہے اور آخرت کی کوہک جہان ہے حاصل ہوتی ہے جو اعلیٰ رحمت
میں ہے جس میں انسان کو ثواب ملے ہے جبکہ یہ توایمان کی کامل تر صفت ہے۔
(میں جانتا نہیں ہوتا) اسی لیے اہل تحقیق (یعنی محقق علماء و محدثین) نے فرمایا ہے من
صدق و صدق قلوب لا جعالة (جو اپنے ہر قول و فعل میں سچائی کا پابند ہو وہ
لا سار قلوب خداوندی حاصل کرے گا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں
اس کو واضح طور پر بیان فرمایا ہے لا ینال ما عند اللہ الا بباطحۃ اللہ اللہ کے
پاس جو چیز ہے (یعنی خیر و برکت) وہ بغیر اللہ تعالیٰ کی اعانت کے حاصل
نہیں کی جاسکتی۔

میں ہوں کی شامت دنیا بھی برباد اور آخرت بھی برباد معلوم ہو گیا ہے
کی خوش سے دنیا و آخرت دونوں کی خیر مانی جاتی ہے دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرماتے
ہیں کہ اگر وہ (مذہب کو) چھوڑ دے اور محبت میں سے توبیح کی برکت شادی جائے گی۔
محبت ہونے کا کوہک ہے اور اللہ کو چھوڑنا یا غیبت ہے۔ وہ بھی بڑا گناہ ہے حدیث میں
ہے من غیبتا فلیس خدا جملے ہم سے غیبت کی وہ ہم میں سے ہیں اور محبت
بولنے والے کے متعلق ایک حدیث اور کچھ دیکھ کر یہ کہ اس کی باتیں جو بے کلمہ کلمے

الحکم اے کے بعد اختلاف کرنے لگے (یہ افتراق جمال) قابلہ عداۃ و غیبت کا
اختلاف تھا چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے افتراق جو اس میں
علیٰ انہیں و سبعین و ستغفروا الحق علی ثلاث و سبعین فرقہ۔ بخاری میں
بہتر فرقوں میں متفرق ہوئے اور میری امت متفرق میں بٹ جائے گی۔

علامہ میں اختلاف ہے کہ حدیث صحیحہ کا ہونا یا نہ ہونا افتراق یا اختلاف
ملا ہے یا بالہ قول؟ انہی میں اور ان کے متبعین پہلے کے قائل ہیں اور امام مالک
ان کے متبعین افتراق بالہ قول کے قائل ہیں (امام ابو یوسف بھی امام مالک کے متبعین
ہیں اور یہی زیادہ ظاہر ہے کہ چونکہ عبد اللہ بن عمر کی ایک حدیث میں ہے کہ انہوں
نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے کہا ایک بار فرشتہ آیا جو حضرت عثمان کے
گلوں میں تھا (یا ان کی زمین کے پاس تھا) عبد اللہ بن عمر جاتے تھے کہ یہ پتھر ہوتا ہے
تو وہ اسکی وقت (کتاب و قبل کرتے ہیں) کھڑے ہو گئے لیکن وہ بھی اسی حدیث کے
ایک راوی ہیں۔ حضرت عثمان نے فرمایا کہ تم نے ہمیں سے اللہ کریم کو تم کو تمنا کیا
ہے یا نہ سنت میں ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ افتراق یا اختلاف (مرد و بی نہیں) ہوا ہوتا
ہو چکا ہے۔ اور یہ بیچ و شراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہوئی تھی پھر
عبد اللہ بن عمر نے حضرت عثمان کے قول کی طرف رجوع کیا اور اللہ کے کرم کی وجہ سے انہوں
سے تمام ہو جائی ہے مجلس سے شہا جس نے کی خدمت میں (امام مالک سے فرمایا
ہے جب دو حدیثیں لکھا ہوں میں اختلاف ہوں اور دونوں میں ہوں اور نہایت ہو جائے
کہ خلفاء (راشدین) نے یا ان میں سے کسی ایک نے ایک پر عمل کیا اور دوسری کو چھوڑ
دیا ہے تو میرا جس کے ضرر ہونے کی دلیل ہے اور جب ایک حدیث میں دوسری کا اختلاف
ہو اور کسی خلیفہ (راشدین) نے ایک صفحہ کے ساتھ ہونے کی تصریح کر دی ہو تو دوسری کو
وہی صحیح قرار دینا ہو گئے جو خلفاء نے یا کسی ایک خلیفہ نے سمجھے ہیں۔ جس میں علماء زمانہ
نے امام شافعی کی حمایت میں حضرت عثمان کی اس حدیث کا انکار کیا ہے وہی اس کو

سے چری جائیں گی۔ قیامت تک اس کے ساتھ یہی معاملہ ہوتا رہے گا۔ تو دنیا کا بھی مذاق
 اُٹھا کہ جب مال میں برکت نہ ہوتی تو وہ خانے ہو گیا اور آخرت کا بھی خدشہ ہو گا عذاب
 کا مستحق ہو گیا اور اہل توفیق دنیا و آخرت دونوں میں سودمند ہیں۔ چنانچہ حضرت عبدالرحمن
 بن عوف رضی اللہ عنہ سے کہنے پر کہا کہ آپ کے پاس اس قدر مال کیونکر آراوہ جس سے
 تاجر اور جس سے مالدار کہتے؟ فرمایا میں نے تجارت میں بھی برکت میں مولانا زانی کا جو بی
 چڑیا نہ اور عبدالرحمن نے کوئی دیکھا ہے کئی ہی (قلیل) ہو۔ چنانچہ ایک واقعہ مرقی ہے کہ
 ایک دفعہ انھوں نے بہت سے اونٹ خریدے تو گوشت کے کما (مال) اچھا نہیں) آپ کو نفع
 میں صرف نکلیں ملیں گی رہے اس اونٹ کو چلا یا ہے) آپ نے اسے اتنے ہی نفع پر اونٹوں کو
 بیچ دیا۔ جب خریدار اونٹ خرید کر چھا گیا اب اس کو دیکھ کر اس شخص نے کہ میں نے نکلیں ملے۔
 تو (اتفاق سے) اس کو دیکھ کر وہ۔ پھر حضرت عبدالرحمن کے پاس واپس آیا اور نکلیں
 (جو ان کے پاس نفع میں رہ گئی تھیں بہت مال کے خریدیں اس طرح ان کو دیکھ کر مال
 میں بھی نفع مل گیا۔) تو قولہ فیہ دلیل عقلی و لا عقلی الدنیا والا باکسر
 انی قولہ بجملة مال۔

ف مفسدان تاجروں کو ان اصول پر عمل کرنا چاہیے جو عبدالرحمن بن عوف کمال نے
 بیان فرمائے ہیں کہ ترقی و بہتد اور برکت کی بنیاد یہی ہے۔ اسکل اکثر تاجر زیادہ
 نفع کے انتظار میں رہتے ہیں۔ یہ بہت بڑی بات ہے جس سے مخلوق کو تکلیف ہوتی ہے
 اور ان کے مال میں برکت نہیں ہوتی۔ برکت اسی میں ہے کہ مال کو بدل نکال دو اور
 زیادہ نفع کا انتظار نہ کرو۔ پھر دوسرا مال خریدو اور اسی کو بھی خور سے
 نفع پر نکال دو پھر اور مال خریدو۔ مال کا مدت تک مددگن اچھا نہیں۔ تو غیر اندوڑی
 کا آج کل عام عقیدہ ہے لوگ ایک دو ہیہ کے مال پر دس گون نفع چاہتے ہیں اسی کا یہ
 نتیجہ ہے کہ باوجود کثرت پر اداوار کے ملک میں سخت گمراہی ہے اور عام طور سے
 سب لوگ پریشان ہیں۔ خریدار گمراہی سے اور تاجر نکیس کی بھرا سے سترخان
 ان کو ہدایت دے۔

(۷۲۵) تجارت آخرت بھی سچائی اور صاف گوئی سے کامیاب ہوتی ہے

کیا یہ حکم سچ ہی کے ساتھ خاص ہے (جس میں مال کا مبادلہ مال سے ہوتا ہے)
 یا ہر معاملہ عام ہے جس میں پر بیع کا اطلاق آتا ہو (جو اس میں مال کا بدلہ ہو) ظاہر
 لفظ کا معنی یہ ہے کہ ہر معاملہ کے لیے اس کو عام کہا جائے کہ سب میں ان میں
 سے ہر ایک کی جالنے جو معاملہ کو چکا جسے دسے یا برکت کو مبادا کرنے والے ہیں
 اور ان نوعوں میں برکت کی جائے جو برکت کی وجہ ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے
 رزق و ثراء کا اطلاق ایک اور جگہ بھی کیا ہے، فرمایا ان الله اشترى من المؤمنين
 انفسهم و اموالهم بان لا یخرجوا من دینہم فقیلوا فی سبیل الله فیکفون
 و یقتلوا وعدہ علیہم حقاً۔ شہ شمس اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جان و
 مال کو خرید لیا ہے اس چیز کے عوض کہ ان کے واسطے جنت ہے وہ اللہ کے راستے
 میں قتال کریں پھر قتل کریں اور قتل کئے جائیں اللہ کا وعدہ یہاں ہے۔ تو جو شخص
 اس سچ میں سچا (اور ثابت قدم) رہے۔ حق کو نہ چھلے اللہ اور دینی پر محو
 نہ لگائے نہ کام دین میں محو نہ کرے کہ بدعت ایجاد کر کے اس کو دین بتلانے
 لگے اور اللہ و رسول کے ساتھ سچائی کا معاملہ رکھے جیسا واجب ہے اور احکام اللہ کو
 قدامت شریعہ کے موافق بیان کرے اور اللہ تعالیٰ کے ایسے کسی بھی خاصے عمل
 طاعت سے دے جس سے اس کی تہ میں برکت دئی جائے گی اس میں ایک نیکوئی ہے
 جو پہلی میں نہیں۔ دونوں جگہ میں اور بیع میں جو برکت ہوتی ہے وہ توبہ ہی کے لیے
 ہے کہ نہ اللہ تعالیٰ ہی سے مستفی ہیں۔ وہ دوسری جگہ میں بیع کے واسطے یہاں ہے
 چنانچہ ارشاد ہے قل لا تکرہوا فی عبادۃ ربکم من عذاب الیم تو قولہ باللہ و رسولہ
 و تکرہوا فی سبیل اللہ باحوالکم و انفسکم ذلکہ نہیں لکہ ان کتم قلعہوں۔
 کیا میں تم کو کسی تجارت دے بتلاؤں جو درناک عذاب سے کم کو تجارت دے (وہ بہ)
 تم اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں

تیزی کے ساتھ چل گئی، خوشی سے خوب گریہ و زاری کی کہ شاید ان کے بعد مجھے تو یہ نصیب ہو جائے جس مقام تک پہنچاؤں جہاں وہ پہنچے ہیں اور بیعت کی تجدید کی تاکہ شاید ان کی طرف سے (اگر ضرورت ہو) پیچھے نہ رہوں اور میری تاکہ کا چلنے والا کہ نہ رہا خدا سے میرے سوا! تیرا وعدہ بھی خلاف نہیں ہوتا۔ تمہارے دروازہ پر نہیں کھڑے ہو سکتے تھے اور یہی سب سے اچھی جگہ تھی جسے کہتے ہیں کہ تو اس کو در کھوئی، اٹھا اور تمہارے دروازہ پر پہنچے تمہاری زندگی کی قسم میں تمہارے بوا کسی پر تو یہ نہ کروں گا۔ قولہ اهل بیت هذا الجمع الی قولہ کا عجیب کما اخت۔

ف۔ مطلب تو ظاہر ہے مگر یہ معلوم نہ ہو کہ یہ اشعار کس بحر میں ہیں اور یہ اشعار ہیں یا نثر معنی میں ترجموں کے اس کا یہ اشعار میں چیز کے دیکھنے کی ضرورت نہیں۔ معنی اور مطلب کو دیکھنا چاہیئے۔

تلاویذ العیشم و الدار من
موجود مندرجہ جملہ

ف۔ مثنوی طریقی سے جو بیعت کی جاتی ہے وہ بھی تجارتِ آخرت میں داخل ہے جس میں مرد کی طرف سے اپنے نفس کو فحش کے حوالے کیا جاتا ہے اور شیخ اس کے فوج میں کسی کو اپنی باطنی دولت میں شامیت مت الشطرا کرتا ہے۔ وہ ان بھی دونوں کو سہائی سے معاہدہ کرنا واجب ہے مگر یہ کہ اپنے نفس کے عیوب و امراض صلیان صلیان۔ یہ ان کرنا چاہیئے۔

ما مالی ولی را با یاد گفتب۔
اور شیخ کو اگر مرید سے دوستانہ ہو اور اس سے فائدہ کی امید نہ ہو تو اس کو وہ کہہ دے کہ تم ہمارے عیوب سے بے نیاز ہو، تاکہ مرید سے شہادت نہ دے کہ مرید کو گناہ ہے۔ یہ کسی وقت اعتقاد نہ رہے تو اس کو سزا دے کہ اس کے اعتقاد کے بغیر ہو جانا چاہیئے اور دھوکہ نہ دے۔

اپنے مال اور جان سے جدا کرو۔ یہ تمہارے واسطے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو اور خدا رہی دونوں پر عائد ہوتا ہے تو لازم ہے کہ اس دوسری تجارت کو خدا سے بچاؤ نہ کرنا زیادہ اہتمام کیا جائے۔ ذکر کو اس کا قطع اور خدا سے وفا ہے اور نوبی تجارت کا قطع اور خدا سے چند روزہ ہے) چنانچہ حضرات انصار سے ہیں وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تو دریافت کیا اگر تم اس بیعت کو پورا کر سکتے تو تمہارا بیعت کیے کیا ہے؟ فرمایا جنت ہے۔ صحابہ نے عرض کیا ہم ماضی ہیں اور اس بیعت کو پورا کریں گے تو فرمایا جنت نہیں۔ پھر ان حضرات نے بیعت کو پورا کیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان سے اپنا وعدہ پورا کیا کہ ان کے لیے وفادار محمد کی شہادت دی میں کی حقیقت ایمان ہے چنانچہ ارشاد فرمایا ہے واللذین آمنوا و احجروا و ابوا جہاد وافی صلی اللہ علیہ وسلم و الذین آدوا و نصر و اولئک اعد اللہ و اللہ یحق۔ اور جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ تعالیٰ کے راستہ میں انہوں نے جہاد کیا اور انہوں نے دین اور مال کو بچا دیا اور دین کی نصرت کی یہی سب سے مومن ہیں اللہ مغفیر و درزی کو دیکھو ان کے لیے مغفرت ہے اور عزت کی روزی اس کی یہ اہلی توفیق نے اپنے لیے ایک ہی نکتہ کو اختیار کر لیا یعنی نکتہ عزت اور اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ کامیاب اور روزِ مدبر کے کسی نے (خوب) کہا ہے۔

لما دأبت القوم قد ساءوا خلفوا مشقلا مشقلا ولما عجزوا

جہمت فی نوح و ابکیا لعلی اعطفت !!

من بعد حمد قویۃ جہدی من عیش عرجوا

و استأنفت بیعة لعلی مشقلا لا اعطفت

و ما عجزوا فی بقل دھد لا یامون ولا یخلف

لما انقضیت بیکم و عینہم یوقعت و یقفوا

فصلوا العنیت بیا بکم فھما تکلم لا یفید کما فھت

جب میں نے قوم کو دیکھا کہ ان کے ہر طرح کی اور مجھے پوچھ کر تو مجھے چھوڑ گئی اور

حدیث

جواز اخذ الزرع ما یلیقہ من مال زوجہ اذا کان شعیحاً

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت معاویہ کی والدہ ہندہ نے بول امد لاہ علیہ السلام سے عرض کیا کہ ابوسفیان بنیل مرد ہے تو اگر تمہیں اس کے مال میں سے چھپا کر کچھ ملے تو کیا مجھ پر گناہ ہوگا؟ فرمایا تم اور تمہاری اولاد اتنے کو جو عام عادت کے موافق نہیں کائی ہو جائے۔

علامہ جریرؒ ہے کہ میں شخص پر کسی کا حق ہوا اور وہ مردیتا ہو تو اس کی قیمت میں شمر کر اس کے مال سے اپنا حق وصول کرنا جائز ہے اس کی تفصیل میں علامہ کا اختلاف ہے کہ جنس حق سے ہی لینا جائز ہے یا غیر جنس سے بھی لے سکتے ہیں اس کو کاتب فقہ سے معلوم کر لیا جائے۔

(۶۶۶) حضرت ثمر جیح کے موقع پر غیبت جائز ہے حضرت ہندہ کس قول سے ابوسفیان

بنیل آدمی ہے۔ معلوم ہوا کہ حاکم کے سامنے ضرورت کے وقت (مدعا علیہ کی) غیبت کرنا جائز ہے اور وہ حقیقت میں غیبت نہیں کیونکہ اس سے دوسرے کی نفیس (واجب بری) کا قصہ نہیں ہوتا۔ بلکہ حقیقت حال اور بیان واقعہ کا قصہ ہوتا ہے نہ کہ حاکم واقعہ کی تفصیلی حقیقت سے واقف ہو کہ فیصلہ کسے (اور حضرت ہندہ نے جو کچھ کہا تناوہ حقیقت میں غیبت نہیں تھی بلکہ عادت عرب کے موافق ابوسفیان کی

ہندہ تھی کیونکہ ان کے یہاں اپنے اہل و عیال کے ساتھ انسان اس لیے بول کر سنا تھا کہ اس کو ممانوں کی خاطر تواضع کا اہتمام نہ پارہ ہوتا تھا جس سے اہل و عیال کو کٹنگی بیٹھائی تھی تو یہ ایسا لفظ ہے جس کا باطن ظاہر کے خلوت تھا (ظاہر میں مذمت تھی مگر حقیقت میں شری مرد تھی کہ وہ بہت مہمان نواز ہیں۔ ممانوں کی خاطر تواضع میں ذلتا غریب کر سیتے ہیں کہ مگر وہوں کو خوشی سے پریشانی ہوتی ہے)۔ قولہ ظاہر لفظ یطیع جواز الغیبۃ ہندہ لفظ کہ الی قولہ تھی لفظہا باطنہا خلعت ظاہر۔

ف۔ علامہ ابن جریرؒ نے عجیب بات کہی ہے جو واقعہ میں صحیح ہے کیونکہ اہل عرب کے یہاں مردار میں چار اوصاف کا ہونا اور ان میں دوسروں سے ممتاز نہ ہونا شرط تھا۔ بجاہت، سخاوت، فصاحت، شجاعت اور ابوسفیان مردار کہلاتے تو وہ بچیں کیسے ہو سکتے تھے۔ مگر وہ بچیل ہوئے تو سردار نہیں بن سکتے تھے۔ پس یقیناً ہندہ کا مطلب وہی تھا جو علامہ نے بیان فرمایا کہ وہ اپنی سخاوت اور مہمان نوازی کی وجہ سے مرداروں کو بھیج دیتے تھے حضورؐ نے ان کو اجابت دیدی کہ قاعدہ کے موافق چھپا کر اپنے حقوق وصول کر سکی جو حق سے زیادہ نہیں۔ پس حدیث سے یہ مسئلہ سبقت نہیں ہو سکتا کہ ضرورت کے وقت حاکم کے سامنے مدعی طریقی غیبت جائز ہے۔ اس کے بعد دوسرے دلائل ہیں۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔ لا یحب اللہ الجہل بالسو حوالہ القولی الامین ظلمہ۔ اللہ تعالیٰ مجربا بات کا اعلان پسند نہیں کرتا مگر جو مظلوم ہو وہ وہ ظالم کی برائی کر سکتا اور اس کے ظالم کا اعلان کر سکتا ہے۔

حدیث

النہی عن التصویر

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فریاد سنا کہ جو شخص کوئی صورت (جان دار کی) بناوے تو اللہ تعالیٰ اُس کو عذاب دیا کرے۔ پہلے تک کہ اُس میں روح پہنچ کر خدا روہ اُس میں بھی بھی روح نہیں پہنچ سکتا۔

شرح: ظاہر حدیث بتلا رہا ہے کہ جو شخص (جان دار کی) تصویر بناوے گا اُس کو جہنم عذاب ہو تا رہے گا اور ظاہر لفظ سے واضح ہو رہا ہے کہ مرد و جاندار کا تصویر ہے۔ کیونکہ روح چھوٹنے کا معاملہ ہی میں ہو سکتا ہے اور عبداللہ بن عباس (اور عبداللہ بن عمر سے اس کی تصریح بھی منقول ہے کہ بے جان کی تصویر کا جائز ہے جیسے درختوں اور مکانات وغیرہ کی۔ واللہ اعلم۔

فت: مرقوں یا بھی تصویر بنانے کے حکم میں ہے۔ بعض علماء مصر و ہندوستان نے اس کو تصویر میں داخل نہیں کیا۔ کیونکہ تصویر بانہ سے بنائی جاتی ہے اور فوٹو گری کے آئینہ سے لیا جاتا ہے مگر طریق کے اختلاف سے حقیقت میں بدل جاتی۔ اگر پہلے لہانے میں محض بانہ سے بنائی جاتی تھی اور آج کل شیشی سے کشید کر کے بنانے لگی تو حکم میں بدلے گا۔ کیونکہ حقیقت دونوں جگہ متحد ہے۔ اسی طرح فوٹو اور تصویر کو سمجھنا چاہیئے۔

فت: ظاہر حدیث معلوم ہو رہا ہے کہ تصویر بنانے والے کو ہمیشہ عذاب ہو گا ہے مگر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ و یغفر ما دلت لمیت بشاء اللہ تعالیٰ اس کو تو صاف مذکور ہے کہ اُن کے ساتھ دوسرے کو شریک کیا جائے اور اُس سے سوا (اور اُن ہوں) کو جسے چاہیں گے معاف کر دیں گے۔ اس کے معارض ہے کیونکہ یہ شرک و کفر ہے کہ ہے تو وہ بھی مشیت کے تحت میں ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہیں گے معاف فرما دیں گے اور یہ وحید و یحییٰ ہی ہے جیسا کہ مسلمان کو قتل کرنے کی وجہ سے جہنم ۱۰۰ حصہ عذابا دھنبا اللہ علیہ کہ اُس کی سزا جہنم ہے جس میں ہمیشہ رتبہ کا اور اُس پر اللہ کا غضب ہے۔ اہل سنت نے اُس کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ اُس کی سزا تو یہی ہے اگر اللہ تعالیٰ سزا دینا چاہیں مگر آخر میں ارحم الراحمین کی شفاعت سے یہ لوگ جنت میں پہنچ جائیں گے۔ جیسا حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے فرشتوں نے شفاعت کر لی رسولوں اور انہوں نے بھی شفاعت کر لی اب ارحم الراحمین کی شفاعت رہے گی۔ پھر اللہ تعالیٰ (دو بین بار) جہنم میں سے بھی بھر کر اُن لوگوں کو نکالیں گے جن کو قرآن (کے قانون) نے جہنم میں جبری کر رکھا تھا اور قانون قرآن دو قسم کے لوگوں کو جہنم میں بھیج کر کے گا۔ ایک تو کفار و دوسرے ان جنہ کے رد کو جن کے بارہ میں عدل کا تقاضا ہے کہ اُن کی معاف نہ کی جائے تو کفار کو تو معاف نہ ہو گی کیونکہ اللہ تعالیٰ صاف فرماتے ہیں کہ یہ لوگ مغفرت کے مستحق نہیں ہیں۔ آیات و احادیث اس کے متعلق بکثرت درو ہیں اور امت کا اجماع بھی اس پر متفق ہو چکا ہے۔ اب دوسری ہی جماعت وہ گئی جن کو رحمت اللہ سے حائل کیا گیا اور ارحم الراحمین سے اُن کو جنت میں پہنچا دیا گیا یہ ایسی قوم ہے جس سے تمام آیات و احادیث میں تطبیق ہو جاتی ہے اور کوئی تضاد نہیں باقی نہیں رہتا۔ علامہ ابن ابی جرہ نے اسی معنوں کو شریعت میں بیان فرمایا ہے مگر چونکہ مسلمان تعین کا نہ تھا اس لیے فوہ میں داخل کیا گیا کہ علماء کے کام کی بات ہے۔

حضرت مولانا گنجوی رحمۃ اللہ علیہ سے کہ جس میں علماء دین اسلامی فرقوں کی تکفیر کا فتوہ دینا چاہتے تھے اور مولانا نے اس کے اقرار کی تاویل فرما رہے تھے۔ علماء اہل سنت و اہل میں کلام کر رہے تھے جب دیر تک بحث ہوئی تو فرمایا کہ تم لوگ اس خیال میں ہو خدا کی قسم: قیامت میں جب رحمت کو جو اس وقت سے ایسے کو بخش دینگے جن کو ملایا اور انبیاء علیہ السلام کی کافر سمجھ کر مہر میں چھڑ دیا ہو گا۔ ان کا ایمان اس قدر ضعیف تھا کہ ملائکہ و انبیاء و رسل اور سید المرسلین علیہ السلام بھی اُس کو پہچان سکیں گے تو جن کے ایمان کو وہ نہ پہچان سکے تم تو ان کو کٹھن کافر کو گے اس لیے تم جن لوگوں کی تکفیر کرنا چاہتے ہو قیامت میں دیکھو گے کہ اُن کی مغفرت ہو رہی ہے۔ ہاں استغاثہ شریعت کے لیے اُن کو دیکھنا کہ ان کے طور پر کفر کا فتوہ دینا تو مفسد نہیں مگر واقعہ میں کافر نہ سمجھو۔ مہر سے مہر سے مدد عظیم اللہ سے حاصل ہو۔

(۲۴۴) دعویٰ کرتا ہے کہ سچا ہی کیوں نہ ہو مسئلہ کی دلیل ہے کہ وہ دعوے کو بُرا سمجھتے ہیں گو سچا ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ یہ اندیشہ (مذمت) ہے کہ مدعی کے اندر کچھ نقص ہو جس کی اسے خبر نہ ہو تو دعوے اُس کی عروسی کا سبب ہو گا۔ دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تصویر بنانے والوں سے کہا جائیگا اس میں روح پھونک دو اور وہ بھی روح نہ پھونک سکیں گے۔

دوسری حدیث میں ہے کہ اُن سے کہا جائے گا تم نے جو عورت بنائی تھی اسی کو زندہ کر دینی اُن سے مطالبہ کیا جائے گا کہ اپنے دعوے کو پُرا کرو۔ وہ اس کو بُھاندا نہ کر سکیں گے تو جوئے دعوے پر عذاب دیا جائے گا کیونکہ جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی مخلوق کی تصویر بنائی تو زبان حال سے اپنے خالق ہونے کا دعوے کیا۔ اُن سے کہا جائے گا کہ تمہارا دعویٰ تو یہ ہے کہ اس تصویر میں جان بھی ڈال دو ورنہ تم اپنے دعوے میں جوئے ہو جس کی نمراد وہاں تک ہے۔

حدیث سے صراحتاً اور تاہین کے طریق کی بھی تائید ہو رہی ہے

اور یہی حق ہے کہ وہ حضرت انسان کے حال کو دیکھتے تھے اقرار کو نہ دیکھتے تھے۔ دیکھو تصویر بنانے والے زبان سے تو اپنے خالق ہونے کا دعویٰ نہیں کرتا مگر اُس کا عمل (زبان حال سے) اس دعویٰ کو تباہ رہا ہے تو اُس کی بات کا لحاظ نہیں کیا گیا اگرچہ وہ عر جہ یہ کہتا رہے کہ جتنی تصویر بنانا ہے (ممنوع دیکھ کر تصویر ہے) اس بات سے اُس کو کچھ فتنے نہ ہو گا بلکہ زبان حال سے جو دعوے ظاہر ہو رہا تھا اُس پر مواخذہ کیا جائے گا۔ اس فقرہ سے یہ بات واضح ہو گئی کہ جو اللہ والوں سے ملنا چاہے وہ اُن کا اتباع کرتا ہے اپنی طرف سے (راستہ) ایک بار نہ کرے وہیں پہنچ جائے گا، جہاں وہ پہنچے ہیں اگرچہ دعویٰ نہ کرے اور اگر دعوے کرتا رہا اور اتحاد نہ کیا اس کو فساد اور کئی ضیاع ہوگی۔ ایسا توفیق نے فرمایا ہے کہ جو اُس چیز کا دعوے کرے جو اُس میں نہیں ہے، امتحان کے وقت دوا ہو جائے گی کسی نے (خوب) کہا ہے۔

فعلی علیہ السلام: فہا سبھا ولا تدع خالفت فتضییحا

جب تم ایمان نہ کوئی دعوے کرے اُس کا سبب ہو کہ وہ دعوے کر کے اپنے کو برباد کر دے۔ قولہ فیہ دلیل لظہر فی اہل الموصوفہ: مہر الذہنی انی قولہ فتضییحا۔



باب

حدیث

جواز اخذ الاجر علی کتاب اللہ عز وجل

حضرت (عبداللہ) بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جن چیزوں پر تم معاوضہ دیتے ہو ان میں سے زیادہ اس کی سخت کتاب اللہ ہے۔
 شرح: ہر حدیث سے معلوم ہوا کہ کتاب اللہ (کی تعلیم) پر اجرت لینا جائز ہے اور وہ سب سے زیادہ ملائی ہے۔ اس کے بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری حدیث ہے کہ ایک شخص نے کسی کو کچھ قرآن پڑھایا اس نے اس کو ایک گنا بد میں دی کہ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جھگڑا۔ اس شخص نے جس کو یہ بد یہ دیا گیا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ واقعہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا یہ درود کا ایک ٹکڑا ہے یا فرمایا دو ٹکڑے ہیں۔

اس حدیث سے بظاہر یہ کتاب اللہ کی تعلیم پر معاوضہ لینے کی ممانعت معلوم ہوتی ہے اس لیے عام میں اختلاف ہو گیا لیکن تو اس حدیث کی وجہ سے جس کی ہم شریعت کہہ رہے ہیں مطلقاً جواز کے قائل ہو گئے اور بعض علماء دوسری حدیث کی وجہ سے مطلقاً ممانعت کے قائل ہو گئے اور بعض نے دونوں کو جمع کر دیا اور بعض حالات میں جواز کے اور بعض حالات میں ممانعت کے قائل ہو گئے ہیں) یا امام مالک کا نسخہ ہے وہ فرماتے ہیں کہ جو عملی فرض ہے اس پر اجرت لینا جائز نہیں اور جو فرض نہیں اس پر اجرت لینا جائز ہے مثلاً کوئی شخص سورت فاتحہ لکھتا ہے تو اس پر اجرت لینا جائز نہیں بلکہ جائز ہو کہ اگر کوئی سورت فاتحہ لکھتا ہے تو اس پر فرض ہے کہ اسے بغیر نذر جمع نہیں (نہ اس کا سکھانا

بھی فرض کیا یہ ہے) اور فاتحہ کے سوا کچھ اور بھی پڑھنا چاہیے تو اس سے اجرت لینا جائز ہے۔ اسی پر تمام احکام دین کو کچھ لو کہ جو عمل اس وقت طالب کے ذمہ فرض ہو اس پر طلب کو اجرت لینا جائز نہیں اور جو (اس وقت) فرض نہیں اس میں انقیاد ہے اور تعلیم قرآن پر اجرت لینے کے حراز میں دین کا شرفا ثمرہ ہے جس کی حقیقت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی جانتے ہیں باوجود (علماء و فقہاء) جن پر اس حقیقت کا کچھ حصر و شکست ہو گیا ہے کیونکہ اجرت تعلیم قرآن کے حراز سے قرآن کی تعلیم مسلمانوں میں پھیل جانے لگی۔ اگر یہ اجرت جائز نہ ہوتی تو کوئی شاذ و نادر ہی پڑھتا یا لکھتا یا اسے لوگ بہت کم ہیں جو بچوں کی تعلیم کی مشقت (اور ان کی قربت کی مصیبت) کو بڑا معاوضہ برداشت کر سکیں۔ چوں کہ کوئی خرافانی ضرورتیں وہ پیش ہیں ان سب کو ہانٹنے طاق رکھ کر تعلیم قرآن کی پابندی پر شخص سے نہیں ہو سکتی۔ دیکھو یا وجود اجرت لینے اور اس کے علاوہ مزید احسان کے بھی قسم کی تعلیم کا حق اور کرتا ہوا نہ پاؤ گے ہوا اُن کے جو اہل توفیق (اور صاحب دل) ہیں اب اگر تعلیم قرآن پر معلوم لینے کو عظیم کر دیا جاتا تو کن تعلیم دیتا اور اس طرح یقیناً قرآن کی اشاعت بلاد اسلام میں بند ہو جاتی۔

فرض شریعت میں بہت چیزیں ایسی ہیں جو اصول و قواعد کی رو سے موقوف ہیں مگر کسی منفعت کی وجہ سے اُن کو جائز کر دیا گیا ہے حالانکہ وہ منفعت اس سے درجہ کم درجہ کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت اور وسعت ہے حاجت علیہ کہ شب الدین ص ۳۰۳۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر دین میں ذرا تنگی نہیں کی۔ حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ امت کے غیر خواہ ہیں کیونکہ حضور نے یہ حکم اور اس بھیجے بہت سے احکام اور غلو بیان فرمائے ہیں۔ کسی کے پوچھنے پر نہیں۔ اللہ تعالیٰ حضور کو سب سے بہتر جراحہ فرمائے جو کسی نبی کو اس کی امت کی طرف سے دی گئی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس کی تعریف بھی فرمائی ہے لہذا جاہ کد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علیہما السلام میں علیہما السلام میں

باب ۹۰

حدیث

جواز الوقت والاجر علیہا

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک جماعت کسی سفر میں گئی اور جگہ ایک قبیلہ کی بستی میں شہری لوگوں سے صفائی کا حق طلب کیا۔ انہوں نے ممانداری سے انکار کیا تو اس قبیلہ کے سردار کو سانپ نے ڈس لیا۔ انہوں نے ہر قسم کی کوشش کی تاکہ وہ اچھا ہو جائے، کسی تدبیر سے نفع نہ ہو تو ایک نے کہا اور ان لوگوں کے پاس بھی تو ماذ جو چاری بستی میں آئے ہے شاید ان میں سے کسی کے پاس کوئی چیز ہو جس سے سانپ کا زہر اڑ جائے چنانچہ وہ ان کے پاس آئے اور کہا اے صاحبو! ہمارے سردار کو سانپ نے ڈس لیا ہے ہم نے ہر قسم کی تدبیر کی مگر اُسے کسی چیز سے فائدہ نہ ہوا تو کیا تم میں سے کسی کے پاس کوئی چیز ہے؟ ایک ممانہ نے کہا ہاں بخدا میں جھاڑو جانتا ہوں، لیکن تجھ ذاتم سے ہم نے صفائی کا حق طلب کیا تھا تو تم نے انکار کر دیا اب جب تک تم کچھ مداخلہ نہ کرو میں نہیں جھاڑوں لگتاؤں انہوں نے بکریوں کے ایک گلدہ پر بیٹھ کر تم کو یہ گھو بکریاں لگایا جیسے گھا، وہ ممانہ گئے اور اس پر دم کہنے اور شکا کرنے لگے اور الحمد للہ رب العالمین (سورۃ فاتحہ اخیر تک) پڑھنے لگے۔ وہ تو ایسا ہو گیا جیسے اونٹ کو رستی سے کھول دیا جائے سبے شگفت چلنے پھرنے لگا۔ بیماری کا ذرا بھی اثر نہ رہا۔ بستی والوں نے اپنا وعدہ پورا کیا اور جو ممانہ ان کے حوالہ کیا، صلہ میں

دھوٹ مجھ سے شک تمہارے پاس تمہارے ہی میں سے رسول آئے ہیں جن پر تمہاری پریشانی شافی ہے اور وہ تم پر زبانی تمہاری راحت پر عز میں ہیں، مسلمانوں پر بہت مہربان ہمدردی کہنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس نعمتِ عظیمہ کے شکر کی ہم کو توفیق دیں اور اس کو ہم پر کامل کر دیں۔ آمین۔

ف ساس حدیث میں بظاہر تفصیلاً کا کوئی مسئلہ نہیں مگر سب سے اہل اللہ قرآن کی تعلیم اور بچوں کی تربیت و تادیب میں مشغول تھے اور بچوں کے والدین ان کی خدمت کرتے تھے یہی ان کا ذریعہ معاش تھا تو غالباً شارع کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی طالبِ طریقی کو ترک اسباب دشوار ہو تو وہ قرآن اور حدیث اور علمِ دین پڑھنے کا مشغل اختیار کر لے کہ اس کی آمدنی سب سے زیادہ حلال ہے واللہ حافظ اعلم۔ اور اہلِ علم کے لیے تو اس سے بہتر کوئی مشغل ہے ہی نہیں۔ خصوصاً اس زمانے میں کہ لوگوں کو علمِ دین کی طرف توجہ بہت کم ہے اگر علما و طلباء دوسرے مشاغل اختیار کریں گے تو دین کے مٹ جانے کا اندیشہ ہے ان کو یہ کوشش کرنا چاہیے کہ سلسلہ تعلیم و درس بے مزہ جاری رہے کہ ان سے دین کی بقاء ہے۔ والسلام

زیادہ اس کا اہتمام ہے وہ علامہ ہر کی طرح بحث و فکر میں کرتے۔

(۲۵۰) محبوب کی توجہ اور نظر لطف کے جذبات میں بھجان پیدا ہوتا ہے

یہاں ایک اور بھی اشارہ ہے کہ محبوب کی توجہ عاشق کے جذبات کو بخیر کانتے اور اس کے دل میں مسرت کی لہریں دوڑاتی ہے۔ دیکھو جو حب اللہ کانتے کے حضور کے اصحاب کی مدد کے ذریعہ کے عالی پر فوق فرمائی تو حضور کو بھی لگتی اور فرمایا مال میں میرا بھی حصہ لگاؤ اور حاکم آپ جانتے تھے کہ صبا پر خود بھی ایسے موقع پر آپ کو ہدیہ پیش کرے جس میں لکھتے خداوندی پر اپنی مسرت و فرحت ظاہر کرنے کے لیے آپ نے صبا سے فرمایا کہ میرا بھی حصہ لگاؤ تاکہ وہ بھی خوش ہوں اور اللہ تعالیٰ کی مدد پر مسرت و طرب کا اظہار کریں۔

قوله وما اشارت غرضی عن الحب یحبیم قلبا یحب ویفحیل یحب ویفحیل کمالی قولہ اھل اللہ لہ فی کمالہم فی شہد ویرم حدیثہ تعذیرہ وناہیہ

(۲۵۱) دُنیائے زیادہ آخرت کا اہتمام کرنا چاہیے قریب کے لیے

ایک خاص اشارہ ہے کہ بسنی والوں نے اپنے مراد کے لیے ہر ممکن کوشش کی صرف اس لیے کہ اس کے بدن کو راست مل جائے جو خیر فی حق ہوئے والا ہے اور یہ جہان ہی حق ہوئے والا ہے (جس کی یہ بدن پیداوار ہے) تو اس شخص کی ہمت کا کیا حال ہو نا چاہیے جو غیر فانی عالم کے لیے کوشش کر رہا ہو جس کی نعمتیں خداداد ہوں گی اور اس میں رہنے والا بھی نہ کہو رہو کا نہ پڑنا ہو گا (ہمیشہ جوان ہی رہے گا) تو جہاں زیادہ مسیحی اور غربت کی ضرورت ہے وہی بسنی اور کووری ہو (جسے تعجب کی بات ہے اہل قلوب کو آخرت کے لیے دنیا داروں سے زیادہ کام کرنا چاہیے۔ وہ لوگ دُنیائے فانی مراد کے لیے ہر وقت مرتے کہتے رہتے ہیں مگر اہل آخرت کو ان سے کم دہمنا چاہیے اور جس طرح اہل

ایسا ہے تو اس کی تعالیٰ کرتے۔ اس کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ہوتی ہے ان اللہ لا یغفر الذنوب الا للہ واما الغفور الذی لا یغفر الا للہ فی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا جب تک غم وہ اپنی حالت کو نہ دے۔

حدیث میں اللہ تعالیٰ نے کی ایک بہت بڑی حکمت پر بھی اشارہ ہے کہ بسنی والوں میں سے طلب کسی پر آپس کا فہم سنگین تھا کیونکہ دنیا فانی سے بیکار کرنے میں ممدوار قبیلہ میں تمام عرب کی حالت یہ ہے کہ وہ اپنے مرد کے لشوہ پر جھپٹتے ہیں جب وہ اس حرکت میں اصل متاثر غلاب بھی کسی پر آیا کہ کو سا پنے اسی کو تو سا ہزار جرم کے موافق دی گئی۔ قوله فیہ اشارۃ الی ان معاندہ رتک من الرتک لا یضعہ عندنا مانع الی قولہ جزاء وفاقا۔

فت۔ ان سب فوائد پر صوفیا کرام کا عمل سب سے زیادہ ہے ان میں جو معتد اور مشائخ ہیں وہ دوسروں سے زیادہ فہم سے اور غائب سے ان کو زیادہ تنبیہ ہوتی ہے ان کی کو تو ایسوں کا دوسروں پر اثر نہا ہے اور غیب سے ان کو زیادہ تنبیہ ہوتی ہے اسی طرح تقدیر پر اور اعلیٰ کے جلد سے ان کو زیادہ بھر و سر ہوتا ہے کہ کسی حضرت ہر زمانہ میں صحابہ کے ہونے لیں۔

(۲۴۹) بزرگوں کو جب حق بات بتائی جاتی ہے تو قبول کر لیتے ہیں

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اہل فضل و شانوں کو جب حق کی ہدایت کی جاتی ہے (تو) اس کو قبول کر لیتے ہیں عزت نفس (الذی شہرت وخت) ان پر ظہیر نہیں کرتی۔ دیکھو جہاں بزرگ کرنے والے نے جب صحابہ سے کہا کہ ابھی تقسیم ذکر و جب تک محول اللہ صوفیہ علیہ وسلم کی خدمت میں نہ پہنچ جاؤ۔ سب سے اس کی بات مان لی اور کوشش نہیں کی۔ قوله فیہ دلیل علی ان اھل الدین و الفضل اذا اشدوا الی الحق یقبلوہ الی قولہ ولہم یجھوا۔

فت۔ حق بات کو تو فرمان میں لیں انھوں کے مقصد میں داخل ہے۔ صوفیہ کو جب سے

باب ۹۹

حدیث

لاحیٰ اللہ و لرسولہ

صحبہ بن جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گئی کسی کے لیے نہیں بجز اللہ کے اور اُس کے رسول کے۔

شرح ظاہر حدیث بتلا رہا ہے کہ گئی سب کی سب اللہ اور رسول کے لیے ہے۔ اب رہا یہ کہ گئی سے کیا مراد ہے؟ اور وہ بطریق و جواب کے ہے یا بطور استحباب کے؟ اور کون اس کا حذر دار ہے؟ اس کی شرحیں کیا ہیں؟ سو اس کو معلوم کر چاہیے۔ یہاں تو کہ گئی کے پانچ معنی (نعت ہیں) ہیں: ایک تو روک ٹوک کرنا۔ یعنی اس سے روکنا اور اس کی اجازت دینا یہ تو احکام کاملاً مقرر کرنا ہے۔ تو جسے اللہ نے روکنے کا حق دیا ہے وہ روک سکتا ہے اور میں کوئی نہیں دیا وہ نہیں روک سکتا۔ چنانچہ ارشاد ہے: ان الله مكم را اور حکومت (حرف اللہ کے لیے ہے۔ دوسرے معنی عزت اور شوکت ہیں۔ چنانچہ فرمایا ہے: والله العزيز على مولاه والظفر عزت تو اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے اور اس کے رسول کے لیے اور مومنین کے لیے۔ اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے: بالامیدان احترازنا ہم عزت ایمان کی وجہ سے عزت نہ ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ کہ ایک معنی مخالفت اور کچاؤ کے ہیں تو جو شخص اپنی مخالفت اور کچاؤ کا طالب ہو اس کو حقیقی مخالفت اور کچاؤ اللہ اور رسول ہی کے ذریعہ حاصل ہو سکتا ہے یعنی اللہ اور رسول کے اتباع اور تعمیل احکام

وینا اپنے سرداروں کی خدمت دل و جان سے کرتے اور اُن کی راحت کا اہتمام کرتے ہیں۔ طالبانِ آخرت کو اپنے مشائخ کے لیے اُن سے زیادہ کرنا چاہیے۔ ایک مشہور بزرگ کو لوگوں نے کثرتِ مجاہدہ (و ریاضت) پر ملامت کی تو فرمایا مجھے (میرے حال پر) چھوڑ دو۔ کیونکہ میرے سامنے ایک سخت گھاٹی ہے جس سے وہی گھوڑے پار ہو سکتے ہیں جو دہلی پٹی کروالے ہیں۔ ایک بزرگ کا ارشاد ہے: بالجد خذ لا بالکسل فانہ ليعالج عقابک فاعجب عقاب۔ بہت اور کوشش سے کام کرو سستی سے نہیں کیونکہ تمہارے سامنے عذاب بھی ہے اور کیا عذاب؟ (جس سے بچنے کے لیے کام کرنے کی ضرورت ہے۔) سستی اور غفلت کے ساتھ اُس سے نہیں بچ سکتے۔

قلید و قتب المحدث اشادہ لاصول الفقہاء فی قولہ داعی عجب۔

فت۔ اس پر کسی جمہور کی ضرورت نہیں۔ یہ تو معصوم و سلوک کا پہلا قدم ہے کہ آخرت کو دنیا سے معتمد و مقیم سمجھے۔ حالت سلام۔



سے جو کوئی حق تعالیٰ فرماتے ہیں، اسے نہ صرف اللہ تعالیٰ کے حکم کے مدد کر کے، بلکہ
 ہماری مدد کر کے گا۔ اور اللہ کی مدد سے ہر آدمی کے احکام کی بجا آوری اور منیت
 سے اجتناب ہے اور سنت رسول کی پیروی۔ کیونکہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں میں، یحکم
 الرسول فقد اطاع اللہ، جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔
 نیز ارشاد ہے یا ایہا النبی حبیب اللہ ومن اطاع منی اطاع اللہ میں نے تم کو
 اللہ کا پیغمبر بنایا اور وہ لوگوں کو آپ کے پیغمبر بنائے ہیں۔
 محمدی کے ایک معنی نقیب (زاوریت) اور ولایت بھی ہیں۔ جیسے حدیث میں ہے
 کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حجاز کے بارے میں دریافت کیا کہ
 بعض لوگ محض حبیبیت کی بنا پر قاتل کر دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ عاتق بن ابی رزینہ
 طائفی میں دوسرے قبائل سے لڑتے تھے جس کا نشانہ بجز قوی نقیب اور حبیبیت کے
 کچھ نہ تھا۔
 اب حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ حبیبیت اور نقیب مرتبہ اللہ اور رسول کے لیے
 ہونا چاہیئے۔ چنانچہ ارشاد ہے کوئی انصار اللہ۔ تم اللہ کے مددگار بن جاؤ۔ لیکن
 اس کا یہ مطلب نہیں کہ لوگ انہیں میں ایک دوسرے کی مدد کریں۔ اگر حبیبیت کے
 معانی ایک دوسرے کے مدد کریں وہ بھی اللہ ہی کے لیے ہے جیسا حدیث میں آیا ہے
 انصر علی ظالمنا واطعلیہا۔ اپنے جانی کی مدد کرو خواہ ظالم ہو یا مظلوم۔ مظلوم
 کی مدد کرنا ہر سہ کے لہذا ہی کے لیے ہے اور ظالم کی مدد سے کہ اس کو اللہ کے
 لیے علم سے روک دو۔ یہ بھی اللہ کی مدد ہے (کیونکہ اس میں حکم شریعی کی تعمیل ہے
 اور اللہ کی مدد سے ہی مراد ہے کہ اس کے احکام کی تعمیل کرو)۔
 محمدی کے ایک معنی نقیب اور ولایت کے ہیں جو حقیقت میں صاحب نقیب وہی ہے
 میں کہ اللہ اور اس کا رسول اپنی پناہ میں لے۔ چنانچہ ارشاد ہے قل ینصیبنا
 اللہ ما نکتب اللہ لنا۔ کہہ دیجئے ہم کو ہرگز کوئی نصیب نہیں، اسکی ہوا اس کے جو
 اللہ نے ہمارے واسطے مقدر کر دی ہے تو جس کو اللہ اور رسول نے اپنی پناہ میں

لے لیا اس پر کوئی اعتراض نہیں پاسکتا۔ اور دوسروں کی پناہ کوئی چیز نہیں اور اگر اللہ تعالیٰ کسی کی
 حمایت سے قتل بھی ہو جائے تو وہ ختم ہوئے وال ہے اور اللہ کی حمایت مطلق نہیں ہو
 سکتی۔ (پس یہاں ان معانی میں سے کوئی ایک مراد ہے یا) جو سکتا ہے کہ سب ہی مراد
 ہوں اور یہی زیادہ ظاہر ہے۔ جس جگہ ان معانی میں سے کسی ایک کا تعلق ہو وہاں
 اصل مستحق ارشاد رسول کے لیے ہے رات ہی کی بجائے اس کی ہے) چنانچہ یہی تعمیل
 سے حق تعالیٰ کا یہ قول ہے میں کان یرید العزۃ فذلک العزۃ جیسا جو کوئی عزت
 چاہتا ہو تو عزت سب کی سب اللہ کے لیے ہے۔ واللہ العزۃ ووسولہ وعلوہ میں
 لیکن ملت فحقین لا یجحدون، عزت اللہ کے لیے اور رسول کے لیے اور زمین کے لیے
 ہے لیکن ساقی نہیں جانتے۔ اس حدیث کے مناسب اسی کے معنی میں رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے ان اللہ اذهب عنکم عداۃ العجاہلۃ والافتخار
 بالانساب مضمون یعنی ان عاجز شقی، میں لو اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کی
 حقیقت اور نسب پر فخر کرنے کو دور کر دیا میں اب وہی قسم کے آدمی ہیں، یا مومن
 سکتی ہے یا قاریہ نبوت۔ نیز اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی (اسی کے مناسب) ہے۔
 اللہ انکم عنکم عن اللہ انتقمکم کہ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزیز اور مکرم
 وہ ہے جو سب سے زیادہ مستحق ہو تو اس (یعنی علی مسکون مظلوم) کو جاہلیت والے
 کو چھو کر کرتے تھے خواہ نسب پر فخر ہو یا کسی کی حمایت یا قومی حبیبیت اور سننے سننے
 احکام (و قارئین) بنانا اور ایک دوسرے کے مدد کرنا اور کسی کو پناہ دینا یا اپنی حفاظت
 کرنا۔ اس کے علاوہ دیگر امور میں جنفس کے خلاف (اور ولایت) تھے۔ لیکن نے
 ان میں سے کسی چیز کو اپنی نہیں رکھا، بجز اس کے جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم کے موافق ہو۔

جو شخص بغیر کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کے ان امور
 کو اختیار کرے اس سے طریقہ جاہلیت اختیار کیا اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 کے اس ارشاد کے تحت میں ہوگا ثانیۃ بنصرہ اللہ وودیعہ صحت استن

ہوجانے کا کہ یہ خاطر اس قسم میں داخل ہے تو کتاب سنت کے موافق عمل کرے۔ حدیث میں رسول اللہ ﷺ وسلم کی خلیفہ الشاہ نفاعت (یلافت) پر بھی روایت ہے کہ ایک انصاف میں آپ نے شریعت و حقیقت کے تمام احکام کو نبی کر دیا۔

قرنہ و عینہ اهل الخصم۔ بالاعراض و احوال الخلاق الا ان الله جلت احوال الشریعة والحقیقة کما یحدث بعض الناس لاختلافه بالانفرد۔

۴- عقائد اہل المذہب سے اس مقام پر مئی کے سب معنی بیان فرمائے مگر جو معنی فقہاء کے یہاں مشہور ہیں اُس کو چھوڑ دیا۔ فقہاء نے مئی کی تفسیر میں یہ بیان کیا ہے کہ کسی زمین کی خود رو گھاس کو روک دیا جائے کہ اس میں دوسروں کے جانور نہ چریں۔ حوت سرخار اور زمینداری کے جانور چر کر دیں۔ حدیث سے اس درجہ کو باطل کیا ہے کہ زمین کی خود رو گھاس سب کے لیے مباح ہے کسی کو اُس کو روکنے کا حق نہیں۔ حوت اللہ اور رسول کو مئی ہے۔ غلیظہ کو بھی اپنے ذاتی جانوروں کے لیے کسی زمین کی گھاس روکنے کا حق نہیں۔ حوت بیت المال کے جانوروں کے لیے روکنے کا حق ہے کہ اس میں دراصل سب مسلمانوں کا فائدہ ہے۔ جیسا حوت عترت بیت المال کے اونٹ گھوڑوں کے لیے بعض دیہات کی زمین مخصوص کر دی تھی کہ اس میں بیت المال کے جانوروں کے سوا دوسروں کے جانور نہ چریں۔ پس لامی اکا اللہ و رسول کا مطلب یہ ہوا کہ جو چیزیں سب کے لیے مباح ہیں اُن کو اپنے لیے کوئی نہیں روک سکتا۔ ہاں غلیظہ اسلام بیت المال کے لیے روک سکتا ہے کیونکہ بیت المال کو اللہ اور رسول سے تقسیم ہے۔ اس کی منفعت عام مسلمانوں کی منفعت ہے کسی خاص کی منفعت نہیں۔ اُمر بیت المال کے لیے کسی زمین کی گھاس وغیرہ کو نہ روکا جائے تو جہاد کے اونٹ گھوڑے پرورش میں پائے اور جہاد کا مقصد ہو جائے مسلمانوں کے حق میں سخت مغرب ہے۔ دُنیا میں وہی قوم زندہ نہ رکھتی ہے جبکہ پاس اپنی حفاظت کا پورا سامان ہو کسی قوم کا کہ وہ جو نادر دوسروں کو اپنے ہتھ کر لیتی دولت دیتا ہے۔ جیسے بکری کی کڑوی میٹھی روٹ کو اس پر چل کر لے کر دولت دیتی ہے۔ خوب سمجھ لو۔

فی الاسلام حسنة الجاهلیة۔ میں شخصوں سے اللہ تعالیٰ کو گرفت ہے۔ اُن میں سے ایک وہ ہے جو اسلام میں جا بیٹے کا طریقہ لائی کہسے۔ اور یہ حکم خاص و عام قریب و بعد سب کے لیے عام ہے جس کی تائید قرآن تعالیٰ کے اس قول سے ہوتی ہے قل ان کان اباکم و ابناءکم و اخواکم و ازواجکم و عصبی بیکم۔ فرما دیجئے اگر تمہارے باپ بیٹے بھائی اور بیویاں اور خاندان اور وہ مال جو تمہارے مجھ کیلئے ہے اور وہ مجھ سے جس کے منرا ہونے کا تم کو اندیشہ ہے اور وہ گھر یا جو تم کو پسند ہیں اللہ سے اور رسول سے اور اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کرنے سے لیا اور مجھ کو پسند ہیں تو اللہ کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا (دفعہ) حکم پہنچے۔ اس میں دوام اور خاص سب مشترک ہیں اس کو حکم الہی کا پورا جو نیز پر مقدم کرنا واجب ہے۔

۲۵۲) خواطر میں حوت ربانی اور ملکوتی کی حمایت کی جائے گی خاص کے لیے میں ایک خاص بات ہے اور وہ خواطر (کی نگہداشت) ہے کیونکہ خواطر نفس کی چار قسمیں ہیں۔ ربانی، ملکوتی، نفسانی، شیطانی۔ میں وہی دو کی تو حمایت کی جائے گی یعنی خاطر ربانی اور ملکوتی کی اور دوسرے جنگ کی جائے گی یعنی نفسانی اور شیطانی سے (اس حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ رسول میں جو باتیں تعالیٰ کے ساتھ آتی ہیں اور ان کو اصطلاحاً حویہ یا خواطر کہا جاسکتا ہے۔ اُن میں سے حمایت حوت اُن کی ہوگی جو اللہ و رسول کے ساتھ اتفاق رکھتے ہوں اور یہ خواطر کو اللہ و رسول سے علاوہ ہو جو کہ بعض نفسانی تعالیٰ شیطانی حکم کے ہواں کی حمایت نہیں کی جاسکتی بلکہ اُن کو نہ چاہیے اس طرح یہ شخص اس جاعت میں شامل ہو گا جس کے متعلق اللہ اپنے والدین جہاد و افسانہ تہذیب نہاد سبب۔ جو لوگ ہمارے واسطے مجاہدہ کرتے ہیں اُن کو ہم اپنے ماسوق پر مثال دیتے (اور مقصود ایک پیغام دیتے) ہیں یہ تو مٹتی کے لیے ہے جو نظر میں نہیں کر سکتا ہے اور مبتدع پر حیب کوئی خاطر خارج ہوا سے چاہئے کہ قرآن و حدیث پر اُسے ہمیشہ کرے اُس وقت اسے ملوم

حدیث

من لم یرثک باللہ دخل الجنة

ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ایک بار میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ جب آپ نے قبل امکو دیکھا فرمایا میں پسند نہیں کرتا کہ یہ پہاڑ میرے واسطے سنا بن جائے اور میرے پاس تین دن سے زیادہ اس میں سے ایک دینار بھی ہے سوائے اُس دنیا کے جسے قرآن (اور کرنے) کے واسطے رکھ چھوڑوں پھر فرمایا یا زید والے جی زیادہ کمی والے ہیں مگر وہ جمال کو اس طرف اور اس طرف (خرچ) کرتا رہے ابوشہاب (روای حدیث) نے (اس وقت) اپنے سامنے اور دائیں بائیں اشارہ کیا اور حضورؐ نے فرمایا، اور ایسے لوگ کم ہیں زیادہ وہی ہیں جو مال پر بن کر مال پر سانپ کی طرح جم جاتے ہیں غریبوں کو نہیں دیتے پھر فرمایا (اے ابوذر!) جب تک میں نہ آؤں تم ہی جگہ رہنا اور (یہ فرما کر) آپؐ کچھ دُور آگے بڑھ گئے میں نے ایک (انہی) آواز سنی تو حضورؐ کے پاس پہنچے کالادہ کیا پھر مجھے آپؐ کی بات یاد آئی کہ تم ہی جگہ رہنا اس لیے میں اپنی جگہ سے نہ ہٹ سکا) جب آپؐ واپس تشریف لائے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! (کیا چیز بخیر) جو میں نے سنی یا یہ کیا آواز تھی جو میں نے سنی (روای کو شک ہے کہ ان دونوں میں سے کون سا لفظ صحابی نے کہا ہے) فرمایا کیا تم نے بھی (آواز) سنی؟ میں نے عرض کیا ہاں۔ فرمایا میرے پاس جبرائیل (علیہ السلام) آئے تھے انہوں نے مجھ سے کہا کہ آپؐ کی امت میں سے جو شخص اس

حالت میں مرے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک (فدا) نہ کرتا ہو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ میں نے کہا اگرچہ اُس نے ایسے ویسے (گنہ گار) کئے ہوں۔ فرمایا ہاں اگرچہ اُس نے کیسے ہی کام کئے ہوں)۔

ظاہر حدیث سے معلوم ہوا ہے کہ جو شخص اسلام پر مرے گا جنت میں پہنچ کر صرح جائے گا اگرچہ اُس نے کیسے ہی کام کئے ہوں۔ اب رہا یہ سوال کہ جنت میں پہنچ جانے کا مطلب یہ ہے کہ اُس کو اصل عذاب نہ ہوگا یا یہ مطلب ہے کہ کسی نہ کسی وقت جنت میں ضرور جائے گا اگرچہ عذاب بھی دیا جائے تو جواب یہ ہے کہ ایک حدیث نے اُس کو صاف کر دیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایمان دو طرح کا ہے ایک وہ میں کا صاحب جہنم میں (اصل) نہ جائے گا۔ دوسرا وہ میں کا صاحب جہنم میں پیشہ نہیں رہے گا۔

یہ دوسرا ایمان وہ ہے جس کے ساتھ گناہ بھی ہوں اور پہلا ایمان وہ ہے جو احکام کی تعمیل اور انہی سے اجتناب کے ساتھ ہو۔ حدیث اس معنی میں بہت ہیں اور اہل قرینگی گناہوں سے صرف اس لیے ڈرتے ہیں کہ گناہ بگاڑ کر حالت بدل جانے کا اندیشہ رہتا ہے وگرنہ جہاد ہو کہ ایمان سلب ہو جائے (کیونکہ گناہ کفر کے قاصدین) (جیسے نیک اعمال ایمان کے قاصد ہیں یعنی نیکیوں کا سلسلہ ایمان سے وابستہ ہے اور گناہوں کا رشتہ کفر سے ملا ہوا ہے)۔

(۲۵۳) مباح چیزوں پر نظر ڈالنا جائز ہے حدیث سے معلوم ہوا کہ چلتے ہے۔ دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبل امکو دیکھا۔ اگر آپؐ چلتے ہوئے زمین کی عبادت پر نظر نہ فرماتے لیکن نگاہ اپنی کر کے چلا کرتے تو اہل حدیث کو ذرا بخیر سنئے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر دوہروں کی طرح نہیں تھی۔ آپؐ کی ہر نظر عبادت تھی کیونکہ وہ ہر جہت حاصل کرنے کے لیے جوتی تھی اور جب اس نیت سے نظر ڈالی جاتے تو کتب و سنت کے بیان سے وہ اپنی دہر کی جہت ہے۔ کتاب اللہ

میں ہے اور نہ نظرِ افاضی، مملکتِ السموات و الارض کی ان لوگوں نے آسمانِ قدس کے چھانپات (نقدت) میں نظر نہیں کی (بحوالہ شریعت) کی توجہ اور حضرت ابن ربیع شافعی ہوا جس سے معلوم ہوا کہ اس بیت سے زمین و آسمان کی طرف نظر کا ناظر مطلوب ہے) نیز ارشاد ہے ویتکونون فی ظلال العرش و انزل من السماء مطر فاما سجدت اور (عقلانہ لوگ) زمین و آسمان کی پیدائش میں غور کرتے رہتے ہیں اور کہتے ہیں اسے پروردگار! تو نے اس کو یکساں نہیں بنایا تو اس سے پاک جدا و عیث میں ہے اللہ اجمل نظر رکھ عرصہ اسے اللہ امیری نظر کو (مغیر) حیرت بنا۔

دہا یہ بات کہ حضورؐ کی نظرِ حیرت حاصل کرنے کے لیے حق اس کی دلیل یہ ہے کہ آپؐ نے قبل از اسلام کو دیکھ کر ایک قاعدہ عمرِ حرم بیان فرمایا (بلکہ خدا قدا اگر یہ نظرِ حیرت کے لیے نہ ہوتی تو کلامِ کلام تک دوسرا ہوتا۔ کیونکہ ہر کلام فکر کا نتیجہ ہے فکرِ کلام کا مقدمہ ہے اور مقدمہ کے مابقی نتیجہ ہوا کرتا ہے) جب یہاں توجہ نظرِ افاضی درجہ کا ہے تو یقیناً آپؐ کی نظر بھی اعلیٰ درجہ کی تھی! حضورؐ نے اس مقام پر جو مقدمہ عمرِ حرم بیان فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ خیر کی (یعنی مال کی) کتنا جائز ہے۔ دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کی عہد سے اشیاء میں انقلاب ہو سکتا ہے (پہاڑ سونا بن سکتا ہے) اگر سونا چاندی پہاڑ بنی تو پیدا ہوتا ہے۔ یہی کاشی جگہ سونا بن جاتی ہے کاشی جگہ چاندی کسی جگہ اوت و زمر و غیرہ تیسرے یہ کہ قرآن لین جائز ہے اور یہ دن یا اس سے کم مدت تک دنیا کا پاس رہنا دنیا جگہ کسے میں داخل نہیں اور جو رقم قرآن ادا کرنے کے لیے لگی جائے وہ بھی دنیا جگہ کرنے میں داخل نہیں چاہے کتنا دن سے زیادہ عمر تک رہے اور دنیا کو اس لیے حاصل کرنا کہ آخرت کے کاموں میں صرف کی جائے دنیا داری میں غفلت حدیث میں نہر کی ہدایت ہے یہ سب فوائدِ حضورؐ کے اس ارشاد سے معلوم ہوتے نہیں پسند نہیں کرتا کہ یہ پہاڑ میرے واسطے سونا بن جائے اور میرے پاس میں دن سے زیادہ اس میں سے ایک دنیا بھی رہے سوا اس دنیا کے جسے قرآن کے واسطے لکھ چھڑوں۔ اگر کوئی یہ کہے کہ حضورؐ نے مال کی کتنا توفیق کی بلکہ اس کی نفی کی ہے

تو کہہ جائے گا کہ حضورؐ نے میں دن سے زیادہ دیکھنے کی نفی کی ہے تن کی نفی میں کی جو لوگ معافی کلام کو سمجھتے ہیں وہ اس سے مطلقاً تنگ کی نفی میں سمجھ سکتے ہیں کیونکہ جب کلام میں کوئی قید ہو تو کلام کی طرف راجع ہوتا ہے و مقید کی طرف۔ علماءِ بلاغت نے اس کی تصریح کی ہے (حدیث سے اشارہ یہ بھی معلوم ہوا کہ قرآن کم کرنا چاہیے (زیادہ نہ چاہیے) کیونکہ حضورؐ نے قرآن ادا کرنے کے لیے ایک دینار دیکھ چھڑے گا کہ فرمایا۔ ایسا افلا نہیں فرمایا جو عمل و کثیر بک شامل ہو۔ جب آپؐ نے ایسا افلا اختیار کیا ہے جو فعل ہی کو شامل ہے اور لفظ عام اختیار نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ آپؐ کا مقصود وہی ہے جو ہم نے بیان کیا (کہ قرآن زیادہ نہ کرنا چاہیے) کسی نے کہا ہے (اقل صحت الدین نقص حرا) (اپنے زمر) قرآن کم کرو اور زیادہ کرے (زیادہ قرآن کرو گے تو آزادی میں غفلت پڑے گا) اور یہ جو آپؐ نے فرمایا کہ زیادہ مال داسے ہی زیادہ کھائی دالے ہیں اس میں چند احتیاجات ہیں۔ ایک یہ کہ ایسے لوگ (حساب و کتاب و عذاب سے) غفلت پانے والے کم ہیں کیونکہ ان کے ذمہ حقوق زیادہ ہوتے ہیں اور (حقوق کی وجہ سے) سناقتات (باز پرس و غیرہ) زیادہ ہوں گے اسی لیے کہا گیا ہے عذابا حساب و عذابا عذابا عذابا حساب (میں جتنا کرتا) ہے اور عذابِ عذاب (میں گرفتار کرتا) ہے۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ان لوگوں کے پاس نیکیاں کم ہوں گی اگرچہ وہ نیک کلام زیادہ بھی کریں۔ مطالبات کی کثرت سے نیکیاں کم ہو جائیں گی۔ کیونکہ میل جول اور نین وین میں ناجائز باتوں اور منوعات کا ارتکاب زیادہ ہوتا ہے جن کی اس کو خبر بھی نہیں ہوتی۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ان لوگوں کو (نیک اعمال کی) توفیق کم ہوتی ہے کیونکہ بعض لوگوں کو مالِ عبادات سے اور عبادات کے واسطے پرچنے سے مانع ہو جاتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ یہ سب معافی ملا ہوں۔ اسی لیے حضورؐ نے اس کے بعد فرمایا مگر وہ جو مال کو اس طرف اور اس طرف خرچ کرتا رہے یعنی ہر طرف جہاں عبادتِ نظر انہما با عبادتِ معلوم ہو خرچ کرے میں دینے نہ کرے۔ ایسا نقص البتہ حساب و کتاب اور مطلب سے غمازی پانے گا اس کی نیکیاں میں کم ہوں گی اس کو نیک اعمال کی توفیق

بھی زیادہ ہوگی کیونکہ اس کا دل جب مال سے پاک ہوگا اور اعمال خیر سے مال مانع نہیں ہوگا بلکہ اس کی محبت مانع ہوتی ہے۔

قرۃ فیہ دلیل علی جوان النظر فی المباحات الی قولہ ومن اجل هذا اعتقہ بقولہ علیہ السلام ان من قال بطلال حکذا حکذا۔

(۲۵۴) صحبت کا ادب یہ ہے کہ ساتھی کو اطلاع کئے بغیر جدا نہ چھوڑے معلوم ہوا کہ صحبت کا ادب یہ ہے کہ اپنے ساتھی سے بغیر اطلاع کے جدا نہ ہو۔ دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوذر رضی اللہ عنہ سے یہ کہہ کر جدا ہوئے کہ میرے آگے تک اسی جگہ پر رہنا (بغیر اطلاع کے جدا نہیں ہوتے)۔

قرۃ فیہ دلیل علی حب من ادب الصبیحۃ ان لا یغفلوا العاصب الی قولہ مکانک حتی یتکلم۔

ف۔ صوفیائے آداب محبت میں اس کی تصریح کرتے ہیں اور یہ مسئلہ آداب معاشرت میں سے ہے کیونکہ بغیر اطلاع کے ساتھی سے الگ ہو جانا اس کو پریشانی میں ڈالتا ہے۔ اور مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمانوں کو ایذا نہ پہنچے۔

(۲۵۵) عاشق بدگمان ہو تو کہے اور تم حکم کی بجائے اور سیب بڑی اطاعت ہے

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عاشق بدگمان ہوتا ہے (حق است و ہنر بدگمانی) دیکھو حب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوذر سے کہہ دو کہ آگے بڑھ گئے اور انھوں نے (انجمن) آواز نہ کی تو ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر (غصہ کا) اندیشہ ہوا اور چاہا کہ فوراً آپ کے پاس پہنچیں مگر آپ کا حکم یاد کر کے رک گئے اور اس سے معلوم ہوا کہ احکام کی بجا آوری سب سے بڑی طاعت ہے کیونکہ اگر بغیر رضی اللہ عنہی حکم کراچی جگہ پر جھے دے کہ حکم کی تعمیل سب سے زیادہ مقدم ہے۔ انھوں نے تعمیل حکم کو اپنے اس جذبہ پر ترجیح دی جو محبت کی وجہ سے پیدا ہوا تھا اگرچہ انجمنی آواز نہ سننے ہی کے بعد اس

پہنچیں) یہ عارضی کا مقام ہے کہ ان کی طاعت بجا آوری حکم کے لیے ہے اپنی خواہش سے نہیں اور جاہل کی حالت اس کے برعکس ہے کہ وہ اپنی خواہش کے موافق طاعات بجا لگائے (تہا بحکم کی پابندی نہیں کرتا)۔

قرۃ فیہ دلیل علی ان المحب یسودا لکل مولع اللہ قولہ والی علیہ وسلم۔

(۲۵۶) بدوں تحقیق حال کے احکام نہ بیان کئے جائیں کہ جہاں تحقیق کی ضرورت ہو وہاں بغیر تحقیق حال کے احکام (شرعیہ) بیان نہ کئے جائیں اگرچہ واقعہ معلوم بھی ہو۔ دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوذر سے ان کے اس کہنے کے بعد کہ یہ کیا آواز کی جڑیں نہ تھی چھوڑ یا تم نے یہ آواز کی؟ انھوں نے کہا ہاں اس کے بعد آپ نے بتلایا کہ یہ آواز جبریل کی تھی وہ مجھ سے یہ کہہ گئے ہیں۔ آپ کا دوبارہ پوچھنا حالانکہ آپ کو پہلے معلوم ہو چکا تھا کہ ابوذر نے آواز نہ کی ہے اس بات کو بتلایا ہے کہ احکام الہیہ کو اہتمام کرنا چاہیے اور غرضی احکام کے وقت تحقیق سے کام لینا چاہیے۔ اس وقت جبریل نے جو کچھ کہا تھا وہ احکام الہیہ میں سے ایک (عظیم الشان) حکم تھا تو حضور نے اس کو سرسری طور سے بیان نہیں کیا بلکہ اہتمام اور تحقیق کے ساتھ بیان فرمایا۔

قرۃ فیہ دلیل علی ان الاحکام لا تدکرا کم بعدا لثبوت الی قولہ ارشاد الی الاحکام بعدا للاحکام۔

(۲۵۷) اللہ تعالیٰ کی قدرت بہت بڑی ہے حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت بہت بڑی ہے وہ جس کو چاہے جیسا جس طرح چاہے اسے فرشتوں کی آواز و طور و سنہا دیتے ہیں اور جس کو چاہے اسے سننے سے روک دیتے ہیں۔ دیکھو بابت احادیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تمنا کے درمیان (بیٹھے ہوئے) وحی نازل ہوتی تھی پھر فرشتہ چلا جاتا اور تمنا میں سے کوئی بھی کچھ نہ سننا اور ابوذر رضی اللہ عنہ کو

اسلام کے لیے اس کو نافع بنائیں اور میرے لیے یہ کتاب ذخیرہ اور قلیل بہمت
بن جائے۔ دعا و دعا علیہ علیہ اللہ اعلم۔

چشمی ہوگی اگر برادر میرا مولوی شیر علی صاحب قناری سلا کا فکیر اور نہ
کروں کیا مجھ سے بہت محنت و اہتمام اور صرف نزدیک کر کے اس کتاب کو طبع کیا۔
اللہ تعالیٰ تمام دعاؤں کو ان کے لیے قبول فرمائیں اور ان کو جزائے فیض عطا فرمائیں۔
نہ نقش بسطہ شوشم نہ بخت سائو تو خوشم
نقشہ بیا تو خوشم چہ بابت و چہ مائیم

— قیمت پانچ روپے —

والحمد لله الذی بعثناہ وجالہ شرفہما لجات و صلی اللہ علیہ
علی سید الکائنات و اشرف المخلوقات سیدنا محمد و علیہ
اصحابہ و اولیائہ و ازواجہ طیبات الطاهرات و سلمہ
قلیل کثیر و کثیرا

احقر غلام احمد شاہی تہذیبی مدرسہ
اشرف المکرم ۱۳۶۵ھ مطابق ۱۶ اگست ۱۹۴۶ء عیسوی
ہفتا شہرہ کاکہ مشرق پاکستان۔

قدسے آواز سنا دی گئی تاکہ وہ جان لیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں۔

قوله فیہ دلیل علی عظیم قدرہ تعالیٰ قدرہ تعالیٰ قد لا یحیط ان اللہ علی کل
شیء قدير

فت۔ یہ بھی خوبصورت کا بڑا مسئلہ ہے اگرچہ حکمیں بھی اس کو بیان کرتے ہیں اور یہ مسئلہ
عقائد میں داخل ہے مگر اس کا پورا اکلنا صرف مولوی دگر کی ہی کو نصیب ہے یہ کسی نے نہ انصاف میں
مادہ کی کم کرتے ہیں اگرچہ بظاہر عقل سے بعید ہوں کیونکہ وہ قدرت خداوندی سے کسی چیز کو
بعید نہیں سمجھتے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو بھی بزرگوں کی اس دولت سے حصہ عطا فرمائیں۔ آمین۔

الحمد لله آية بروز شنبہ ۱۷ شوال المکرم ۱۳۶۵ھ کو روزہ اللہ و سب مہنتوں
کا دوسرا حصہ قرآن التزلزل کے ساتھ پڑھ دیا پھر حصار اولیٰ میں مذکور ہیں تمام ہوا املاک اس
وقت اس کی کچھ امید نہ تھی کیونکہ ۹ ماہ کی مسلسل طحالت نے تجھے تعین و تکلیف سے دوک
و یافقا۔ رمضان سے پہلے صغیر زیادہ تھا اور یہ برسہ تھا کہ رمضان میں روزہ و تلوذ کی کرم
سے ضعف بڑھ چڑھا جس نے کامرانا لڑنے کے رمضان و اعمال رمضان کی برکت سے صحت پہلے
سے اچھی ہو گئی اور شوال میں اس قابل ہو گیا کہ تیرے حصہ دوم پورا کر دوں۔

بہرہ انفوس کے حصہ اولیٰ و دوم میں کل سو عدد ہیں ہیں اور دیا پھر صفت کے خطوط
ہوئے ہے کہ انہوں نے بھاری کی تین سو عدد تھوڑی کی شریع کی ہے۔ عزیزی مولوی محمد ابراہیم
صاحب کا مذہبی مسئلہ اللہ تعالیٰ صحت و صحت دار العلوم دین بدست معلوم ہو گا کہ انہوں نے انفوس
کے دو حصے اور بھی لکھے ہوئے ہیں جو ان کے پاس پہنچ گئے ہیں مگر میرے پاس اب تک نہیں
پہنچے۔ اگر وہ دو حصے بھی مل گئے اور صحت و طاقت اور ترقی کے لیے بادی کی قوت اضافہ
ان کا ترجمہ بھی اسی طرز پر یا تو یہی کہ خدمت میں پیش کر دیا جائے گا ورنہ اسی قدر
کلیت سے دور کیا جب یہ کہہ گا اور صاحب ولی بقیہ جلدوں کا ترجمہ اسی طرز پر مجھ سے
اچھا کر دیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مسند بنیاد دارالزل و اصحاب و اہل بیت علیہم السلام سے
فیض اور نام بھاری روزہ اللہ علیہ اور یہی ان الیٰ چہ روزہ اللہ علیہ کے انہی خدمت کی
برکت سے اس خدمت کو قبول فرمائیں اور میرے اور جملہ احباب و اصحاب و برادران